فتاوی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

(۱۶)

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents



فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)



مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد شانزدہم (۱۶)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ______ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ______ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ______ فتاوی رضویہ جلد شانز دہم ۱۶
تصنیف ______ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ______ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ______ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ______ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ______ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ______ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ______ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ______ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ______ ۶۳۲
اشاعت ______ جمادی الاولٰی ۱۴۲۰ھ / ستمبر ۱۹۹۹ء
مطبع ______
ناشر ______ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ______

ملنے کے پتے

*مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا نوسال کے مختصر عرصہ میں یہ سولھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق کتاب الایمان، کتاب الحدودوالتعزیر اور کتاب السیر پر مشتمل پندرہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ___ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ___ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ___ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ___ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ___ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ___ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ___ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ___ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ___ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ___ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ___ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ___ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ___ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ___ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ___ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴

سولھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے صفحہ ۳۲۰ سے آخر تک ۴۳۲ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں تیرہویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشرکۃ اور کتاب الوقف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے انتہائی وقیع اور گرانقدر

تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(١) جوال العلو لتبیین الخلو (١٣٣٦ھ)

خلو کی تعریف اور اس کے شرعی حکم کا بیان

(٢) التحریر الجید فی حق المسجد (١٣١٥ھ)

اشیاء مسجد کو فروخت کرنے اور انھیں اپنے تصرف میں لانے کا حکم

(٣) ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری (١٣٣١ھ)

مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّی کے اس مسجد کے بارے میں فیصلے کا رد بلیغ۔ رسائل مذکورہ میں سے اول الذکر رسالہ تو پہلے سے ہی فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم کتاب الوقف میں موجود تھا جبکہ باقی دونوں رسالے اس سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت سے ان کو جلد ہذا میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے نیز رسالہ **التحریر الجید** کے بعد مسئلہ ١٣٥، ١٣٦، ١٣٧، ١٣٨ فتاوٰی افریقہ سے ماخوذ ہیں، یاد رہے کہ پندرھویں جلد میں **کتاب السیر** مکمل ہوچکی ہے اس کے بعد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں **کتاب المفقود** تھی جس کو **کتاب الطلاق** کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جاچکا ہے لہٰذا پیش نظر جلد (شانزدہم) کا آغاز **کتاب الشرکۃ** سے ہورہا ہے۔

جمادی الاولی ١٤٢٠ھ	حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ستمبر ١٩٩٩ء	ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رموز

محقق: علّامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علّامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علّامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار و حاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملّا خسرو علّامہ محمد بن فراموز

بحر: البحرالرائق، علّامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہرالفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علّامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلّی، ابن امیر الحاج

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

حَمد بَارِیٔ تعالٰی

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ

بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ

وَصَلٰوتُه دَوْمًا عَلٰی

خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ

حضرت رضا بریلوی

اس خدائے یکتا کی حمد وثنا

جو اپنے جلال میں یکتا ویگانہ ہے

تمام مخلوق میں سب سے اعلٰی انسان محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

پر خدا کی رحمت ہمیشہ ہمیش نازل ہوتی رہے!



فہرست مضامین مفصّل

مسجد میں درخت لگانا ممنوع، اور دوسروں کے بوئے ہوئے ہوں توان کو اس کی اجازت کے بغیر گھر لے جانا جائز نہیں۔	۴۳۱	بوقت ضرورت مسجد میں راستہ کو شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حصہ بالکلیہ مسجد کرلیا جائے۔	۴۳۳
مسجد کی اشیاء پر مالکانہ قبضہ حرام ہے۔	۴۳۱	لیکن ضرورۃً مسجد کو راہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو راستہ میں شامل کرلیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ بضرورت مسجد کے ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے سے گزر سکتے ہیں۔	۴۳۳
فنائے مسجد میں لگے ہوئے وضو کے پائپ کو بے وجہ شرعی اکھڑوانا شرعاً ممنوع ہے۔	۴۳۱	معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔	۴۳۴
پائپ عین مسجد میں قبل تمام مسجدیت لگا ہو تو اکھڑوانا منع اور تمام مسجدیت کے بعد لگا تو اکھڑوانا واجب ہے۔	۴۳۱	مسجد میں ناسمجھ بچوں کو لے جانے کی ممانعت ہے۔	۴۳۴
مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مسجد کی بے حرمتی اور حرام ہے۔	۴۳۱	جو شخص اجرت لے کر طلبہ کو پڑھائے اس کو مسجد میں تعلیم دینا سخت ناجائز ہے۔	۴۳۴
جو منتظم مسجد کی چٹائی کوٹھری میں بند کردے اور اپنی چٹائی بچھا کر نماز پڑھنے نہ دے ظالم ہے۔	۴۳۱	مسجد کی تعمیر کے لئے بانی کا شریف النسب ہونا ضروری نہیں۔	۴۳۵
مسجد پر قبضہ غاصبانہ کرنیوالے اور مذکورہ بالا صفات کے مالک شخص کی امامت کا حکم۔	۴۳۱	کسی مال کا حرام ہونا جب تک معلوم نہ ہو وہم کو دخل دینا منع ہے۔	۴۳۵
دستور اور عرف کے موافق مال وقف سے مسجد میں روشنی کی جائے۔	۴۳۱	مسجد کی شکل پر عمارت بنا کر عام نمازیوں کو اجازت دے دی مسجد ہو گئی، اور یہ کہنا کہ بانی نے وقف ہمیں کیا قابل قبول نہیں۔	۴۳۶
عام حالت میں نصف شب تک روشنی ہو۔	۴۳۱	گواہان عادل سے ثابت ہو کہ مسجد بنا کر بانی نے کہا میں اس کو صرف اپنے لئے بناتا ہوں، یا مسجد کا راستہ اپنی ملک سے الگ نہ کیا تو مسجد نہ ہوئی۔	۴۳۶
محراب اور دیوار قبلہ میں نقش ونگار مال وقف سے مکروہ ہے، ہاں واقف نے ایسا ہی کیا ہو تو بعد میں ویسا ہی کیا جائے اور نیت تعظیم مسجد ہو۔	۴۳۱	دیگر املاک جو مسجد سے متصل ہوں بے ثبوت شرعی وقف نہیں قرار دیئے جاسکتے۔	۴۳۷
قبل تمام مسجدیت مسجد کے نیچے تہ خانہ یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بنانا جائز ہے، اور تمام مسجدیت کے بعد ناجائز۔	۴۳۲		

مقبرہ کی عمارت زمین قبرستان کے لئے وقف کرنے کے بعد بنی تو یہ عمارت ہی ناجائز ہے۔	۵۳۳	قبر کے لئے زمین وقف کرنے سے پہلے اس زمین میں جو مسجد بنائی وہ ابدالآباد کے لئے مسجد ہوگئی، اس میں کسی قسم کا غلط تصرف ناجائز ہے، اور ویران ہوجائے تو آبادی لازم ہے، اور مقبرہ قرار دینے کے بعد بنائی تو وہ مسجد ہی نہیں لیکن ذاتی مکان بنانا یا زراعت اس میں اب بھی ناجائز ہے۔	۵۳۸
عام مقابر میں تعمیر وتصرف کی اجازت نہیں۔	۵۳۳	مسجد قبرستان کی ملک نہیں ہوسکتی۔	۵۳۹
قبریں اگر مملوکہ زمین میں ہیں تو کسی قسم کے تعمیر وتصرف کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔	۵۳۳	میت دفن کرنے والے اگر کچھ رقم دفن کرتے وقت دیتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ یہ مسجد میں صرف ہوتی ہے، اسی طرح قبرستان کے وہ درخت جن کا لگانے والا معلوم نہ ہو سوکھ جائے تو وہ لکڑی مسجد میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۳۹
قبریں خود اس کی زمین میں ہوں تو اس طرح تعمیر کرسکتا ہے کہ ستون اور بنیاد عین قبر پر نہ ہو۔	۵۳۳	موقوفہ قبرستان میں کوئی دوسرا کام مثلاً بازار لگانا، کھیت بنانا حرام ہے۔	۵۳۹
قبریں اگر غصبًا بنی ہوں تو زمین کا مالک چاہے تو زمین خالی کرکے تعمیر کرے یا انتظار کرے تاآنکہ میت بالکل راکھ ہوجائے تب اس پر تعمیر کرے۔	۵۳۴	مسلمانوں کی قبر کھودنا شدید جرم ہے۔	۵۴۰
جو زمین ہندو راجا نے مسلمان کو قبرستان کے لئے دی، اور انہوں نے اس کو قبرستان کے لئے وقف کیا اس میں کسی بھی ہندو یا مسلمان زمیندار کو حق ملکیت قائم کرنے یا تصرف کرنے کا حق نہیں۔	۵۳۵	جان بوجھ کر ظالم کی مدد کرنا اسلام کی رسی گلے سے نکالنا ہے۔	۵۴۰
قبرستان میں کسی نے درخت بویا، درخت بونے والے کی ملک ہے۔	۵۳۷	گورنمنٹ نے قبرستان کے جز حصہ پر قبضہ کرکے معاوضہ دیا تو اس سے ویسی ہی جائداد خرید کر قبرستان میں شامل کی جائے۔	۵۴۱
قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے جب تک سبز ہے اس کے کاٹنے کا حکم نہیں سوکھ جائے تو کاٹ سکتے ہیں۔	۵۳۷	آباد وقف کے بدلنے کی چار صورتوں کا بیان۔	۵۴۱
قبرستان میں جانور چرانا جائز نہیں۔	۵۳۷	وقف کی مصلحت شرط واقف کے خلاف میں ہو تو واقف اس میں مصلحت وقف کے موافق تغیر کرسکتا ہے۔	۵۴۲
ناجائز معاہدہ خود ہی باطل ہے۔	۵۳۷	واقف نے وقف نامہ میں شرط لگائی اور شرائط کی پابندی میں اغراض وقف کے خلاف لازم آتا ہے تو واقف کو تبدیل کی اجازت ہے۔	۵۴۳

ایک وقف کامال دوسرے میں بطور قرض بھی صرف نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۰	حق تولیت قابل ہبہ نہیں، واقف نے متولی کو اختیار نہ دیا ہو تو وہ کسی کو اپنے بدلہ متولی نہیں کرسکتا۔	۵۷۵
شریک مال مشترک سے اپنے حق بھر صرف کرسکتا ہے۔	۵۷۱	سجادہ نشین نے اپنے قائم مقام اور متولی کسی کو کیا اسے جو نذر وفتوح اسی کے لئے ملی وہ اس کی ہے اور جو بحیثیت سجادگی ملی وہ اس سجادہ نشین کی ہوگی۔	۵۷۶
متولی وقف قرض امر ضروری لابدی کیلئے قاضی کی اجازت سے لے سکتا ہے بشرطیکہ قرض کے سوا چارہ کار نہ ہو۔	۵۷۱	جو لوگ بحکم واقف یا بحسب عملدرآمدِ قدیم کسی وقف میں حق شرعی رکھتے ہوں وہ بلاوجہ شرعی کسی کے منع کئے منع نہ ہوں گے۔	۵۷۶
چٹائی اور تیل کا مصالح مسجد میں شمار ہے۔	۵۷۱	مستحق صرف اپنے حق کا مختار ہے، وقف میں اصل ورِاس متولی ہے۔	۵۷۷
واقف نے متولی کو اختیار نہ دیا ہو تو متولی اپنی جگہ کسی دوسرے کو متولی نہیں کرسکتا۔	۵۷۲	واقف پر جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہو اگر اس سے کم ادا ہوا ہے اور منتظم مرگیا تو باقی منتظم کے ترکہ سے وصول کیا جاسکتا ہے، اور زائد ادا ہوا تو اس کو واپس کیا جائے۔	۵۷۷
بددیانت واقف بھی تولیت سے علیحدہ کردیا جائے دوسرے کی کیا بات ہے۔	۵۷۳	کئی ایک متولیوں میں ایک فاسق ہو تو اسکو علیحدہ کرنا ضروری ہے۔	۵۷۸
مسجد کی رقم جو اپنے صرفہ میں لایا، یا مجبوری کے بغیر رشوت میں دیا اس کا تاوان دینے والے پر لازم ہے۔	۵۷۴	اپنے صرفہ سے متولی کا عام مسلمانوں کو برف پلانا معیوب نہیں۔	۵۷۹
ہندوستان میں تعزیر کی صورت صرف مقاطعہ ہے	۵۷۴	برف کا پانی پینے کے لئے مسجد میں مجمع نہ ہو۔	۵۷۹
قادر متدین مسجد کا متولی کیا جائے۔	۵۷۴	مسجد میں شوروغل ناجائز ہے اور غیر معتکف کو کھانا پینا ناجائز ہے۔	۵۷۹
متولی مال وقف کو قرض کے طور پر بھی نہ اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔	۵۷۴	جس شخص نے وقف کے خلاف کوشش کی وہ متولی نہیں بنایا جاسکتا۔	۵۷۹
نذر وفتوح جو جس کو دے اسی کی ہے، سجادہ نشین نے نذر وفتوح بالتنصیف دینے کا وعدہ کیا اس کا ایفاء اس پر واجب نہیں ہے۔	۵۷۵	وقف کی حمایت میں بولنے کے وقت خاموش رہنے والی متولیہ مجبور ہو تو معاف ہے ورنہ اسے بھی تولیت سے خارج کیا جائے۔	۵۸۰
جائداد موقوفہ کا ہبہ باطل ہے۔	۵۷۵		

فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہرگز تولیت مسجد کے لائق نہیں۔	۵۸۱	تقدیر کا منکر رافضی، معتزلی ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی ایسے شخص کو سنی مسلمانوں کے مدرسہ کا مہتمم نہیں رکھا جاسکتا۔	۵۸۵
اہل محلّہ بانی میں سے جس کے مقرر کردہ امام افضل ہوں وہی رکھے جائیں مساوات کی صورت میں بانی کے مقرر کردہ راجح ہیں۔	۵۸۱	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل۔	۵۸۵
موذن اور امام تنخواہ دار ہوں تو تنخواہ دینے والوں کو حق ترجیح ہے۔	۵۸۱	امام کو عذر شرعی کے بغیر امامت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔	۵۸۶
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۵۸۱	تنخواہ دار امام نوکر ضرور ہے لیکن خدمت گار نہیں مخدوم ہے۔	۵۸۶
کوئی شخص امامت کا اہل تو ہے مگر جماعت میں اس سے افضل لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں تو اس کو امامت کے لئے آگے بڑھنا نہ چاہیے۔	۵۸۱	امام مسائل شرعیہ سے واقف ہو تو اوقات صوم وصلوٰۃ میں اس کی اتباع لازم ہے البتہ خود امام پر تکثیر جماعت کی رعایت بھی ضروری ہے۔	۵۸۷
خائن متولی نہیں ہوسکتا۔	۵۸۲	وقف کے معاملات میں اگر گورنمنٹ خلاف شرع مداخلت کرے تو تاحد امکان اس کی مزاحمت کی جائے۔	۵۸۷
جس گواہی کو لوگ جھوٹا سمجھیں اسمیں کئی احتمال ہیں۔	۵۸۲	جو کہے میں مسائل شرعیہ نہیں جانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔	۵۸۷
وقف کی تولیت میں وراثت نہیں چلتی، بھائی اور بیٹے میں جو اہل ہو اسی کو متولی کیا جائے۔	۵۸۳	سود خوار آمدنی کے باوجود مسجد کے ضروری اخراجات نہ دینے والا متولی واجب الاخراج ہے۔	۵۸۷
جس نے دینی مدرسہ کو اپنے اغراض کا آلہ کار بنایا اور غلط الزام سے مسلمانوں کو بدنام کیا اور ادارہ کے دستور کی بلاوجہ خلاف ورزی کی درجہ ہمام کا لالچی ہے، اور بہ ہوائے نفس اس کے لئے کوشاں ہرگز تولیت کے لائق نہیں۔	۵۸۴	ناتوانی اور بیماری رفع صحت وقف نہیں۔	۵۸۸
		بدحواسی کا دعوی شاہدان شرعی کے بغیر نامقبول ہے۔	۵۸۸

فہرست ضمنی مسائل



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشرکۃ

(احکام شرکت کا بیان)

مسئلہ ۱: ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دیار میں دستور ہے کہ پاٹ سن کی ڈھیر علیحدہ علیحدہ پانی میں بھگوتے ہیں، امسال کنوار کے مہینہ میں بہت سخت طوفان اور بارش کے سبب سے سب کے ڈھیر کو اکٹھا کرڈالا، بعدہ اکثر نے نہیں لیا بعض نے اس مال کو قبض کیا اور انتظام دے کر طیار کیا اب قبض کرنے والے بعض ان اکثر کو کہتے ہیں تمہارا جتنا ہو لے لو، وہ لوگ کہتے ہیں جب ہمارا مال کا کوئی شناخت نہیں ہم نہیں لیتے، اب قبض کرنے والے لوگ خود خرچ کریں یا فقراء اور مساکین کو تقسیم کردیں اور قبض کرنے والے پر حلال ہو تو فقراء اور غنا ہونے میں برابر ہے یا تفاوت ہے؟

الجواب:

جب وہ لوگ نہیں لیتے تو قابضین صرف اپنا حصہ لے لیں باقی فقراء پر تصدق کردیں، ان میں اگر کوئی فقیر ہے تو اسے بھی دے سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از کوہ نینی تال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمود بیگ و عبدالغفور بیگ دو بھائیوں کی دکان کوہِ نینی تال پر تھی، دونوں نے مال واسبابِ دکان اپنے باپ کے ترکہ سے پایا اور دونوں یکجا کارکن رہے اور یکجا ان کا

خوردونوش تھا، کوئی غیریت کسی بات میں نہ تھی، محمود بیگ مع اپنی والدہ ولایتی بیگم کے آمدنی دکان سے چھ سوروپے حج کو گیا اور سب سامان دکان عبدالغفور بیگ کے سپرد کر گیا، بعد ان کی واپسی کے پھر عبدالغفور بیگ اسی آمدنی سے تین سوروپے کرلے کر حج کو گیا اور اپنی زوجہ امراؤ بیگم اور ایک لڑکا یکماہہ عبدالشکور اپنی والدہ اور بھائی کے پاس چھوڑ گیا، راستہ میں مقام احمد آباد میں اس کی طبیعت بگڑی، کل اسباب اسٹیشن پولیس میں داخل کرکے محمود بیگ کو تار دیا، وہ فوراً روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبدالغفور بیگ نے انتقال کیا، وہ روپیہ اور اسباب جو اسٹیشن میں تھا محمود بیگ واپس لایا، اس صورت میں اس روپے کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہ صرف محمود بیگ کو ملے گا یا وارثان عبدالغفور بیگ بھی اس سے حصہ پائیں گے اور کیونکر پائیں گے؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جبکہ وہ تین سوروپیہ اسی دکان مشترک کی آمدنی تھا جس کے دونوں بھائی بحصہ مساوی مالک تھے تو وہ روپیہ بھی نصف نصف ان دونوں کی ملک تھا، سائل مظہر کہ روپیہ عبدالغفور بیگ اپنے بھائی کی اجازت سے لے گیا تھا اب یہ اجازت قرض تھی خواہ ہبہ خواہ اباحت، بہر حال کل یا بعض جس قدر باقی تھا جسے محمود بیگ احمد آباد سے لے آیا اس کے مقدار نصف میں محمود بیگ کا حق ہے اور نصف عبدالغفور بیگ کا کہ بر تقدیر عدم موانع ووارث آخر وتقدیم مایقدم چوبیس سہام ہو کر اسکے وارثوں پر یوں تقسیم ہوگا:

امراؤ بیگم	ولایتی بیگم	عبدالشکور
۳	۴	۱۷

بحالت قرض توظاہر کہ نصف مضمون تھا تو ما کا مطالبہ محمود بیگ کا ترکہ عبدالغفور پر رہا خواہ اسی روپے سے ادا کریں یا اس کے غیر سے "لان الدیون تقضی بامثالها" (کیونکہ قرض اپنی مثل سے ادا کیا جاتا ہے۔ت) اور بحالت اباحت بھی ظاہر کہ اباحت بعد موت باطل ہو جاتی ہے،

لانها لیست تملیکا حتی تجری فیها الارث بل تحلیل تصرف للمباح له.فاذا مات او مات المبیح بطلت امافی الثانی فلانتقال الملك كما علل به فی الخیریة واما فی الاول فلعدم الملك لینتقل كما اشرنا الیه۔	کیونکہ یہ تملیک نہیں ہے تاکہ اس میں وراثت جاری ہو، بلکہ اس کے لئے ایک مباح چیز میں تصرف کو حلال قرار دینا ہے، توجب وہ یا مباح کرنے والا فوت ہوجائے گا تو باطل ہوگی، لیکن ثانی میں تو ملکیت کے انتقال کی وجہ سے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں اس کو وجہ بتایا ہے مگر پہلی میں ملکیت نہیں تاکہ منتقل کیا جائے جیسا کہ ہم نے اس کا اشارہ دیا ہے۔(ت)

اور بحالت ہبہ تین سو میں سے ڈیڑھ سو کا ہبہ قابل قسمت میں ہبہ مشاع ہے کمانص علیہ علماؤنافی غیرما کتاب (جیسا کہ اس پر ہمارے علماء نے متعدد کتب میں نص فرمائی ہے۔ت) اور ایسا ہبہ مذہب صحیح پر محض بے اثر کہ بعض قبض بھی مورث ملک نہیں ہوتا جب تک جدا کرکے واہب کی طرف سے تسلیم نہ واقع ہو کما حققه فی الخیریة والعقود الدریة ورد المحتار وغیرھا (جیسا کہ خیریہ، عقود دریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) تو وہ ڈیڑھ سو بدستور ملک محمود بیگ پر رہے، ان دونوں صورتوں میں بعینہٖ انہیں روپوں کا نصف محمود بیگ کو ملنا چاہئے، غرض باقی کی نصف مقدار میں ہر طرح محمود بیگ کا استحقاق ثابت، ہاں جس قدر عبدالغفور بیگ صرف کرچکا تھا اس کا نصف بھی محمود بیگ کو ملے یا نہیں، یہ محل نظر ہے، اگر ثابت ہو کہ وہ روپے اس نے قرضًا یا ہبۃً دئے تھے تو بیشک ملنا چاہئے "لضمان القرض وبطلان الھبة فانقلبت مضمونة بالاستھلاک" (قرض کے ضمان اور ہبہ کے بطلان کے سبب لہٰذا اہلاک کرنے پر ضمان ہوگا۔ت) اور اگر اباحۃً دئے تھے یعنی مجرالینا منظور نہ تھا نہ ان ڈیڑھ سو کا عبدالغفور بیگ کو مالک کیا تھا بلکہ جیسے بحالتِ اتحاد و یکجہتی ایک مال دوسرے کے خرچ میں آجاتا ہے اور اس کا معاوضہ مقصود نہیں ہوتا یوں دئے تھے تو جو صرف ہوگئے ہوگئے، ان کا بدل محمود بیگ کو نہیں مل سکتا "لان الاباحة تصح فی المشاع ولاتضمن" (کیونکہ اباحت حصص والی چیز میں صحیح ہوتی ہے اور اسی پر ضمان نہیں آتا ہے۔ت) اور بیشک عرف ناس پر لحاظ سے یہاں ظاہر یہی صورت ہے اور ظاہر پر عمل واجب جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو، کہ عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔ خیریہ میں ہے:

ان کان العرف قاضیاً بانھم یدفعونه علی وجه البدل یلزم الوفاء به، وان کان العرف بخلاف ذٰلك بان کانوا لا ینظرون فی ذٰلك الٰی اعطاء البدل فلارجوع فیه بعد الھلاك والاستھلاك والاصل فیه ان المعروف عرفا کالمشروط شرعا[1] اھ ملخصًا۔	اگر عرف بتائے کہ لوگ اس کو بدلہ کے طور پر دیتے ہیں تو پھر بدلہ پورا کرنا لازم ہے اور اگر عرف اس کے خلاف ہو کہ لوگ اس میں عوض کے منتظر نہیں ہوتے تو پھر ہلاک کرنے ہلاک ہوجانے پر رجوع نہیں کیا جائے گا، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ عرف میں مشہور معاملہ شرعًا مشروط کی طرح ہوتا ہے اھ ملخصًا (ت)

ظہیریہ میں امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول:

التعویل علی العرف حتی یوجد وجه یستدل به علی غیر ما قلنا[2]۔	عرف پر اعتماد ہوگا اگر موجود ہو تو یہ قابل استدلال وجہ بن سکے گا جیسا کہ بہت دفعہ ہم ذکر کرچکے ہیں (ت)

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] فتاوٰی ظہیریة

ولہذا باآنکہ اگر زید عمرو کو کچھ روپے دے کہ خرچ کرے، یا اپنی حاجتوں میں اٹھا، یا ان سے راہِ خدا میں جہاد کر، تو قرض ٹھہرتا ہے اگر شوہر عورت کو دے کہ کپڑے بنا کر میرے پاس پہن ہبہ ٹھہرے گا، یونہی طالب علم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے ہبہ قرار پائے گا کہ یہاں عرف قاضی تملیک ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

دفع الیه دراهم فقال له انفقها ففعل فهو قرض کما لوقال اصرفها الی حوائجک[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ دراہم دئے کہ خرچ کرو تو اس سے لے کر خرچ کرلئے تو یہ قرض قرار پائے گا جیسے کوئی یوں کہے کہ یہ اپنی ضروریات میں صرف کرو (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لأخر خذ هذا المال واغزفی سبیل الله عزوعلا فهو قرض کذا فی الظهیریة[2]۔	اگر یوں کہا یہ مال لو اور فی سبیل اللہ جہاد کرو، تو یہ قرض شمار ہوگا، ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اعطی لزوجته دنانیر لتتخذ بها ثیابا وتلبسها عنده فدفعتها معاملة فهی لها قنیة[3]۔	خاوند نے بیوی کو کچھ دینار دئے کہ وہ کپڑا لے کر گھر میں لباس کے طور پہنے تو بیوی نے وہ دینار آگے معاملہ کے طور پر کسی کو دے دئے تو بیوی کو اختیار ہے، قنیہ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لمتفقه اصرف هذه الخشبة الی کتبك فهو هبة والصرف الی الکتب مشورة کذا فی القنیة[4]۔	کسی نے طالبعلم کو کہا کہ یہ لکڑی لے جا کر اپنی کتب کے لئے استعمال کرو، تو یہ ہبہ ہوگا، اور کتب کے لئے استعمال صرف مشورہ ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

اسی طرح اگر کسی کو مثلاً قاب پلاؤ یا اور کوئی عاریت کا نام کرکے دیا تو قرض ٹھہرے گا "لان عاریة مالا ینتفع به الا بالاستهلاك قرض" (کیونکہ ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو صرف کرکے ہی نفع لیا جاسکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے۔ ت) اور ان میں باہم دوستی واتحاد ہے تو اباحت "لمکان العرف" (اباحت ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔ ت) درمختار

---

[1] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الهبة تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الهبة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[4] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

میں ہے:

لو اعارہ قصعۃ ثرید فقرض ولو بینھما مباسطۃ فاباحۃ[1]۔	اگر ثرید کا پیالہ عاریۃً دیا تو قرض ہوگا اور لین دین والوں میں بے تکلفی ہو تو یہ اباحت ہے(ت)

بالجملہ مدار عرف پر ہے اور یہاں عرف قاضی اباحت کہ جو بھائی باہم یکجا رہتے اور اتفاق رکھتے اور خورد ونوش وغیرہا مصارف میں غیریت نہیں برتتے، ان کی سب آمدنی یکجا رہتی ہے، اور جسے جو حاجت پڑے بے تکلف خرچ کرتا اور دوسرا اس پر راضی ہوتا اور واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا، نہ وہ آپس میں یہ حساب کرتے ہیں کہ اس دفعہ تیرے خرچ میں زائد آیا اتنا مجرا دے، نہ صرف کے وقت ایک دوسرے سے کہتا ہے میں نے اس روپے سے اپنے حصے کا تجھے مالک کردیا بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ باہم ہمارا ایک معاملہ ہے جس کا مال جس کے خرچ میں آجائے کچھ پروا نہیں، اور یہ عین معنی اباحت وتحلیل ہے توجب تک اس کا خلاف دلیل سے ثابت نہ ہوگا اباحت ہی قرار دیں گے اور زر صرف شدہ کا نصف محمود بیگ کو نہ ملے گا، **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۴۳: از ریاست رام پور بلاسپور دروازہ مرسلہ شہزادہ میاں معرفت مولوی سید خواجہ احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی تعدادی (۳۳لعہ/عگہ) پختہ کے چند اشخاص بذریعہ میراث بطور اشتراک مالک تھے اور اسی طرح چند روز تک مالک رہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے (للعہ عگہ ۱۴بسوہ) پختہ اراضی پر منجانب سرکار قبضہ ۱۳۰۸ سنہ ف میں ہوگیا، یہ مقبوضہ اراضی سرکارہ وہ ہے کہ جس میں اشخاص مذکورہ بالا کے مورث نے بازار پینٹھ لگایا تھا، بعد ازاں اراضی مذکورہ مع اس اراضی پینٹھ والے کے ۱۳۱۴ سنہ فصلی میں باہم تقسیم ہوگئی اور عملدرآمد سرکار میں بھی اس تقسیم کا ہوگیا اور حصص ہر ایک کے مشخص اور ممتاز ہوگئے۔ مثلاً زید کے حصے میں یہ اراضی مقبوضہ سرکار پینٹھ والی مع کچھ دیگر اراضی کے (جملہ لعہ ۴ عگہ) پختہ آئی اور سب شرکاء رضامند اس تقسیم ہوگئے اور زید نے اور ایک بیگہ اراضی دیگر شرکاء سے منجملہ ۷؍ ۶ بیگہ پختہ کے خرید بھی لی بعد ان معاملات کے زید نے سرکار میں چارہ جوئی کی اور چاہا کہ سرکار اپنا قبضہ اراضی پینٹھ مذکور پر سے اٹھالے، سرکار نے قبضہ تو نہیں اٹھایا لیکن معاوضہ میں بجائے قبضہ اٹھانے کے دیگر اراضی دے دینے کا حکم دے دیا، اور سرکار کے قبضہ کو اس اراضی پر اٹھارہ ۱۸ سال ہوئے سترہ ۱۷ سال کے منافع کے بابت اندازہ ظاہر کرکے صرف مبلغ (الما للعہ نقد ۸) دے دینے کا بھی حکم صادر فرمادیا۔ اب دیگر شرکاء زید جو اسکے سابق میں شریک تھے وہ چاہتے ہیں کہ اس زر نقد سرکار کے عطیہ میں سے ہم کو بھی ملنا چاہئے، جس حاکم کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے ان کی رائے ہے کہ روپیہ مذکورہ سترہ سال پر

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

بانٹا جائے۔جب سے کہ تقسیم ہو گئی ہے یعنی ۱۳۱۴ف لغایت ۱۳۲۵ فصلی، تو زید کو تنہا جائے، اور جتنے زمانہ تک اراضی مشترکہ یعنی از ابتداء لغایت ۱۳۱۳ف بلحاظ حصص شرکاء روپیہ تقسیم کیا جاوے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اراضی پینٹھ والی اب سرکار میں خالص حق وملک زید کی قرار پائی ہے اور زید ہی نے کوشش کرکے معاوضہ کا حکم کرایا، اور سرکار سے روپیہ بھی تنہا زید ہی کو دے دینے کا حکم ہوا، ایسی صورت میں کیا زمانہ اشتراک کا عذر کرکے دیگر شرکاء بھی رقم مذکورہ میں سے لینے کے مستحق ہیں یا کیا؟ امید کہ جواب صاف صاف بلارُو رعایت تحریر فرمایا جائے، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

حق کے سوا کسی کی رو رعایت خادمانِ شرع کا کام نہیں، اگر وہاں کچھ فتوٰی نویس اسکے عادی سمجھے ہوں تو سب کو ان پر قیاس نہ کیا جائے، وہ زمین اگر سب شرکاء کی طرف سے معد للاستغلال تھی اور ریاست کو اس کا علم تھا **کما فی الدر عن الخیر الرملی** (جیسا کہ درمختار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے۔ت) یا اس کا ایسا ہونا عام طور پر معروف تھا **کما فی ردالمحتار ویؤیدہ مسألۃ الخان والحمام فی الاشباہ والدر** (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے جس کی تائید خانوت اور حمام والا مسئلہ کررہا ہے جو اشباہ اور درمختار میں مذکور ہے۔ت) تو بلاشبہہ یہ معاوضہ تا زمانہ شرکت حسب حصص سب شرکاء کا ہے،

لان الاعداد قائم مقام الایجاب والاخذ مقام القبول فکانوا کلھم عاقدین فوجب الاجر لھم جمیعا۔	کیونکہ تیار کرنا ایجاب اور لینا قبول کے قائم مقام ہوتا ہے، تو یہ تمام لوگ عقد کرنے والے قرار پائینگے تو سب کے لئے معاوضہ واجب ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے یہ صورت کہ متصرف زید تھا اور وہ سب شرکاء کا کارکن، اور اس نے سب کے لئے اعداد کیا،

فانہ اذن منھم جمیعا بحکم الاذن ولو فی ضمن العموم۔	کیونکہ وہ ان سب کی طرف سے اجازت ہو گی اگرچہ اذن عموم کے ضمن میں پایا گیا۔(ت)

اور اگر اعداد سب کی طرف سے نہ تھا زید نے تنہا اپنے لئے کیا اور اس حالت میں ریاست نے اسے لیا اور اب یہ معاوضہ دیا تو اس کا مالک تنہا زید ہے،

لانہ ھو العاقد والمنافع لاتتقوم الا بالعقد فلا تکون الا لہ کما فی الھندیۃ والخیریۃ والعقود الدریۃ۔	کیونکہ وہ اکیلا ہی عاقد ہے جبکہ منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں لہٰذا یہ صرف اسی کے لئے ہونگے جیسا کہ ہندیہ، خیریہ اور درر میں ہے(ت)

مگر تا زمانہ شرکت بقدر حصص شرکاء زید کے لئے ملک خبیث ہے **لتصرف فی ملك غیرہ** (غیر کی ملکیت میں تصرف کی وجہ سے) اس پر لازم ہے کہ اس قدر تصدق کرے یا شرکا کو دے اور یہی اولٰی ہے **کما فی الخیریۃ**

وغیرھا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور ان کے لئے طیب ہوگا لانہ نماء ملکھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت میں اضافہ ہوا ہے۔ ت) اور اگر معد للاستغلال نہ تھی تو کسی شریک کے لئے کوئی معاوضہ ریاست کے ذمے نہ آیا لعدم الاجارۃ صراحۃ ولا دلالۃ (اس لئے کہ اجارہ نہ صراحۃً ہے نہ دلالۃً۔ت) جو کچھ دیا وہ محض ہبہ وعطیہ ہے جسے دیا تنہا اسی کا کام ہے اور تمام وکمال اس کے لئے طیب وحلال ہے،

لانہ لیس عوضاً من مشترک حتی یحتمل اشتراک الشرکاء فیہ۔یہ	مشترکہ چیز کا معاوضہ نہیں تاکہ اس میں شرکاء حضرات کی شرکت کا احتمال ہو۔(ت)

مگر یہ کہ شرکاء میں کوئی یتیم ہو تو البتہ اس کے حصے کے قابل بعد اخذ ریاست تا انتہائے شرکت جتنے دنوں وہ نابالغ رہا ہو اس قدر کا حصہ اس یتیم کو دینا واجب ہے،

لانہ منافع مالہ کمنافع الوقف مضمونۃ بالاستھلاک بلاشرط الاعداد کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	کیونکہ یتیم کے مال کے منافع وقف کے منافع کی طرح ہلاک کرنے پر مضمون ہوجاتے ہیں اگرچہ یہ شرط نہ کی گئی ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ مشہور کتب میں ہے(ت)

یہ استثناء صورت ثانیہ میں بھی جاری ہوگا اور قدر حصہ یتیم میں زید تصدق کا اختیار نہ رکھے گا بلکہ یتیم ہی کو دینا واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴ تا ۱۰: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان ومحمد صاحبان ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ خالد کے پانچ پسر، زید، بکر، حامد، جعفر اور تین دختر ہیں، خالد نے مکان مسکونہ بنوایا۔ زید، بکر، عمرو جنکی شادی ہوگئی تھی اور بالغ تھے کچھ روپے سے اس کی تعمیر میں خالد کے شریک ہوئے۔ چند سال بعد خالد نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ، مکانات واسباب دکانداری وغیرہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کیا اور یہ مکان مسکونہ بھی اس ہبہ نامہ میں درج ہوا، ہبہ نامہ کی تحریر کے بعد تین سال تک خالد زندہ رہا مگر جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر جس کو وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود قابض رہا۔ خالد کی حیات میں زید، بکر، عمرو، حامد واسطے خورد ونوش کے فی کس پانچ روپے دیتا تھا اور سبھوں کا کھانا یکجائی پکتا۔ جعفر صغیر سن تھا اسی وجہ سے شریک نہ تھا، ہر پسر اپنی اپنی آمدنی علیحدہ اپنے پاس رکھتا تھا اور امور خانگی میں خود خرچ کرتا تھا، صرف کھانا یکجائی تھا، بعد انتقال خالد ہندہ کے زمانہ میں بھی خورد ونوش کا ایسا ہی انتظام رہا، اور دکان بلا فہرست اسباب عمرو کے سپرد ہوئی اس شرط پر کہ وہ ایک آنہ ۱/فی روپیہ دستوری لے لیا کرے جب مال فروخت ہو، اور وہ حساب کتاب بھی لکھتا رہے۔

تھوڑے دنوں تک عمرو نے حساب کتاب لکھا مگر پھر خود ہی بند کردیا۔ بعد وفات خالد ہندہ کے حیات میں

مکان مسکونہ میں تعمیر مزید کی ضرورت ہوئی اور حامد نے کام شروع ہونے میں روپیہ دیا، روپے کی کمی عمرو پوری کرتا تھا جن کے تعلق دکان تھی اور اپنی انگریزی پہری بھی پہرتا تھا مگر آمدنی دونوں کی یکجا رکھتا تھا اس اثناء میں خاص اپنا روپیہ لگا کر زید نے اپنے لئے بنگلہ اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا جو اب تک قائم ہے ہندہ کے انتقال کے بعد حامد نے ایک بنگلہ اپنے واسطے اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا، اور یہ اس روپے کے علاوہ ہے جو کہ حامد نے تعمیر مزید کے شروع کرنے میں دیا تھا، دیگر یہ کہ زید کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو دو آنہ فی یوم اب تک دکان سے جو عمرو کے متعلق ہے ملتا ہے۔ اور عمرو کا بیان ہے کہ دکان کے ذمہ قرض بھی ہے مگر خالد وہندہ نے کوئی قرضہ نہیں لیا تھا اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے مکان مسکونہ کس طور پر تقسیم ہوگا؟ **(۱)** آیا زید وبکر وعمرو کا روپیہ جو حیات خالد وہندہ میں لگا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۲) حامد کا روپیہ اور زید کا بنگلہ جس کا وقوع بعد انتقال خالد مگر ہندہ کی حیات میں ہوا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۳) حامد کا بنگلہ جو بعد وفات خالد وہندہ کے تعمیر ہوا مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۴) دختروں کو مکان مسکونہ میں کس قدر حصہ پہنچ سکتا ہے صرف اس قدر مکان میں جو خالد کے انتقال کے وقت تھا یا نئی تعمیر سے لے کر؟

(۵) عمرو کی دکان کا حساب نہ لکھنے پر کوئی الزام اس پر آسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) زید کے بیوہ کو دو آنہ ۲/ فی یوم جو دکان سے ملتا ہے واپس ہوگا یا نہیں؟

(۷) عمرو کو جو قرضہ دکان مجرا ہوگا یا نہیں؟ **فقط بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: ان مسائل میں اصل کلی یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے اگر دیتے وقت تصریح ہو کہ یہ دینا فلاں وجہ پر ہے مثلاً ہبہ یا قرض یا ادائی دین ہے جب تو آپ ہی وہی وجہ متعین ہوگی اور اگر یہ کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے اگر اپنی نافع نیت بتائے گا مثلاً کہے میں نے قرضًا دیا قرض میں دیا ہبہ مقصود نہ تھا تو اس کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہو وہ محتاج اقامت بینہ ہوگا مگر جبکہ قرائن ودلائل عرف سے اس کا یہ قول خلاف ظاہر ہو تو نہ مانیں گے اور اسی کو اقامتِ بینہ کی تکلیف دیں گے بکثرت مسائل اسی اصل پر متفرع ہیں، مداینات العقود الدریۃ میں بزازیہ سے ہے:

القول قول الرافع لانه اعلم بجهة الدفع[1]۔	دینے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ دینے کی وجہ کو وہ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب المداینات القول قول الرافع الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۴

فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح میں ہے:

دفع الی غیرہ دراھم فانفقھا وقال صاحب الدراھم اقرضتکھا وقال القابض لابل وھبتنی کان القول قول صاحب الدراھم[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ درہم دئے تو اس نے لے کر خرچ کر لئے، دراہم دینے والے نے کہا میں نے تجھے قرض دئے تھے اور لینے والا کہتا ہے نہیں بلکہ تو نے مجھے ہبہ دیا ہے، تو دینے والے کی بات معتبر ہوگی (ت)

جامع الفصولین فصل رابع وثلثین میں ہے:

صدق الدافع بیمینه لانه مملک[2]۔	دینے والے کی بات قسم کے ساتھ مصدقہ قرار پائے گی کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

دفع الی ابنه مالافاراداخذہ صدق انه دفعه قرضا لانه مملک[3]۔	بیٹے کو کچھ مال دیا اب واپس لینا چاہتا ہے تو قرض کے طور پر دینا مانا جائے گا کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

یصدق المملك لانه اعرف فقول العالم اولٰی بان یقبل من قول الجاہل الافیمایکذب عرفا[4]۔	مالک بنانے والے کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے تو جاننے والے کی بات کو ماننا اولٰی ہے بجائے اس کے کہ جاہل کی بات مانی جائے الّا یہ کہ عرف اس کو جھوٹا قرار دے (ت)

ہدایہ میں ہے:

(من بعث الی امرأته شیئا فقالت ھوھدیة وقال الزوج ھو من المھر فالقول قوله) لانه ھوالمملك فکان اعرف بجھة التملیك کیف وان الظاھر انه	جس نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا یہ ہدیہ ہے اور خاوند نے کہا یہ مہر میں شمار ہے، تو خاوند کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ مالک بنانے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ کو بہتر جانتا ہے اس کے خلاف کیسے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح فصل فی حبس المرأۃ نفسھا بالمھر نولکشور لکھنؤ ١/ ١٧٨

[2] جامع الفصولین فصل ٣٤ اسلامی کتب خانہ کراچی ٢/ ٢١٧

[3] جامع الفصولین فصل ٣٤ اسلامی کتب خانہ کراچی ٢/ ٢١٧

[4] جامع الفصولین فصل ٣٤ اسلامی کتب خانہ کراچی ٢/ ٢١٧

یسعی فی اسقاط الواجب(الی فی الطعام الذی یؤکل)فان القول قولھا او المراد منه مایکون مھیأ للاکل لانه یتعارف ھدیة[1] الخ۔	ہوسکتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ خاوند اپنے ذمہ واجب کی ادائیگی میں کوشاں ہے ہاں کھائی جانیوالی چیز میں یہ بات ظاہر نہیں کیونکہ اس میں بیوی کی بات معتبر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز کھانے کے لئے مہیا کی گئی ہو کیونکہ عرفاً ایسی چیز ہدیہ قرار پاتی ہے الخ(ت)

فتح القدیر میں ہے:

والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیعه ماذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیھا یکون القول فیھا قول المرأة لان المتعارف فی ذٰلك كله ارساله ھدیة فالظاھر مع المرأة لامعه ولایکون القول له الافی نحوالثیاب والجاریة[2]۔	ہمارے دیار میں گندم، بادام، آٹا، شکر، زندہ بکری، اس کا گوشت وغیرہ مذکورہ تمام اشیاء میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ عرف میں ان تمام چیزوں کو ہدیہ کے طور پر ارسال کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر عورت کی تائید کرتا ہے نہ کہ مرد کی، خاوند کی بات صرف کپڑوں اور لونڈی وغیرہ جیسی چیزوں میں معتبر ہوتی ہے(ت)

نہر الفائق میں ہے:

وینبغی ان لایقبل قوله ایضافی الثیاب المحمولة مع السکرونحوہ للعرف[3]	مناسب ہے کہ خاوند کی بات شکر وغیرہ کے ساتھ ارسال کئے گئے کپڑوں میں معتبر نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے(ت)

حاشیہ ابی السعود الازہری علی الکنز میں ہے:

ینبغی ان یکون القول لھا فی غیرالنقود للعرف المستمر[4]۔	مناسب ہے کہ نقود کے غیر میں بیوی کی بات معتبر ہو کیونکہ عرف میں یہی جاری ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کذامایعطیھامن ذٰلك اومن دراھم	یونہی شب زفاف کی صبح کو جو درہم یا دینار دئے جاتے ہیں

[1] الھدایۃ کتاب النکاح باب المھر المکتبۃ العربیۃ کراچی ٢/ ٣١٧

[2] فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٣/ ٢٥٦

[3] ردالمحتار بحوالہ النھر الفائق کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ٢/ ٣٦٤

[4] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین کتاب النکاح باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٢/ ٧٠

اودنا نیر صبیحة لیلة العرس ویسمی فی العرف صبیحة فان کل ذٰلك تعورف فی زماننا کونه ھدیة[1]۔	ان کو عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ ہدیہ ہونے پر عرف بن چکا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر صراحۃً ثابت ہے کہ زید و عمرو و بکر نے یہ روپیہ اپنے باپ کو قرضًا دیا تھا تو ضرور واپس ہوگا، یا صراحۃً ثابت ہو کہ بطور حسن سلوک وخدمت پدر ہبۃً دیا تھا تو ہر گز واپس نہیں ہوسکتا لتحقق موانع عدیدۃ للرجوع (رجوع کرنے میں متعدد موانع پائے جانے کی وجہ سے۔ت) یا ان کے یہاں معمول قدیم رہا ہو کہ جب کبھی ایسے صرف کی باپ کو ضرورت ہوئی ہے بیٹے اس کے شریک ہوئے ہیں اور وہ شرکت ہمیشہ بے قصد واپسی رہی ہے تو قول بقیہ ورثہ کا معتبر ہوگا کہ یہ دینا بھی اسی طرح تھا قرض نہ تھا دینے والے اگر مدعی ہوں کہ اس بار ہم نے قرضًا دیا تھا تو ازانجا کہ ان کا وہ عرف باہمی اس دعوے کے خلاف ہے بارِ ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قدقال العلامة فی الاسرار امر رجلا بان یعمل له عمل کذا ولم ینطقا شیئا فی الاجر وعدمه ان کان العامل من قبل ممن یعمل له او للناس مثل ھذا العمل بغیر اجر کان متبرعا[2]۔	علامہ نے اسرار میں فرمایا ایک شخص نے دوسرے کو کوئی کام کرنے کو کہا اور اس پر انہوں نے معاوضہ ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہ کیا تو اگر کام کرنے والا قبل ازیں اس شخص کا کام بغیر اجرت کرتا رہتا ہے یا دوسرے لوگوں کا کام بلااجرت کرتا رہتا ہے تو مفت شمار ہوگا۔(ت)

اور اگر سب کچھ نہ ہو تو عمرو بکر خود اور زید کے وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ یہ دینا بطور ہبہ نہ تھا مگر عمرو بکر کہ زندہ ہیں قطعی قسم کھائیں گے اور وارثان زید اپنے علم پر یعنی واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے مورث زید نے یہ روپیہ اپنے باپ خالد کو ہبۃً دیا تھا،

کما عرف من الحکم فی الیمین علی فعل الغیر فانها انما تکون علی العلم لا مع البتات۔	جیسا کہ کسی دوسرے شخص کے کام کرنے کے متعلق قسم میں معلوم ہوچکا ہے کہ وہ حکم علم پر مبنی ہوتا ہے مطلقًا قطعی نہیں ہوتا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[2] الفتاوی الخیریة کتاب الاجارہ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۳۳

جامع الفصولین میں ہے:

الوارث یصدق ان الاب اعطاہ بجھة الدین لقیامہ مقام مورثہ فیصدق فی جھة التملیک[1]۔	وارث کی یہ بات تسلیم کرلی جائے گی کہ والد نے فلاں کو چیز بطور قرض دی تھی کیونکہ وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہوجاتا ہے اس لئے تملیک کی وجہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔(ت)

اس صورت میں اگر بقیہ ورثہ خالد مدعی ہبہ ہوں گواہ دیں **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

کا مطالبہ مطلقًا کرسکتا ہے کہ اگر یہ دینا قرضًا تھا جب توظاہر، اور اگر بطور ہبہ ہی تھا تاہم دو طرح کا شیوع رکھتا ہے:

اولًا: چند شخصوں کو روپے ہبہ کرنا۔

ثانیًا: اپنے حصے کے ماوراکا ہبہ کرنا کہ اگر بالفرض سب شرکاء نہیں ایک ہی شریک کو باقیوں کے لئے ہبہ کرنا ہوتا جب بھی اپنا حصہ سے ہبہ جدا رہنے کے باعث محتمل قسمت میں مشاع تھا اور اس قسم کا شیوع صدقہ میں بھی جائز نہیں اگرچہ قسم اول یعنی چند شخصوں پر تصدق جائز ہے بخلاف ہبہ کہ اس میں دونوں قسم کا مشاع مفسد ومبطل ہے جبکہ وہ شیئ صالح تقسیم ہو۔ درمختار میں ہے:

تصدق بعشرة دراہم اووھبھا لفقیرین صح لان الھبة للفقیر صدقة والصدقة یراد بھاوجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلاشیوع لالغنیین لان الصدقة علی الغنی ھبة فلاتصح للشیوع ای لاتملك حتی لوقسمھا وسلمھا صح[2]۔	دو فقیروں کو دس درہم بطور صدقہ یا ہبہ اکٹھے دے دئے تو صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ میں اللہ تعالٰی کی رضا مقصود ہوتی ہے اور وہ واحد ہے اس لئے اس میں شیوع یعنی قابل تقسیم ہونا، نہ پایا گیا، لیکن یہ صورت دو غنی حضرات کو صدقہ کرنے میں صحیح نہیں کیونکہ غنی کے لئے صدقہ بھی ہبہ ہوتا ہے جب کہ ہبہ میں شیوع درست نہیں یعنی دونوں غنیوں میں سے کوئی بھی غیر منقسم کا تقسیم اور قبضہ سے قبل مالک نہ بنے گا(ت)

تنویر میں ہے:

الصدقة کالھبة لاتصح غیر مقبوضة	صدقہ ہبہ کی طرح ہے لہٰذا بغیر قبضہ اور غیر منقسم کو

---

[1] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[2] درمختار باب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ولافی مشاع یقسم[1]۔	تقسیم کئے بغیر درست نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان قلت قدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیما یحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھنا من المشاع ان یھب بعضہ لواحد فقط عـــہ فحینئذ ھو مشاع یحتمل القسمۃ بخلاف الفقیرین فانہ لاشیوع کماتقدم بحر[2] اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم	اگر تیرا اعتراض ہو کہ قبل ازیں کہا ہے کہ دو فقیروں کو تقسیم سے قبل قابل تقسیم چیز کا صدقہ جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ یہاں۔۔۔۔۔۔کے معاملہ میں مشاع سے مراد یہ ہے کہ فقط اس کا کچھ ایک کو دیا ہو تو یہ مشاع (غیر منقسم جو قابل تقسیم تھا) ہوا، بخلاف فقیروں کے کیونکہ ان میں شیوع نہ پایا گیا، جیسا کہ پہلے گزرا، بحر، اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال سوم وبقیہ دوم: زید وحامد نے زمین مکان مشترک میں جو بنگلے اپنے لئے اپنے روپے سے بنائے وہ خاص انہیں کے ہیں دیگر شرکاء کا ان میں کوئی حق نہیں، اگر باقی شرکاء اب قائم رہنا نہیں چاہتے تو مکان وزمیں موروث مشترک تقسیم کریں، اگر بنگلے کی کل زمین بنگلے ہی کے حصہ میں آکر پڑی جب تو نزاع ہی قطع ہوئی اور اگر وہ کل زمین یا اس کا بعض کسی دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو یا باہمی رضامندی سے زمیں والا اپنی زمین بنگلے والے کے ہاتھ بیع کردے یا بنگلے والا اپنا بنگلہ کل یا بعض زمین والے کے ہاتھ اور کسی طرح تراضی نہ ہو تو زمین والے کو اختیار ہوگا کہ بنگلہ کل یا بعض جس قدر اس کی زمین میں واقع ہوا اکھڑوا دے اور اس کے سبب اگر زمین کو کچھ نقصان قلیل پہنچے اس کا تاوان بنگلہ والے سے لے لے اور اگر نقصان سخت کثیر پہنچے کہ زمین کو خراب وبیکار کردے تو اسے اختیار ہے کہ اس قدر عمارت بنگلہ جو اس کی زمین میں ہے اپنی ملک ٹھہرالے اگرچہ صاحب بنگلہ راضی نہ ہو اور اسے،

عـــہ: قولہ فقط ناظر الی بعضہ لا الی واحد حتی لو وھب بعضہ فقط لجماعۃ لم تجز ایضا ولو وھب کلہ لغیرہ واحد جاز فی الصدقۃ کما لایخفی ۱۲ منہ (م)	قولہ، فقط، کا تعلق لفظ "بعض" سے ہے نہ کہ "واحد" سے، حتی کہ بعض حصہ اگر پوری جماعت کو بھی دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر سارا متعدد کو دے دیا تو صدقہ میں جائز ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ۱۲ منہ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] ردالمحتار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۲۲

اس تعمیر کی وہ قیمت دے دے جو روز واپسی زمین ایسی عمارت کا اس حال میں نرخ ہو جبکہ اسکے گرا دینے کا حکم ہو لیا ہو، اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ عمارت گرادی جائے تو جس قدر عملہ ٹوٹ پھوٹ کر بعد گرانے کے نکلے اس کا بھاؤ روز واپسی کیا ہوگا اور گروانے میں کیا مزدوری جائے گی یہ مزدور اس عملہ کے بھاؤ سے گھٹا کر جو بچے وہ اس دن اس عمارت کی قیمت ہے جس کے گرانے کا حکم ہولیا۔ درمختار کتاب القسمۃ میں ہے:

بنی احدالشریکین بغیر اذن الاخر (وکذالو باذنه لنفسه لانه مستعیر لحصة الاٰخر وللمعیر الرجوع متی شاء رملی علی الاشباه اه ش) فی عقار مشترك بینهما فطلب شریکه رفع بنائه قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فبها ونعمت والاهدم البناء (اوارضاه بدفع قیمة ط عن الهندیة) وحکم الغرس کذٰلك بزازیة[1] اھ مزیدا من الشامی۔	مشترکہ جگہ پر ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر تعمیر کی دوسرے نے وہاں سے عمارت ہٹانے کا مطالبہ کیا تو زمین کو تقسیم کیا جائے، اگر عمارت بنانے والے کے حصہ میں وہ عمارت آئی تو بہتر ورنہ عمارت کو گرایا جائے گا (اس پر علامہ شامی نے یہ اضافہ فرمایا یونہی شریک کی اجازت سے اپنی ذات کے لئے بنائی تو حکم یہی ہے کیونکہ اس نے گویا وہ زمین عاریۃً عمارت کے لئے اپنے شریک سے حاصل کی اور عاریتاً دینے والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے واپس لے لے اھ رملی علی الاشباہ اور طحطاوی میں ہندیہ سے یوں ہے، یا شریک کو قیمت دے کر راضی کرلے)______اور پودے لگانے کا حکم بھی یہی ہے، بزازیہ، اھ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول: وفی فتاوٰی قارئ الهدایة وان وقع البناء فی نصیب الشریك قلع وضمن مانقصت الارض بذٰلك اھ وقد تقدم فی کتاب الغصب متنا ان من بنی او غرس فی ارض غیره امر بالقلع وللمالك ان یضمن له قیمة بناء او غرس امر بقلعه ان نقصت الارض به	**میں کہتا ہوں** اور فتاوٰی قارئ الھدایہ میں ہے اور اگر عمارت شریک کے حصہ میں بنائی تو ہٹائے اور بنانے والے سے زمین کے نقصان کا ضمان لے اھ، متن کے کتاب الغصب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جس نے عمارت یا پودے غیر کی زمین میں لگائے تو اسے ہٹانے کا حکم دیا جائے گا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اگر عمارت گرانے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کا جو نقصان ہوا ہو تو اس کا

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۱، ردالمحتار کتاب القسمۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

والظاهر جريان التفصيل هنا كذٰلك تأمل [1] اه **اقول:** وكذٰلك تقدم فی كتاب العارية متنا وشرحا حيث قال لواعار ارضا للبناء والغرس صح وله ان يرجع متى شاء ويكلفه قلعهما الااذاكان فيه مضرة بالارض فيتركان بالقيمة مقلوعين لئلا تتلف ارضه [2] اه وهذا اعنی بناء احد الشريكين لايخلو عن احدهما اذلو بنی بغير اذن شريكه كان غاصبا او به لنفسه كان مستعيرا فلاشك فی جريان الحكم المذكور فيهما هنا ثم ماذكره قاری الهداية محله ما اذاكان النقصان قليلا غير بالغ حد افساد الارض والتملك محمول علی النقصان الفاحش كما يفيده تعليل الدر بقوله لئلا تتلف ارضه وقد نقل المحشی عن السائحانی عن المقدسی فی الغصب تحت قول الدر من بنی اوغرس فی ارض غير بغير اذنه امر بالقلع	ضمان لے اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی تفصیل ہوگی، غور کرو اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور یونہی متن اور شرح کی کتاب العاریۃ میں گزرا ہے جہاں فرمایا کہ اگر زمین عمارت یا پودے لگانے کے لئے عاریۃً دی تو جائز ہے اور اس کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے واپس لے لے اور بنانے والے کو ہٹانے پر مجبور کرے، ہاں اگر عمارت گرانے اور پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو دونوں چیزوں کو ان کی اکھاڑی ہوئی صورت کی قیمت کے بدلے بحال رکھا جائے تاکہ مالک کی زمین تلف نہ ہو اھ، اور شریکین میں سے ایک کا تعمیر کرنا دو حال سے خالی نہیں کہ بغیر اجازت تعمیر کرے گا تو غاصب ہوگا یا اجازت سے اپنی ذات کے لئے تعمیر کرے گا تو عاریۃً حاصل کرنے والا قرار پائے گا تو بلاشک دونوں صورتوں میں وہاں مذکور حکم ہی جاری ہوگا، پھر قاری الہدایہ نے جو ذکر فرمایا تو اس کا محل وہ صورت ہے جب اکھاڑنے میں نقصان کم ہو جس سے زمین میں فساد پیدا نہ ہو، اور قیمت دے کر مالک بننے کی صورت وہ ہے جب زمین کا نقصان زیادہ ہو جیسا کہ در مختار کا یہ علت بیان کرنا "تاکہ زمین تلف نہ ہو" سے بطور فائدہ معلوم ہو رہا ہے، اور غصب کے باب میں محشی نے سائحانی اس نے مقدسی سے در مختار کے قول "جس نے غیر کی زمین میں بغیر اجازت عمارت بنائی یا پودے لگائے تو اسے وہاں سے اکھاڑنے

[1] ردالمحتار کتاب القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

والرد وللمالك ان يضمن له قيمة بناء او شجر امر بقلعه اى مستحق القلع ان نقصت الارض به اھ[1] مانصه اى نقصانا فاحشا بحيث يفسدها اما لو نقصها قليلا فيأخذارضه ويقلع الاشجار ويضمن النقصان[2] اھ فبذا التوفيق يتضح المرام وتزول الاوهام والحمدلله ولى الانعام۔	اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گااور مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اکھاڑے ہوئے مکان یا درختوں کی قیمت کا ضامن بن جائے اگر زمین کو نقصان کاخطرہ ہو یعنی اگر نقصان ہوتو اکھاڑنے کااستحقاق ہوگااھ محشیٰ کی عبارت یہ ہے یعنی ایسافحش نقصان جو زمین کے فساد کا باعث ہو، لیکن اگر نقصان قلیل ہوتومالک اپنی زمین واپس لے اور درخت وغیرہ اکھاڑدے اور نقصان کا ضمان لے اھ تو اس بیان سے مذکورہ عبارات میں موافقت ہوگئی، مقصود واضح ہوگیا اور اوہام ختم ہوگئے اور بزرگی نعمت کے مالک کے لئے ہے۔(ت)

نیز شامی میں ہے:

اى قيمة بناء اوشجر امر بقلعه اقل من قيمته مقلوعا مقداراجرة القلع فان كانت قيمة المقلوع عشرة واجرةالقلع دراهم بقيت تسعة[3] (ملخصًا)	یعنی مکان یادرخت جن کواکھاڑنے کاحق ہےان کھاڑے ہوئے کی قیمت سے اکھاڑنے کی مزدوری برابر منہا کرکے بقیہ قیمت دی جائے، مثلاً اگر اکھاڑے ہوئے کی قیمت دس درہم ہو اور مزدوری ایک درہم ہوتو نو درہم قیمت دے گا (ملخصًا)۔(ت)

خیریہ میں ہے:

ان وقع بعضه فى حصته وبعضه فى حصة الاٰخر فما وقع فى حصته فامره اليه وما وقع فى حصة الاٰخر فله ان يكلفه قلعه[4]۔	اگر مکان کا کچھ حصہ اپنی زمین اور کچھ حصہ دوسرے کی زمین میں ہو تواپنی زمین والا حصہ اس کی صوابدید پر ہے،اور جو حصہ دوسرے کی زمین پر واقع ہے تو دوسرے کو حق ہے کہ وہ اسے گرانے پر مجبور کرے(ت)

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴

[4] الفتاوٰی الخیریہ کتاب القسمۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۱

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ مکان صالح تقسیم، اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں ورنہ اگر بقیہ شرکاء اس عمارت کو رکھنا نہ چاہیں توڈھادینے سے چارہ نہیں۔ خیریہ میں ہے:

لایخفٰی انه اذالم یمکن القسمة اولم یرضیا بها تعین الهدم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مخفی نہیں کہ جب زمین قابل تقسیم نہ ہو یا فریقین تقسیم پر راضی نہ ہوں تو گرائے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال چہارم: دختریں مکان قدیم سے کہ وقت مرگ خالد موجود تھا ترکہ پدری پائیں گی کہ ہبہ جو خالد نے ہندہ کے نام کیا تھا بوجہ قبضہ نہ دینے کے موت خالد سے باطل ہوگیا اور ترکہ ترکہ خالد ہی ٹھہرا اور اس میں سے جو حصہ ہندہ نے پایا اور نیز تعمیر مزید سے کہ زمانہ ہندہ میں سب شرکاء کے لئے ہوئی جس قدر حق ہندہ تھا ان دونوں میں سے ترکہ مادری لیں گی اور اگر زید کے ورثہ میں بہنوں کا کوئی حاجب مثلاً بیٹا یا پوتا نہیں تو جب کچھ زید کو ترکہ پدری ومہر دو ترکہ مادری سے پہنچا اور اس کا اپنا خاص بنگلہ ان تینوں میں سے میراث برادری کی مستحق ہوں گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال پنجم: حساب دکان لکھنا عمرو پر واجب نہ تھا اگر نہ لکھا اس پر کوئی الزام نہ ہوا،

فی العقودالدریة عن البحرالرائق من تصرفات القیم یجوز الاخذ علی نفس الکتابة ولایجوز الاخذعلی نفس المحاسبة لان الحساب واجب علیه [2] اھ فافادان الکتابة لاتجب علیه حتی جازله اخذ الاجرة علیها فعلم ان الامین فی معاملة لایجب علیه کتابة حسابه وان کان نفس الحساب واجباعلیه۔	عقوددریہ میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ قیمتی تصرفات میں لکھائی پر معاوضہ لینا جائز ہے اور محض حساب پر معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ حساب اس پر واجب ہے، اھ، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہاں لکھائی واجب نہ ہوگی جہاں اجرت لینا جائز ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کسی معاملہ منتظم پر حساب کی لکھائی واجب نہیں اگرچہ نفس حساب اس پر واجب ہے۔ (ت)

بلکہ یہ قرار داد ہی کہ عمرو وبقیہ شرکاء میں ہو کہ عمرو مال بیچے حساب لکھے اور انی روپیہ دستوری لے محض ناجائز وحرام ہے کما لایخفی علی الفقیه (جیسا کہ فقہ جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب القسمة دارالمعرفة بیروت ٢/ ١٦٠

[2] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار، افغانستان ١/ ٢١٥

جواب سوال ششم: خاص ہندہ کے لئے اس کے بیوہ ہونے پر شریکوں کا یہ یومیہ مقرر کرنا ظاہرًا بہ نیت ثواب، بطور مواسات بیوہ برادر ہے اگر ایسا ہی ہے تو ہر گز واپس نہیں ہوسکتا کہ وہ اس حال میں تصدق ہے اور تصدق میں اصلًا رجوع نہیں۔ در مختار میں ہے:

لا رجوع فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لا العوض[1]	اس میں رجوع نہیں اگرچہ غنی پر کیا ہو کیونکہ اس سے مقصود ثواب ہے معاوضہ نہیں ہے(ت)

اور اگر دکان میں جو اس کا استحقاق بذریعہ ترکہ شوہری ہے اسے حق میں سمجھ کر دیتے ہیں تو اگر اس کا حق اسی قدر یا اس سے زائد ہے جب بھی رجوع کے لئے کوئی معنی نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ حق سے زائد پہنچا تو البتہ بقدر زیادت واپس لیا جائے گا۔

فی شرکۃ العقود الدریۃ سئل فیما اذا کان لکل من زید وعمرو عقار جار فی مبلکه بمفردہ فتوافقا علی ان ما یحصل من ریع العقارین بینھما نصفین واستمر علی ذٰلك تسع سنوات، والحال ان ریع عقار زید اکثر ویرید زید مطالبۃ عمرو بالقدر الزائد الذی دفعه لعمرو وبناء علی انه واجب علیه بسبب الشرکۃ المزبورۃ فھل یسوغ لزید ذٰلک (الجواب) الشرکۃ المزبورۃ غیر معتبرۃ فحیث کان ریع عقار زید اکثر تبین ان مادفعه لعمرو من ذٰلك بناء علی ظن انه واجب علیه ومن دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استردادہ الا اذا دفعه علی وجه الھبۃ واستھلکه القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عقود دریہ کی کتاب الشرکہ میں ہے کہ زید اور عمرو ہر ایک انفرادی طور پر اپنی زمین کا مالک ہے تو دونوں نے باتفاق طے کیا کہ دونوں زمینوں سے جو پیداوار حاصل ہو وہ دونوں میں نصف نصف ہوگی اسی معاہدہ پر نو سال معاملہ چلتا رہا حالانکہ زید کی زمین زیادہ تھی اب زید اپنے زائد حصہ کا عمرو سے مطالبہ کرنا چاہتا ہے اس مبنی پر کہ عمرو کو ادا شدہ حصہ معاہدہ مذکورہ کی وجہ سے واجب تھا تو کیا زید کو اس زائد ادا شدہ کو واپس لینے کا اختیار ہے؟ (الجواب) مذکورہ شراکت معتبر نہیں تو جب زید کی زمین کا رقبہ زیادہ ہے تو پیداوار کا زیادہ ہونا واضح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اس نے عمرو کو جو زائد مقدار دی وہ اس خیال سے دی کہ اس کی ادائیگی واجب تھی جبکہ کوئی شخص غیر واجب چیز کو ادا کرے تو اس کی واپسی مطالبہ کا حق ہوتا ہے، ہاں اگر ہبہ کے طور پر دیا اور قابض نے اس کو ہلاک کردیا ہو تو واپسی کا حق نہیں جیسا کہ

[1] درمختار کتاب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ، کتاب الشرکۃ، ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

النظم الوہبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال ہفتم: یہ قرضہ کہ عمرو دکان کے ذمے بتاتا ہے اگر یوں ہے کہ اس نے حسب عادت تجار کچھ مال قرضوں مول لیا اور ہنوز زرِ ثمن ادانہ کیا یا دکان میں خسارہ واقع ہونے کے سبب ادانہ ہوسکا تو یہ قرض سب شرکاء کے ذمے حصہ رسد ہوگا اور عمرو کا قول اس بارے میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر یوں ہے کہ عمرو نے سرمایہ دکان بڑھانے کے لئے کچھ روپیہ قرض لے کر اور مال خریدا تو یہ قرض خاص ذمہ عمرو ہوگا باقی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

تحقیق مسئلہ: یہ ہے کہ یہ طریقہ جو اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مرگیا اس کے اموال دیہات دکانات یوں ہی شرکت پر بلا تقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت و رضامندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں شرکت عقد نہیں شرکت ملک ہی ہے،

کما حققہ فی العقود الدریۃ، وقال فی ردالمحتار ھی شرکۃ ملک کما حررتہ فی تنقیح الحامدیۃ ثم رأیت التصریح بہ بعینہ فی فتاوی الحانوتی[1]۔	جیسا کہ عقود الدریۃ میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں فرمایا یہ شرکت ملک ہے جیسا کہ میں نے تنقیح الحامدیہ میں اس کو واضح کیا ہے اور پھر میں نے فتاوٰی حانوتی میں اس کی تصریح دیکھی (ت)

اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ سے اجنبی ہوتا ہے،

کما صرحوا بہ قاطبۃ، وفی الدرالمختار کل من شرکاء الملک اجنبی فی مال صاحبہ لعدم تضمنھا الوکالۃ[2]۔	جیسا کہ اس کا جواب مکمل طور پر گزرا، اور درمختار میں ہے کہ شرکت ملک کے تمام فریق دوسرے کے مال سے اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شرکت وکالت کو متضمن نہیں ہوتی۔(ت)

مگر یہاں کہ تصرف باجازت و رضائے باقی شرکاء ہے یہ تصرف کرنے والا اپنے حصہ میں اصیل اور باقیوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے،

قال فی ردالمحتار یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوھم ان احدھم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلاقسمۃ	ردالمحتار میں فرمایا: کاشتکار لوگوں میں جیسے یہ معاملہ عام ہے کہ جب ان شرکاء میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کی اولاد تقسیم کے بغیر ہی اپنے والد کے ترکہ

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الشرکہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

ویعملون فیها من حرث وزراعة وشراء واستدانة و نحو ذٰلك وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی مهماتهم ویعملون عنده بامره وکل ذٰلك علی وجه الاطلاق والتفویض[1] الخ فلا شك فی تحقق معنی التوکیل۔	پر قائم مقام بن جاتی ہے اور کھیتی باڑی اور خرید وفروخت اور لین دین جیسے امور سرانجام دیتی رہتی ہے اور کبھی ان میں سے بڑا وہ خود ہی ضروری امور کا متولی بن جاتا ہے اور چھوٹے اس کے کہنے پر عمل کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ تمام کارروائی بطور اجازت اور تفویض ہوتی ہے الخ، تو اس میں وکالت کے معنی پائے جانے میں شک نہیں ہے (ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ میں تو صراحۃً بقیہ شرکاء کی طرف سے عمرو کو تفویض دکان واجازت اعمال تجارت ہوئی یہ معنے وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پانا کہ جو مال بکے عمرو اٹکی روپیہ دستور لے اگرچہ شرط فاسد ہے کہ شریک کو مال مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلًا جائز نہیں،

وهذا باجماع من ائمتنا خلافا للامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنهم ثم هل هو باطل ام فاسد ذکرناه فیما علقناه علی ردالمحتار، قال فی الدرالمختار لو استأجره لحمل طعام مشترك بینهما فلا اجر له لایعمل شیئا لشریکه الا ویقع بعضه لنفسه فلا یستحق الاجر[2] اھ وقال الامام الاتقانی فی غایة البیان قال الکرخی قال محمد وکل شیئ استأجر احدهما من صاحبه مما یکون عملا فانه لایجوز وان عمله فلا اجر له وکل شیئ لیس یکون عملا استأجره احدهما من صاحبه فهو جائز وقال شمس الائمة البیهقی	اس پر ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر یہ بحث کہ کیا وہ باطل ہے یا فاسد ہے، تو میں نے اس کو ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے، درمختار میں فرمایا کہ اگر ایک شریک مشترکہ سامان کو اٹھانے کے لئے اجیر بنا تو اس کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ جو کچھ اس نے اٹھایا اس میں شریک کے ساتھ اس کا اپنا حصہ بھی تھا لہذا اس اشتراک کی بناپر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوا اھ۔ اور امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا کہ امام کرخی نے کہا کہ امام محمد نے فرمایا کہ شریکین میں سے اگر ایک مشترکہ چیز کے کسی عمل میں اجیر بنا تو یہ جائز نہیں اگر اس نے ایسا کیا تو کوئی اجرت نہ پائے گا، اور ایسی مشترکہ چیز جو عمل نہ بنے اس کو اگر شریک اجرت پر لیتا ہے تو جائز ہے، اور شمس الائمہ بیہقی

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

فی الکفایة والاصل ان فی کل موضع لا یستحق الاجر الا بایقاع عمل فی العین المشترك لا یجوزلانه لا یمکن کما فی نقل الطعام المشترك بنفسه او احبته اوغلامه وکل ما یستحق بدون ایقاع عمل فی المشترك یجوز فانه تجب الاجرة بوضع العین فی الدار والسفینة والرحی لا بایقاع عمل اھ[1]	نے کفایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسا مقام جہاں صرف عمل کرنے پر ہی اجرت کا مستحق بنے تو وہاں کسی شریک کا اجیر بننا جائز نہیں کیونکہ مشترکہ چیز میں یہ ممکن نہیں جیسا کہ مشترکہ طعام کو خود شریک یا اس کا قریبی یا اس کا غلام منتقل کرنے کا اجیر بنے تو ناجائز ہے، اور ایسا مقام جہاں مشترک چیز میں بغیر عمل اجرت کا مستحق بنے وہاں جائز ہے کیونکہ عین چیز کو گھر میں یا کشتی یا چکی کے مکان میں کرایہ پر رکھ چھوڑنے پر اجرت واجب ہوتی ہے، عمل پر واجب نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، بزازیہ میں ہے:

الوکالة لاتبطل بالشروط الفاسدة ای شرط کان[2]۔	وکالت فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتی جو بھی شرط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد الوکالة الخ[3]۔	جو چیز صحیح قرار پائے اور فاسد شرطوں سے فاسد نہ ہو وہ وکالت ہے (ت)

تو وہ شرط ہی فاسد و باطل قرار پائی اور وکالت عمرو صحیح وتام رہی، عالمگیریہ میں ہے:

ولوقال اشترجاریة بالف درهم لك علی شرائك درهم فحینئذ یصیر وکیلا ویکون الوکیل اجر مثله ولایزاد علی درهم[4]۔	اگر کہا کہ ہزار درہم سے لونڈی خرید لاؤ اور خریداری پر تجھے ایک درہم دوں گا تو ایسی صورت میں وہ شخص وکیل قرار پائے گا اور وکیل عمل پر اجرت مثل کا مستحق ہوگا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی (ت)

اور وکیل بالشراء قرضوں خرید سکتا ہے،

کمانصوا علیه فی غیر ما مسئلة، و	جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہاء کرام نے نص

[1] غایة البیان للاتقانی

[2] الفتاوٰی البزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الوکالة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳و۵۴

[4] الفتاوٰی الهندیة کتاب الوکالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۶۶

فی الخانیة الوکیل بالشراء اذااشتری بالنسیئة فمات الوکیل حل علیه الثمن ویبقی الاجل فی حق المؤکل[1]۔	فرمائی ہے، اور خانیہ میں ہے کہ خریداری کے وکیل نے اگر ادھار خرید کی ہو تو وکیل کے فوت ہونے کی صورت میں موکل پر رقم کی ادائیگی آئے گی اور مدت ادھار اس کے حق میں منتقل ہوجائے گی۔(ت)

بلکہ وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا بھی اختیار،

فی الدرالمختار صح بالنسیئة ان التوکیل بالبیع للتجارة وان کان للحاجة لایجوز[2]۔	درمختار میں ہے اگر تجارت کے طور پر ادھار فروخت کرے تو جائز ہے اگر اپنی حاجت کی وجہ سے ادھار کیا تو ناجائز ہے(ت)

مگر وکیل کو روپیہ قرض لینے کا اختیار نہیں، نہ قرض لینے پر توکیل روا، اگر لے گا خود وکیل ہی پر قرض ہوگا،

فی جامع الفصولین التوکیل بالاقراض جائز لابالاستقراض[3] الخ۔ وفی ردالمحتار قالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی وھو لایصح الخ[4]۔	جامع الفصولین میں ہے قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور قرض حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں الخ (ت) اور ردالمحتار میں ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا: قرض لینے کے لئے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ یہ حاجتمندی پر توکیل ہے جو کہ صحیح نہیں ہے الخ(ت)

ہاں اگر صورت یہ ہوتی کہ بقیہ شرکاء عمرو سے کہتے ہم سب شریکوں کے لئے اتنا روپیہ قرض لے کر سرمایہ تجارت بڑھاؤ اور عمرو قرض دینے والے سے کہتا کہ ہم شرکاء کو قرض دے، تو البتہ وہ قرض سب پر ہوتا اور اگر کہتا کہ مجھے ہم سب شرکاء کے لئے قرض دے تو اب بھی خاص عمرو ہی پر ہوتا،

الرسالة بالاستقراض تجوز ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامه مخرج الرسالة یقع القرض للآمر ولو مخرج الولایة	قرض لینے کے لئے قاصد بنانا جائز ہے اور اگر قرض لینے کے لئے بنائے وکیل نے قاصد ہونے کا اظہار کرتے ہوئے قرض لیا تو یہ قرض وکیل بنانے پر ہوگا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۷۶

[2] درمختار کتاب الشهادات باب الوکالة بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۷

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدہ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

[4] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۳

بان اضافة الیٰ نفسه یقع للوکیل[1]۔واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اور اگر وکیل نے وکالت کا اظہار کرتے ہوئے کہ قرض لیا کہ اپنی طرف منسوب کیا تو قرض وکیل کے ذمہ آئے گا،واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)



[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷



کتاب الوقف

(احکامِ وقف کا بیان)

مسئلہ ۱۱: از مقام کول مانک چوک مسئولہ زوجہ عبدالرشید خاں ۲۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کسبی تائبہ کو کچھ جائداد پاک بعوض دین مہر کے ملی ہے یہ اس کے تئیں وقف کیا چاہتی ہے اور متولی خود اپنی حیات میں آپ ہونا چاہتی ہے اور بعد کو دوسرے کو کیا چاہتی ہے، آیا یہ وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ مگر اس جائداد میں ایک قید یہ لگی ہے کہ حین حیات اس نے پائی ہے بعد کو جس سے ملی ہے اسی پر عود کرے گی تو اس صورت سے وقف دوامی کرسکتی ہے یانہیں؟ اور دوامی نہ کرسکے تو حین حیات اپنی وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ اور حین حیات وقف کرکے کسی دوسرے کو متولی کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جائداد مہر میں دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے، اور بعد وفات شرط واپسی شرط فاسد ہے، اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے، اس کا فسخ کرنا بائع ومشتری دونوں پر فرض ہوتا ہے، اور ان میں کسی کے مرنے سے یہ حکم فسخ زائل نہیں ہوتا، اگر نہ فسخ کریں تو گنہگار رہتے ہیں اور عقد فاسد سے جو جائداد خریدی جائے مشتری اگرچہ بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس کا ازالہ واجب ہوتا ہے، علماء کو اختلاف ہے کہ اسی حالت پر اگر مشتری اسے وقف کردے تو وقف صحیح ولازم ہوجائے گا صرف واقف کے ذمہ اس عقد فاسد کو فسخ نہ کرنے کا گناہ رہے گا جو بے توبہ نہ جائے گا یا وقف ہی مسلم نہ ہوگا بلکہ توڑ دیا جائے گا اور وہ شیئ بائع یا اس کے ورثہ دی جائے گی جب تک واقف نے اس میں تعمیر وغیرہ

زیادت سے حق فسخ کو زائل نہ کر دیا ہو۔ درمختار وردالمحتار و منح الغفار وغیرہ میں قول اول اختیار کیا اور اصح اور ظاہر الروایۃ قول ثانی ہے،

کما حققنا کل ذٰلك فیما علقنا علی ردالمحتار من اوّل کتاب الوقف فراجعه فانه مهم۔	جیسا کہ ردالمحتار کی کتاب الوقف کے ابتداء میں حاشیہ پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، لہٰذا اسے دیکھا جائے کیونکہ ضروری بحث ہے (ت)

بہر حال اس وقف میں عورت کے لئے خیر نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عقد یعنی معاوضہ مہر میں جائداد کا لینا فسخ کرے اور از سر نو وارثان شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگر ادا کر دیں فبہا ورنہ اس جائداد سے وصول کرے، اور اگر سمجھے کہ یوں نہ ملے گا اور مقدار مہر قیمت جائداد سے زائد یا مساوی ہوں تو مذہب مفتٰی بہ بطور خود اس جائداد کو اپنے مہر میں لے لے۔

وھی مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق وقد حققھا فی ردالمحتار وان الفتوی الاٰن علی جواز الاخذ۔	یہ کسی کے پاس اپنے حق پر خلاف جنس کے ذریعہ کامیابی کی بحث ہے، اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے اور موجودہ دور میں جبراً لے لینے کے جواز پر فتوٰی ہے (ت)

یوں مالک ہو کر وقف تام ابدی کرے وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہو سکتا لان من شرطه التابید (کیونکہ اس کی شرائط میں سے دائمی قرار دینا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضور میاں صاحب قبلہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

زید اپنی جائداد مقبوضہ مملوکہ کو وقف کیا چاہتا ہے مگر جائداد پر قرضہ ہے تو بغیر ادائے قرضہ وقف ہو سکتی ہے یا نہیں، اور اگر وقف میں یہ قید لگا دیں کہ وقف بالفعل صحیح ہو جائے اور نفاذ اس کا بعد ادائے قرض کے سمجھا جائے تو صحیح ہو جائے گا یا بعد ادائے قرضہ ہی صحیح ہو گا؟

الجواب:

عرف عوام میں جائداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جائداد رہن ہو مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو، دوسرے جسے وہ مکفول و مستغرق کہتے ہیں کہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہے مگر وہ دائن کو لکھ دے کہ یہ تیرے دین میں مکفول ہے تا ادائے دین کہیں بیع ہبہ وغیرہ انتقالات نہ کئے جائیں گے، یہ صورت ثانیہ تو شرعاً محض باطل و بے اثر ہے کہ مال کو کسی کے حق میں اس کے استیفا کے لئے محبوس کر دینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہو سکتا، قال تعالٰی: "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ت) اگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

یہی صورت ہے جب تو وقف بلاشبہہ صحیح وتام نافذ ہے اگرچہ قرضہ ادانہ کرے نہ آئندہ ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ مال بچے اگرچہ اس نے وقف میں یہ نیت بھی رکھی ہو کہ دائن کا دین مارا جائے اگرچہ وہ اس نیت فاسدہ سے سخت گنہگار ہوگا مگر وقف میں کچھ خلل نہیں کہ جب وہ جائداد رہن نہیں تو قرض اس کی ذات پر ہے نہ کہ جائداد پر۔ جائداد میں اس کے تصرفات مالکانہ بلامانع نافذ ہیں، اور اگر صورت اولٰی ہے یعنی جائداد قبضہ مرتہن میں سپرد کردی تو اب دو صورتیں ہیں، اگر اس کے پاس اور مال قابل ادائے قرض موجود ہے تو اب بھی وقف قبل ادائے قرض صحیح وتام نافذ ہے حاکم اس پر جبر کرے گا کہ اپنے دوسرے مال سے قرض ادا کرے مگر وقف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر مال نہیں تو اس صورت میں البتہ وہ وقف برقرار نہ رہے گا حاکم اسے باطل کرکے جائداد قرض میں بیع کردے گا، یونہی اگر مدیون مذکور مرجائے تو انہیں دونوں صورتوں پر لحاظ ہوگا اور جائداد موجود ہے تو اس سے ادائے قرض کریں گے اور وقف صحیح رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف وغیرہ لووقف المرھون بعد تسلیمہ صح واجبرہ القاضی علی دفع ما علیہ ان کان موسرًا و ان کان معسرا ابطل الوقف وباعہ فیما علیہ اھ وکذا لومات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والابیع وبطل الوقف کما فی الفتح بخلاف وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلۃ لانہ صادف ملکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرۃ قال فی الفتح وھو لازم لاینقضہ ارباب الدیون[1] اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اسعاف وغیرہ میں ہے مرہون چیز کو قبضہ دے دینے کے بعد اگر وقف کیا جائے تو صحیح ہے جبکہ اس کو رہن کے بدلے قرض کو ادا کرنے کے لئے قاضی مجبور کریگا بشرطیکہ مالدار ہو ورنہ تنگ دست ہونے کی صورت میں قاضی وقف کو باطل کرکے اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی میں فروخت کردے گا اھ، اور یونہی اگر مرہون کو وقف کرنے پر فوت ہوجائے تو اگر قرض کی ادائیگی کے لئے مال ترکہ چھوڑا ہو تو وقف معینہ جہت پر برقرار رہے گا ورنہ فروخت کردیا جائے گا وقف باطل قرار پائیگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اس کے برخلاف مقروض شخص کا وقف کردہ بہر صورت صحیح ہے بشرطیکہ وہ تندرست ہو اگرچہ وہ ادائیگی میں تاخیر کے لئے ایسا کرے کیونکہ یہ کارروائی اس کی اپنی ملکیت میں ہوئی ہے جیسا کہ انفع الوسائل میں ذخیرہ سے منقول ہے، فتح القدیر میں کہا ہے کہ مقروض کا یہ وقف لازم ہوگا قرض خواہ حضرات اس کو باطل نہیں کرسکیں گے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف الراہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۵

مسئلہ ۱۳: از قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد محلّہ چھجہ پور مرسلہ حافظ یار محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک زمانہ گزرا کہ زید نے ایک عالیشان پختہ مسجد چوک کے بیچ میں تیار کرائی اور گرداسکے چوطرفہ دکانیں بنوائیں اور دکانوں کے محاصل کو ہمیشہ اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، بعد انتقال زید کی یہ دکانیں بھی مثل اور جائداد کے ارثا اس کے اولاد کو ملیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قبضے کا اس کے خاندان میں جاری رہا یعنی دکانوں کی آمدنی اور کرایہ سے خاندانِ زید کی اوقات بسر ہوتی رہی اور مسجد کے متعلق وہ آمدنی نہ تھی بعد ایک مدت دراز کے ان دکانوں کا وارث یعنی خالد نے بسبب افلاس کے ان دکانوں کو عمرو بکر کے ہاتھ فروخت کرڈالا اب عمرو بکر چاہتے ہیں کہ ان دکانوں کو واسطے اجرائے مدرسہ اسلامی کے مسلمانوں کے نام وقف کردیں کہ دینی مدرسہ جاری ہو اور مسجد کی ترمیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ وقف جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے اور ان دکانوں کا وقف مسجد ہونا ثابت نہیں بلکہ ملک (میراث زید ہونا ثابت ہے تو عمرو بکر کہ وارث شرعی سے بروجہ شرعی مشتری ہوئے اگروہ مسجد ومدرسہ دینیہ اسلام کے نام انہیں وقف کریں گے جس میں تعلیم دین متین مطابق مذہب اہل سنت وجماعت ہو اور اس کے مدرسین واراکین وہابیہ یا روافض یا غیر مقلد نیچری وغیرہم ضالین نہ ہوں) تو ان کے لئے اجر عظیم وصدقہ جاریہ ہے سالہاسال گزرگئے ہوں قبر میں ان کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں ان کو بعونہٖ تابقائے مسجد و مدرسہ وجائداد برابر ثواب پہنچتا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلث صدقة جارية او علم ينتفع به اوولد صالح يدعوله[1]۔ رواه مسلم فی صحیحه والبخاری فی الادب المفرد وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وفی الباب احادیث کثیرة شهیرة۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	جب انسان فوت ہوجائے تواس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین وجہ سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ یا نافع علم یاصالح اولاد جواس کے لئے دعا کرے اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور بخاری نے ادب مفرد میں، اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اوراس باب میں کثیر احادیث مشہورہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب مایلحق للانسان من الثواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۱۴: مسئولہ احمد حسن طالب علم بنگالی بروز دوشنبہ ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے برائے منفعت عوام ایک تالاب بنوایا اور اسے وقف کردیا اور اس کے زمانہ حیات میں لوگ عام طور سے تاریخ معینہ پر شکار کرتے اور ہمیشہ غسل وغیرہ کرتے جیسا کہ تمام تالابوں سے نفع حاصل کیا کرتے ہیں بعد اسکی موت کے بھی عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک غیر شخص نے جو اس کے خاندان سے بھی نہیں ہے اپنے زمیندار کے بندوبست میں اپنی جانب منسوب کرلیا اب اس نے اپنے واسطے اس تالاب کو مخصوص کرلیا اب دوسرا شخص کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھاسکتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے، آیا اس کا قبضہ صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہونا چاہئے؟

الجواب:

اگر حالت یہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو اس کا قبضہ باطل ہے، شکار کرنا کوئی قربت نہیں نہ تفریح کا نہانا، تو اس تالاب کے وقف ہونے میں کلام ہے بخلاف حوض مساجد کہ وضو کے لئے وقف ہے، ظاہرًا وہ وارثان بانی کی ملک ہے جیسا وہ ہونا چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: مسئولہ حاجی سیٹھ محمد اعظم صاحب از راندیر متصل سورت مہتمم مدرسہ برباولی ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! آپ نے جو جواب روانہ فرمایا بندہ کو بتاریخ ۲۵ مئی بروز جمعرات کو ملا بہت خوب ہے مگر دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد کی آمد سے جو ملکیت خرید کی گئی ہو وہ بھی در وقف گنی جائے کہ نہیں اور جب وہ وقف گنی جائے اس کے بیع کرنے کو حاکم کی منظوری کی ضرورت ہے کہ نہیں کیونکہ جو خریدنے والا ہو وہ کیا جانتا ہے کہ یہ وقف شدہ ملکیت کی آمد سے خرید کرکے وقف کی ہوئی ہے لہٰذا جو حاکم کی منظوری ہو تو کسی طور کا خوف نہ رہے نہ خریدنے والے کو نہ بیچنے والے کو، اور نہ غبن وتلف کا کوئی اندیشہ باقی رہے اور بعد میں کوئی مہتمم کو کسی طرح کا کوئی الزام نہ دے سکے اور نہ کوئی رائے لے تو بالکل خراب ہوتا ہے وہ تو مسجد کے روپوں سے مدرسہ کھولنا جواز بتاتے ہیں اور دبانے کے خیال سے ان کو یعنی اہل دول کے رائے بموجب فتوٰی دیتے ہیں۔

الجواب الملفوظ:

متولی نے زر وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی وہ وقف نہیں ہوجاتی اس کی بیع جائز ہے کتابوں میں جزئیہ کی تصریح ہے ہاں بیع کے لئے ایسا ذریعہ اطمینان ضرور ہے جس میں کسی کے تغلب کا احتمال نہ رہے قاضی شرع تو یہاں کوئی نہیں اہل محلّہ وعالم دیندار ومسلمانان متدین کی دینداری سے یہ کام ہو، درمختار میں ہے:

اشتری المتولی بمال الوقف دارا للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفۃ و	متولی نے وقف مال سے کوئی مکان وقف طور پر خریدا تو یہ مکان وقف شدہ جائداد شمار نہ ہوگا اصح قول میں

یجوز بیعھا فی الاصح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶: بحضور عظیم البرکت اعلیحضرت مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج غریب اللہ صاحب تشریف لائے ہیں فرماتے ہیں کہ مسماۃ سمی طوائف جس کی عمر اس وقت تخمیناً ۵۰ برس کی ہے ۱۶ برس ہوئے میاں ناصر صاحب کی مرید ہو کر تائب ہوئی، کرایہ دکانات سے گزر کرتی ہے، خواہش اس کی یہ ہے کہ جائداد تیس چالیس روپیہ ماہانہ کے وقف کرنا چاہتی ہے اور حج کو جانا چاہتی ہے، جس جائداد کا تاحیات خود اور بعد کو مدرسہ مالک ہے اس میں حضور کیا فرماتے ہیں؟
کمترین قادر علی محرر مدرسہ ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

الجواب:

وہ جائداد اگر اس کی اس حرام کمائی کی ہے تو اس کا طریقہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی محتاج پر تصدق کرے اور وہ محتاج بعد قبضہ اپنی طرف سے یوں وقف کرے کہ تاحیات سمی اس سے مستفید ہو اس کے بعد مدرسہ اور اس کے لئے دفع اعتراض مخالفین کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے وہ ایک ہبہ نامہ اس محتاج کے نام تصدیق کرائے جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ جائداد وجہ حرام سے ہے اور اب میں نے توبہ کی ہے اور شرع مطہر اس کے تصدق کا حکم فرماتی ہے لہذا میں نے فلاں کو بطور تصدق اس کا مالک مستقل کیا اور پورا قبضہ اسے دے دیا، اسکے بعد وہ محتاج وقف نامہ تصدیق کرائے کہ ازانجا کہ مسماۃ فلانہ نے امتثال حکم شرع کے لئے یہ جائداد بطور تصدق میری ملک کردی اور میں نے قبضہ کرلیا اور اب یہ مال شرعاً طیب ہوگیا، میں چاہتا ہوں کہ اسے کار خیر میں صرف کرکے ثواب حاصل کروں اور مسماۃ کو بھی فائدہ پہنچاؤں لہذا میں نے اسے تاحیات مسماۃ اس پر اور اس کے بعد مسجد مدرسہ پر وقف صحیح شرعی کی، باقی عبارتیں کاغذ میں حسب دستور ہوں۔

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اپنی کل جائداد جس پر بار کفالت بھی تھا باظہار بار کفالت وقف عنداللہ کی اور وقف نامہ تحریر کرکے اس میں متولی اپنی زوجہ کو لکھایا بعدہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء کو ایک تتمہ متعلق وقف نامہ مذکور بخیال اس کے کہ زمینداری جو وقف نامہ میں وقف تھی اس کی نمبرداری کے لئے خواستگار دوسرا شریک ہو کیونکہ عورت بموجب قانون انگریزی بمقابلہ مرد کے نمبردار نہیں ہوسکتی ہے تتمہ مذکور لکھا اور اس میں عبارت حسب ذیل درج کی:

چونکہ میں نے بذریعہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اس کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ دس بارہ روپیہ کو وقف کرکے تکمیل دستاویز مذکور کے بذریعہ تحریر ورجسٹری کے کرادی ہے اس دستاویز میں سہو کامل

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

سے کسی سبب یہ بات لکھنے سے باقی رہ گئی ہے کہ تمام جائداد مندرجہ وقف نامہ متذکرہ بالا کی بابت میں شرائط کی پابندی اسمیں درج ہے اس کا عمل درآمد اور پابندی شرائط میرے مرنے کے بعد عمل پذیر ہوگی جب تک میں مقر بقید حیات زندہ ہوں اس وقت تک میں مقر مالکانہ قابض اور متصرف رہوں گا مع تتمہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کی بابت لکھ دیا کہ سند ہو، بعدہ وہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک تتمہ دوسرا اور لکھا اور اس میں حسب ذیل عبارت تحریر کی کہ تتمہ دستاویز مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء جو بابت دستاویز مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کے لکھا یا تھا اس تتمہ دستاویز کے سطر ج کے آخر میں لفظ مقر کے بعد بوجہ سہو کتابت کے عبارت ذیل تحریر ہونے سے رہ گئی ہے وہ عبارت ذیل مذکور تتمہ مذکور یعنی دستاویز تتمہ مذکور مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء مذکور کا جزو متصور ہو کر پڑھی جاوے:

"واقف منتظم بشرائط مندرجہ وقف نامہ بحیثیت متولی ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء"

لہٰذا یہ تتمہ بطور دستاویز تتمہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء متصور ہو، اس کے بعد پسر واقف نے کل جائداد واقف پر ۱۹۱۹ء میں قبضہ متولی سابق کو دے دیا۔ اب اسوال یہ ہے کہ وقف نامہ جائز ہے یا نہیں اور وقف اگر جائز ہے تو وہ ۱۹۱۹ء کے تتمہ سے مانا جائے گا یا ۱۹۱۷ء کے وقف نامہ سے اور تتموں سے تو کوئی اثر وقف پر نہیں پڑتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ درمیانی امور کے بابت واقف بحیثیت متولی مانا جائے گا یا مالک کی حیثیت اس کی ہوگی تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کردے اور متولی کو قبضہ نہ دے اور خود ہی واقف اپنا قبضہ رکھے تو اس حالت میں کیا وقف ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب:

وقف صحیح ہوگیا اور پہلا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا عملدرآمد اس کے مرنے کے بعد ہوگی زندگی بھر وہ مالکانہ قابض رہے مردود ہے وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا اصلاً اختیار نہیں اور دوسرا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف نامہ میں جسے متولی کیا تھا اس کی جگہ خود متولی رہنا چاہتا ہے یہ اس کے اختیار کی بات ہے اسے معزول کرکے آپ متولی ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

للواقف عزل الناظر مطلقًا بہ یفتی[1]۔	مطلقًا واقف کو یہ جائز ہے کہ وہ نگران کو معزول کردے، اسی پر فتوٰی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای سواء کان بجنحۃ اولا وسواء کان	یعنی نگران کا جرم ہو یا نہ ہو اور معزولی کی شرط

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

شرط له العزل اولا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہو یا نہ ہو برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از مقام چندوسی ضلع مراد آباد محلّہ سنبھل دروازہ مسئولہ عبداللہ لوہار

کہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ، زید نے ایک منزل دکان واقع چندوسی پرگنہ بلاری میں ۱۹۰۴ء میں فی سبیل اللہ وقف کی، اور یہ وقف نامہ رجسٹری شدہ تحریر کردیا ہے، اس کے دو ماہ بعد ایک وصیت نامہ زید نے اور تحریر کردیا کہ میرا ارادہ بیت اللہ شریف جانے کا ہے اگر میں زندہ واپس آگیا تو میں مالک ہوں اور بعد انتقال میرے کے میری عورت مسماۃ عدیا اور میرا پوتا علی حسین مالک ہے۔ زید کا انتقال بیت اللہ شریف جاتے وقت راستہ میں ہوگیا اور اس کے بعد پوتا علی حسین بھی مرگیا تو اس کی بیوی عدی باقی رہی اس نے یہ جائداد کفالت کردی، کفالت کے ایک سال بعد عدی عورت کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کے پوتے علی حسین کے والد امر نے یہ جائداد بیع کردی اور اس کا روپیہ اسی نے صرف کرلیا اور چودھری محلّہ ہے انہوں نے بیع نامہ پر دستخط کردئے اور اس کے بعد خریدار نے اسکو تعمیر کرلیا، خریدار کو وقت بیع اور وقت تعمیر کے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ جائداد فی سبیل اللہ وقف ہے، اہل محلّہ کو جب معلوم ہوا کہ اس میں کا ایک شخص کہ جس کی وقف نامہ پر گواہی نہیں ملا اور اسی نے کہا کہ تو کوشش کرکے عدالت سے اس کی نقولیں حاصل کرینگے تو معلوم ہوگا اور مالک خریدار کا یہ بیان ہے کہ میرا روپیہ بیع و تعمیر کا دلوایا جائے تو میں قبضہ چھوڑ دوں گا، اور اب امر جس نے فروخت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مالک تھا فروخت کردیا۔ اب ہماری شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب وہ دکان وقف ہوچکی تھی تو اس کی نسبت زید کو وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا، نہ عورت کو مکفول کرنے کا نہ عمرو کو اس کے بیچنے کا، یہ سب باطل محض، مشتری پر فرض ہے کہ اسے فوراً چھوڑدے اپنا روپیہ عمرو سے لے لے، روپے نہ ملنے تک قبضہ رکھنے کا مشتری کو کوئی اختیار نہیں، ایک منٹ کے لئے قابض رہنا اس پر حرام ہے اس نے جدید کرلی ہے تو اسے اکھیڑ لے، اور اگر مسلمان اسے عملے کی قیمت ادا کرے، عملہ وقف کے لئے کرلیں تو بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹: از بریلی موضع بلیا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص موضع بلیا میں امام باڑے کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میرا مکان ہے، اور اس میں بیل باندھنے لگا، اور زمیندار خود کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

تیوہار کرو، لیکن ان لوگوں نے زمیندار کو ۵۷ روپیہ دے کر اس کو اپنے بس میں کرلیااور وہ کہتے ہیں کہ ہم دینداری کے شریک نہیں۔ان کا کیاانتظام کیاجائے؟

الجواب:

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتاوہ جس نے بنایااسی کی ملک ہے اسے اختیار ہے اس میں جو چاہے کرے،وہ نہ رہاتواس کے وارثوں کی ملک ہے انہیں اختیار ہے،اور تعزیہ داری کو اگر کسی نے دینداری کہااور اس نے اس کی شرکت سے انکار کیاتو کچھ بیجانہ کیاکہ تعزیہ داری ناجائز ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔یہی اس سوال سے ظاہر ہے اور وہ معنی کہ میں اسلام کے شریک نہیں مسلمان ہرگز مراد نہ لے گا،ہاں اگرثابت ہوجائے کہ کسی کلمہ گو نے اسلام کی شرکت سے انکار کیاتو ضرور کافر ہوجائے گامگر یہ معنی یہاں سے مفہوم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: مسئولہ عزیزالحسن قادری رضوی از قصبہ پھپھوند ضلع اٹاوہ محلّہ اونچاٹیلہ ۱۲ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہندہ سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ جو پندرہ بیس برس ہوئے کہ اپنے مادری پیشہ کسب سے توبہ کرچکی،اپنی مقبوضہ کل جائداد واملاک جو اس کی ماں اور نانی کی متروکہ اور ان کو ان کے آشناؤں کی ہبہ کی ہوئی ہے مدرسہ دینیہ کی تعلیم میں یااسکے یتیم ومفلس طلبہ کی خوردونوش کی صرف میں لانے کی غرض سے وقف کرنا چاہتی ہے،پس سوال حضرات مفتیان شرع شریف سے یہ ہے کہ منتظمین مدرسہ کو یہ جائداد اپنے قبضہ میں لاکر اس کے محاصل کو ہندہ کی خواہش کے موافق صرف میں لاناشرعًا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو روپیہ بعوض زنا وغنا حاصل کیا مثل غصب حرام مطلق ہے کہ کسی طرح اس کی ملک نہیں ہوسکتا ہے وہ جائدادیں جو آشناؤں نے زانیات کو ہبہ کیں وہ ہبہ بھی محض باطل ہے وہ اصل دینے والوں کی ملک پر رہیں ان کی ملک میں نہیں آسکتیں،قنیہ ودر مختار میں ہے:

مایدفعه المتعاشقان فهو رشوة[1]۔	عشق بازی کرنیوالے ایک دوسرے کو جو دیں وہ رشوت ہے(ت)

ہاں جو جائداد زانیہ نے خریدی ہو اور اس کے شراء میں عقد ونقد دونوں زرِحرام پر جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا روپیہ پیشگی دے کر کہا کہ اس روپے کے عوض جائداد دے دے بائع نے اس کے عوض بیع کردی یہ تو حرام پر عقد ہوا،اور وہی روپیہ زرِ ثمن میں دیاگیا یہ حرام کا نقد ہوا دونوں جمع ہوگئے اس صورت میں بھی وہ جائداد ان کی ملک نہ ہوگی ہاں اگر زرحرام پر عقد ونقد دونوں جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا جائداد خریدی اس وقت ثمن کی تعین خاص مال حرام سے نہ تھی نہ وہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ القنیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات ۴/ ۴۰۳

دکھایا گیا نہ پیشگی دیا گیا مطلق روپے کے بدلے خریدی تو یہ جائداد اس خریدنے والے کی ملک صحیح وحلال ہوجائے گی اب زرِ ثمن اس حرام مال سے ادا کیا گیا تو یہ گناہ ہوا اور بائع کو اس کا لینا حرام تھا مگر جائداد اس کی ملک میں آگئی، اسی طرح جو کچھ ان کو اجرت ورشوت کے علاوہ ناچ گانے میں بطور انعام دیا جاتا ہے جسے "بیل" کہتے ہیں وہ ان پر حرام نہیں کما نص علیہ فی الھندیۃ (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) غرض جن صورتوں میں جائداد اس کی ملک ہے اسے وقف کرسکتی ہے مہتممان مدرسہ اسے لے سکتے ہیں اور جس صورت میں جائداد اس کی ملک نہیں وہ اسے وقف نہیں کرسکتی نہ اس کے وقف کئے وقف ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جائداد کسی فقیر محتاج مسلمان کو ہبہ کرکے قبضہ کرادے اگرچہ اپنے کسی عزیز قریب مثل ماں بہن وغیرہ کو، اور وہ وقف کردے یا یہ اس سے خرید کرا گرچہ ایک پیسے کو یا اس سے اپنے نام ہبہ کراکے قبضہ میں کرکے خود وقف کردے اب یہ وقف صحیح ہوگا اور مدرسہ میں اس کا صرف حلال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از نگینہ ضلع بجنور متصل مسجد کھجور والی، مکان حکیم مبارک حسین صاحب مرسلہ صوفی حاجی محمد ابراہیم صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے اوپر جو چادر نئی ڈالی جاتی ہے اگر پرانی ڈالی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر کل برادری کے مردوں کے اوپر ایک ہی چادر بنا کر ڈالتے رہا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اس کی قیمت مردہ کے گھر سے یعنی قلیل قیمت لے کر مقبرہ قبرستان یا مدرسہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟ اور چادر مذکور اونی یا سوتی بیش قیمت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نئی ہو یا پرانی یکساں ہے، ہاں مسکین پر تصدق کی نیت ہو تو نئی اولی، اور اگر ایک ہی چادر معین رکھیں کہ ہر جنازے پر وہی ڈالی جائے پھر رکھ چھوڑی جائے اس میں بھی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے کپڑا وقف کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

صح وقف قدر وجنازۃ وثیابھا [1]۔	ہنڈیا، جنازہ اور اس کے کپڑے کا وقف صحیح ہے۔(ت)

طحطاوی وردالمحتار میں ہے:

جنازۃ بالکسر النعش وثیابھا مایغطی بہ المیت وھو فی النعش [2]۔	جنازہ کسرہ کے ساتھ چارپائی اور اس کے کپڑے جن سے میت کو ڈھانپا جائے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

اور بیش قیمت بنظر زینت مکروہ ہے کہ میت محل تزئین نہیں اور خالص بہ نیت تصدق میں حرج نہیں **کجلال الھدی** (جیسا کہ ہدی (قربانی) کے جانور کے جُھل۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر الاسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو زمیندار اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کرے تو یہ وقف ہماری شریعت میں معتبر ہے یانہیں؟ اور اس مسجد میں نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے **لانہ لیس قربۃ فی دینہ الباطل** (کیونکہ اس کے باطل دین میں کوئی قربت نہیں۔ت) اگر یونہی مسجد بنالیں گے اسمیں نماز ہوجائے گی اور جمعہ بھی ہوجائے گا اگر شہر یا فناء شہر میں ہو **اذلایشترط لھا المسجد** (کیونکہ نمازوں کے لئے مسجد شرط نہیں۔ت) مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳: از موضع ڈیلاہی ڈاک خانہ لہریاسرائے ضلع دربھنگہ مرسلہ محمد عبدالجلیل خاں صاحب ۱۳رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی کچھ زمین مملوکہ کو وقف کرنا چاہتا ہے اس زمین کی آمدنی دو قسم کی ہے کچھ نقدی تحصیل ہے اور زیادہ حصہ آمدنی کا بذریعہ تاڑ و کھجور ہے یعنی جس قدر تاڑ و کھجور اس زمین میں ہیں سال بسال رعایا کے ساتھ بندوبست کئے جاتے ہیں رعایا مدت معینہ تک فائدہ اس سے اٹھاتے ہیں اور اس مدت تک کے لئے مالک نے جو کچھ زر مقرر کیا ہے اس کو ادا کرتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زمین مذکورہ موصوفہ بصفت مسطورہ کو زید وقف شرعًا کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

زمین وقف کرسکتا ہے کہ اسمیں کوئی معصیت نہیں اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دیں حرام و باطل ہے، وہ نہ بعد وقف جائز ہو نہ اب جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴ تا ۲۸: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اگر کوئی قطعہ کسی خاص شخص یا قوم کی پرورش کے لئے وقف خاص ہو لیکن اس میں کچھ آمدنی ہو اور اس پر صدہا برس سے عام اہل اسلام اپنی مردے دفن کرتے ہوں جن کو ہزارہا قبور و بکثرت خطیرہ و مقبرہ و متعدد مساجد و چاہات موجود ہوں اور ہنوز یہ عمل جاری ہو تو وہ اراضی وقف عام مانی جائیگی یانہیں؟

(۲) کیااراضی موقوفہ مذکور کے کسی متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان کو مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ و خطیرہ

بنانے سے روک دے۔

(۳) اگر منجملہ تین متولیوں کے جو کسی موقوفہ قبرستان کے ہوں دو مرد متولی زید کو مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دیں اور وہ اس پر عمل کرکے مردہ دفن کرادے اور مسجد و چاہ بھی تعمیر کرادی مگر تیسری عورت متولیہ اس پر رضامند نہ ہو تو کیا دو مرد متولیوں کی اجازت کافی مانی جائے گی؟

(۴) کیا تیسری متولیہ کو جو اجازت میں شامل نہیں ہے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقبرہ و مسجد و چاہ تعمیر شدہ کو تڑوادے۔

(۵) کیا موقوفہ قبرستان میں کوئی شخص بہ اجازت متولیوں کے منجملہ تین کے مردہ دفن کرنے و مسجد و چاہ تعمیر کرنے کے لئے کوئی خاص حصہ مخصوص کرسکتا ہے اور تیسری متولیہ جو اجازت میں شامل نہیں ہے وہ مخصوص کرنے کی مانع ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ صدہا سال سے عام مسلمان بلانکیر اس زمین میں مساجد و چاہ و قبور بناتے آئے ہیں تو وہ ضرور وقف عام ہے، کس دلیل سے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم خاص پر وقف تھا، ایسی حالت میں کسی متولی کو اختیار نہیں کہ سنی مسلمان کو اس میں دفن کرنے یا مسجد یا کُنواں بنانے سے روکے خواہ یہ روکنے والا مرد ہو یا عورت ہو، اور اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو کہ حقیقۃً وہ زمین کسی قوم خاص پر وقف ہے اور عام لوگوں نے صدہا سال سے اسمیں ظالمانہ و غاصبانہ تصرفات کررکھے ہیں جس کی امید ہرگز کسی طرح نہیں تو البتہ ہر متولی اس میں خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے اگرچہ یہ متولی عورت ہو اگر دس مرد متولی اس کی اجازت دے چکے ہوں کہ خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے اور اجازت دینے والا خائن ہے جسے معزول کرنا لازم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹ تا ۳۳: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مرسلہ سید احمد علی صاحب مہتمم مدرسہ نظامیہ عربیہ اسلامیہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ خالد نے ایک مدرسہ عربیہ دینیہ قائم کیا چندہ سے۔ اور شہر کے لوگوں سے خالد کا چندہ بھی زائد ہے اور نقل بیع نامہ جو ہمسلک ہذا ہے اس میں خالد نے علاوہ اپنے چھ نام دیگر برائے قائمی مدرسہ درج کرائے یعنی خالد، مولوی شمس الدین صاحب، چڑوہ رحیم بخش صاحب، حاجی محمد فاضل صاحب، رسالدار حسن خاں صاحب، مہاوت موتی خاں صاحب، الہ بخش صاحب، منجملہ ان کے رسالدار حسن خاں صاحب اور حاجی محمد فاضل صاحب مرچکے، محمد فاضل صاحب کا جزوی روپیہ تھا

اور رسالدار حسن خاں صاحب اور مہاوت موتی خاں صاحب کا چندہ کچھ نہیں صرف احتیاطًا نام درج بطور اطمینان کر دئے گئے کہ کوئی مدرسہ کو ذاتی ملکیت نہ بنالیوے۔ الہ بخش جی کا بھی تھوڑا روپیہ تھاوہ اور رحیم بخش جی اور فاضل جی کا تعلیم میں صرف ہوگیا زمین جو برائے مدرسہ خریدی گئی وہ سب باہر کے چندہ آوردہ خالد اور خالد کے ذاتی چندہ سے خرید کی گئی، جو عمارت مدرسہ اس وقت موجود ہے وہ باہر کے چندہ آوردہ خالد اور احباب خالد سے تعمیر ہوئی ہے تو خالد کا حق دوسروں کے مقابلہ میں اس مدرسہ پر کس قدر ہے فتوی عطا ہو۔

(۲) صورت مسطورہ بالا میں واقف کل کون ہوا اور اگر وقف مشترکہ مانا جاوے تو واقف اعظم کون ہوا صاف حکم فرمایا جائے، خالد حدیث شریف **الدال علی الخیر کفاعله**[1] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) سے بھی فائدہ پائے گا یا نہیں؟

(۳) ایسے چندہ مسطورہ بالا سے جو ہر سال آمد ہو کر تعمیر اور تعلیم میں صرف ہوتا رہا کیا وقف ہو سکتا ہے کل آمد سالانہ ہو وہ صرف ہو جائے یعنی مدرسہ وقف مانا جائے گا یا کیا۔

(۴) اگر خالد وقف بھی کرنا چاہے تو وقف مانا جائے یا کوئی صورت عارض ہوگی حالانکہ خالد نے چندہ شہر اور باہر سے خدا واسطے مانگ کر لایا اور لگایا اور اپنا وقت سفر اور حضر بلا معاوضہ صرف کیا خالد جو کہ اول سے بانی اور متولی مدرسہ ہے بلاوجہ شرعیہ گروہ جہال جنہوں نے چندہ دیا یا نہ دیا ہو الگ کر سکتے ہیں ذاتی عداوت سے۔

(۵) سواد اعظم میں گروہ جہال مانے جائیں گے یا پڑھے لکھے پابند اسلام؟

نقل بیعنامہ

تحریر از طرف پٹھان حسن خاں وحاجی محمد خان پسران خواجو خاں سکنہ شہر بنام جملہ انجمن والان مسمّٰی رحیم بخش جی چڑوہ رنگریز، مولوی سید شمس الدین جی، مہاوت موتی خاں جی، الہ بخش جی، رسالدار حسن خاں جی، قاضی احمد علی، حاجی محمد فاضل جی شہر والوں کے روپیہ (ال سالہ للعہ ۱۶۴۱) اودے پوری دینا جس کے بدلہ میرے باپو نیکی جگہ نیم سیم سمیت مع چبوترہ وجملہ حقوق بخشش کر دئے اور قابض و متصرف بھی کرادیا روپیہ اس طرح پر لئے (ال **معہ معہ ۱۰۷۷**) تو پٹھان عمر خاں نیاز محمد خان کو رہن کے آپ نے چکائے و تحریرات رہن آپ نے لے لی اور مبلغ (مال مہ معہ ۲۷۵) چوڑی گر محمد علی کو بابت دعوی دیوانی کے آپ چکا نا کم دو یا زیادہ اور مبلغ (مال لعہ لہ ۲۸۹) ہم نے نقد آپ سے وصول کر لئے غرضکہ (ال سال للعہ ۱۶۴۱) کل بھر پائے فیس نقشہ ورجسٹری وغیرہ سب آپ کے ذمہ ہے اس جگہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعله امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۱

بابت ہمارے بھائی گرایہ وغیرہ کوئی دعوی جھگڑا کریں گے نہیں، اگر کریں گے توان کا من میں مناؤں گالہذا یہ تحریر بیعنامہ سنداً لکھ دی کہ وقت ضرورت کام دے۔ دستخط حسن خاں وحاجی محمد خاں مع گواہان

مکرر یہ کہ زمین زیادہ قیمت کی تھی مگر مسطورہ بالا روپیہ میں آپ کو فروخت کرکے بخشش کردی کہ پھر کوئی دعویدار نہ ہوسکے (سمہ ۱۹۶۳) بکرمی کے بیسا کھ بدی ۷،

الجواب:

ہبہ بالعوض بیع ہے بیع جتنے اشخاص کے نام ہوئی سب مالک ہوئے اگرچہ روپیہ ایک ہی دیتا وہ اوروں کے حصے کا زرثمن ادا کردینے میں متبرع ہے جبکہ ان سے واپسی قرار نہ پائی ہو جیسا یہاں ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں ثابت کیا ہے کہ زرچندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور محصل کا ان کے اذن عرفی سے غلط کرلینا اسے مالک نہ کردے گا اور جبکہ انہوں نے مدرسہ بنانے کے لئے خالد کو چندہ دیا تو اسے شراء زمین وتعمیر کا ماذون کیا اور ان کا روپیہ ان کے اذن سے اس نے شراء وتعمیر میں صرف کیا تو وہ زمین وعمارت تمام مشتریوں اور چندہ دہندوں کی ہوئی جس کا ایک پیسہ چندہ ہو اور جس کا ہزار روپے سب شریک ہیں، اور جبکہ دینی مدرسہ نفع عام مسلمین کے لئے بنانا مقصود تھا اس میں کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ میں کسی جز کا مالک رہوں اور اس سے انتفاع ایک مدت محدود تک ہو پھر میری ملک میں واپس آئے جبکہ اپنی ملک سے خارج کرکے ہمیشہ کے لئے نفع مسلمین کے واسطے کردینا مقصود ہوتا ہے اور یہی حاصل وقف ہے تو اگرچہ نصًا وہ سب لفظ وقف نہیں کہتے عرفاً دلالۃً وقف کرتے اور وقف ہی سمجھتے ہیں، ذخیرہ وخانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیہا امر قوما ان یصلوا فیہا بجماعۃ فان امرھم بالصلٰوۃ فیہا ابدا نصًا بان قال صلوا فیہا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًا ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا وان وقت بالشھر اوالسنۃ لاتصیر مسجدا۔[1]	ایک شخص نے اپنے خالی میدان میں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کی صراحۃً ابدی اجازت دی یا مطلقًا کہہ دیا کہ اس میں نماز پڑھو اور نیت ابدی کرلی تو وہ میدان مسجد قرار پائے گا اور اگر مہینے یا سال کے لئے نماز پڑھنے کو کہا تو وہ مسجد نہ قرار پائے گا۔ (ت)

تو وہ ایک مکان ہے جس کی زمین وعمارت سب ان سب کی ملک مشترک ہو کر ان سب کی طرف سے وقف ہوئی اور حق کہ واقف کو وقف پر ہوتا ہے سب کو بروجہ کمال یکساں حاصل ہوا اس میں کمی بیشی چندہ پر لحاظ نہ ہوگا کہ یہ حق متجزی نہیں اور حق غیر متجزی ہر شریک کے لئے کاملاً حاصل ہوتا ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۵

ماثبت بجماعة فهو بينهم على سبيل الاشتراك الافى مسائل، الاولى ولاية الانكاح للصغير والصغيرة ثابتة للاولياء على سبيل الكمال لكل (الى ان قال) والضابط ان الحق اذاكان ممالايتجزى فانه يثبت لكل على الكمال فالاستخدام فى المملوك ممالا يتجزى[1]۔	جو چیز پوری جماعت کے نام ہوتو وہ ان سب میں مشترک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے، جن میں سے ایک نکاح دینے کی ولایت جو تمام اولیاء کو نابالغ لڑکے اور لڑکی پر حاصل ہے اور یہ ہر ایک کو مستقل حاصل ہے (آگے یہاں تک فرمایا) اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر حق غیر متجزی ہوتو یہ ہر ایک کو مستقل ہوگا، تو مشترکہ غلام سے خدمت لینا ہر ایک کو مستقل حق ہے کیونکہ یہ بھی غیر متجزی ہے (ت)

خالد بشرط حسن نیت وقبول حضرت عزت الدال الخیر کفاعله[2] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) کا فائدہ روز جزائے پائے گا خالد اب اسے جدید وقف کرکے واقف کل نہیں بن سکتا وقف دوبارہ وقف نہیں ہوسکتا نہ خالد مالک کل ہے اور وقف کی شرط ملک ہے، خالد کو مدرسہ سے جدا کرنے کی اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہوتو جہال ہوں یا علماء بلاوجہ محض نفسانیت سے جو کریں مسموع نہیں ہوسکتا جبکہ خود حاکم قاضی کو کسی صاحب وظیفہ تک کا بے گناہ معزول کرنا نہیں پہنچتا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

استفيد من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظيفة فى وقف بغير جنحة وعدم اهلية[3]۔	بغیر جرم نگران کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران باوظیفہ ہوتو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا (ت)

اور اگر وجہ شرعی ہوتو بلاشبہہ معزول کیا جائے گا اگرچہ خاص اپنی تنہا ملک سے وقف کیا ہوتا۔ درمختار میں ہے:

ينزع وجوبا، بزازية، لو الواقف، درر، فغيره بالاولى غيرمامون اوعاجز اوظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه، فتح[4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہی کیوں نہ ہو، درر۔ تو غیر بطریقِ اولٰی جب وہ ناقابل اعتماد نااہل، یا اس کا فسق ظاہر ہوچکا ہو مثلاً شرابی ہونا وغیرہ فتح۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۴۵۔۲۴۴

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعله امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۱

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

سواداعظم اہلسنت ہیں فرعیات میں حکم شرع کے خلاف کثرت و قلّت جماعت پر نظر نہیں امور انتظامی جن میں شرع مطہر کی جانب سے کوئی تحدید نہ ہو ان میں کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اس میں ہر ذی رائے مسلمان سنی کی رائے ملحوظ ہوگی اگرچہ عالم نہ ہو کہ معاملہ شرعیات سے نہیں بلکہ بارہا تجربہ کار کم علموں کی رائے کسی انتظامی امر میں ناتجربہ کار ذی علم کی رائے سے صائب تر ہوسکتی ہے **انتم اعلم بامور دنیاکم**[1] (تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر جانتے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: مسئولہ مولوی ظہور حسین صاحب ساکن بریلی محلّہ کنگھی ٹولہ ۲۴ رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی حیات میں ایک جزو زمینداری معہ ایک قطعہ مکان موسوم امام باڑہ بغرض امورات مذہبی بشرائط ذیل بنام خدائے برتر وقف کرکے وقف نامہ مصدقہ رجسٹری لکھ دیا اور قبضہ دخل جزوًا وکلًا اٹھاکر خدا کی ملک میں دے دیا اور کوئی تعلق اپنا کسی قسم کا نہ رکھا اور دو متولی مقرر کرکے عمل درآمد باضابطہ کرادیا اغراض وقف کے شرائط مجوزہ ہندہ واقفہ یہ ہیں:

اول یہ کہ جو منافع خالص رہے اس میں سے محفل میلاد شریف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ ونذر ونیاز وغیرہا سید الشہداء امام حسن وامام حسین علیہما السلام وفاتحہ برسی اموات ومرمت شکست و ریخت امام باڑہ باہتمام متولیان ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر متولیان مذکور بلاکسی کو متولی یا قائم مقام اپنا کئے فوت ہوجائیں تو اولاد ذکور لائق متولیان ہندہ سے متولی ہوگی کوئی شخص مستحق تولیت کا نہ ہوگا بلکہ یہ سلسلہ خاندانی تاقیام زمانہ نسلًا قائم رہے گا کوئی کمیٹی وانجمن موقوفہ میں دست انداز نہیں ہوسکتی کیونکہ محاصل اس وقف کا بنابراجراء کارِ خیر ونذر ونیاز رکھا گیا ہے تاکہ نام میرا دنیا وآخرت میں ہمیشہ کو رہے اور ثواب ملتا رہے۔ ایسا وقف اور یہ اصراف اوقاف شرعی یعنی بموجب شرع محمدی کے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ جائداد اور یہ مکان اس وقف کرنے کے وقت ہندہ کی ملک تھی اور اب اس نے مصارف خیر مذکورہ کے لئے وقف کردیئے وقف جائز و صحیح ولازم ہوگیا اور مصارف مذکورہ شرعًا جائز ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ووقف المشاع جائز[2] **قال فی الدرر**	غیر منقسم جائداد کا وقف جائز ہے، درر میں ہے کہ

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب امتثال ما قالہ شرعًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

وبه یفتی[1]۔	اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

اور وقت وقف اس کا مالک ہونا ضروری ہے، شامی ج ۳ ص ۵۵۵ میں ہے:

شرطه شرط سائر التبرعات افاد ان الواقف لابدان یکون مالکاله وقت الوقف ملکاتاما[2]۔	اس کی شرط وہی ہے جو تمام تبرعات کی شرط ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ واقف کا بوقتِ وقف کامل مالک ہونا ضروری ہے(ت)

وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہیں، خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونه یکتب فی حجة ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحة ذلك شرعا والزیادة لایحتاج الیها[3] اھملتقطا	یہ کہ جہت وقف لکھی جائے اور دفتری کتب میں لکھائی تو یہ شرط شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعی طریقہ کے مخالف ہے کیونکہ صرف لفظی طور پر کہہ دینا کافی ہے اور اس سے زائد شرعاً کوئی ضروری نہیں اھ (ت)

اور ولایت کو اپنے خاندان میں شرط کردینا بھی صحیح ہے اور وہ اسکا متولی رہے گا جب تک کہ اس کی خیانت یا عجز یا فسق ظاہر نہ ہو ورنہ اس سے ولایت لے لی جائے گی اگر متولی خود واقف ہی ہو، درمختار صفحہ ۵۹۴ میں ہے:

وینزع وجوبا لوکان المتولی غیرمامون او عاجزًا وظهر به فسق وان شرط عدم نزعه او ان لاینزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحکم الشرعی فیبطل کالوصی[4] اھملخصًا ومختصرا۔	اور متولی غیر معتمد علیہ ہو، یا نالائق ہو، یا اس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو تو اس کو معزول کرنا ضروری ہے اگرچہ معزول نہ کرنے کی شرط کی ہو، یا یہ کہ قاضی اور سلطان بھی نہ معزول کرے گا، تو شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے جیسا کہ وصی کے متعلق حکم ہے۔اھ ملخصًا مختصرًا (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعہ احمد کامل الکائنہ ۲ /۱۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۹

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۲۱۶

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۸۳

مسئلہ ۳۵: از سورت عید روس منزل خانقاہ عید روسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زید بن حسن عید روس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف جو ثواب کی نیت سے بترغیب حکم رب العالمین وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف کل کے کل مذہبی ہیں یامذہب کے غیر یا بعض مذہبی اور غیر مذہبی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اوقاف جائزہ مطلقاً اگرچہ بے نیت ثواب کئے جائیں اگرچہ وقف کرنیوالے مسلمان بھی نہ ہوں خواہ ہمارے مذہبی تعلیم اعمال، عبادات کے لئے ہوں یا غریبوں کی مدد، تعلیم، طبّی امداد وغیرہا کے لئے علی العموم سب مذہبی ہیں اور ان میں دست اندازی مذہبی دست اندازی، نیت وعدم نیت یا اسلام وکفرواقف سے یہ فرق پڑتا ہے کہ واقف اگر مسلمان ہواور ثواب کی نیت سے کرے (جیسا کہ عام اوقاف میں مسلمانوں کی یہی نیت ہوتی ہے) تو وہ اس کے لئے قربت وعمل صالح وباعث ثواب وقرب رب الارباب بلکہ اطلاق عام میں عبادت الٰہی ہے اور ایسا نہ ہو تو واقف کو ثواب نہ ملے گا مگر وقف فی نفسہٖ ضرور ہمارا دینی مذہبی کام ہی رہے گا ولہٰذا اس میں دو شرطیں مطلقاً لازم ہیں:

ایک یہ کہ وہ کام جس کے لئے یہ وقف ابتداءً ہوا یا آخر میں اس کے لئے قرار پائے گا واقف کے نزدیک کار ثواب ہو وہ اس ثواب کی نیت کرے یا نہ کرے یہ اس کا فعل ہے کام مذہبی حیثیت سے ثواب کا ہونا چاہئے، جیسے غرباء کی امداد اگرچہ دواوغیرہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ کام خود ہمارے مذہب اسلام کی رو سے کارِ ثواب ہو اگرچہ وقف کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

(۱) اسی لئے اگر اغنیاکے چائے پانی کے لئے ہوٹل بنا کر وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں۔

(۲) کافر نے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کار ثواب نہیں۔

(۳) کافر نے ایک مندر یا شوالے کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ واقع میں کارِ ثواب نہیں۔

(۴) کافر نے ایک شوالے پر وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک یہ باقی ہے وقف کی آمدنی اس میں خرچ ہواور جب شوالہ ٹوٹ کر ویران ہو جائے تو اس کے بعد یہ آمدنی محتاجوں پر صرف ہوا کرے وقف صحیح ہو جائے گا کہ اس کا آخر ایک ایسے کام کے لئے رکھا جو کار ثواب ہے یعنی امداد مساکین، اور آج ہی سے اس کی ساری آمدنی

امداد مساکین میں صرف ہوگی شوالہ کو ایک پیسہ نہ دیا جائے گا، اور اس قسم کے بکثرت مسائل کتب معتمدہ میں مذکور ہیں، تو ثابت ہوا کہ وقف جائز کیسا ہی ہو کسی نے کیا ہو کسی طرح کیا ہو مطلقاً ہم مسلمانوں کا دینی مذہبی ہے، کام دو ہی قسم ہیں: دینی یا دنیوی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی کام میں ان دونوں شرطوں سے کوئی شرط نہیں، نہ یہی ضرور کہ فاعل کے نزدیک وہ کارِ ثواب ہو، نہ یہی لازم کہ مذہب اسلام نے اسے کارِ ثواب مانا ہو اور وقف میں مطلقاً یہ دونوں شرطیں لازم ہیں، تو ظاہر ہوا کہ وہ ہرگز دنیوی کام نہیں بلکہ خاص دینی ومذہبی ہے، اور یہی ہمیں ثابت کرنا تھا، اور اس پر ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ مسلمان اگر کیسا ہی وقف کسی غرض کا کرے اور پھر **معاذاللہ** اسلام سے پھر جائے تو فوراً اس کا ہر وقف باطل ہوجاتا ہے وہ اس کے وارثوں پر مالکانہ تقسیم کردیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر مرتد ہو کر پھر اسلام لے آئے وقف عود نہ کرے گا جب تک بعد اسلام پھر از سرنو وقف نہ کرے اور یہ حکم عام ہے جس میں کسی وقف کی تخصیص نہیں تو کوئی وقف اگر ایسا بھی ہوتا جو مذہبی نہ ہو تو مذہب بدل جانے سے وہ کیوں باطل ہوجاتا تو معلوم ہوا کہ وقف کیسا ہی ہو مطلقاً مذہبی ہے، اب ان تمام مسائل پر عبارات کتب ملاحظہ کیجئے، ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۴۲۳:

العتق والوقف والاضحیۃ ایضا عبادات[1]۔	وقف، عتق اور قربانی بھی عبادات ہیں۔(ت)

ہدایہ مع فتح القدیر مطبع مصر جلد پنجم ص ۵۷:

الوقف ازالۃ الملك الی اللہ تعالٰی علٰی وجہ القربۃ[2]۔	اپنی ملکیت کو عبادت کے طور پر زائل کرنا اللہ تعالٰی کے لئے، اس کو وقف کہتے ہیں(ت)

فتح القدیر جلد مذکور ص ۵۷:

محاسن الوقف ظاہرۃ لما فیہ من ادامۃ العمل الصالح کما فی الحدیث المعروف اذا مات ابن اٰدم انقطع عملہ الامن ثلث صدقۃ جاریۃ[3]، الحدیث۔	وقف کے محاسن ظاہر ہیں کہ اس میں نیک عمل کا دوام ہے جیسا کہ معروف حدیث میں ہے کہ انسان کے فوت ہونے پر اس کے عمل تین کے ماسوا سب منقطع ہوجاتے ہیں، ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے، الحدیث(ت)

درمختار مع شامی مطبع استنبول جلد سوم ص ۵۵۴:

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۸

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۶۲۳

[3] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۶

سببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الاٰخرة بالثواب یعنی بالنیة من اھلھا لانه مباح بدلیل صحته من الکافر [1]۔	دنیا میں احباب سے بھلائی اور آخرت میں ثواب کیلئے نفس کو خوش کرنا اس کا سبب ہے یعنی ثواب کی نیت اہل نیت سے، ورنہ مباح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا کافر کو بھی جائز ہے (ت)

ایضًا صفحہ ۴۵۶ :

شرطه ان یکون قربة فی ذاته [2]۔	شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں قربت ہو۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبع احمدی جلد سوم ص ۱۱۴ :

بیان شرائط وقف منھا ان یکون قربة فی ذاته وعند المتصرف [3]۔	وقف کے شرائط کا بیان ایک شرط یہ ہے کہ فی نفسہٖ قربت ہو اور تصرف کرنے والے کے ہاں بھی قربت ہو (ت)

ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۲:

فی النھر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز لانه لیس بقربة امالو جعل اٰخرہ للفقراء فانه یکون قربة فی الجملة [4]۔	نہر میں محیط سے منقول ہے اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت نہیں، اگر آخر میں فقراء کے لئے کردیا تو فی الجملہ قربت ہوجائے گا۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ جلد سوم ص ۱۱۵:

لوجعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین ثم مات یصیر میراثا لورثته وھذا قول الکل کذافی جواھر الاخلاطی ولو جعل ذمی دارہ بیعة او کنیسة او بیت نار فی صحته ثم مات یصیر میراثا	اگر ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا پھر فوت ہوگیا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگی اور یہ سب کا قول ہے یونہی جواہر اخلاطی میں ہے، اور اگر ذمی نے اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ، یا آتشکدہ اپنی تندرستی میں بناد یا پھر فوت ہوا تو میراث قرار پائے گا۔

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷
[3] فتاوٰی ہندیة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳
[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

هكذاذكر الخصاف فی وقفه وهكذاذكر محمد من الزيادات كذافی المحيط[1] (ملخصاً)۔	یوں خصاف نے اپنے وقف اور امام محمد نے زیادات میں بیان کیا، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطا) (ت)

فتح القدیر جلد پنجم ص۳۸ و ردالمحتار جلد سوم ص۵۵۷ :

لووقف الذمی علی بیعة مثلا فاذا خربت یکون للفقراء، کان للفقراء ابتداءً ولولم یجعل اٰخرہ للفقراء کان میراثا عنه نص علیه الخصاف فی وقفه ولم یحك خلافا[2]۔	اگر ذمی نے بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کے لئے وقف کیا مثلاً خرابہ ہو جانے پر فقراء کے لئے کہا تو وہ ابتداء سے فقراء کے لئے ہوگا، اور اگر آخر میں (خرابہ کے وقت) فقراء کے لئے نہ کہتا تو پھر ورثاء کے لئے میراث بن جاتا، اس کو خصاف نے اپنے اوقاف میں بیان کیا اور اس میں خلاف قول ذکر نہ کیا۔ (ت)

عالمگیری جلد سوم ص ۱۱۴ و اسعاف ص۱۱۹:

لوقال تجری غلتها علٰی بیعة كذافان خربت هذه البیعة كانت الغلة للفقراء والمساكین فانه تجری غلتها علی الفقراء والمساكین ولاینفق علی البیعة شیئ كذافی المحیط[3]۔	اگر ذمی نے کہا کہ اس زمین کی آمدن فلاں بیعہ پر وقف ہے اور جب یہ بیعہ خرابہ بن جائے تو زمین کی آمدن فقراء ومساکین کے لئے جاری رہے گی، تو یہ آمدن شروع سے ہی فقراء ومساکین پر صرف ہوگی اور بیعہ پر کچھ بھی صرف نہ ہوگا، محیط میں یونہی ہے (ت)

درمختار صفحہ ۵۵۷ : ارتد المسلم بطل وقفه[4] (وقف کنندہ مسلمان مرتد ہوجائے تو اسکا وقف باطل ہوجائیگا۔ت) ردالمحتار صفحہ مذکورہ :

ویصیر میراثاسواء قتل علی ردته اومات اوعادالی الاسلام الا ان اعادالوقف بعد عوده الی الاسلام[5]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اور وہ وقف میراث قرار پائے گا خواہ ارتداد پر قتل ہوجائے یا طبعی موت مرجائے، یا دوبارہ مسلمان ہوجائے، مگر دوبارہ اسلام کی صورت میں اس وقف کو دوبارہ وقف کرے تو وقف رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۷۷

[5] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۰

مسئلہ ۳۶: از بنارس کچی باغ مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف منشی لعل محمد تاجر پارچہ بنارس ۴ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

ماقول العلماء ورثۃ الانبیاء جزاکم اللہ تعالٰی یوم الجزاء اس مسئلہ میں کہ یہاں رواج ہے کہ ماہ ربیع الاول میں لوگوں سے محض بغرض ایصال ثواب روح پر فتوح حضرت نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چندہ لیا جاتا ہے لوگ حسب استطاعت دیتے ہیں اس کا کھانا وغیرہ پکا کر مساکین وفقراء کو کھلایا جاتا ہے، اب اس چندہ سے کچھ روپیہ کھانے وغیرہ کے پخت سے فاضل بچ گیا تو افسران و مہتممین کی صلاح ہوتی ہے کہ اس روپے فاضل سے دیگ آجانا چاہئے کیونکہ ہر سال ۱۲ تاریخ ربیع الاول کو ضرورت پڑتی ہے اور بڑی تردد سے ملتی ہے کبھی مستعار کبھی کرائے پر، اور اس روپے سے آجائے گی تو ہمیشہ کے واسطے آرام ہوگا، معہذا یہ رائے بھی ہے کہ جس کو ضرورت دیگ کی پڑے گی اس کو کرائے پر دی جائے گی اور وہ کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں طالب علم کی حاجتوں میں صرف کی جائے لیکن افسران مختلف ہیں جواز وعدمِ جواز میں، لہٰذا علماء سے مستفسر ہیں کہ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو نہ رہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصص کے قدر میں معتبر ہوگی صبی ومجنون کا حصہ خواہی نخواہی واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تصدق کردیں، غرض بے اجازت مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں، درمختار میں ہے:

ان لم یکن بیت المال معمورا او منتظما فعلی المسلمین تکفینہ فان لم یقدروا سألوا الناس لہ ثوبا فان فضل شیئ ردللمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ مجتبٰی[1]۔	اگر بیت المال میں مال نہ ہو یا کوئی منتظم نہ ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو کفن پہنائیں اور اگر کوئی قادر نہ ہو تو لوگوں سے چندہ لیا جائے اور کفن کے چندہ سے کچھ بچ جائے تو یہ چندہ لینے والا معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے ورنہ اس سے ایسے ہی کسی فقیر کو کفن پہنادیا جائے، یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی فقیر کو صدقہ کردیا جائے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

(قولہ والا کفن بہ مثلہ) ھذا المریذکرہ	ماتن کا قول کہ اسی جیسے فقیر کو کفن پہنادیا جائے، یہ

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

فی المجتبی بل زادہ علیہ فی البحر عن التجنیس و الواقعات قلت وفی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فقیر مات فجمع من الناس الدراھم وکفنوہ وفضل شیئ ان عرف صاحبہ یرد علیہ والایصرف الی کفن فقیر اٰخر اویتصدق بہ[1]۔	عبارت مجتبٰی میں مذکور نہیں بلکہ یہ زائد بحر میں تجنیس اور واقعات کے حوالے سے مذکور ہے میں کہتا ہوں اور صاحب ہدایہ کی کتاب مختارات النوازل میں ہے کہ فقیر فوت ہوا تو لوگوں نے چندہ جمع کرکے اس کو کفن دیا اور چندہ بچ گیا اگر اس زائد چندہ والا شخص معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے ورنہ اس کو کسی دوسرے فقیر کے کفن میں خرچ کیا جائے یا پھر صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے:

قلت واشارفی ردالمحتار بنقل عبارت المختارات الی انہ لم یذکر الترتیب بین التکفین والتصدق علی مافی الشرح **اقول:** لکن فی الخانیۃ ثم الھندیۃ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ وان لم یعرف کفن بہ محتاجا اٰخر وان لم یقدر علی صرفہ الی الکفن یتصدق بہ علی الفقراء[2]اھ۔فھذا نص فی الترتیب و لاشك ان باختیارہ یخرج عن العھدۃ بیقین ثم ھذا وان لم یکن وقفا فلہ شبہ بہ ولاشك ان مراعاۃ غرض المالك املك واحکم فلذااعولنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں مختارات کی عبارت نقل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کسی فقیر کو کفن پہنانے یا صدقہ کرنے میں ترتیب مذکور نہیں ہے جیسا کہ شرح میں ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن خانیہ پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر زائد چندے والا معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو پھر کسی اور محتاج کو کفن دیا جائے، اور اگر کسی کفن میں صرف کرنا مقدور نہ ہو تو پھر فقراء پر صدقہ کیا جائے اھ، تو یہ عبارت ترتیب کے لئے نص ہے، اس میں شک نہیں کہ اس ترتیب کو اپنانے سے یقینا عہدہ برآ ہوسکتا ہے، پھر یہ اگرچہ وقف نہیں تو اس کے مشابہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ چندہ دینے والے مالک کی غرض کو پورا کرنا زیادہ محکم ہے اس لئے ہم نے اس ترتیب کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنازۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلٰوۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

مسئلہ ۳۷: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ محمد علی جان خاں صاحب ۸رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّٰی کرامت علی ونیاز علی واقع تکیہ ملوکپور کے خادم تھے جنہوں نے کچھ اراضی مسمّٰی قادر بخش کے پاس بمیعاد تیس سال کے بیع بالوفاء کردی جو بعد انقضاء میعاد مذکورہ بالاکے شیخ مذکور کے قبضہ میں اس بیعنامہ کے ذریعہ سے آ گئی، چنانچہ شیخ مذکور کی قبر اور ان کے بزرگان کی قبریں بھی اسمیں بنیں، بعدہ تخمیناً عرصہ سینتالیس سال کا ہوا کہ از جانب سرکار انگریزی تکیہ ہذا میں مردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہو گئی اب وہ اراضی بیکار پڑی ہے اوراس کی صفائی کا کچھ انتظام نہ تھا اس واسطے جملہ مسلمانان محلّہ نے شیخ یاد علی وارث قادر بخش سے اس اراضی کا بیعنامہ مسجد کے نام جو اس کے محاذ میں واقع ہے صرف سڑک انگریزی درمیان میں واقع ہے لکھالیااور بعد لکھانے بیعنامہ کے باجازت سرکار انگریزی اس اراضی کو پختہ منڈیروں سے محدود کرکے اس کے اوپر کرایہ دار کو بٹھادیااور اس سے جو کرایہ حاصل ہوااس کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیااور وقت محدود کرنے اراضی کے اس کو ہموار کردیا تھااب اس کے محاصل کا مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یاناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وہ زمین ان تکیہ داروں کی ملک نہ تھی بلکہ قبرستان عام مسلمین کی وقفی زمین تھی تو وہ بیعیں سب ناجائز ہوئیں اور بذریعہ بیع یہ صورت جو اسے متعلق مسجد کرلینے کی ہے یہ بھی ناجائز ہوئی اس میں جو قبور تھیں انہیں منہدم وہموار کرکے ان پر چلنا پھرنا سب ناجائز، البتہ جو زمین اس میں قبور سے جدا تھی وہ ازانجا کہ اب وہاں دفن ممکن نہ رہا ملک اصل واقف کی طرف عود کر گئی اس کے ورثہ کو اختیار ہے ان کی اجازت سے اس قدر کو متعلق مسجد کرسکتے ہیں اور واقف نہ معلوم ہو یا ورثہ کا پتا نہیں تو مسلمانوں کا یہ فعل باستثناء مواضع قبور ممنوع نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۸ تا ۴۱: مسئولہ حافظ قاضی تلن خاں عرف میزان اللہ شاہ اشرفی امام ومدرس مسجد مولوی ٹولہ شہر کہنہ ۵ شوال ۱۳۳۳ھ

ایک شخص کے پاس دوسو روپے امانت مسجد کا تھا کہ جس کو بلااجازت متولی اس نے عدالت سے وصولی کرلیا تھااور بوجہ اس کے سربرآوردہ ہونے کے متولی نے طلب اس سے نہیں کی اور جب طلب کیا تو جواب دیا کہ جس کام میں میری رائے ہوگی صرف کردوں گا، چنانچہ اب اس شخص نے متصل اسی مسجد کے حجرہ کے اراضی افتادہ میں اپنا ذاتی ایک چبوترہ تعمیر کرلیااور یہ خیال کہ اس چبوترہ کی آڑ دیوار حجرہ سے ہے اور اس چبوترہ کے آگے بھی اراضی افتادہ ہے جس میں تین پرنالہ مسجد کے قدیم سے جاری ہیں اس اراضی کی بھی آڑ مسجد سے ہو جاوے پس ایک پاکھا فصیل مسجد پر بنانے کا ارادہ کیا چونکہ وہ تعمیر بلاضرورت دیوار مسجد پر تھی لہٰذا یہ ظاہر کیا کہ مرمت مسجد کرائی جاوے،

چنانچہ اسی مرمت میں یہ تجویز خود کیا کہ پیش حجرہ ٹین ڈالا جاوے جس کے واسطے پاکھوں کی ضرورت ہے چنانچہ دونوں طرف حجروں کے فصیل پر پاکھے بنوائے گئے اوان کو بغرض حفاظت اراضی افتادہ بند کرنا چاہاتا کہ کوئی وضو فصیل پر نہ کرسکے جس کے مسلمان حارج ہوئے مگر کچھ نہ مانا ایک بہت اونچی جگہ پر کسی قدر ان پاکھوں کو کھولا اور ٹین پیش ہر دو حجرہ ڈلوادیا اور دوسو روپیہ اس تعمیر میں صرف کردئے۔ مسلمانوں کی رائے تھی کہ اور کچھ چندہ فراہم کرکے ایک مکان تعمیر ہو جاتا کہ جس کی آمدنی خرچ وصرف مسجد کو کافی ہوتی یہ رقم دوسو پچاس کی تھی جس میں اب صرف پچاس روپیہ انہیں کی تحویل میں باقی رہے ہیں لہٰذا تعمیر مکان اب دشوار ہو گئی،

(۱) ایسی حالت میں یہ روپیہ بجا صرف ہوا یا بے جا؟

(۲) اور مواخذہ دار اس کا عنداللہ وہ رہا یا نہیں؟

(۳) اور متولی مسجد سے رسید اس روپے کی طلب کرتا ہے تو رسید دینا چاہئے یا نہیں جبکہ بلامشورہ ورائے یہ روپیہ صرف ہوا مرمت مسجد میں، اگر صرف بہ انتظام ہوتا تو (صہ/) سے زائد نہ صرف ہوتا، اب ڈیڑھ سو روپیہ صرف دونوں طرف کے پاکھے اور ٹین اور فضولیات میں صرف ہوگیا جس کی اس وقت مسجد کو کوئی ضرورت نہ تھی اور ۸ سال تک یہ روپیہ اس نے اپنے قبضہ میں رکھا،

(۴) اور دونوں جانب کے در فصیل کھلوادینے چاہئیں یا نہیں کیونکہ ہوا بالکل مسدود ہے اور آرام نمازیوں اور وضو کا جاتا رہا، جو حکم شرع ہو وہ کیا جاوے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) شخص مذکور کے یہ تصرفات محض ناجائز وباطل ہیں۔

(۲) روپے کا تاوان اس پر لازم ہے۔

(۳) متولی مسجد کو حرام ہے کہ اسے رسید دے۔

(۴) دونوں طرف کے در بدستور کھول دئے جائیں کہ ہوا اور وضو کا آرام ہو،

فی الدر المختار والبحر الرائق والاشباہ والنظائر وغیرھا التصریح بان المتولی مقدم علی القاضی وان کان منصوبہ فکیف بالاجنبی فکیف فی اضاعۃ المال وسد المرافق[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار، بحرالرائق، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں تصریح ہے کہ متولی قاضی پر مقدم ہے اگرچہ متولی اسی قاضی کا بنایا ہوا ہو تو اجنبی کا کیا مقام ہے تو مال کا ضیاع اور مفادات پر پابندی کا کیا سوال ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۵

مسئلہ ۴۲ : کریم الدین واقف نے بحیثیت متولی کام نہیں کیا بلکہ مالکانہ جب سے وقف کیا جس کو عرصہ پندرہ سال کا ہوا کرتے رہے سیر اس میں کی (**مہ معہ /**) بیگھ زمین خود کاشت میں رکھی جو اعلٰی درجہ کی ہے اور کبھی اس کا لگان درج نہیں ہوا، اخراجات جو لکھے ہیں چند نشان میں کبھی نہیں کی متولی بدلنے کی کہیں شرط نہیں، جس صورت میں خود واقف جو متولی ہوا وہ حسب شرائط کاربند نہ ہوا پھر وقف کب ہوا، مکرر یہ کہ اس نے اندراج وقف کا کاغذات پٹواری میں نہیں کرایا یہ ایک شرط اس نے اپنے ذمے لازم رکھی تھی۔

الجواب:

وقف میں کریم الدین کے لفظ صاف وبے تقیید مطلق ہیں کہ وقف دائمی کیا میں نے اور خود اپنے آپ کو متولی کیا وقف صحیح وتام ولازم ہوگیا جس کی تبدیل ناممکن ہے بعد کو اگر اس نے قبضہ مالکانہ کیا ہو اور جتنی باتیں سائل نے ظاہر کیں سب سچ ہوں بلکہ بالفرض اس نے صراحۃً دعوی دائر کردیا ہو کہ میں مالک ہوں یہ وقف نہیں ہے جب بھی وقف کو آنچ نہیں پہنچ سکتی بلکہ خود اس کی خیانت ظاہر ہوتی اور واجب ہوتا کہ وقف اس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کیا جائے نہ یہ کہ اس سے وقف باطل ہوجائے یہ نری جہالت وضلالت ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیۃ، لوالواقف، درر، فغیرہ بالاولٰی غیرمامون[1]۔	جبراً معزول کرنا واجب ہے، بزازیہ، اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو غیر شخص جو قابل اعتماد نہ ہو اس کو بطریق اولٰی معزول کیا جائے گا۔(ت)

شرائط کی پابندی اس پر لازم تھی کہ اگر نہ کی گنہگار ہوا نہ کہ وقف ہی جاتا رہا وقف کے بعد واقف صرف ایک متولی کی حیثیت میں رہتا ہے نہ کہ مالک یا ابطال وقف پر قادر۔ کیا متولی اگر خلافِ شرائط کرے تو شیئ وقف سے نکل جائے گی، ایسا خیال نرے احمق بے ادراک کا خیال ہے، دربارہ متولی واقف کو ایسی صورت میں ضرور تبدیل کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ وقت وقف یا وقف نامہ میں بدلنے کی کوئی شرط نہ کی ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط[2]۔	متولی بنانا واقف کی تمام شرائط سے الگ معاملہ ہے کیونکہ واقف جب چاہے بغیر شرط بیان کئے بھی متولی کو تبدیل کرسکتا ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

توبعد کو جواقرار نامہ اس نے دربارہ تولیت لکھا اسی پر عمل درآمد واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳تا۴۵: از بہار شریف ضلع پٹنہ ڈاکخانہ سوہ سرائے محلّہ مغل کنواں مکان شیخ بہادر مہتو مرسلہ مولوی امیر حسن صاحب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے وفات سے تیرہ برس پہلے اپنی جائداد کو وقف کرکے بشہادت معززین شہر ایک وثیقہ لکھوا کر حاکم وقت کی کچہری میں باضابطہ تعمیل کرادیا، بعد تیرہ سال کے مرض موت میں دوسرا وثیقہ مخالف شروط وثیقہ اول لکھوایا اور دو چار پہر کے بعد قضا کرگئی چونکہ ہندہ سنیہ حنفیّہ تھی لہٰذا فقہ حنفیّہ کی معتبرہ ومشہور کتابوں سے قول مفتی بہ وصحیح کے ساتھ میرے سوالات مفصلہ ذیل کا جواب مرحمت ہو:

(۱) وثیقہ اول کی ترمیم وشروط بدلنے کا ہندہ کا اختیار تھا یا نہیں؟

(۲) مرض موت کے وقف کا کیا حکم ہے؟

(۳) وثیقہ ثانی صحیح ہے یا باطل؟ بینوا توجروا المستفتی عبداللہ

الجواب:

عامہ [عہ۱] شرائط معتبرہ [عہ۲] کا اختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف انشائے وقف کے وقت دیا ہے مثلاً جسے چاہے اس کا مصرف بنائے جسے چاہے اس سے جدا رکھے، جسے جتنا چاہے دینا بتائے، جس وقت یا حالت یا صفت کے ساتھ چاہے مقید کردے، جو ترتیب چاہے مقرر کرے، جب تک اس انشاء میں ہے مختار ہے، وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثل وقف لازم ہوجاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یا اس کے بدلنے کا اسے اختیار نہیں رہتا یونہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیل یا اس میں کمی بیشی نہیں کرسکتا ہاں اگر انشاہی کے وقت شرط لگادی تھی کہ مجھے ان تمام شروط یا خاص فلاں شرط میں تبدیل کا اختیار ہوگا تو جس شرط کے لئے بالتصریح یہ شرط کرلی تھی

عہ۱: انما قال عامۃ لان التولیۃ خارجۃ عن ھذا الحکم فلہ التغییر فیھا کلما شاء ولولم یشرط شیئا کما فی البحر وقد تقدم فی فتاوٰنا غیر مرۃ ۱۲منہ (م)

"عامہ" کا لفظ اس لئے کہا کیونکہ تولیت کا معاملہ اس حکم سے خارج ہے لہٰذا واقف کو جب چاہے متولی میں تبدیلی کا حق ہے اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ بحر میں ہے اور متعدد بار ہمارے فتاوٰی میں گزر چکا ہے ۱۲منہ (ت)

عہ۲: قید بالمعتبرۃ لان الشرط الباطل باطل مطلقًا لاتقبل حین الانشاء ولابعدہ ۱۲منہ۔

معتبر شرائط سے کہا، کیونکہ باطل شرط ہو تو مطلقًا باطل ہے وقف کرتے وقت لگائی گئی ہو یا بعد میں لگائی گئی ہو ۱۲منہ (ت)

اسی کو بدل سکے گا پھر اسے بھی ایک ہی بار بدل سکتا ہے، جب تبدیل ہولی اب دوبارہ تغیر کا اختیار نہ ہوگا کہ اسی قدر شرط کا مفاد تھا، وہ پورا ہوگیا اب دوبارہ تبدیل شرط شے زائد ہے لہٰذا مقبول نہ ہوگی البتہ اگر کسی شرط پر انشائے وقف میں یہ شرط لگادی کہ میں اسے جب کبھی چاہوں ہر بار بدل سکوں گا تو اس شرط کی نسبت اختیار مستمر رہے گا کہ اب اس کا استمرار ہی مقتضائے شرط ہے غرض واقف خود اس کا قطعی پابند ہوتا ہے جو ان شرائط میں وقف کرتے وقت زبان یا قلم سے نکال چکا اس سے باہر ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، امام طرابلسی اسعاف میں فرماتے ہیں:

لایجوز له ان یفعل الا ماشرط وقت العقد[1]۔	یعنی واقف کو اسی قدر کرنے کی اجازت ہے جتنا وقف کرتے وقت شرط کرچکا تھا۔

اسی میں ہے:

لو شرط فی وقفه ان یزید فی وظیفة من یری زیادته اوینقص من وظیفة من یری نقصانه اویدخل معهم من یری ادخاله اویخرج من یری اخراجه جاز، ثم اذا فعل ذٰلك لیس له ان یغیره لان شرطه وقع علی فعل یراه فاذا راٰه مضاه فقد انتهی ماراٰه[2]۔	یعنی اگر واقف نے وقف میں شرط کرلی کہ میری رائے میں جس کا وظیفہ بڑھانا مناسب ہوگا بڑھادوں گا یا جس کا کم کرنا مناسب ہوگا کردوں گا جسے داخل کرنا آئے گا داخل کروں گا جسے خارج کردینا منظور ہوگا خارج کردوں گا تو یہ شرط جائز ہے پھر جب ایک بار کرچکا اب اسے نہیں بدل سکتا کہ شرط جتنی تھی ختم ہوچکی۔

علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

الوقف اذا لزم لزم مافی ضمنه من الشروط[3]۔	وقف جہاں لازم ہوا ساتھ ہی اس کے ضمن میں جتنی شرطیں ہیں سب لازم ہوجاتی ہیں۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

وقف ضیعة فی صحته علی الفقراء واخرجها من یده الی المتولی ثم قال لوصیه عندالموت اعط من غلتها لفلان کذا ولفلان کذا	یعنی ایک جائداد اپنی صحت میں فقیروں پر وقف کرکے متولی کو سپرد کردی پھر مرتے وقت وصی سے کہا اس کی آمدنی سے اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو تو اس کا

[1] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۹

فجعله لاولئك باطل لانها صارت للفقراء اولا فلا يملك ابطال حقهم الا اذاشرط في الوقف ان يصرف غلتها الى من شاء [1]۔	یہ کہنا باطل ہے کہ وقف ابتداءً فقراء کے لئے ہوچکا تو ان کا حق مٹانے کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ وقف ہی میں شرط کرلی ہو کہ اس کی آمدنی سے جسے چاہوں گا دوں۔

درمختار میں ہے:

جازشرط الاستبدال به ثم لايستبدلها بثانية لانه حكم ثبت بالشرط والشرط وجد في الاولى لا الثانية اھ [2] مختصرا۔	یعنی تبدیل وقف کی شرط جائز ہے پھر جب ایک بار تبدیل کرچکا دوبارہ نہیں کرسکتا کہ یہ اجازت تو اس شرط لگانے سے حاصل ہوئی تھی اور شرط پہلی میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں اھ مختصراً۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

الاان يذكر عبارة تفيد له ذٰلك دائما [3]۔	یعنی ہاں اگر ہمیشہ اختیار تبدیل کی شرط کرلی تو ہمیشہ مختار رہے گا۔

اس قدر سے سوال اول وسوم کا جواب واضح ہوگیا کہ شروط لازمہ کی ترمیم کا ہندہ کو کوئی اختیار نہ تھا اور دوسرا وثیقہ جہاں تک ان کی تبدیل کرتا ہو محض لغو ومہمل کہ وقف اس کی ملک سے خارج ہوچکا اور شرائط لازمہ لازم ہولیں اب ان کے متعلق نیا وثیقہ ایسا ہے جیسا ایک اجنبی راہ چلتا کچھ لکھ جائے۔ سوال دوم کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کا جواب یہ کہ مرض الموت میں وقف مثل وصیت بے اجازت ورثہ صرف ثلث مال میں نافذ ہوتا ہے كما في التنوير وغيره عامة كتب المذهب (جیسا کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب المذہب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶ تا ۴۸: از بدایوں مرسلہ جناب نبی بخش صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ ۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد مسجد ومدرسہ دینی پر وقف ہے آیا ۱ متولی کو اختیار ہے کہ اس کا کوئی جز بیع کردے یا ۲ کسی کی حاجت وکار کے لیے وہ جائداد یا جزو جائداد اسے دے دے کہ وہ اپنے تصرف میں لائے اور اس کے عوض اس سے دوسری جائداد ویسی ہی یا اس سے بہتر بدل لے یا ۳ اس جائداد کا کوئی ہمیشہ کے لئے کسی کو اجارہ دے دے یا چالیس سال کا پٹہ لکھ دے حالانکہ وقف آباد ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۱۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

اور اسے حاجت نہیں، نہ واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ ضرورت اتفاقیہ تعمیر در صورت وقوع خرابی مسجد ومدرسہ اختیار اجارہ دینے جزو جائداد کا چندروز عارضی تا ادائے قرضہ ہوگا۔ **بینوا توجروا۔** نیز یہ بھی واضح رہے کہ وہ جائداد جسے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مانگتے ہیں باغ ہے وہ اس کے پیڑ کاٹ کر عمارت بنانا چاہتے ہیں **فقط۔**

الجواب:

یہ چاروں صورتیں حرام قطعی ہیں متولی خواہ غیر کسی کو اصلاً ان کا اختیار نہیں متولی اگر ان میں سے کوئی صورت کرے گا تو خائن ہوگا اور واجب ہوگا کہ فوراً نکال دیا جائے اور وقف اس کے قبضہ سے نکال کر کسی متدین خداترس کو حسب شرائط واقفہ سپرد کیا جائے دوسرے جو اس باغ کو لے کر اس کے پیڑ کاٹ کر کوئی عمارت بنائیں گے وقف کے غاصب ہوں گے، فرض ہوگا کہ فوراً وقف ان کے قبضہ ظالمانہ سے خلاص کیا جائے اور ان کی عمارت مسمار کردی جائے اور ان سے پیڑوں کا تاوان بسختی تمام بلارعایت وصول کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق [1]۔	ظالم کو دخل کا حق نہیں۔ (ت)

پہلی صورت کی حرمت توظاہر، ہر شخص جانتا ہے کہ:

الوقف لایملك لایباع ولایورث	وقف ملکیت نہیں بن سکتا، نہ فروخت ہو اور نہ وراثت بن سکتا ہے۔ (ت)

دوسری صورت یوں حرام ہے کہ واقفہ نے استبدال کی اجازت نہ دی بلکہ صراحۃً لکھ دیا کہ کسی متولی خواہ مہتمم خواہ اصحاب انجمن اسلامیہ کو اختیار انتقال دائمی جائداد کا نہ ہوگا اور وقف جب تک کچھ بھی انتفاع کے قابل رہے حاکم اسلام کو بھی اسکی تبدیل حرام و باطل ومردود محض ہے، درمختار میں ہے:

شرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة و کون البدل عقارا اوالمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل [2]۔	بحر میں شرط ہے کہ وہ وقف کلیۃً انتفاع کے قابل نہ رہے اور اس کا بدل زمین ہو اور بدلنے والا قاضی محکمانہ ہو جس کا مطلب ہے کہ عالم باعمل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماذکر فی احیاء الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وان لایکون ھناك ریع للوقف یعمر بہ الخ[1]۔	قاضی کو تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ وقف کلیۃً ناقابل انتفاع ہوجائے اور وقف کو آباد کرنے کے لئے آمدن بھی نہ ہو الخ (ت)

اور بدلے کی چیز کا اس سے بہتر ہونا وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان دون زیادۃ اخری و لانہ لاموجب لتجویزہ لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذلاتجب الزیادۃ فیہ بل تبقیہ کماکان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت میں بحال رکھنا ضروری ہے اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے موجب اول میں شرط ہے اور ثانی میں ضرورت ہے جبکہ یہاں کوئی ضروری نہیں، اس لئے اس میں زیادتی ضروری نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔ (ت)

شرح الاشباہ للمحقق البیری میں یہ کلام فتح سے نقل کرکے فرمایا:

ماقالہ ھذا المحقق ھو الحق والصواب[3]۔	جو اس محقق نے فرمایا وہ حق وصواب ہے (ت)

تیسری صورت کی حرمت یہ کہ ہمیشہ کے لئے اجارہ میں دینا کسی مملوک شے کا بھی جائز نہیں، نہ کہ وقف ظاہر ہے کہ ہمیشگی کسی شیئ کو نہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تک باقی ہے اور مدت بقامجہول ہے اور جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے اور عقد فاسد حرام ہے، لہٰذا علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں کہ تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے، پر ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے کہنا نہ کوئی تعیین مدت ہے نہ اس سے مقدار منفعت معلوم ہوسکے۔ ہدایہ میں ہے:

المنافع تارۃ تصیر معلومۃ بالمدۃ کاستیجار الدور للسکنی والارضین للزراعۃ فیصح العقد علی مدۃ معلومۃ	کبھی منافع کا تعین مدت کے تعین سے ہوتا ہے جیسے مکانات اور زرعی زمینوں کا اجارہ، تو معینہ مدت جو بھی ہو اس کے مطابق عقد اجارہ جائز ہے کیونکہ مدت معلوم ہوجانے سے منافع معلوم

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] شرح الاشباہ للعلامۃ البیری

ای مدۃ کانت لان المدۃ اذاکانت معلومۃ کان قدر المنفعۃ فیھا معلوما اذاکانت المنفعۃ لاتتفاوت[1]۔	ہو جاتے ہیں جب منافع میں تفاوت نہ ہو (ت)

عنایہ میں ہے:

الظن عدم البقاء الی تلك المدۃ والظن مثل الیقین فی حق الاحکام فصارت الاجارۃ مؤبدۃ معنی والتابید یبطلھا[2]۔	اس مدت تک باقی نہ رہنے کا ظن ہے جبکہ احکام ظن مثل یقین ہے تو معنًا یہ اجارہ دائمی ہوگا اور دائمی اجارہ عقد کو باطل کردیتا ہے (ت)

چوتھی یوں حرام ہے کہ جب نہ واقف نے اجازت دی ہو نہ وقف کی اپنی کوئی ضرورت و مجبوری ہو تو زمین موقوف کو تین برس سے زیادہ پر اجارہ دینا جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

فی الاوقاف لاتجوز الاجارۃ الطویلۃ کی لایدعی المستاجر ملکھا وھی مازاد علی ثلث سنین ھو المختار[3]۔	اوقاف کا طویل اجارہ جائز نہیں تاکہ مستاجر کو دعوی ملکیت کے لئے گنجائش پیدا نہ ہو، اور طویل مدت تین سال سے زائد کا نام ہے اور یہی مختار ہے (ت)

درمختار میں ہے:

فلواجرھا المتولی اکثرلم تصح الاجارۃ وتفسخ فی کل المدۃ لان العقد اذا فسد فی بعضہ فسد فی کلہ فتاوٰی قاری الھدایۃ[4]۔	اگر متولی نے وقفی چیز کو زیادہ مدت کیلئے اجارہ پر دیا تو صحیح نہیں، اور یوں تمام مدت میں اسے فسخ قرار دیا جائے گا کیونکہ جب عقد کا بعض حصہ فاسد ہوا تو تمام مدت فسخ ہو جائیگا، فتاوٰی الہدایہ (ت)

پھر یہ حکم تو اجارہ کے تھے اور وہ جس کے لئے اس باغ کو طلب کر رہے ہیں اجارہ نہیں اغارہ ہوگا یعنی وقف کا غارت کرنا، وقفی پیڑ کاٹ ڈالنے کی اجازت کیونکر ہوگی تو یہ اجارہ تین برس درکنار ایک گھڑی کے لئے حلال نہیں ہوسکتا۔

[1] الھدایۃ کتاب الاجارات مطب یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۹۱

[2] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/۸

[3] الھدایۃ کتاب الاجارات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۹۱

[4] درمختار کتاب الاجارات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۷

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ حاجی محمد علی خاں صاحب جج ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

زید کی طرف سے وکیل نے جو خدام درگاہ غریب نواز سے ہے کمیٹی درگاہ شریف سے اجازت حاصل کرکے زید کے لئے احاطہ درگاہ معلّٰی میں مسجد شاہجہانی کے جانب جنوب ایک حجرہ مع دو دالان کے اپنے صرف سے تیار کرائے بعد تیاری زید نے اس تعمیر پر قبضہ کرنے یا اس کے مصارف وکیل کو ادا کرنے سے قطعی انکار کیا اس پر عمرو نے وہ لاگت تعمیر دے کر حجرہ اور ہر دو دالان پر قبضہ کرلیا اور ایک حجرہ اور زمین وکیل خادم درگاہ کی معرفت اپنے ذاتی مصارف سے تیار کرواکر کل لاگت خادم موصوف کو باخذ رسید دے دیا اور بعد تیاری ان دو حجروں اور ہر دو دالان کو اس نیت سے وقف کردیا کہ جب کبھی بہ زمانہ عرس شریف یا غیر اوقات میں عمرو یا اس کی اولاد یا متعلقین یا احباب حاضر آستانہ ہوا کریں تو ان میں قیام کیا کریں باقی زمانہ اور اوقات میں زائران صادر وارد، یا فقراء میں سے جو چاہے مقیم ہو کر شرف سعادت حاصل کیا کریں چنانچہ عمرو نے اپنی تعمیر کا کندہ تاریخی پتھر برپیشانی حجرہ میں نصب کردیا اور سالہاسال یوم تعمیر سے اب تک عمرو اور اس کے متعلقین وغیرہ زمانہ عرس شریف وغیرہ میں وہاں قیام کیا کرتے ہیں اگر کوئی فقیر وغیرہ ان میں رہتا ہے تو ان کے آنے پر وہ فوراً خالی کردیتا ہے اب وہی خادم درگاہ عمرو کے ان حجروں میں مقیم ہونے کے مانع ہیں اس عذر پر کہ یہ مال وقف ہے عمرو کی ملکیت نہیں، فقیر جو ان حجروں میں رہتے ہیں ان سے یہ حجرے خالی نہیں ہوسکتے، عمرو یا اس کے متعلقین یہاں ٹھہرنے کے مجاز نہیں ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ عمرو کا ایسا وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور عمرو یا اس کے متعلقین بصورت متذکرہ بالاان حجروں میں مقیم ہوسکتے ہیں یا نہیں اور منع کرنے والے کو خواہ وہ خدام درگاہ شریف میں سے ہو یا اور کوئی فقیر یا دیگر شخص جس نے حجروں میں سکونت اختیار کی ہو اس کو حق ممانعت ہے یا نہیں اور شخص مانع ان حجروں میں متصرف اور قابض رہ سکتا ہے یا نہیں اور وہ اس کے متعلق معاملات میں دخیل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

زمین احاطہ درگاہ معلّٰی عامہ زائرین واردین صادرین کے لئے وقف یا ارصاد کالوقف بہر حال محکوم باحکام الوقف ہے **کما حققہ المحقق الشامی فی ردالمحتار** (جیسا کہ محقق شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) عمرو نے جو حجرہ اپنے زر خاص سے تعمیر کرایا اور جو حجرہ ودالان وکیل سے خریدے اور ان کو اسی مقصد کے لئے وقف کیا یہ وقف صحیح ہوا خادم بائع اس عمارت سے بے تعلق ہوگیا، نہ اس کو ان معاملات میں مداخلت کا کوئی حق خاص رہا،

در مختار میں ہے کہ کسی نے زمین پر عمارت بنائی پھر صرف عمارت بغیر اراضی وقف کردی اگر یہ زمین	فی الدر المختار بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونھا ان الارض

مملوکة لایصح وان موقوفة علی ماعین البناء له جاز تبعااجماعاوان الارض لجھة اخری فمختلف فیه والصحیح الصحة کمافی المنظومة المجیئة۔[1]	مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہیں، اگر زمین عمارت کے مقاصد کے لئے وقف ہو تو عمارت بھی تبعًا وقف ہو جائیگی اور اگر زمین کسی اور مقصد کیلئے وقف ہو تو پھر مختلف فیہ ہے اور صحیح یہی ہے کہ درست ہے جیسا کہ آئندہ منظوم میں ہے۔(ت)

عمرو اور اس کے متعلقین بھی ضرور ایام حاضری بارگاہ عالی میں ان میں مقیم ہو سکتے ہیں کوئی شخص ان کو بلاوجہ شرعی اس سے منع نہیں کر سکتا کہ یہ از قبیل مسجد و مقبرہ ورباط وقنطرہ وحوض وسقایہ ہے جن سے غنی وفقیر وواقف وغیر واقف سب حسب شرط وقف متمتع ہو سکتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ھذہ الاشیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقایة والدفن فی المقبرة کذافی التبیین۔[2]	ان چیزوں سے انتفاع میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں، لہٰذا سرائے ورباط، سقایہ (سبیل)، تدفین (مقبرہ میں ہر ایک کو مساوی حق ہے۔

اسی میں ہے:

ولاباس بان یشرب(ای البانی) من البئر والحوض ویسقی دابته وبعیرہ ویتوضأمنه کمافی الظھیریة[3]۔	بطور وقف تعمیر کرنیوالے کو کنویں، حوض سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پلانے، وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

ہاں ان کو مسکن وموطن دوام بنانے کا نہ عمرو کو اختیار ہے نہ کسی فقیر وغیرہ کو کہ یہ زمین وعمارت دونوں کے مقصد کے خلاف ہے اور خدام درگاہ کو تو ان میں اقامت چند روزہ کی بھی صحیح نہیں کہ وہ باہر سے حاضر ہونے والوں کے لئے بنے ہیں نہ کہ مجاوروں کے لئے۔ ہندیہ میں ہے:

قال الخصاف فی وقفه اذاجعل دارہ	امام خصاف نے وقف کے بیان میں فرمایا

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۵

سکنی للحاج فلیس للمجاورین ان یسکنوھا کذافی الظھیریة[1]۔	جب کسی نے اپنا گھر حجاج کی رہائش کیلئے وقف کیا تواس میں مجاورین کو رہائش کا حق نہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے(ت)

سوالاتِ سائل کا جواب تو ہوگیا مگر یہاں ایک ضروری امر غور طلب باقی رہا جس سے اگرچہ سائل نے تصریحًا سوال نہ کیا مگر بیان صورت میں اس سے تعرض موجود اور اس کی حاجت ضرور ہے وہ یہ کہ جس طرح غیر عمرو کو ممانعت عمرو متعلقین عمرو کا اختیار نہیں اس طرح آیا عمرو کو بھی دوسرے کے ممانعت کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ وہ دوسرا نہ بطور سکونت بلکہ حسب شرط معلوم ایام موسم خواہ ان کے غیر میں پہلے سے مقیم ہو اور اب عمرو یا اس کے متعلقین آجائیں تو آیا بدعوی عمارت اس سے خالی کراسکتے ہیں یا نہیں، ظاہرًا اس کا جواب نفی ہے، عمرو نے اگر یہ شرط وقف میں نہ لگائی ہو جب تو ظاہر، مجرد نیت نہ مفید شرط ہے نہ اس کا دعوی مسلم۔ درمختار میں ہے:

لوقال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ[2] اھ۔	اگر کہے میں نے یہ نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہ ہوگی تاتارخانیہ، جب وقف میں یہ معاملہ ہے تو غیر وقف میں کیسے تصدیق نہ ہوگی اھ (ت)

اور اگر شرط لگائی ہو اور شرط واقف واجب الاتباع ہے اور اس کے خلاف تصرف ناجائز، اور جب تاحیات صرف اپنے نفس پر وقف جائز ہے تو اوقاتِ خاصہ میں اپنی تقدیم کی شرط بدرجہ اولٰی، مگر یہ سب اس صورت میں ہوتا کہ زمین بھی ملک عمرو ہوتی، یہاں کہ زمین اول سے عام پر وقف ہے اسے کسی وقت اپنے نفس کے لئے اسے خاص کرلینے کا اختیار نہیں عمارت اس نے وقف کی اسے اپنے لئے خاص کرسکتا اگر یہ خصوص عمارت ہی تک محدود رہتا مگر ایسا نہیں بلکہ زمین بھی ان اوقات میں اس کے لئے محصور اور عام اہل حق سے ممنوع و مجور رہے گی بلکہ زمین ہی قیام میں اصل ہے اور عمارت تابع۔ اور زمین پر اس کو اپنی تقدیم و ترجیح کا کوئی حق نہیں، نہ دوامًا نہ کسی وقت خاص کے لئے، مثلًا موقف عرفات میں کوئی شخص ایک حجرہ بنائے کہ جس سال یہ حج کو جائے دوسرا وہاں وقوف نہ کرسکے اس کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار پھر علامہ اتقانی غایۃ البیان شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

المسجد الحرام لایجوز لاحد ان یبتنی فیه بناء ولاان یحتجر فیه موضعا و	مسجد حرام میں کسی کو اپنے لئے تعمیر کی اجازت ہے نہ ہی اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کا حق ہے، اور یہی حکم ان تمام

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

كذٰلك حكم جميع المواضع التى لايقع لاحد فيها ملك وجميع الناس فيها سواء الاترى ان عرفات لو اراد رجل ان يبنى فى المكان الذى يقف فيه الناس بناء لم يكن له ذٰلك وكذٰلك منٰى لواراد ان يبنى فيها داراكان من ذٰلك ممنوعا، وكذٰلك جاء الاثر عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وحدث باسناده الى عائشة رضى الله تعالٰى عنها قال قلت يارسول الله الانتخذ لك بمنى شيئا تستظل فيه فقال ياعائشة انها مناخ لمن سبق فهذا حكم المواضع التى فيها الناس سواء ولاملك لاحد عليها[1]۔	مواضع کا ہے جن میں کسی کو ملکیت کا حق نہیں اور ان میں تمام لوگ مساوی حق رکھتے ہیں کیاآپ دیکھتے نہیں کہ عرفات میں کوئی شخص مکان بنانا چاہے جو کہ لوگوں کے ٹھہرنے کے لئے ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے، اور یونہی منٰی میں کوئی مکان حویلی بنانا چاہے تو ممنوع ہے، یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماثور ہے جس کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے منٰی میں کوئی سایہ دار جگہ بنادیں، توآپ نے فرمایا اے عائشہ! منٰی تمام لوگوں کے لئے ڈیرہ ہے جو بھی پہلے وہاں اتر جائے تو یہ ان مواضع کا حکم ہے جس میں تمام لوگوں کو برابر حق ہے اور کسی کی ملکیت نہیں ہے(ت)

تو یہ شرط خلافِ شرع ہوئی اور واقف کی جو شرط مخالف شرع مطہر ہو نامقبول و نامعتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

شرائط الواقف معتبرة اذالم تخالف الشرع۔[2]	جب شرع کے مخالف نہ ہو تو وقف کی شرائط معتبر ہیں(ت)

اور یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسی زمینیں اس کے لئے ہیں جس کا قبضہ پہلے ہوجائے اور یہاں عمرو کا قبضہ سابق ہے کہ اس کی عمارت موجود ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں آیا ایک جگہ بیٹھا پھر وضو کے لئے گیا اور اپنا کپڑا وہاں چھوڑ گیا دوسرا شخص اس کپڑے کو ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے کہ کپڑے والے کا قبضہ سابق ہولیا ہے، یہاں اس کا محل نہیں، جب عمارت وقف ہوچکی عمارت کا ہونا اس کا قبضہ سابقہ نہیں ٹھہر سکتا کہ نفس عمارت میں بھی یہ اور سب مسلمان برابر ہوگئے معہذا ایسا قبضہ تھوڑی دیر کے لئے مسلم ہوتا ہے جیسا کپڑا رکھ کر وضو کو جانے میں، نہ یہ کہ مسجد میں اپنی کوئی چیز رکھ دیجئے اور وہ جگہ ہمیشہ آپ کے لئے مخصوص ہوجائے کہ جب آیئے دوسروں پر تقدیم پایئے، یہ ہرگز نہ جائز نہ مقبول۔

[1] شرح معانی الآثار کتاب البیوع باب بیع ارض مکہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب شرائط الوقف معتبرة الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

فی الدر المختار فی مایمنع فی المسجد تخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیره منه ولو مدرسا[1]۔	درمختار، مسجد میں ممنوعات کے بیان میں ہے کہ اپنے لئے جگہ کو مخصوص کرنا اور وہاں سے کسی کو ہٹانا اگرچہ مدرس ہو منع ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة له فی المسجد موضع معین یواظب علیه وقد شغله غیره قال الاوزاعی له ان یزعجه ولیس له ذٰلك عندنا اھ ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة **قلت** وینبغی تقیید بما اذا لم یقم عنه علی نیة العود بلامهلة کما لوقام للوضوء مثلا ولاسیما اذا وضع فیه ثوبه لتحقق سبق یده تأمل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی وکذا کل مایکون المسلمون فیه سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلٰوة، والنزول بمنٰی او عرفات للحج حتی لوضرب فسطاطه فی مکان کان ینزل فیه غیره فهواحق ولیس للاٰخران یحوله[2]۔	قنیہ میں ہے کہ مسجد میں کسی کی مخصوص جگہ جہاں وہ روزانہ بیٹھتا ہو وہاں کوئی دوسرا شخص مشغول ہوجائے، توامام اوزاعی نے فرمایا اگر وہ اس کو وہاں سے ہٹانا چاہے تو جائز ہے اور اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے ہمارے نزدیک اھ یعنی کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں بحر میں نہایہ سے منقول، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس بیان کو اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب پہلا شخص وہاں پر فوراً واپس آنیکی نیت سے نہ اٹھا ہو جیساکہ کوئی وضو کے لئے مثلاً اٹھے خصوصاً جب وہاں اپنا کپڑا رکھ جائے یہ اس لئے کہ وہ پہلے قبضہ کرچکا ہے، غور کرو۔ اور امام سرخسی کی سیر کبیر میں ہے اور ایسے ہی ہر وہ مقام جس میں تمام مسلمان مساوی حق رکھتے ہوں، جیسا کہ سراؤں میں ٹھہرنا، نماز کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور منٰی اور عرفات میں حج کے لئے اترنا، حتی کہ اگر کسی نے ایک جگہ وہاں خیمہ لگایا اور دوسرا شخص وہاں پہلے ٹھہر گیا تو پہلے کو یہ حق نہیں کہ اسے وہاں سے منتقل کرے الخ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ جس نے سبقت کی اور عمرو کے لئے اپنی حاجت جائزہ کے وقت خالی نہیں کرتا اس پر یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا کہ حق غیر میں تصرف کررہا ہے یعنی عام حق تو زمین میں تھا اور یہ حجروں دالانوں میں ٹھہر کر عمارت کو بھی اپنے تصرف میں لایا اور وہ عمارت اصل مالک نے اس کے لئے جائز کی تھی جو خود اس کی حاجت کے سوا دوسرے وقت میں آئے اس کا جواب وہی ہے کہ عمارت اس کی ملک نہ رہی اور

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

وہ شرط کہ اس نے کی تھی خلاف شرع ہو کر نامعتبر ہوئی تو اب جس کا ہاتھ سبقت کرے وہی مقدم ہے **هذا ما ظهر لی والعلم بالحق عند ربی** (مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقی علم میرے رب کو ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از نجیب آباد ضلع بجنور متصل تحصیل مرسلہ جناب محمد ظفر اللہ صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال وقف مسجد پر حجن کے نام سے موسوم ہے شرعًا کسی کا دعوی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا کوئی شخص یا چند شخص مل کر اپنے آپ کو ولی قرار دیتے ہوں تو وہ مالک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال وقف پر دعوی ملک تو کسی کو نہیں ہوسکتا، ہاں دعوی تصرف متولی کو ہے، اگر متولی نہ ہو تو اہل محلّہ کو اختیار ہے، اگر انہوں نے اس شخص یا اشخاص کو متولی کردیا ہے تو اس کو اختیار مل سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از مقام خاص مرزاپور محلّہ چیت گنج مرسلہ حکیم احمد علی صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک قطعہ زمین سرکاری جو کہ جنازہ مسلمانان کے لئے وقف ہے اس میں باجازت تکیہ دار کے ایک مکان ایک دوسرے فقیر نے بنایا اور اسی میں بود و باش اختیار کرنے کے بعد چندے اس مکان کو براہ خدا وقف کردیا وہ وقف شدہ مکان بقیمت مبلغ بیس ؎ روپیہ کو وارث تکیہ نے خرید کیا مکان وقف شدہ کا روپیہ ایک مسجد جو کہ مکان سے علیحدہ اسی زمین میں تعمیر کی گئی ہے وہ روپیہ اسی مسجد میں خرچ کیا گیا اب وہ مکان تکیہ دار کے قبضہ میں ہے پھر دوبارہ وہی فقیر جس نے مکان تعمیر کیا تھا خریدنا چاہتا ہے شرع شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ تکیہ وقف ہے جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے تو نہ اس میں اس فقیر کو اپنا مکان سکونت بنانے کی اجازت تھی نہ اسمیں مسجد بنانا جائز ہے **لان الوقف لایوقف** (کیونکہ وقف شدہ دوبارہ وقف نہیں ہوتا) نہ اس مکان کی زمین کا بیچنا صحیح تھا، نہ اب اس کے یا کسی اور کے ہاتھ بیع ہوسکتی ہے **لان الوقف لایملک** (کیونکہ وقف کسی کا مملوک نہیں ہوسکتا) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ت ۵۲ تا ۵۳: بتاریخ یکم صفر روز پنجشنبہ ۱۳۳۴ھ

(۱) قبرستان میں مدرسہ یا کوئی مکان یا مسجد بنانا جائز یا نہ؟

(۲) ایک بزرگ نے ایک جگہ چند بزرگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا وہاں ایک چبوترہ بطور مسجد بنایا اور ایک مدت تک وہاں نماز پڑھی گئی اب ایک عرصہ سے وہ جگہ خراب پڑی ہے، وقف کی یا نہیں کی اس کا کچھ حال معلوم نہیں،

اب وہ جگہ کسی کو دے دی جائے کہ مکان بنائے یا مسجد بنادی جائے۔

الجواب:

(۱) قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلاف وقف جائز نہیں، مدرسہ ہو خواہ مسجد یا کچھ اور۔ اور اگر کسی کی ملک ہے تو قبور سے الگ وہ جو چاہے بناسکتا ہے۔

(۲) اگر تصریحًا یا دلالۃً کسی طرح وقف کرنا ثابت نہیں تو وہ زمین مالک یا اس کے ورثہ کی ملک ہے وہ جو چاہیں کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از ضلع سیتاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی ابو محمد یوسف حسن صاحب طالب علم مدرسہ مذکور ۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے جواب میں کہ زید نے اپنی اور اپنے شریک دار کے کہ جس کی جانب سے وہ کارکن اور خود بھی حصہ دار تھا اپنے مقبوضہ مواضعات معافی کی نسبت انگریزی ہونے پر محکمہ بندوبست میں درخواست دی کہ ہمارے مواضعات حسب عمل درآمد قدیم اب بھی معاف رہیں اور اس میں حسب ذیل الفاظ سے اقرار کیا:

یہ مواضعات صدہا سال سے واسطے مصارف عرس سید شاہ فلان واقع مقام فلان ومصارف واردین وصادرین وغرباو مساکین ومجالس محرم سلاطین ماضیہ نے بطور وقف مقرر ومعاف ومرفوع القلم کیا ہے۔ دوسرے مقام پر اپنی درخواست میں یہ الفاظ تحریر کئے ہیں امیدوار ہوں کہ دیہات، معافی بدستور بصیغہ وقف معاف ومرفوع القلم رہیں، اور اسی مقدمہ میں اجلاس پر حاکم کے روبرو بسوال حاکم بدیں الفاظ جواب تحریر کردیا۔

سوال حاکم: تمہاری معافی بعہد نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے کس سبب سے ضبط ہوئی؟

جواب: یہ معافی وقف اس واسطے ضبط نہیں ہوئی اور اسی مقدمہ تحقیقات معافی میں ایک حساب داخل کیا جس میں عبارت مسلم وقف حسب ذیل ہے، اس میں مصارف میرے اور میرے عزیزوں کے مناط قوت ان کا بھی یہی ہے اور یہ سب لوگ خدمت گزار درگاہ ہیں اور یہ معافی وقف ہے اس کارروائی پر حاکم ضلع نے مصارف کی تحقیقات کرکے سفارش معافی کی کردی اور اس سفارش پر حاکم اعلٰے صاحب کمشنر نے یہ الفاظ تحریر کئے قابض اور ان کے مورو ثان سب مشہور لوگ ہیں اور مزار پیشتر بہت مشہور تھا یہ مجھ کو مذہبی وقف معلوم ہوتا ہے قبضہ سالہا سال سے ہے، مسجد وامام باڑہ وخانقاہ ومسافر خانہ سب بمقام فلاں ہے اس کو سرکار سے سند معافی عطا ہوئی جس میں لفظ وقف کا نہیں تحریر ہے اور سند مطبوعہ حسب نمونہ مقررہ ہے اور تمام ایسی معافیات میں اسی طور کے اسناد اس نواح میں سرکار نے دئے ہیں، اس کے بعد بندوبست پختہ میں

حسب قاعدہ مقررہ سرکار دعوی حقیت اعلیٰ مواضعات مذکور کا زید ہی نے دائر کیا اور اس درخواست میں بربنائے قبضہ سابقہ ڈگری چاہی مگر اس مقدمہ کے بیان میں بعد درخواست مذکور مالک کا لفظ استعمال کیا اور ڈگری میں بھی لفظ مالکانہ تحریر ہوگیا اس کے بعد بمقدمہ حصہ داری وتعین حصہ ہر شریک دار میں پھر یہ ظاہر کیا کہ یہ جائداد واسطے مصارف درگاہ ہے کسی حصہ دار کو اختیار انتقال کسی قسم کا نہیں بعد مصارف عرس وفواتح واردین وصادرین کے جو بچتا ہے بحصہ مساوی تقسیم ہوجاتا ہے اور آئندہ ہم لوگوں نے اقرار کنندگان کے ورثہ پر اسی طور پر ہمارے حصہ سے تقسیم ہوتا رہے گا بعدہ واجب العرض میں بھی جو بعد کارراوئی حصہ داری کے مرتب ہوئی اس میں یہ تحریر کردیا کہ یہ موضع وقف ہے، ان حالات پر ازروئے شرع شریف اس جائداد پر اطلاق وقف کا ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے وارثوں کو اختیار انتقال اس جائداد سے ہے یا نہیں، واضح رہے، مقدمہ تعین حصہ داری ودیگر کاغذات سرکاری میں کل حصہ داران شریک دار آمدنی نے اس کو وقف تسلیم کیا ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ کسی کو اختیار انتقال حاصل نہیں ہے صرف درمیانی کارروائی ڈگری حقیت اعلیٰ میں لفظ مالک کا استعمال ہوا ہے اس سے قبل وبعد کی کل کارروائیوں میں اقرار عدم اختیار انتقال وقف کا سب کی جانب سے ہے اور یہ خاندان اولاد حضرت پیران پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے کو منسوب کرتا ہے اور ایسے ہی بعض ملفوظات خاندانی وشجرہ جات خاندانی سے مانا گیا ہے اس خاندان کے لوگ بلالحاظ مستطیع وغیر مستطیع حسب قرار داد بندوبست جو باتفاق خود تعین حصص کرچکے ہیں اس اعتبار سے مستحق گزارہ ہیں یا مورث اعلیٰ کی نسل پر ازروئے فرائض از سر نو تعین گزارہ کا حق رکھتے ہیں اگر مستطیع کو استحقاق گزارہ بوجہ اس کی استطاعت نہ ہو تو کسی وقت بحالت نہ رہنے استطاعت کے پھر کسی سبب سے گزارہ پاسکتے ہیں اور استطاعت کا معیار کیا ہے اور کسی اولاد پر بالخصوص سادات کے کسی خاندان پر جو وقف ہو اس میں جب لوگ مستطیع ہوتے جائیں گے وہ خارج از گزارہ ہوتے جائیں گے اور پھر جب غیر مستطیع ہوجائینگے داخل ہوتے جائیں گے، اور اس کا سلسلہ کس طور سے جاری رہے گا تعین گزارہ کی نسبت کیا ہوا کرے گا۔ امید کہ جملہ امور کا جواب ازروئے فقہ حنفیّہ مرحمت فرمایا جائے اور یہ اراضی عشری ہیں اور عشر ان پر واجب ہے یا نہیں، اور فی الحال یہ مواضعات کاشت کاروں کے پاس نقدی جمع سر ہیں، جن مصارف کا ذکر اوپر تحریر کیا گیا ہے جیسے فواتح واعراس ومیلاد شریف ومحرم وخرچ واردین وصادرین تو جہاں تک مجالس واعراس وفواتح کو ذکر وتذکرہ قرآن خوانی وتقسیم طعام وغیرہ سے تعلق ہے وہ توظاہر ہی ہے صرف تعزیہ داری کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے ایک رواجی مقامی طریقہ ہے تو اس قدر مصرف ناجائز کے شمول سے نفس وقف پر کیا اثر ہے اور یہ فعل قابل ترک ہے، اسی طور سے اعراس میں ایک صورت بعض وقت سماع کی ہے جو سب طریقہ موسیقی وراگ ومزامیر نزد احناف حرام ہیں اور یہی سوادِ اعظم ہے البتہ محض قصیدہ خوانی یا نعت خوش الحانی سے سننا اور سنانے والے کو کچھ دینا جیسا کہ حضور انور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک حضرت حسان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی بابت

کیا حکم ہے یہ بھی قابل ترک ایسے اوقاف سے ہے یا نہیں؟

الجواب:

ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ کسی کو ان کے بیع وانتقال کا کوئی حق ہو **کما حققه فی ردالمحتار بما لامزید علیه** (جیسا کہ اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے جس پر مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) سند معافی میں لفظ وقف نہ ہونا کچھ مضر نہیں، نہ کسی مقدمہ میں اپنے آپ کو مالک تعبیر کرنا یا گورنمنٹی ڈگری میں لفظ مالکانہ لکھا جانا کچھ اثر رکھتا ہے کہ متولی کی طرف نسبت ملک بوجہ ملک تصرف واختیار شائع ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح فی الجواب ان کانت دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر حدود اربعہ کو اپنے لئے قرار دیا پھر یہ دعوی کیا کہ وقف ہے، توجواب صحیح یہ ہے اگر وقف ہونے کا دعوی تولیت کی وجہ سے ہو تو دونوں باتوں میں موافقت ممکن ہے کیونکہ وقف کو متولی متصرف اور فریق بحث ہونے کے اعتبار سے عادتًا اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے۔(ت)

موقوف علیہ کا فقیر یا غیر ہاشمی ہونا ضرور نہیں اغنیاء وسادات بھی اوقاف عامہ، رفاہ عام میں داخل ہوسکتے ہیں جیسے مسجد، مقبرہ، حوض، کنواں، سقایہ، سرائے پل وغیرہا، اور وہ ہر وقت میں بشرط واقف مثل استثناء فی المصروف بھی شامل ہوسکتے ہیں جس طرح خود اپنا نفس اور اپنی اولاد، بالجملہ وقف کا قربت موبدکے لئے ہونا ضرور ہے مگر تمام آمدنی قربت ہی کے لئے معین ہونا ضرور نہیں استثناء بعض علی الدوام واستثناء کل الی زمان منقطع دونوں کی گنجائش ہے اور اس کا اختیار واقف کو ہے جیسی شرط کرے گا اتباع کی جائے گی تحت قول درمختار **والتصدق بالمنفعة ولوفی الجملة**[2] (منفعت کو صدقہ قرار دینا اگرچہ کسی طرح ہو۔ت) ردالمحتار میں ہے فرمایا:

فیدخل فیه الوقف علی نفسه ثم علی الفقراء وکذا الوقف علی الاغنیاء ثم الفقراء لما فی النهر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدهم لم یجز لانه لیس بقربة، امالوجعل اخره للفقراء فانه یکون	اس میں اپنی ذات کے لئے وقف اور بعد میں فقراء کیلئے داخل ہوگا، اسی طرح اغنیاء کیلئے پھر فقراء کیلئے وقف کی صورت بھی داخل رہے گی جیساکہ نہر میں محیط سے منقول ہے کہ اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو ناجائز ہوگا کیونکہ یہ قربت نہیں ہے لیکن اگر آخر میں فقراء

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

قربة فی الجملة[1] اھ۔	کیلئے وقف کیا تو جائز ہوجائیگا کیونکہ یہ قربت ہے اگرچہ فی الجملہ ہے اھ (ت)

اسی میں ہے:

اذاجعل اوله علی معینین صار کانه استثنٰی ذٰلك من الدفع الی الفقراء کما صرحوا به(الی ان قال) فعلم انه صدقة ابتداءً ولایخرجه عن ذٰلك اشتراط صرفه لمعین[2]۔	جب اولاً دو معین شخصوں کے لئے کیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے استثناء ہوجائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ان کا یہ بیان یہاں تک ہے کہ فرمایا) تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتداءً صدقہ ہے، تو معین کے لئے صرف کرنے کی شرط اس کو اس سے خارج نہ کرے گی (ت)

اسی میں فتاوٰی امام قاضی خاں سے ہے:

لوقال ارضی صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس له ولد یصح لان قوله صدقة موقوفة وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء کانه قال الاان حدث لی ولد فغلتها له مابقی[3]۔	اگر یوں کہا میری زمین بعد میں پیدا ہونے والے میرے بچے کیلئے صدقہ ہے جبکہ اسکی اولاد نہ ہو تو وقف صحیح ہوگا کیونکہ وقف شدہ صدقہ کہنے سے فقراء کیلئے وقف ہوگیا اور بیٹے کے ذکر سے اسمیں استثناء ہوگیا، گویا یوں کہا یہ صدقہ ہے مگر اگر میرا بچہ پیدا ہو تو اس کی موجودگی تک اس کے لئے وقف کرتا ہوں۔ (ت)

سلطان واقف کی شرط اگر معلوم ہے کہ بعد مصارف خیر مذکورہ جو بچے اولاد شیخ فلاں تقسیم کرلیں تو ان کے فقراء واغنیاء سب اسے بحصہ مساوی لیں گے اور اگر شرط کردی ہے کہ مابقے نسل شیخ پر حسب فرائض تقسیم ہو تو حسب فرائض ہی تقسیم ہوگی اقرب ابعد کو محجوب کرے گا اور لحاظ فقر وغنانہ ہوگا اور اگر شرط یہ کی کہ باقیماندہ خاندان شیخ کے فقراء پر تقسیم ہو تو اب ان کے اغنیاء کو کچھ نہ ملے گا اور جو غنی فقیر ہوجائے اب سے وہ بھی مستحق ہوگا سنین ماضیہ کا حصہ نہ طلب کرے گا اور جو فقیر غنی ہوجائے اب سے وہ مستحق نہ رہے گا اور سالہائے گزشتہ کا لیا ہوا واپس نہ دے گا لان العبرة الحال دون الماضی والاستقبال (کیونکہ اعتبار حال کا ہے ماضی یا مستقبل کا نہیں۔ت) اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۵۸۔۳۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۱۴

شرائط اصل واقف پر اطلاع نہ ہو تو عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی زید نے جو واجب العرض میں لکھا، یا اگر اس کے مطابق ہے فبہا ورنہ اس پر اصلاً لحاظ نہ ہوگا اور قدیم پر عمل رہے گا۔ **لانہ لیس بواقف ولاالیہ تغییرہ** (کیونکہ وہ نہ واقف ہے نہ اس کو تبدیلی کا حق ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا علم حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون فیہ والی من یصرفونہ، فیبنی علی ذٰلک، لان الظاھر انھم کانوا یفعلون ذٰلك علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذٰلک، وفی انفع الوسائل ذکر فی الذخیرۃ قال سئل شیخ الاسلام عن وقف مشھور اشتبھت مصارفہ وقدرما یصرف الی مستحقیہ قال ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون۔[1]	جب ماضی میں اس کا حال معلوم ہے کہ منتظم اس میں کیا کرتے رہے اور کہاں خرچ کرتے ہیں تو اسی حال کو وقف کی بنیاد قرار دیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ منتظم یہ عمل واقف کی شرط کے مطابق کرتے رہے ہیں مسلمانوں کے متعلق یہی گمان کیا جاسکتا ہے تو اسی عمل کو جاری رکھا جائے گا، انفع الوسائل میں ذکر ہے کہ ذخیرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف جس کے مصارف اور مقدار کے متعلق اشتباہ ہے، کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ گزشتہ زمانہ کا حال معلوم کیا جائے گا کہ اس کے منتظم کیسے عمل کرتے رہے ہیں۔(ت)

استطاعت کی معیار ملک نصاب زائد از حاجت اصلیہ ہے تعزیہ ومزامیر دونوں معصیت ہیں اور معصیت میں مال وقف کا صرف دوہرا حرام ہے بلکہ تین حراموں کا مجموعہ، ایک وہ معصیت دوسرے مال وقف پر تعدی تیسرے مستحق کی محرومی مگر ان مور حادثہ سے نفس وقف پر کوئی ضرر نہیں، جو متولی ان میں صرف کرے گا اس قدر کا تاوان اس پر لازم ہوگا **لانہ امین وکل امین بالتعدی ضمین** (کیونکہ وہ امین ہے اور ہر امین ناجائز تصرف پر ضامن بنتا ہے۔ت) بلکہ اگر خود سلطان واقف منجملہ مصارف مذکورہ تصریحاً تعزیہ ومزامیر کو بھی ایک مصرف مقرر کرتا کہ وقف پر جب بھی ضرر نہ تھا یہ مصرف باطل رد وساقط کرکے وہ حصہ بھی مصارف خیر ہی کیطرف مصروف ہوتا، فتح القدیر پھر ردالمحتار میں ہے:

لو وقف الذمی علٰی بیعۃ فاذا خربت یکون للفقراء کان للفقراء	اگر ذمی نے مثلاً بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کیلئے وقف کیا اور کہا جب یہ خرابہ ہوجائے تو یہ فقراء کیلئے ہی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب والوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۶۱

ابتداءً[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگا تو ابتداًء ہی یہ فقراء کے لئے وقف قرار پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵تا۵۶: از قصبہ گوپامؤ ضلع ہردوئی اورہ محلّہ قنوجی مسئولہ یاور حسین صاحب یوم سہ شنبہ ۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی نواب ناظر حسین خاں صاحب رئیس قصبہ گوپامؤ نے تقریبًا دس بارہ سال سے ایک مسجد کے متعلق جو کہ ان کے مکان کے قریب محلّہ قنوجی میں واقع ہے، یہ انتظام کیاکہ زیر مسجد کی دکانیں جن کو مسجد کے منتظموں نے رہن بھی کرلیا تھااور جو رہن سے بچی ہوئی تھیں وہ بالکل مسمار ہوگئی تھیں، غرضکہ وہ دکانات مسجد مذکور جو کہ ایک دینی مدرسہ عربی کو بحیثیت وقف شامل تھیں ان کو فک رہن کرالیااور مسمار شدہ کی تعمیر کرادی، ایک مدرسہ اسلامیہ کی آمدنی سے جس کے وہ صدر انجمن ہے سب ادا کردیا دکانوں کو تعمیر کرایا پھر رفتہ رفتہ انہیں دکانوں کوآمدنی سے وہ کل روپیہ بھی ادا کردیاجب انجمن کاروپیہ اداہوگیاتوان دکانوں کو مع تحویل باقی کے اپنے چھوٹے بھائی کو جوکہ اسی مسجد میں طلبہ کو عربی پڑھاتے ہیں بطور انتظام جائداد وقف کے حوالہ کردیا حتی کہ اس آمدنی سے وقتًا فوقتًا مسجد کی درستی ہوتی رہتی ہے، اور اسی احاطہ مسجد میں بیرونی طلبہ کے لئے حجرے بھی حسب ضرورت تیار ہوتے رہے، سال گزشتہ میں ایک مولوی صاحب کو باہر سے عربی تعلیم کے لئے بلایا گیا تھاان کی نصف تنخواہ چندہ سے اور نصف اسی آمدنی مسجد سے سال بھر تک دی جایا کی، نیزاب تک چونکہ درس وتدریس کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ تھی، اور جو کتابیں طلباء کوحسب دستور دی جاتی ہیں ان کے رکھنے کے لئے بھی مکان کی ضرورت ہوئی توایک مکان جانب مسجد میں اس سال بھی تعمیر کرایا گیاجوان شاء اللہ مختصرًامدرسہ وکتب خانہ دونوں کاکام دے گاعلاوہ ان دکان کے کچھ خانہائے رعایا خالی کراکے اس کی زمین مسجد کو وقف کردی اور دوایک دکانیں جدید بھی بنوادیں ایک دکان منشی بقاء اللہ صاحب وکیل سرائے میران نے بھی وقف کیا،

(۱) اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ علاوہ نیت کے عملدرآمد حسب مذکورہ بالا رہاہے توآیااس آمدنی سے مسجد اور طلباء کے لئے حجرے نیزمدرس کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعًا جائز ہوگا یانہیں؟

(۲) یہ کہ انہیں نواب صاحب موصوف نے جو اپنی ذاتی دکان اور تین خانہائے رعایا کو صحن بازار مسجد کی ضرورت سے برابر کراکے نیز گردوپیش کے اپنی افتادہ زمین کو اسی مد میں مدّت سے وقف کردیا ہے چنانچہ گھاس، بھوسہ، لکڑی، کنڈااور دیگر پلہ داروں سے جواس زمین کا محصول آتا ہے وہ بھی برابر مسجد میں ایک بنئے کے ذریعہ سے یکمشت جمع ہوتا رہتا ہے اور جو مدّات مذکور میں صرف ہوتا ہے اسکے متعلق (ایک ہندو رئیس جس کا نام لالہ بشمبر ناتھ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۱

ہے اور وہ گوپامؤ سے قریب ایک موضع تہمروان میں رہتے ہیں) کا یہ بیان سنا جاتا ہے کہ چُنگی قبضہ میں ہمارے ہے لہذا یہ متفرق آمدنی ہماری ہے اس کو ہم لیں گے حالانکہ وہ اس بازار میں کسی جزءِ اراضی کے بھی مالک نہیں ہیں اور چنگی ان کی ہونا قاعدہ کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ چنگی حقِ گورنمنٹ ہے، کاغذات سرکاری میں بھی چنگی کا کوئی وجود نہیں، دوسرے مالک زمین یعنی واقف کی طرف سے یہ زمین دراصل مسجد کی ہے، ایسی حالت میں آیا ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم دامے درمے قلمے، سخنے غرض ہر مدافعانہ حیثیت سے ان کی اس ناجائز دست برد سے اگروہ کریں اس کو بچائیں یا نہیں؟ نیز اس معاملہ جو شدائد ہمیں درپیش ہوں گے بصیغہ حفظ جائداد ووقف عنداللہ ہیں اس کا اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر مسلمان کثرت رائے سے اس کی کل یا جزءِ آمدنی بطور فیصلہ باہمی کے لالہ صاحب کو دینا منظور کریں تو آیا ان کا یہ فعل شرعاً صحیح اور قابل تسلیم ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے اور اس میں بلاشرط واقف یا اجازت خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدل جائز نہیں، مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا مسجد پر جو جائداد واقف نے وقف کی اگر اس سے بنائے مدرسہ ومصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

(۲) صورت مذکورہ میں ضرور مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ مال وقف ودفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کرینگے مستحق اجر ہوں گے، قال تعالٰی:

ان کو مشقت اور مشکل نہ پہنچے گی (الٰی قولہ تعالٰی) مگر ان کے لئے نیک عمل لکھے جائیں گے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**	"لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ" (الٰی قولہ تعالٰی) "اِلَّا کُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ" [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از ضلع گیا، موضع پردہ چک، ڈاکخانہ شمشیر نگر، مسئولہ ابوالبرکات یوم شنبہ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اسکی ملک ہے یا نہیں؟ دوسروں کو بدون اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

قبرستان اگرچہ وقف ہو مگر درخت جو اس میں لگائے جائیں اگر لگانے والا تصریحاً یہ کہ بھی دے کہ میں نے

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۱۲۰

ان کو قبرستان پر وقف کیا جب بھی وقف نہ ہوں گے اور لگانے والے ہی کی ملک رہیں گے، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو ان میں تصرف جائز نہیں، اور اس کو اختیار ہے کہ اس کی لکڑی کاٹے یا جو چاہے کرے بلکہ اگر ان کے سبب مقابر پر زمین تنگ کردے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کردے **والمسئلۃ فی الھندیۃ وغیرہا** (فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از ضلع سیتاپور قصبہ لہرپور مدرسہ اسلامیہ قاضی ابومحمد یوسف حسین صاحب　　بروز چہار شنبہ ۲۱ صفر ۱۳۳۴ھ

وقف والے استفتاء میں ایک لفظ "**ارصادات**" کا تحریر ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے، اگر آپ کو معلوم ہوں تحریر فرمائے، غیاث میں "**رصد**" کے معنی نگاہ رکھنا نکلے اور لفظ "**ارصادات**" نہیں نکلا، "**رصد**" کی اگر جمع "**ارصادات**" لئے جائیں تو بھی اس موقع پر کام نہیں دیتے شاید لفظ تحریرات سلطانی میں کسی قسم کی تحریر کا نام ہو جیسے "**سجل**" یا "**فرمان**" وغیرہ اگر ایسا ہے تو یہ تحریر فرمایئے کہ یہ لفظ کس قسم کے اسناد کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اصلِ موقع اس لفظ کا شاید آپ کے خیال میں نہ باقی ہو اس لئے میں ابتدائے مضمون استفتاء کا نقل کئے دیتا ہوں، ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ ان کے بیع وانتقال کا کسی کو حق ہو۔

الجواب:

مولٰنا اکرمکم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "**ارصاد**" کے معنی نگہداشتن ہی ہیں یعنی محفوظ کردینا، سلاطین اسلام مواضع سلطنت سے جو دیہات مصارف خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انہیں ارصاد کہتے ہیں یعنی سلطان نے انہیں محفوظ وممنوع التملیک کردیا ان کا حکم بعینہٖ مثل وقف ہے،

وانما سمیت ارصادات لان الوقف شرطہ الملك والسلاطین لایملکون مافی ولایتھم ان الملك الا للہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان کو ارصادات اس لئے کہتے ہیں کہ وقف کی شرط ہے کہ پہلے کسی کی ملک میں ہو جبکہ سلاطین اپنی ولایت کے مالک نہیں ہوتے، ملک تو صرف اللہ تعالٰی کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹ تا ۶۰: از کانپور محلّہ لکھنیا بازار متصل مدرسہ فیض عام مسئولہ شمس الدین محمود عرف میاں ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنے چند قطعات زمین وقف کئے اپنی ملکیت ومتروکہ سے چھوڑے سند وقف میں یہ تحریر ہے کہ خرچ مساکین ومسافرین ومسجد کے واسطے یہ وقف کیا جاتا ہے پس مورثان متوفی جو متولی جائداد موقوفہ بھی ہیں،

(۱) اگر منجملہ قطعات زمین متذکرہ صدر کے کوئی جزو جو خراب وبیکار پڑا ہو اور اس سے کسی قسم کی آمدنی بھی نہ ہو

مسجد میں شامل کردیں۔

(۲) یا کسی جز قطعات مذکور بالا میں کچھ عمارت اس غرض سے تعمیر کردیں کہ اس کی آمدنی واسطے اخراجات مسجد کے کام آئے یا کسی خاص کام متعلق مسجد کے مثلاً فرش وفروش وغیرہ متعلقہ ومملوکہ مسجد کے رکھنے یا پیش امام وموذن وغیرہ کسی خادم مسجد کی سکونت کے بکار ہو تو جائز ہے یا نہیں اور متولی پر کوئی مواخذہ شرعی تو نہ ہوگا؟

الجواب:

اگر مسجد تنگ ہو جماعت کی دقت ہوتی ہے جگہ کی حاجت ہے تو یہ زمین مسجد میں شامل کردی جائے ورنہ نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف ہے نہ کہ مسجد کرلینے کے لئے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ[1]۔	وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح ضاق المسجد وبجنبہ ارض وقف علیہ او حانوت جاز ان یوخذ ویدخل فیہ[2]۔	فتح میں ہے کہ مسجد تنگ ہوجائے حالانکہ اسکے پہلو میں وقف شدہ زمین یا دکان ہے جو اسی مسجد کے نام وقف ہے تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے (ت)

صورت ثانیہ حسب پابندی شرائط واقف جائز ہے مثلاً اس کی آمدنی مسجد میں صرف کرنے کے لئے وقف کی ہو تو اس غرض کے لئے اس میں عمارت بنانی جائز اور سکونت امام وغیرہ کے لئے ناجائز لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط، شارع کی نص کی طرح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: از خیر آباد ضلع سیتاپور اودھ محلّہ میاں سرائے درگاہ حضرت حاجی حافظ سید محمد علی صاحب ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند موضعات کو شاہان دہلی نے واسطے مصارف امور مذہبی ومدد معاش ایک خاندان کے معاف کیا تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا عہد سلطنت انگلشیہ زمانہ بندوبست اول میں اس معافی کی نسبت تحقیقات ہو کر معافی قدیم ثابت ہوئی اس تحقیقات میں ورثا معافی داراول نے یہ بیان کیاہے کہ یہ مواضع قدیم سے وقف ہے لیکن اب بھی وقف نامہ یا ایسی تحریر یا حکم شاہان دہلی عطا کنندہ کی معافی کا کہ جس سے واقف کا نام یا مضمون وقف اس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

ثابت ہوسکے پیش نہیں ہوابلکہ جو کچھ ثبوت تحریری زبانی پیش ہوااس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضع شاہان دہلی نے بغرض مذکور بالا معافی عطا کئے تھے، اسی بنیاد پر جو سند سرکار انگلشیہ سے عطا ہوئی وہ معافی مشروط کی عطا ہوئی، اور منجملہ شرائط سند عطائے سرکار انگلشیہ ایک یہ بھی شرط ہے کہ درصورت عدم پابندی شرائط سند یہ معافی ضبط کرلی جائیگی اور مواضع مذکورہ کے متعلق سرکار انگلشیہ سے ڈگری حق اعلٰی بمقابلہ سرکار بحق معافی داران صادر ہوچکی ہے اور سرکار انگلشیہ اپنے حقوق مثل رقم سوائی وفیس سڑکانہ وشفاخانہ وغیرہ مثل دیگر زمینداران کے سالانہ معافی دار سے لیتی ہے اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران شرائط مندرجہ عطیہ سرکار انگلشیہ پابند رہ کر بطور مناسب اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنے مدد معاش میں صرف کرتے رہے بندوبست اول سے اس خاندان معافی داران میں حصص قائم ہوئے اور برابر وراثت جاری رہے اور ہر معافی دار کا نام کھیوٹ وکاغذات میں بطور مالک درج ہوتا رہا۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا کہ شرکاء معافی میں سے چند شرکاء نے حسب ذیل انقلاب کئے ایک معافی دار نے منجملہ اپنے حصہ کے ایک جزء کا وقف نامہ بنام اللہ میاں رجسٹری شدہ تحریر کیا ایک حصہ دار نے اپنا حصہ اپنے حقیقی بھائی کے نام ہبہ کردیا، ایک نے وقف علی الاولاد کیا، اس کے بعد واقف علی الاولاد نے عدالت مجاز میں ایک دعوی دائر کیا کہ ہبہ مواضع موقوفہ میں ان میں کارروائی منتقلات جائز نہیں ہے اور اپنے عرضی دعوی میں اپنے انتقال وقف علی الاولاد کو پوشیدہ رکھا اور ہر دو انتقالات کو ظاہر کیا اور عدم جواز کی حجت کی لہٰذا استصواب ہے کہ مواضع عطیہ شاہی وسرکار انگلشیہ وقف سمجھے جائیں گے یا از قبیل عطیات ومعاقبات وارصادات وغیرہ متصور ہوں گے اور کارروائی انتقالات متذکرہ بالا باطل وکالعدم سمجھی جائیں گی یا جائز متصور ہوکر آئندہ کے لئے ایسی کارروائیاں جائز رہیں گی اور اس بیان معافی داران سے جو بندوبست میں نسبت وقف ہونے جائداد کے ہوا ہے جائداد مذکورہ وقف ہوگئے یا ان کا بیان بمقابلہ نیت عطا کنندہ کے باطل وہیچ ہے اور ہبہ جائداد بصورت عطیہ ومعافی وارصاد کے قائم رہیں گے اور عطیہ وارصاد کے کیا معنی ہیں اور ان پر کیا کیا احکام جاری ہوسکتے ہیں اور کیا کیا احکام جاری نہیں ہوسکتے ہیں فقط۔

الجواب:

ارصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو مواضع سلاطین اپنی رعیت میں سے کسی کو جاگیر بخش دیں اسے اس کا مالک کردیں وہ عطا ہے عربی میں اسے اقطاع کہتے ہیں اور ہماری زبان میں معافی وجاگیر اور جو مواضع سلاطین اسلام مصارف خیر کے لئے تعین کردیں وہ ارصاد ہیں ان کا حکم بعینہٖ حکم وقف ہے اور بعد مصارف خیر جو کچھ بچے اس میں سے کسی قوم یا کسی شیخ کی اولاد یا کسی مزار کے خدام کی مدد معاش کرنا منافی وقف وارصاد نہیں، نہ اوقاف قدیمہ کے لئے واقف کا نام معلوم ہونا ضرور، نہ کوئی سند پیش کرنا لازم، ورنہ لاکھوں وقف خصوصًا مساجد باطل ہوجائیں، خود سائل کا بیان ہے کہ مواضع سلاطین دہلی نے مصارف امور مذہبی اور ایک خاندان کی مدد معاش کے لئے

معاف کئے اور یہ کہ تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا اور یہ کہ اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنی مدد معاش میں صرف کرتے رہے، یہ شان وقف ہی کی ہوتی ہے، اور اگر کسی خاص شخص کو جاگیر دینی ہوتی ہے تو مصارف خیر کی قید نہ لگائی جاتی، نہ یہ کہ ان سے جو بچے وہ مدد معاش میں صرف ہو، نہ اس کے موافق قدیم سے اب تک عملدرآمد رہتا ہے تو ضرور یہ مواضع وقف ہی ہیں اور بندوبست حال میں اسمائے متولیان بخانہ ملکیت رکھنا وقف ثابت کو زائل نہ کرے گا اور یہ انتقالات جو ان بعض متولیوں نے کئے اگر اس سے مقصود وہ محاصل ہیں جو بعد مصارف خیر ان کے حصہ میں آئیں جب تو ظاہر ہے کہ اس سے اصل وقف پر کوئی حملہ نہ ہوا اگرچہ محاصل کا وقف یا قبل وصول ہبہ کرنا باطل ہے، اور اگر ان سے نفس رقبہ جائداد کا انتقال مقصود تھا تو غایت یہ کہ ان کا ظلم باطل ومردود تھا، اس سے وقف پر کیوں حرف آنے لگا، گورنمنٹ کا رقوم سوائی وغیرہ لینا بھی منافی وقف نہیں، یوں ہی بندوبست اول سے اجرائے وراثت اگر محاصل میں ہے کیا بیجا ہے اور رقبہ میں ہے تو متولیوں کا ظلم ہے بلکہ بیان سائل کہ اب تک بعد مصارف خیر جو بچتا ہے تقسیم کرتے ہیں رقبہ میں اجرائے وراثت کی خود نفی کررہا ہے، اور نہ بھی سہی تو ان کے مورثوں کا سب سے پہلا بیان کہ یہ جائداد وقف ہے، ان کے ان تصرفات کے ابطال کو کافی ہے، جائداد ملک ہو کر وقف ہوسکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہوسکتی اور ان کے اس بیان اول میں نیت عطا کنندہ کا کچھ خلاف نہیں بلکہ عین موافقت ہے جیسا کہ اوپر ظاہر ہوا بالجملہ شک نہیں کہ مواضع مذکورہ وقف ہیں اور ان میں کسی کو تصرفات مالکانہ یا انتقالات کا کچھ حق نہیں "وَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾"[1] (اور ڈرو الله تعالٰی سے جس کی طرف تم اٹھائے جاؤگے۔ت) والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از ضلع بجنور موضع چاندپور مسئولہ محمد قطب الدین ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

مخدوم مکرم ومعظم دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ الله وبرکاتہ۔ آبادی قصبہ چاندپور میں موازی ۶ بسوائے یعنی (للعہ مہ) گز کل اراضی نمبری خسرہ ۲۴۸۲ واقع محلّہ کوٹلہ موقوفہ تھی اس پر ایک دکان بنی ہوئی تھی اس کی آمدنی صرف مسجد میں آتی تھی چنانچہ بندوبست دہم یعنی ۱۸۶۷ء یا ۲۷۴ اف میں دکان مذکورہ بخانہ مالک زمین ومالک مکان (موقوفہ) تحریر ہے اس کے کیفیت میں (دکان تصرف مسجد) تحریر ہے اس کے منتظم مولوی مجتبٰی حسن صاحب دیوبندی ساکن چاندپور تھے دکان منہدم ہوگئی اس پر ایک سہ دری بنائی گئی جو قیام مسافران اور درس گاہ کے کام آتی رہی اور مہتمم بدستور مولوی صاحب موصوف رہے اب اس سال سے مولوی صاحب مذکور نے اس کے اوپر ایک بالاخانہ تعمیر کرلیا اس کو زنانہ مکان کرلیا بیچ کا سابقہ حصہ یعنی سہ دری اپنی نشست گاہ خاص بنالی، الله الله خیر صلا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۶

مولوی صاحب کہتے ہیں ہم مکان کے مالک ہیں ہمارا تعمیر کردہ ہے تمادی بارہ سال عارضی ہے وغیرہ وغیرہ اور سب چیزیں خدا کی ملکیت میں اور ہم اس کے بندے ہیں، رضامندی سے وہ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے، مجبورًا عدالتانہ کارروائی کرنا ہوگی چونکہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے بھائی مولوی مرتضٰی حسن صاحب سب مولوی ہیں (مولوی عالم فاضل ہیں) سب لوگ ان کا ادب کرتے ہیں بچتے ہیں کوئی دعوی کرنے یا مدعی بننے پر رضامند نہیں ہوتا، یہاں ہم صرف دو آدمی حق کی حمایت کرسکتے ہیں، البتہ واقعات کے بابت شہادت دے سکتے ہیں، اگر ان کو مدعی بنالیا جائے تو گواہ کون رہے سوائے اس کے نالش ہونے پر لوگوں سے توقع ہوسکتی ہے، بالفعل یہ خیال ہے کہ مولوی پر ہاتھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے، حتی کہ مولوی عبدالواسع صاحب ومیر سجاد حسین صاحب وکلا بجنور وکیل بننے سے گریز کرتے ہیں اس قحط الرجال میں آپ پر نظر دوڑتی ہے اور گزارش کیا جاتا ہے کہ ہم کو کیا کارروائی کرنا چاہئے اور اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اگر آپ کا نام نامی بھی زمرہ مدعیان میں شامل کردیا جائے تو نامناسب تو نہیں ہے؟ یا کسی اور شخص کا لکھا جائے؟ جیسی رائے عالی ہو کیا جائے، جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو، فقط۔

الجواب:

بحمد اللہ تعالٰی میں حکم شرعی جانتا ہوں اور وہی بتاسکتا ہوں قانون سے نہ مجھے واقفیت نہ اس کا مشورہ دے سکتا ہوں، وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے نکال دیں اگرچہ خود واقف ہو چہ جائے دیگر۔ درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف، درر، فغیرہ اولٰی لوغیر مامون، بزازیہ[1]۔	لازمًا معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو بطریق اولٰی غیر کو اگر وہ معتمد علیہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

اور وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے او جو مدعی ہو وہی شاہد ہوسکتا ہے **لانہ لایحتاج الی الدعوی** (کیونکہ دعوی کی ضرورت نہیں۔ت) وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وقف کو ظلم سے نجات دلائیں۔ دیوبندی عالم دین نہیں ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انہیں عالم دین سمجھنا خود کفر ہے، علمائے حرمین شریفین نے انہیں لوگوں کے لئے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[2]۔	جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے تو وہ کافر ہوا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

اور بالفرض کوئی عالم بھی ہو تو اس کا ادب اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا ہے کہ وقف اس کے دستبرد ظالمانہ میں چھوڑ دیا جائے اگرچہ عالم ہے مگر وقف پر ظالم ہے اور اس کی تخلیص فرض۔ یہ بہت اچھا عذر ہے کہ سب ملک خدا ہے اور ہم اس کے بندہ، کیا ایسا کہنے والا اپنے املاک اور اپنے ابل میں بھی ان کے لئے یہی گمان کرے گا کہ یہ سب ملک خدا ہیں اور وہ خدا کے بندے، یہ خاصہ اباحیہ کا مذہب ہے، فقیر کچہری کی لیاقت نہیں رکھتا اس سے معاف فرمایا جائے اور ہزاروں مسلمان مدعی ہو سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: مسئولہ مردمان عامہ موضع باجری تحصیل کمرڑواڑ ضلع انبالہ بتوسط الہ بخش درزی ساکن باجری ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنی تمام اشیاء جس میں منجملہ دیگر اشیاء کے ایک سکنی مکان بھی ہے مسجد کے نام پر خدا کے واسطے وقف کردیا اور سند کے لئے ایک کاغذ پر چند معزز برادران رشتہ کے دستخط کروا کر ایک کاغذ بنالیا اور یہ کام کرکے وہ عورت ایک دوسرے موضع میں اپنی لڑکی کے گھر پر جارہی اور اس کے چلے جانے کے بعد میں اس عورت کے قریبی رشتہ والوں نے اس وقف شدہ مکان کی بابت فساد شروع کردیا کہ ہم یہ مکان مسجد کے نام نہیں دیں گے حالانکہ بیوہ کے کوئی اولاد ذکور میں سے صاحب حق نہیں ہے اور وہ اپنے مال وجائداد کی بلااشتراک غیرے خاوند کے مرنے کے بعد خود مختار مالک تھی، لہٰذا اب دریافت امر خاص یہ ہے کہ آیا کوئی شخص بیوہ کی مرضی کے خلاف کچھ کاروائی کرسکتا ہے؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کس صورت سے؟ ورنہ ایسے بددیانت اشخاص کی کیا شرعی تعزیز ہے؟ **فقط**

الجواب:

جو شیئ اللہ عزوجل کے لئے وقف ہو گئی اس میں کسی کو دعوی نہیں پہنچتا، یہاں سوال سے ظاہر یہ ہے کہ عورت نے اپنی حالت صحت میں یہ وقف کیا تو اب کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا محض ظلم ونامسموع ہے اور یہاں کوئی کسی کو تعزیر نہیں دے سکتا، بڑی تعزیر یہ ہے کہ جس سے بات واقع ہو مسلمان اسے چھوڑدیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از شہر جیت پور ملک کاٹھیاوار چھوٹی چوک مسئولہ حاجی امداد احمد حامد متولی جمعہ مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کا طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے تو اس کی جانب سے اس کے عزیز ایک یا چند قرآن پاک مسجد میں بھیجتے ہیں اس نیت سے کہ لوگ پڑھیں تاکہ ہم کو ثواب ملے، اب چونکہ جامع مسجد میں وہ بکثرت جمع ہوگئے اور بیکار رکھے ہیں جن کا انجام سوائے گلنے اور بوسیدہ ہونے کے کچھ نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والے چند اور قرآن بکثرت جمع، تو ان کو ہدیہ کرکے وہ پیسہ مسجد کے صرف میں لاسکتے ہیں یا نہیں، مسجد سے ملحق ایک مدرسہ قرآن ہے اور نیز شہر میں بھی قرآن کے مدرسے ہیں ان میں

ان قرآنوں کو متولی بھیج سکتا ہے یانہیں نیز اگر اس شہر کے مدارس سے بچ رہیں تو دوسرے شہر کے مدارس میں بھیجے جاسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

اگر اس بھیجنے سے مصحف شریف اس مسجد پر وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا جب تو بھیجنے والوں کو اختیار ہے وہ مصاحف ان کی ملک میں باقی ہیں جو وہ چاہیں کریں اور اگر مسجد پر وقف مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں اسے دوسری مسجد بھیج سکتے ہیں یانہیں، جب حالت وہ ہو جو سوال مذکور میں ہے اور تقسیم کی ضرورت سمجھی جائے تو قولِ جواز پر عمل کرکے دوسری مساجد ومدارس پر تقسیم کرسکتے ہیں اس شہر کی حاجت سے زائد ہو تو دوسرے شہر کو بھی بھیج سکتے ہیں مگر انہیں ہدیہ کرکے، ان کی قیمت مسجد میں نہیں صرف کرسکتے۔ درمختار میں ہے:

وقف مصحفاً علی المسجد جاز ویقرأ فیہ ولایکون محصورا علی ھذاالمسجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کے نام قرآن کاوقف جائز ہے وہاں اس کی تلاوت کی جائے لیکن وہ اس مسجد کے لئے پابند نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۵: مسئولہ عبداللہ لوہار مقام چندوسی ضلع مرادآباد محلّہ سنبھل دروازہ ۱۹جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ، ایک باغ (اعگہ) کے دو بھائی مسمیان خواجہ بخش وعظیم مالک تھے اور دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی، عظیم بخش نے ایک بھتیجا لے لیا تھا مسمّٰی حسین، اور اس نے نصف باغ کا داخل خارج کاغذات سرکاری میں کرادیا عرصہ تیس سال کا ہوا اور اب تک اسی کے نام داخل خارج چلاآتا ہے اب دوسرے بھائی خواجہ بخش نے بھی باغ بیت اللہ شریف کے جاتے وقت فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا جبکہ عظیم بخش کا انتقال ہوگیا تھا ایسی صورت میں حصہ بھتیجا حسین کو پہنچ سکتا ہے یا بھائی مالک ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ نصف باغ بلا تقسیم عظیم بخش نے بھتیجے کے نام ہبہ کردیا تھا اور عظیم بخش نے اپنے انتقال کے بعد بھائی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو وہ ہبہ جو بھتیجے کے نام تھا عظیم بخش کی موت سے باطل ہوگیا۔ درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل[2]۔	قبضہ دے دینے کے بعد عاقدین میں سے کسی کا فوت ہوجانا، تو اگر قبضہ دینے سے پہلے فوت ہو تو عقد باطل ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۱۔ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع عن الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۶۱

تو کل باغ کا مالک خواجہ بخش ہوا جب اس نے وقف کردیا وقف ہوگیا اب نہ اس کا ہے نہ بھتیجے کا، خالص مِلک الٰہی ہے عزوجل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۶: از علی گڑھ محلّہ دہلی دروازہ تکیہ بخشی کریم اللہ صاحب مسئولہ عبدالکریم وعبدالعزیز وغیرہ ۲۱رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں عالمان دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک تکیہ اور کچھ اراضی باڑہ کے نام سے کہ جو قدیم الایام سے واسطے فاتحہ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب اور حضرت بانام شاہ صاحب کے وقف چلی آتی ہے اور اس کے متولی اور متصرف ہمارے اجداد سے تھے اور اس کی آمدنی سے فاتحہ اور عرس ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اس میں پہلے یہ تصرف ہوا کہ اس زمین میں کچھ دکانیں بنوادیں گئیں اور پھر تکیہ کی زمین سے کچھ حصہ اشخاص کے ہاتھ بیع کردیا گیا اور باڑہ کی زمین میں ایک گنج آباد کراکے اس کو رہن کردیا اب استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع اور رہن اس اراضی موقوفہ کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ تصرف کیا حکم رکھتا ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

وقف کے رہن وبیع ناجائز ہیں، درمختار میں ہے:

فاذاتم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[1]۔	جب وقف تام اور لازم ہوجائے تو کوئی نہ اس کا مالک بنے نہ کسی کو مالک بناسکے، نہ عاریۃً دیا جائے اور نہ رہن رکھا جاسکے گا(ت)

دکانیں اگر تکیہ میں بنائی گئیں تو قطعاً ناجائز ہیں اور باڑے میں متولی نے منفعت وقف کے لئے بنوائیں اور ان میں کوئی مخالفت شرط وواقف و تغییر ہیئات وقف نہ تھی تو حرج نہیں ورنہ وہ بھی ناجائز ہیں **کمانص علیه فی فتح القدیر والفتاوی الهندیة وغیرهما** (جیساکہ اس پر فتح القدیر اور فتاوی ہندیہ وغیرہما میں تصریح کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۷: مرسلہ چودھری رشید الدین صاحب اشرف صاحب تعلقدار وآنریری مجسٹریٹ از بیار ضلع بارہ بنکی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قاضی امیر اشرف صاحب مرحوم نے وفات پائی ان کے کاغذات سے ایک تحریر برآمد ہوئی جس کی نقل مطابق اصل شامل استفتاء ہذا ہے جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے مگر جا بجا اس کے حواشی وغیرہ پر عبارت ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے آیا اس تحریر پر عملدرآمد شرعاً

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ وقف سمجھا جائے گا یا وصیت؟ اور اس کی پابندی ہر دو طریق سے کسی طریق پر ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ نہ وقف ہے نہ وصیت، نہ کوئی شئے، نہ اسکی پابندی اصلاً کسی طرح وارث خواہ غیر پر کچھ لازم، یہ ایک وقفنامہ نامکمل کا خاکہ ہے جو نہ قلم مورث سے ہے نہ دستاویزوں کے عنوان معروف (میں کہ فلاں بن فلاں الخ) سے اس کی ابتدا، نہ اس پر کوئی شہادت، ایسا کاغذ ایک ردی پرچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، خصوصاً اس کا ختم اس پر ہے کہ لہٰذا وقفنامہ ہذا کو تکمیل ورجسٹری کرائے دیتا ہوں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، فقط۔ زیادہ سے زیادہ یہ گمان ہوسکتا ہے کہ مورث نے وقف کا قصد کیا اور کسی شخص سے اس کا مسودہ کرایا اور اس میں خود ترمیم کی پھر، رائے نہ ہوئی اور اسے موقوف رکھا ولہٰذا تکمیل نہ کی، نہ رجسٹری کرائی۔ یہ اگر ہو بھی تو اس قدر سے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک ارادہ تھا جو ہو کر رہ گیا، یہ بھی بفرض تسلیم ہے ورنہ ثابت اس قدر بھی نہیں کہ یہ کاغذ مورث نے لکھوایا یا مورث کی رائے سے لکھا گیا، حواشی پر قلم مورث سے کچھ لکھا معلوم ہونا کوئی دلیل نہیں خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، بہر حال وہ ایک مہمل کاغذ ہے جس کا کچھ اثر نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین[1]۔	خط پر اعتماد نہ کیا جائے اور وقف نامہ جو گزشتہ قاضی حضرات کے اس پر خطوط لکھے ہوئے ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے گا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

کتاب الوقف انما ھو کاغذ بہ خط وھو لایعتمد علیہ ولایعمل بہ کما صرح بہ کثیر من علمائنا[2]۔	وقف کی کتاب، وہ ایک کاغذ ہے اس پر خط ہے جو قابل اعتماد نہیں اور نہ اس پر عمل جائز ہے جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے اس پر تصریح کی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذاکان مصدرا معنونًا فکالنطق اذا اعترف ان الخط خطہ بخلاف ما اذا	جب ابتداء میں عنوان قائم کیا گیا ہو تو پھر زبانی گفتگو کی طرح ہوگا جب یہ اعتراف بھی ہو کہ یہ میرا خط ہے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوقف ۱/ ۱۱۰ و کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار ۲/ ۲۰

لم یکن مصدرا معنونا وھذا ذکروہ فی الاخرس وذکر فی الکفایۃ اٰخر الکتاب عن الشامی ان الصحیح مثل الاخرس فاذاکان مستبینا مرسوما وثبت ذٰلک باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب اھ والمعنون لحاضر اذا کتب علی وجہ الصکوك یقول فلان الفلانی[1] الخ اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	بخلاف اس کے کہ وہ عنوان سے شروع نہ کیا ہو، اس کو انہوں نے گونگے کے متعلق ذکر کیا ہے، اور کفایہ میں کتاب الوقف کے آخر میں علامہ شامی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ صحیح بھی گونگے کی طرح ہے کہ جب اس کی تحریر واضح ہو اور معنون لکھی گئی ہو اور اسکے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو تو وہ خطاب کی طرح ہے اھ، معنون کسی مخاطب کے نام ہو اور چیک کی لکھائی ہو اور یوں لکھے فلاں جو فلاں ہے، الخ اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: از بمبئی مرسلہ قاضی شریف عبداللطیف صاحب قاضی بمبئی ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدا او مصلیا

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علمائے کرام! آپ کا کیا فرمان ہے کہ۔ت) قاضی شریف عبداللطیف صاحب مرحوم مغفور ۱۸۵۰ء میں بمقام شولاپور منجانب حکومت مفتی مقرر کئے گئے ۱۸۵۶ء میں بمقام رتنا گری اسی عہدہ پر منتقل ہوگئے اسی عرصہ میں محکمہ افتاء کے لئے کتابوں کا ذخیرہ جماعت المسلمین کی جانب سے مہیا کر دیا گیا من بعد ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے عہدہ مفتی موقوف کرکے صاحب موصوف کی پنشن مقرر کردی جو ان کے حین حیات تک جاری رہی ۱۸۶۶ء میں بمبئی کے جماعت المسلمین کے اہل حل وعقد ورؤسا نے بالاتفاق ان ذات ستودہ صفات کو عہدہ قضا سپرد کیا، کتب خانہ محکمہ افتاء رتنا گری بھی وہاں کے اکابر واصاغر مسلمین کی اجازت سے بمبئی منتقل ہوگیا بلکہ یہاں کے بزرگان اسلام نے اس کی مزید تکمیل فرمائی، آج تک وہ کتب خانہ عطیہ قوم دار القضا کے متعلق سمجھا جاتا ہے اس صورت سے کہ جو شخص مسند قضا پر متمکن ہوتا ہے اس کے قبض وتصرف اور نگرانی میں بطور امانت رہتا ہے، قاضی کو اس میں کسی قسم کی کمی کرنے یا کسی کتاب کے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ حسب ضرورت قومی پیسہ سے یا محکمہ قضاء کی آمد سے اضافہ کرسکتے بلکہ کرتے رہتے ہیں، قاضی شریف عبداللطیف مرحوم ومغفور کے رحلت فرمانے کے بعد ان کا تمام ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوا مگر کتب خانہ منجملہ عطایائے قوم مخصوص برائے مسند قضا ناقابل التقسیم قرار دیا گیا قاضی صاحب مرحوم کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب شریف محمد صالح صاحب حسب استرضائے ارباب حل وعقد جماعت المسلمین بمبئی قضاء پر متمکن ہوئے اور کتب خانہ ان کی نگرانی میں رہا، ۱۳۳۶ھ میں انہوں نے بھی رحلت

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

فرمائی اور بجائے ان کے جناب شریف عبداللطیف صاحب (ان کے فرزند اکبر) کے سپرد محکمہ قضا اور اس کے متعلق کتب خانہ کیا گیا، پس دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ یہ کتب خانہ جو دارالقضاکے متعلق ہے اور عطیہ قوم وہ بھی مثل دیگر مال متروکہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگا یا حسب دستور سابق محفوظ ومامون ان قاضی صاحب کے پاس رہے گا جو فی الحال خدمت قضاانجام دے رہے ہیں۔

الجواب:

جبکہ وہ کتابیں جماعت مسلمین محکمہ افتاء یا دارالقضاکے لئے جمع کیں قاضی کو ان کا مالک نہ کیا جیسا کہ تعامل مذکور سوال سے واضح ہے تو ورثہ قاضی کے ان میں کوئی حق وراثت نہیں اگر جماعت نے وقف کیں توظاہر اور نہ کیں تو ملک جماعت ہیں یا نفاذ شراء علی المشتری کی صورت میں ملک مشتری اور وہ زر جماعت کا ضامن ہے بہر حال ملک قاضی نہیں، غیر قاضی نے جو کتابیں جماعت کے لئے خریدیں ان میں نفاذ علی المشتری کی صورت یہاں نادر ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں مبین کیا ہے کہ زرِ چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور ان کی اجازت سے صرف ہوتا ہے خریداری کتب اگر اہل جماعت نے خود نہ کی تو معہود یہ ہے کہ دوسرا ان کے امر سے کرتا ہے ثمن ان کے روپے سے ادا کیا جاتا ہے جو انہوں نے خریداری کے لئے پہلے دے دیا بعد خریداری ادا کیا اس صورت میں اس مشتری کے مالک کتب ہونے کے لئے یہ درکار کہ:

اولاً: جماعت نے اسے کسی کتاب معین مشخص کے شراء کا وکیل نہ کیا ہو، یعنی کسی جلد خاص کی نسبت کہ بعینہٖ یہ جلد خرید دے (یہ کہنا کہ ہدایہ یا فلاں مطبع کی ہدایہ یا فلان دکان سے مصری چھاپے کی ہدایہ یہ شے معین کے لئے توکیل نہیں جبکہ اس دکان پر مصری طبع کے متعدد نسخے ہدایہ ہوں) کہ اس صورت میں وہ غیبت جماعت میں اسے اپنے لئے خرید ہی نہیں سکتا،

حیث لم یکن مخالفا دفعا للغرر درمختار[1]، وبین المخالفۃ فی البحر، ولان فیہ عزل نفسہ فلا یملکہ علی ما قیل الا بمحضر من الموکل[2] ردالمحتار عن الباقانی عن الھدایۃ۔	جب مخالف نہ ہو، تاکہ دھوکا کا احتمال نہ ہو، درمختار، اور مخالفت کو بحر میں بیان کیا، اور اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کو معزول ہونا ہے جس کا وہ اپنے موکل کی حاضری کے بغیر مالک نہیں، ردالمحتار نے باقانی سے بحوالہ ہدایہ نقل کیا۔

ثانیاً: عقد ایجاب میں جماعت کی طرف مضاف نہ ہو مثلاً اس نے بائع سے کہا یہ کتاب میں نے تجھ سے جماعت

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ٢ /١٠٥

[2] ردالمحتار باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ٤ /٤٠٤

کی طرف سے خریدی اس نے کہا میں نے بیچی یا اس نے کہا میں نے یہ کتاب جماعت کے ہاتھ بیع کی اس نے کہا میں نے خریدی کہ اس صورت میں نفس عقد جماعت ہی کے لئے ہوگا اور مشتری پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

علی ماحققنا صورۃ بتفاصیلھا فی کتاب البیوع من فتاوٰنا فی تحریر حافل کامل سمیناہ "عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی" بمالایوجد فی غیرہ وباللہ التوفیق۔	جو ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں اس کی تفصیلی صورتوں کی تحقیق کی ہے وہ جامع کامل تحریر ہے ہم نے اس کا نام "عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی" رکھا ہے، یہ تحقیق اس کے غیر میں نہیں ملے گی، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)

ثالثًا: عقد کو مال جماعت کی طرف بھی مضاف نہ کرے فقط جماعت کا روپیہ دکھا کر کہا اس روپے کی فلاں فلاں کتاب تجھ سے خریدی۔

رابعًا: خریداری میں جماعت کے لئے خرید نے کی نیت نہ کرے ورنہ وہ دیانۃً علی الاطلاق جماعت ہی کے لئے ہے۔

خامسًا: قیمت میں مال جماعت نہ دے ورنہ وہ جماعت ہی کے لئے ٹھہریں گی اگرچہ اپنے لئے خریداری کی نیت بتائے،

وتفصیلہ ذٰلک فی البحر ولخصناہ فی جدالممتار بقولی وبالجملۃ اذاکان وکیلاً بشراء شیئ لابعینہ فالاضافۃ قاضیۃ فان لم توجد فالنیۃ فان لم توجد فللعاقد عند محمد ان سلم الاٰمر ایضا عدم النیۃ وان قابل بل نوی لی حکم النفقد کما لوتخالفا فیھا وعند ابی یوسف یحکم النقد فی الوجھین وھو الراجح قدمہ قاضیخان واٰخر دلیلہ فی الھدایۃ فتحصل ان الحکم للاضافۃ فان لم توجد فللنیۃ فان لم توجد اوتکاذبا فیھا فللنقد[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل بحر میں ہے، ہم نے جدالممتار میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی تلخیص کی ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر معین چیز کی خریداری کا وکیل ہو تو وہاں نسبت فیصل بنے گی اگر نسبت نہ ہو تو پھر نیت پر فیصلہ ہوگا اگر نیت بھی نہ ہو تو پھر خریدار کی نیت معتبر ہے جب آمر تسلیم کرلے کہ میرے لئے نیت نہ تھی اور اگر کہے خریدار وکیل نے میرے لئے نیت کرکے خریدا ہے تو صرف ایسی صورت میں امام محمد کے ہاں مروج سکے پر فیصلہ ہوگا اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے ہاں دونوں صورتوں میں سکے کو فیصل قرار دیا جائے گا اور یہی راجح ہے، قاضی خاں نے اسے پہلے ذکر کیا اور ہدایہ میں اسکی دلیل کو بعد میں ذکر فرمایا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اضافت پر حکم ہوگا ورنہ نیت پر، اگر نیت نہ ہو یا

[1] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار

دونوں اختلاف کریں تو پھر نقد پر فیصلہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

یہاں اگرچہ نفاذ علی المشتری سے تین مانع اول کثیر الوقوع نہیں مگر خامس ہی غالب ہے اور کتابیں لاکر سپرد جماعت یا داخل کتب خانہ افتاء وقضاء کرنا رابع پر شاہد۔ یونہی وہ کتابیں کہ قاضی نے قومی پیسے یا آمدنی دار القضاء سے خریدیں یہاں بھی ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ قاضی نے اپنے مال سے نہ خریدیں اگرچہ اس کی تنخواہ بھی اسی پیسے یا آمدنی سے ہوتی ہو مگر عبارت اس سے ساکت ہے کہ قاضی کا شراء بھی بامر جماعت تھا یا بطور خود۔ اگر صورت اولٰی ہے کہ قاضی نے اس مال سے کتابیں بامر جماعت خرید کر داخل کتب خانہ مذکورہ کیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ وقف یا ملک جماعت ہوئیں کہ اب قاضی وہ مشتری ہے جس میں وجہ رابع وخامس مانع تملک ہیں، اور اگر صورت ثانیہ ہے تو اب مانع نفاذ صرف وقت ایجاب بیع میں اضافت بجماعت ہونا ہے وبس۔ اگر یہ اضافت نہ ہو تو ایجاب میں مشتری کی طرف اضافت صراحۃً دلالۃً سے چارہ نہیں ورنہ بیع ہی نہ ہوگی، تجنیس ناصری وتاتارخانیہ وہندیہ میں ہے:

لوقال من فروختم ایں بندہ بہزار درم توخریدی فقال مجیبا لہ خریدم تم البیع، اما لوقال من فروختم ایں بندہ را بہزار درم فقال المشتری خریدم ولم یزد علی ھذا لایکون بیعا لعدم الاضافۃ[1] اھ اقول: ای اذا لم تجر بینھما المساومۃ والا کفی بھا دلالۃ کقولہ ھٰھنا توخریدی فانہ ایضا لیس باضافۃ فی الایجاب انما فیہ دلالۃ علیھا وذٰلک اعنی الاکتفاء بدلالۃ الاستیام کما فی تجنیس الامام صاحب الھدایۃ ثم الفتح لو قال لاٰخر بعد ماجری بینھما مقدمات البیع بعت ھذا بالف ولم یقل	اگر کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو خریدیگا تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے خریدا تو بیع تام ہوجائے گی۔ لیکن اگر یوں کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو دوسرے نے کہا میں نے خریدا، اور اس پر کوئی زائد بات نہ کی تو بیع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں خریدنے کی نسبت اس غلام کی طرف نہ ہوئی اھ اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اس صورت میں ہے کہ جب پہلے اس غلام کے متعلق سودے کا ذکر نہ ہو، ورنہ یہی نسبت کافی ہے جو دلالۃً موجود ہے جیسا کہ یہاں بھی ایجاب یعنی "توخریدی" میں نسبت مذکور نہیں اس میں صرف دلالۃً نسبت ہے، اور یہ یعنی بھاؤ لگانا نسبت کے لئے کافی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ سے تجنیس میں پھر فتح میں ہے کہ ایک نے دوسرے کو کہا میں نے یہ ہزار میں فروخت کیا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۵

منك وقال الاٰخر اشتریت صح ولزم اھ[1]۔	اور "تجھ سے" نہ کہا، اور دوسرے نے کہا میں نے خریدا، جبکہ دونوں میں پہلے بیع کے مقدمات (بھاؤ وغیرہ) ہوچکے ہوں تو بیع صحیح اور لازم ہوجائے گی اھ (ت)

اور جب ایجاب میں مشتری غیر مامور کی طرف اضافت ہے اگرچہ اسی قدر کہ اول قول اسی نے کیا تو بیع اسی کے حق میں نافذ ہوگئی لان الشراء متی وجد نفاذاً علی المشتری نفذ (کیونکہ جب خریداری شیئ پر نافذ کرتے پائی جائے تو وہ مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) عام ازیں کہ قبول میں بھی اسی مشتری کی طرف اضافت ہو مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یا یہ کہے میں نے اپنے لئے خریدیں یا پہلے یہ کہے پھر وہ خواہ قبول میں کسی طرف اضافت نہ ہو، مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں یہ کہے میں نے لیں یا قبول کیں، یا کہے میں نے اپنے لئے خریدیں وہ کہے میں نے دیں یا بیچیں خواہ قبول میں جماعت کی طرف اضافت محتملہ قابل تاویل ہو جو عقد کو جماعت کے حق میں متعین نہ کردے کہ اس صورت میں بوجہ اختلاف ایجاب وقبول بیع ہی باطل ہوگی جیسے وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یہ کہے میں نے جماعت کی طرف سے قبول کیں، خانیہ میں ہے:

لوقال الفضولی اشتریت ھذالفلان بکذا اوقال البائع بعت منك الصحیح انه باطل[2]۔	اگر فضولی نے کہا یہ میں نے فلاں کے لئے خریدا، اور بائع نے کہا میں نے تجھے فروخت کیا، تو صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی۔ (ت)

بلکہ صورت یہ ہو کہ مثلاً وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں، یہ اس نے ایجاباً کہا، اب یہ قبول میں کہے میں نے جماعت کے واسطے خریدیں کہ واسطہ لحاظ وخاطر وتمتع بہت معانی کو محتمل ہے۔ عنایہ وفتح میں ہے:

ان قال اشتریت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال بعت او قال المالك بعت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال اشتریت لایتوقف علی اجازۃ فلان لانه وجد نفاذاعلی المشتری حیث اضیف الیه ظاھرافلاحاجة الی الایقاف علی رضاالغیر وقوله لاجل فلان یحتمل لاجل رضاہ وشفاعته وغیر ذٰلک[3]۔	اگر فضولی کہے میں نے تجھ سے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی اور بائع نے کہا میں نے فروخت کی، یایوں کہ مالک کہے میں نے یہ چیز تجھے فلاں کے لئے فروخت کی تو یہ جواب میں کہے میں نے خریدی، تو بیع موقوف نہ ہوگی، کیونکہ جب صراحتاً خریدار پر بیع کا نفاذ کیا جارہا ہے تو اب اس کی اجازت اور رضا پر موقوف رکھنے کی ضرورت نہیں، اور بیع میں، فلاں کے لئے، کو فلاں کو سفارش پر محمول کیا جائیگا۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۴۵۹
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲ /۳۵۱
[3] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۹۱، فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۹۰

اس مسئلہ کی تحقیق بازغ وتنقیح بالغ ہمارے اسی رسالہ "عطیۃ النبی فی الشراء للاجنبی ۱۳۳۶ھ" میں ہے اس تقدیر پر قاضی کے دل میں وقت شراء جماعت کے لئے خریدنے کی نیت ہونی یا قیمت مال جماعت سے ادا کرنی کچھ مانع نفاذ علی المشتری نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ[1]۔	اگر غیر کے لئے خریدی تو اس پر نافذ ہوجائیگی جب بائع نے فروخت کرنے کی غیر کی طرف نسبت نہ کی ہو (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وخزانۃ المفتین ووجیز امام کردری میں ہے:

یقول المالك بعت ھذا منك بکذا فقال الفضولی قبلت اواشتریت ونوی الشراء لفلان فان الشراء ینفذ علیہ ولا یتوقف[2]۔	مالک کہے میں نے تجھے یہ چیز فلاں رقم پر فروخت کی اور جواب میں فضولی کہے میں نے قبول کی یا خریدی اور نیت فلاں غیر شخص کے لئے خریداری کی کی، تو یہ خریداری اس فلاں کیلئے نافذ ہوجائیگی اور موقوف نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[3]۔	والد کے مال سے خریداری ہو تو یہ لازم نہیں کہ خریدی ہوئی چیز والد کی ہوگی (ت)

اس صورت میں اگر کتب خانہ وقف ہے تو قاضی کا کتاب خرید کر اس میں داخل کردینا وقف کرنا ہی سمجھا جائیگا کہ اس کے لئے دلالت کافی ہے تصریحاً زبان سے لفظ وقف کہنا ضرور نہیں جس طرح لوگ مسجد میں لوٹے چٹائیاں رکھ جاتے ہیں اور اگر وقف نہیں اور یہ کتابیں قاضی نے خرید کر جماعت کو دے دیں تو اب ملک جماعت ہوگئیں کہ یہ دینا نہ عاریۃً تھا، نہ بالمعاوضہ، تو ہبہ قرار پائے گا اور بعد قبضہ مفید ملک ہوگا،

قال فی ردالمحتار نفذ علی المشتری فان دفع المشتری الیہ واخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما[4] اھ وکتبت علیہ اقول: یعنی اذا	ردالمحتار میں فرمایا خریدار پر بیع نافذ ہوجائے گی تو اگر خریدار نے اس کو دے کر قیمت وصول کرلی تو یہ دونوں میں بیع بالتعاطی (عملی لین دین) ہوگی اھ اقول: (میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

کان الدفع علی جهة البیع کما قید به فی الهدایة والدر المختار من الوکالة اما اذا دفع الیه مجانا یکون هبة کمن اشتری ثوبا وقطعه قمیصا لتلمیذه وسلمه الیه مبلکه التلمیذ کما سیأتی فی الهبة[1]۔	کہتا ہوں) یہ جب ہے کہ دینا بیع کے طور پر ہو جیسا کہ اس قید کا ذکر، ہدایہ اور درمختار کے وکالت کے باب میں ہے، لیکن اگر یہ دستی دینا بطور مفت ہو تو ہبہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی کپڑا خرید کر شاگرد کے لئے قمیص بنائے اور پھر شاگرد کے ہاتھ سونپ دے تو شاگرد مالک ہو جائیگا جیسا کہ ہبہ کے باب میں آئے گا۔ (ت)

اقول: مگر یہ اس وقت ہے کہ قاضی جانے کہ یہ شراء مجھ پر نافذ اور کتاب کا مالک میں ہوا ہوں ورنہ غلط فہمی کی حالت میں اس کا اپنی ملک سے اخراج کا قصد متحقق نہیں ہو سکتا کہ اپنے آپ کو مالک ہی نہ سمجھا تھا،

ولاعبرة بالظن البین خطؤہ [2]اشباہ ومن رفع شیئا ظانا انه علیه ثم بان انه لم یکن علیه یستردہ[3] کما افادہ فی الخیریة والعقود الدریة۔	گمان کا غلط ہونا واضح ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اشباہ، اور کسی نے کوئی چیز اس گمان سے دی کہ اس کے ذمہ ادائیگی ضرور تھی، پھر معلوم ہوا کہ ایسا نہیں تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ خیریہ اور عقوددریہ نے یہ فائدہ بیان کیا۔ (ت)

قنیہ وہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یحفظ هذا فقد ابتلی به العامة والخاصة یستعینون بالناس فی الاحتطاب والاحتشاش فیثبت الملك للاعوان فیها ولایعلم الکل بها فینفقونها قبل الاستیهاب بطریقه او الاذن فیجب علیهم مثلها او قیمتها وهم لایشعرون [4]اھ وعدم الاذن فیما ذکر وان کان لنافیه	اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہئے، لوگ عام وخاص اس میں مبتلا ہیں کہ لوگوں سے لکڑی اور گھاس وغیرہ کاٹنے میں مدد لیتے ہیں حالانکہ مدد کرنے والوں کی ان چیزوں میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور لوگوں کو علم نہ ہونے کی بناپر وہ مددگار کی ان چیزوں کا ہبہ اور اجازت حاصل کئے بغیر صرف کر لیتے ہیں تو ان پر ان چیزوں یا ان کی قیمت کا واپس کرنا لازم ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس کا علم تک نہیں ہوتا اھ، متذکرہ صورت میں اجازت نہ ہونا، اگرچہ ہمیں اس میں

[1] جدالممتار حاشیة ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۳

[3] العقود الدریة کتاب الشرکة ۱/ ۹۱ وکتاب المداینات ۲/ ۳۴۹

[4] فتاوٰی ہندیة، کتاب الاجارۃ، الباب السادس، نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

کلام بیناہ فی رسالتنا "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ" لکنہ لایجدی ھھنا لان الاذن یطلق التصرف ویسقط الضمان لکن لایسقط ملک المالک وفیہ الکلام ھنا۔	کلام ہے جس کو ہم نے اپنے رسالہ "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی" میں بیان کیا ہے لیکن یہاں اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ اجازت تصرف کو جائز اور ضمان کو ساقط کرتا ہے لیکن مالک کی ملکیت کو ختم نہیں کرتی جبکہ یہاں کلام اسی میں ہے (ت)

اسی طرح اگر قاضی نے جماعت کو نہ دیں بلکہ کتب خانہ غیر وقفی میں آپ داخل کردیں اگرچہ اپنی ملک بھی جانتا ہو جب بھی اس کی ملک سے خارج نہ ہوں گی پرائے مال میں اپنا مال رکھ دینا ملک زائل نہیں کرتا، بالجملہ صرف یہ دو صورتیں ایسی نکلیں گی جن میں بعض کتب خریدہ قاضی ملک قاضی میں رہیں مگر ازانجا کہ ثمن دوسرے کے مال سے دیا ہے اس کا تاوان ذمہ قاضی رہا جن کتابوں کی نسبت یہ صورت ثابت ہو وارثان قاضی انہیں لیں اور جو قیمت ان کی قاضی نے قومی پیسے یا دار القضا کی آمد سے ادا کی وہ واپس دیں ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (مجھے یہ معلوم ہوا ہے جبکہ حقیقی علم میرے رب کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

جوالُ العلوّلتبیّن الخلو ۱۳۳۶ھ

(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش)

مسئلہ ۶۹تا۷۳: از قصبہ لاہر پور ضلع سیتاپور بمکان سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وجد الحسن صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلوالحوانیت میں ہے زر پیشگی لے کر اس شرط پر دینا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زر پیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یاناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کا لگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اس نے اپنی ضرورت کے واسطے زر پیشگی لیا ہے اور اسی نے زر پیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی ہو اراضی کا لگان یعنی اجر مثل ادا کرکے جو منافع اس اجر مثل سے زائد ہو، لینا درست ہے یانہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرکے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکور کرکے

اپنے مقابضت خلو کے زمانہ میں بڑھادے تواس اضافہ کا صاحب خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیا فرق ہوا اور جواز خلو کی کیا صورت ہے اور نفس خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیمہ مشہورہ خاندانی میں اہل خاندان موقوف علیہم ومتولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زر پیشگی لے کر زر مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالانہ لگان اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زر پیشگی میں مجرا اور بعد وصول کل زر پیشگی مذکور ایک حصہ میعاد پر وہ اراضی صاحب خلو سے واپس ہو کر متولیان وموقوف علیہم کے قبضہ میں آ گئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدم وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ داری مذکور معاملت خلو سے سمجھی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز سمجھی جائے گی اور ان واقعات اور ارتکاب سے وقف کالعدم ہو جائے گا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابل تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی لاخلو لشیئ من کرمہ، والصلٰوۃ والسلام علی من وقف علی الکون موائد کرمہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اولاً: خلو خود باطل و بے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ نو سو برس تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحب اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے برخلاف مذہب اعتبار عرف خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی وعلامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد آفندی زیرک زادہ وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی وعلامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلوفی الحانوت حقالہ الخاقول: والفتوی علی خلاف ذٰلک، مقدسی[1]۔	اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴

اسی میں ہے:

قدعلمت ان الصحیح خلافه بقوله ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	تو معلوم کرچکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے (ت)

شرح الاشباہ لزیرک زادہ میں ہے:

العرف لایجوز ماکان محظورا فی الشرع واما بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت فجائز شرعا فانه حق لمالکه وما وضعه فی الحانوت بالاجارة مشروع لکن الحانوت اذاکان ملکا یملك صاحبها خراجه منه اذاانقضی مدته المعروف وان لم تکن له مدة معلومة تکون الاجارة فاسدة وکذااذاکان الحانوت وقفا قد نص الفقهاء علی انه لاتجوز الاجارة فیه فوق ثلاث سنین کما فی الوقایة فلااعتبار للعرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علی خلافه وقد مرمنا تحقیقه فتذکر[2]۔	عرف جب شرعًا ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متعلق نہ ہو تو شرعًا جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہوجانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیسا کہ وقایہ میں ہے، لہذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزرچکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اس میں اس سے ایک ورق قبل ہے:

انمایعتبر العرف والعادة فیما لم یرد نص الشرع علی خلافه وسینقل فی السطر الثالث بعدها ان الودیعة والعین المؤجرة غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیه العرف بعد النص علی خلافه من الفقهاء[3] اھ	وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کرینگے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ،

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی (۲) ۲/۱۵

[2] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

[3] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

وھذا ما اشار الیه بقوله وقد مرمنا تحقیقه۔	یہ وہ عبارت ہے جس کے متعلق انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

(قوله علی اعتبارہ (ای العرف الخاص) ینبغی ان یفتی بان مایقع فی بعض اسواق القاھرۃ من خلو الحوانیت لازما ویصیر الخلو حقالہ قیل علیه کیف ینبغی ان یفتی به مع کونه مخالفا لقواعد الشرع الشریفة انتھی وقال شیخنا (یرید العلامة الشرنبلالی رحمھما الله تعالٰی فی رسالته "مفیدة الحسنی" بعد نقل کلام المصنف رحمه الله تعالٰی قوله ینبغی الخ ممالاینبغی فانه لامماثلة بین مااعتبر من المسائل المبینة علی العرف الخاص وبین الخلو لان اعتبار العرف الخاص علی ماقیل به فی جمیع تلك المسائل ضررھا التزم به فاعلها مختار النفسه او مقتصرا فی استیفاء شرط یمنع عنه الضرر، واما الوقف فناظرہ لایملك اتلافه ولاتعطیله وقد ثبت ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	"قوله علی اعتبارہ" یعنی عرف خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے، اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ، اور ہمارے شیخ (ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا "قوله ینبغی" مناسب ہے الخ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اقتصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظم تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قد اشتھر نسبة مسئلة الخلؤ الٰی مذھب	مسئلہ خلو کی نسبت عالم مدینہ حضرت مالک بن انس

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

عالم المدینة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه والحال ان لیس فیھا نص عنه ولاعن احد من اصحابه، حتی قال البدر العراقی(مالکی) انه لم یقع فی کلام الفقھاء التعرض بمسئلة الخلوفیما اعلم وانما فیھا فتیا للعلامة ناصر الدین اللقانی بناھا علی العرف[1] الخ۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں، ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کامسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوٰی ہے جس کو انہوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامة الشرنبلالی رسالة ردفیھا علی الاشباہ بان الخلولم یقل به الامتأخرمن المالکیة(حتی افتی بصحة وقفه ولزم منه ان اوقاف المسلمین صارت للکافرین بسبب وقف خلوھا علی کنائسھم وبان عدم اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلویلزم منه حجرالحر المکلف عن مبلکه واتلاف ماله، بل لایجوز ھذا فی الوقف وفی منع الناظرمن اخراجه تفویت نفع الوقف وتعطیل ماشرطه الواقف اھ ملخصاقلت وماذکرہ حق خصوصافی زماننا ھذا[2]۔	علامہ شرنبلالی کاایک رسالہ ہے جس میں الاشباہ کارد کیا ہےاور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیااس نے یہ فتوٰی تک دے دیا کہ اس کاوقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوٰی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہوجائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردینگے اور دکان کامالک جب خلووالے کو اپنی دکان سے بیدخل نہ کرسکے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلّف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہوجائے اور اس کامال تلف ہوکر رہ جائے، بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہےاور وقف کے نگران کو خلووالے کی بےدخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصًا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیًا: صورت سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلواس تحقیق وتنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یادکان یازمین کامستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ١/ ١٣٧

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ١٦

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اسی شیئ مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھاتے اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار، یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل، وامثال ڈلک، یا خود نہ کرے مؤاجر کو اس کے روپے دے دے جو اجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ رسالہ تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامه الشلامی فی رسالته"تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارہ"(تنبیه)قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بان تکون الارض معطلة فیستاجرها من المتکلم علیها لیصلحها للزرعة ویحرثها ویکسبها وهو المسمی بمشد المسکة فلا تنزع من یده مادام یدفع ماعلیها من القسم المتعارف کالعشر ونحوه واذا مات عن ابن توجه لابنه فیقوم مقامه فیها،وقد رأیت بخط شیخ مشائخنا خاتمة الفقهاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی المسکة عبارۃ من استحقاق الحراثة فی ارض الغیر وذکر فی الحامدیة انها لا تورث وانما توجه للابن القادر علیها دون البنت اھ[1]، ثم افاض فی بیان الکردار والسکنی والجدك وانها اعیان قائمة فی الارض الی ان قال وهذا غیر	علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھواحق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حق استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہوجائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہوجائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتمہ الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے، اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشتکاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا، اھ، پھر انہوں نے کرایہ داری، سکنٰی اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

[1] تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۳۔۱۵۲

الخلوالذی ذکرہ فی الاشباہ فانه بمنزلة مشد المسکة المار وھو وصف لاعین قائمة فلایجوز بیعه ولایورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیة کمامر وما ذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیه،وقد الف فی ردہ العلامة الشرنبلالی رسالة خاصة[1] اھکلام الشامی ملتقطا۔	یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابل وراثت نہیں ہے ارو صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاء کرام نے اس کو رد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رد میں تالیف کیا ہے۔علامہ شامی کا کلام ملتقطا ختم ہوا۔
اقول: ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لاعینا انه لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بمافی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرۃ والکبری والخانیة والخلاصة وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ماأذنت له بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فله الرجوع علی بائعه والافلایرجع علیه بثمنه ولابنقصانه[2] اھ رموہ عن قوس واحدۃ انه لم یفھم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبة	**اقول:** (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شیئ نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ، کبرٰی، خانیہ، خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول ہے اس بیان سے، کہ کسی نے وقف سکنٰی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنٰی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنٰی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنٰی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کرسکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کرسکتا اھ، جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا، توسب نے

[1] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۱۔۲۲۲، نزہۃ النواظر الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰۔۵۱

فی الحانوت وھی غیر الخلو ففی الخلاصۃ اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا[1]الخ کمافی رد المحتار عن العلامۃ الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدۃ کتب مایدل علی ان السکنی عین قائمۃ فی الحانوت[2]۔

ایک ہی انداز سے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن ہلال کو سکنٰی معنٰی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، توخلاصہ میں یوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہو الخ، جیسا کہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انہوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیا کہ سکنٰی، دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔

قلت وقد نقلہ فی العقود الدریۃ وفی رسالتہ المذکورۃ عن التجنیس ثم نفس العبارۃ المستدل بھا منادیۃ بذاك اعلٰی نداء کما اوضحہ السید الحموی مع غناہ عن الایضاح اذقال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار اوحانوت وبین حدودہ لایصح لان السکنی نقلیا فلایحدد وذکررشید الدین فی فتاواہ و ان کان السکنی نقلی لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفہ بمابہ تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بمالا یمکن نقلہ اصلااھ

قلت (میں کہتا ہوں) انہوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفس عبارت بھی واضح طور اس کا اعلان کررہی ہے جیسا کہ اسکو سید حموی نے واضح کیا حالانکہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انہوں نے عمادی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھریادکان کا سکنٰی کا دعوٰی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوٰی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اسلئے اس کی حد بندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے بختہ اتصال کرے تو پھر اسکی تعریف زمین کی تعریف کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

مانصه فظهرلك بهذاان السكنى هو ما يكون مركبا فى الحانوت متصلا به فهو اسم عين لااسم معنى كما فهمه البعض وليس فى كلامهم مايفيد ماتوهمه هذاالبعض، الاترى تمام العبارة الذى نص فيها على حقيقة السكنى انه شيئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذاالمعنى المعبر عنه بالخلو ايظن ان الخلو يرفع ثم يرد على بائعه ويقال لواشتراه بشرط القرار يرجع على بائعه بثمنه ويرد عليه والافلا يرجع عليه بثمنه ولانقصانه الحاصل بالقلع من الدكان، سبحٰنك هذا بهتان عظيم [1] اهكلام الحموى فتبين ان الخلو وصف معنوى لاعين تقلع او ترفع وتنقل۔	کرلیتا ہے تو اس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہو جاتا ہے جو بالکل قابل انتقال نہیں ہوتیں، اس کی عبارت ختم ہوئی، تو اس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے، سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انہوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکب ہوتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے کیا اس سے یہ خلو کا معنی سمجھا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان کو اکھاڑنے سے جو نقصان ہوا وہ واپس نہ لے، سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے، حموی کا کلام ختم ہوا، تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا ختم کیا جاسکے۔
اقول: لکن فی حاشیة السیدین العلامتین ط وش علی الدر عن حواشی الاشباہ للعلامة السید ابی السعود رحمهم الله ان الخلو	**اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابل احترام حضرات نے در پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابو سعود (رحمہم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، کہ، خلو کااطلاق متصل

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ١/ ٣-١٣٦

یصدق بالعین المتصل اتصال قرار وبغیرہ والمراد بالمتصل اتصال قرار ماوضع لالیفصل کالبناء، و بالمتصل لاعلی وجہ القرار کالخشب الذی یرکب بالحانوت لوضع عدۃ الحلاق مثلا فان الاتصال وجد لکن لاعلی وجہ القرار وکذا یصدق ان بمجرد المنفعۃ المقابلۃ بالدراھم اھ[1] وزاد ط عنہ قبل ھذا اعلم ان الخلو یصدق بما اتصل بالعین قرار اتصال کالبناء بالارض المحتکرۃ ویصدق بالدراہم التی تدفع بمقابلۃ التمکن من استیفاء المنفعۃ اذماذکرہ المصنف یعنی صاحب الاشباہ من ان السلطان الغوری لما بنی حوانیت الجملون اسکنہا التجار بالخلو وجعل لکل حانوت قدرا اخذہ منھم الخ صریح فی ان الخلو فی حادثۃ السلطان الغوری عبارۃ عن المنفعۃ المقابلۃ للقدر الماخوذمن التجار فیرجع الی ماذکرہ العلامۃ الاجھوری من ان الخلو اسم لما یملکہ دافع الدراھم من المنفعۃ التی دفع الدراھم بمقابلتہا وعلی ھذافلایکون الخلو خاصا بالمتصل بالعین اتصال قرار بل	استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے اور متصل استقراری سے مراد وہ چیز ہے جو عمارت میں باقی رکھنے کیلئے لگائی ہو اور متصل غیر استقراری سے مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان رکھنے کیلئے خانے بنائے جائیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علٰی وجہ الاستقرار نہیں ہوگا اور یوں ہی قراری اور غیر قراری کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض حاصل کی جاتی ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے اس سے قبل علامہ ابوسعود سے یہ زائد نقل کیا ہے کہ واضح رہے کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو، اور کسی منفعت کو دارہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے، اور مصنف یعنی صاحب اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں توانہوں نے وہاں تجار کو خلو کے طور پر سکنٰی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کرکے ان سے وصول کیا الخ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے وصول کردہ کا بدل ہے، تو یہ علامہ الاجھوری کے اس بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے اور اس بناء پر خلو، استقراری اتصال والی عین چیز سے خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۷

يصدق به وبغيره [1] الخ فهذا يفيد ان من الخلو ماهو عين قائمة كالبناء والخشب المركب الاان نقول السيد الازهرى لم يقل الخلو يصدق على العين المتصل وانما قال يصدق بالعين وذلك ان يدفع صاحب الخلو دراہم للواقف مثلا ليبنى فى الوقف و يكون له بازائه منفعة استبقاء الاجارة فالخلو هو هذا المعنى لاالعين، نعم صدقه بسبب العين وبهذا يفسر مافسر به الاجهورى الخلو فالمنفعة هى حق الاستبقاء كما افاده السيد ابوالسعود بقوله تدفع بمقابلة التمكن من استيفاء المنفعة فهذاالتمكن هوالمراد بالمنفعة فى تفسير الاجهورى لكن نقل السيد الحموى فى الغمز عن فاضل متأخر مالكى انه قال بعد نقل كلام العلامة نورالدين على الاجهورى المذكور ظاهره سواء كانت تلك المنفعة عمارة كأن يكون فى الوقف اماكن آئلة الى الخراب فيكريها ناظر الوقف لمن يعمرها، ويكون ماصرفه	صادق آتا ہے الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ خلو، قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الایہ کہ ہم سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انہوں نے خلو کا صدق متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے، یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنی کا نام ہوگا خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنٰی پر اس کا صدق عین چیز کے سبب سے ہوا، خلو کی جو تفسیر علامہ اجہوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا تو منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابوسعود نے اپنے قول" دراہم، منعت کو پورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں" سے افادہ فرمایا، علامہ اجہوری کی تفسیر میں منفعت سے یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اجہوری کے مذکور کلام پر علامہ نورالدین کے حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجہوری کے کلام سے ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا کوئی حصہ خراب ہورہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچہ

[1] حاشية الطحطاوى على الدرالمختار كتاب البيوع دار المعرفة بيروت ۳ /۱۰

خلواله ویصیر شریکا للواقف بمازادته عمارته اوکانت المنفعة غیر عمارة کوقید مصباح مثلا ولوازمه لاخصوص العمارة خلافا لمن خص المنفعة بهادون غیرها اذ المعتبر انما هو عود الدراہم لمنفعة فی الوقف عمارة کانت او غیرہا اھ[1]۔	کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق ہوں نہ کہ خاص وہ عمارت، یہ عام معنٰی اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔
اقول: فهذا نص فی ان نفس العمارة خلو ولایمکن تاویله بماذکرنا فی کلام السید الازهری ان المراد ان یعمرها للوقف لالنفسه کیف وانه فسربه المنفعة الواقعة فی تفسیر العلامة الاجهوری وهو یقول اسم لما یملکه دافع الدراہم من المنفعة[2] الخ الا ان یجعل من هذه للتعلیل والمنفعة المنفعة الآئلة الی الوقف وتنقسم الی عمارة وغیرہا فیکون مایملکه هو التمکن من استبقاء الاجارة لاجل تلك المنفعة التی اوصلها الی الوقف لکن یکدر رد قول الاجهوری فی مقابلتها فان دفعه الدراہم انما هو بمقابلة ذٰلك التمکن	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے، اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے الخ الایہ کہ ہم "من المنفعة" کے "من" کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خلو عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہوجائے تو اجارہ کی بقا کے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رد ہوجائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۳/ ۱۰

لابدل تلك المنفعة الآئلة الى الوقف وانما هى حاصلة للوقف لاله بتلك الدراهم فلامخلص الاان يقال ان هذا كلام متاخر من المالكية فيكون الخلو عندهم شاملا للعين والمعنى وعندنا ليس الا المعنى والعين تسمى باسم اُخر كالسكنى كيف وقد قال هذاالمالكى بعده اما كونه اجارةلازمة فهذالا نزاع فيه(اى عند هم)ووجهه ان الواقف لما يريدان يبنى محلا للوقف فيأتى له اناس يدفعون له دراهم على ان يكون لكل شخص محل من تلك المواضع التى يريد الواقف بناءها فاذا قبل منهم تلك الدراهم فكانه باعهم تلك الحصة بمادفعوه له وكانه لم يقف جزء من تلك الحصة التى لكل،وغايته انه وظف عليهم كل شهر كذافليس للواقف فيه بعد ذٰلك تصرف الا بقبض الحصة الموظفة فقط وليس له ان يوجهه لغيره وكان رب الخلوصار شريكاللواقف فى تلك الحصة[1] اھ	مقابل ہیں نہ کہ وقف کے لئے منافع کے مقابل ہونگے وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں، دراہم دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ مالکی حضرات کا آخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو، عین اور معنٰی دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو صرف معنٰی کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں کوئی اور نام ہے مثلًا اسے سکنٰی کہا جائے گا اس حقیقت کا انکار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ ہم اس حصہ میں اپنے لئے مخصوص خطہ تعمیر کرینگے تو جب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرلے گا تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو معاوضہ پر فروخت کردیا اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص خطہ وقف سے مستثنٰی کردیا اور نتیجتًا اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا تو اسکے بعد اب واقف کو اس حصہ میں کسی تصرف کا حق نہ رہا ماسوائے اس کے کہ وہ فقط مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ،

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸،۷

فقد جعل الخلو عقارا و جزء من تلك الارض مبیعا من ھٰؤلاء مستثنٰی من الوقف، ولذا قال وفائدۃ الخلو انہ کالملك فتجری علیہ احکامہ من بیع واجارۃ وھبۃ ورھن ووفاء دین وارث ووقف[1] الخ۔	تو یوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اس لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ،
اقول: ثم فی کلام ذٰلك الفاضل المالکی خدشۃ اخری فانہ جعل العمارۃ خلوا وقال فی بیانہ یکون ماصرفہ خلوا لہ وانما المصروف الدراہم ھذا وبقی ما اسلفناہ عن اُفندی زیرك زادہ من بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت وان وضعہ فی الحانوت بالاجارۃ مشروع۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے جبکہ پہلے وہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابل توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے کہ انہوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملصق نہ ہو اور ویسے کرایہ کی دکان میں رکھا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
اقول: احسن مایعتذر عنہ انہ اطلق علیہ اسم الخلو تجوزا وان الخلو یطلق علیہما وان ماکان منہ عینا مملوکۃ لصاحب الخلو فلا کلام فی جواز بیعہ بل ووقفہ ان تعورف وکانت الارض موقوفۃ او محتکرۃ والذی حدث وانکرہ المحققون ھو الخلو بمعنی المعنی واللہ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انہوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازًا خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو والے کی کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وہ

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

تعالٰی اعلم وبه يحصل التوفيق بين كلامی ابن ہلال والرادين عليه بان كلامه فی العين القائمة ولاشك ان الاستشهاد عليه بفرع السكنی صحيح اذن لايرد عليه شيئ مماذكروا و كلامهم فی المعنی المعروف فلاخلف ان ساعده كلام ابن ہلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغيوب، ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدرية الخلو عبارة عن القديمة ووضع اليد [1]اھ **اقول**: سبحٰن الله مجرد كونه واضع يده منذ زمان وهو المعبر عنه فی المبتدعات قانون النصارٰی بحق موروثی كيف يصير حقا وكيف يسوغ ان يقول به وبجواز بيعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبيل هذا مانصه، واما ما فی القنية يثبت حق القرار فی ثلاثين سنة فی الارض السلطانية والملك وفی الوقف فی ثلاث سنين ولو باع حق قراره فيها جاز، وفی الهبة اختلاف، ولو تركها بالاختيار تسقط قد ميته، حاوی الزاهدی اھ فالمراد به الاعيان	خلو معنوی ہے، اس تاویل سے ابن ہلال اور اس کا رد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہوجائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلاشک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا، ور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنی کے متعلق ہے لہذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے، حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے، پھر عقود الدریہ تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم دخل اور قبضے کا نام ہے اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) سبحٰن اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نصارٰی کے قانون میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے، سے کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کرسکتاہے جبکہ خود یہ صاحب تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں، وہ یہ عبارت ہے کہ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سالہ قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حق قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے، اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہوجائے تو قدیمی حق (حق القرار) ساقط ہوجائے گا، حاوی الزاہدی، اھ، تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

المتقومة لامجرد الامر المعنوی لما علمت من عدم صحة بیعه ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة ولاشفعة فی الکردار ای البناء ویسمی بخوار زم حق القرار لانه نقلی اھ[1] ثم ستسمع الآن نصه الصریح علی انکاره فسبحٰن من لاینسی ھذا، وقال فی ردالمحتار قد یقال ان الدراھم التی دفعها صاحب الخلو للواقف واستعان (ای الواقف) بها علی بناء الوقف شبیهة بکبس الارض بالتراب فیصیرله حق القرار فلا یخرج من یده اذاکان یدفع اجر المثل ومثله ما لو کان یرم دکان الوقف ویقوم بلوازمها من ماله باذن الناظر ،امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوها وکونه یستاجرها عدة سنین بدون شیئ مماذکر فھو غیر معتبر (الٰی ان قال) وممن افتی بلزوم الخلو الذی یکون بمقابلة دراھم یدفعها للمتولی او المالك العلامة المحقق عبد الرحمٰن افندی العمادی صاحب ھدیة ابن العماد وقال فلایملك صاحب الحانوت

نہ کہ صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ امر معنوی کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول، کہ کردار یعنی عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اھ، اس کے اس بیان کے باوجود اب تم ان سے صریح طور پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات پاک ہے جو بھولتی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔ ردالمحتار میں فرمایا: خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حق استقرار حاصل ہوجاتا ہے تو جب تک مثلی اجرت دیتا رہے گا اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جاسکے گا، اسی کی مثل ہے جب وقف دکان بوسیدہ ہوجائے تو وقف کے نگران کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرار حق ہوجائے، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ صورت نہ ہو تو استقرار حق معتبر نہ ہوگا (آگے یہاں تک فرمایا) متولی یا مالک کو دئے گئے دراہم کے عوض خلو کے لزوم کا فتوٰی دینے والوں میں علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

اخراجه ولااجارتهالغيره مالم يدفع له المبلغ المرقوم فيفتى بجواز ذٰلك للضرورة قياسا على بيع الوفاء الذى تعارفه المتأخرون احتيالا على الربا الخ، **قلت** وهو مقيد ايضا بماقلنا بما اذاكان يدفع اجر المثل والا كانت سكناه بمقابلة مادفعه من الدراہم عين الربا كما قالوافيمن دفع للمقرض دارا ليسكنها اوحمارا ليركبه الى ان يستوفى قرضه انه يلزمه اجرة مثل الداراو الحمار على ان مايأخذه المتولى من الدراہم ينتفع به لنفسه فلو لم يلزم صاحب الخلواجرة المثل للمستحقين يلزم ضياع حقهم، اللهم الا ان يكون ماقبضه المتولى صرفه فى عمارة الوقف حيث تعين ذٰلك طريقا الٰى عمارته ولم يوجد من يستأجر باجرة المثل مع دفع ذٰلك المبلغ اللازم للعمارة، فحينئذقد يقال بجواز سكناه بدون اجرة المثل الضرورة ومثل ذٰلك يسمى فى زماننا مرصدا كماقدمناه فى الوقف واللّٰه سبحانه وتعالٰى اعلم[1] اھ	قبضہ ختم نہ کرسکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ کردے، تو اس خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوٰی دیا جائے گا، یہ قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکور بیان کہ جب تک مروج کرایہ دیتا رہے گا، کی قید سے مقید ہے، ورنہ یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے مالک کو دئے ہیں جو کہ عین سود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا کہ کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تھا کہ جب تک قرض واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا مروج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروج کرایہ لازم نہ کیا جائے تو مستحقین وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروج کرایہ بمع صرف شدہ رقم، دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں ضرورت کے پیش نظر بغیر کرایہ رہائش کرسکتا ہے، ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶و۱۷

اقول: قد قدم الکلام علی الوقف و انہ لابد ان یدفع اجر المثل فعودہ الیہ ثانیا وقولہ وھو مقید ایضا بما قلنا ان ارادبہ مسألۃ الواقف کما حط علیہ اٰخر کلامہ کان تکرارا و لم یکن محل لایضاد وان ارادبہ مسألۃ الملك لان کلام العمادی کان فیھما فلاحامل علی ایجاب اجر المثل الا ان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جھۃ النقص لالانہ عین الربا لان تلك الدراہم لاتدفع قرضا بل اعانۃ للوقف والصرف فی مایؤل نفعہ الیہ و لاتسترد ابدا الاان یخرجہ الناظر فح یستردھا کما ذکر المحقق العمادی وعن ھذا کانت کبیع الوفاء فالدراہم فیہ لیست قرضا عند مجوزیہ والاکان الانتفاع بہ عین الربا کما ھو المتعمد فیہ اما الدفع لیصرفہ المتولی الی نفسہ فحاش للہ لیس من الخلو فی شیئ بل عین رشوۃ ولیس لاحد من المسلمین

جیسا کہ ہم نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کردیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم **اقول:** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں انہوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثلی اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے بہرحال مثلی اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثلی اور مروج اجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں تو مروج کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع بالآخر وقف کی طرف راجع ہیں اور یہ رقم بید خلی کے بغیر ناقابل واپسی ہے صرف بے دخلی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان دکان سے انتفاع عین سود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہرگز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اس

ان یقول بجواز مثله فضلا عن لزومه۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	رشوت کو لازم قرار دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط ہے کہ یہ عقد خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز لازم کہ وہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہو نہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں، نیز ضروری کہ وقف کو اس امداد کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پورا کرسکتا ہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الموقوف علیه الغلة اوالسکنی لایملك الاجارة الا بتولیة او اذن قاض لان حقه فی الغلة لافی العین[1]۔	کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کامالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

شروط صحة الخلو ان یکون مابذل من الدراهم عائداعلی جهة الوقف بان ینتفع بها فیه فمایفعل الاٰن من اخذ الناظر الدراهم من ذی الخلو ویصرفها فی مصالح نفسه هو فهذا الخلوغیر صحیح ویرجع الدافع بدراهمه علی الناظروان لایکون للوقف ریع یعمر منه فان کان یفی لعمارته ومصاریفه فلایصح فیه حینئذ خلو،فلو وقع کان باطلا وللمستأجر الرجوع علی الناظر بما دفعه من الدراهم،وان یثبت ذٰلك الصرف علی منافع	خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کہ ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جارہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہٰذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے اگرچہ وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہوسکے اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہوسکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر واقعی دراہم کے فوائد وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷

الوقف بالوجه الشرعی فلوصدقه الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولاظهور عمارة ان کانت هی المنفعة فلا عبرة بهذاالتصدیق لان الناظر لایقبل قوله فی مصرف الوقف حیث کان لذٰلك الوقف شاهد[1] اھ نقله عن ذٰلك الفاضل المالکی مقرابل معتمدا حیث قال هذاخلاصة ماحرره بعض فضلاء المالکیة فی تالیف مستقل فی ذٰلك والله الهادی الیٰ قوام المسالك وانما اطنبنا الکلام فی هذا المقام لکثرة دوران الخلو بین الانام واحتیاج کثیر من القضاة الیها وابتناء کثیر من الاحکام علیها خصوصا قضاة الاوهام الذین لیس لهم شعور ولاالهام[2] اھ

اقول: ماذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مسرفا مفسداا وکذبه الظاهر کأن یدعی صرفها الی العمارة ولاعمارة والا فلعله عندالمالکیة اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین مالم یکذبه الظاهر قال فی الدرالمختار لوادعی المتولی الدفع قبل قوله الخ[3] وفی ردالمحتار عن الاسعاف وعن شرح الملتقی عن شروط

اور موقعہ پر عمارت کے وجود کے بغیر قابل تقسیم نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو، کیونکہ جب وقف کے منافع قابل مشاہدہ ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابل قبول نہیں ہوتا اھ،اس کو غمزالعیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انہوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث کو اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کاخلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ہم نے اس بحث کو اسلئے طول دیا کہ لوگوں میں خلو رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصًا وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم وشعور نہیں ہے اھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یاظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلًا یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوی کرتا ہو حالانکہ موقعہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے،ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی، درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوی کرتا ہو تو اس کی بات قابل تسلیم

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸
[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸
[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهیریة وعن البحر عن وقف الناصحی اذا آجر الواقف او قیمه او وصیه او امینه ثم قال قبضت الغلة فضاعت او فرقتها علی الموقوف علیهم وانکروا فالقول له مع یمینه [1] اھ وفیه عن الحامدیة عن بیری زاده عن احکام الاوصیاء، القول فی الامانة قول الامین مع یمینه الا ان یدعی امرا یکذبه الظاهر فحینئذ تزول الامانة وتظهر الخیانة فلا یصدق [2] اھ وفیه عنها عن المفتی ابی السعود انه ان کان مفسدا مبذرا لا یقبل قوله بصرف مال الوقف بیمینه [3] اھ بل استظهر السید الحموی نفسه فی امانات الغمز قبول قوله ولو بعد عزله مستندا بمسائل، منها ان الوصی لو ادعی بعد موت الیتیم انه انفق علیه کذا یقبل	ہوگی الخ اور ردالمحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالہ سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظم یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اجرت) وصول کرلی ہے جو ضائع ہوگئی یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کردی ہے وہ لوگ انکار کریں تو قسم لے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کرلیجائیگی اھ، اور اسی ردالمحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کرلی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہرًا جھوٹ کا مدعی ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مفتی ابوسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کیجائیگی اھ، بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔ اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

قولہ وعللوہ بانہ اسندہ الی حالۃ منافیۃ للضمان[1] اھ فکانہ سکت ھٰھنا معتمدا ظھورہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ وصی شخص یتیم کی موت کے بعد دعوی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وصی کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ظاہر ہے کہ زرمذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استبقائے اجارہ کے بدلے ہے، نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلو سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کردیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[2]۔	جب وقف لازم وتام ہوجائے تو وہ کسی کا مملوکہ نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔ (ت)

نہ کہ رہن دخلی کہ ملک کا بھی حرام ہے، تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے، واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقاً (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابل ضمان ہوتے ہیں۔ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اسے حلال نہیں وقف کردے یا تصدق کرے، اور اول اولٰی ہے کمافی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہوگیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلو سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریات وقف ہی کے لئے لیا اور انہیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استبقائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدم وقف خواہ اب انعدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے نہ غیر ثابت ہوسکتا ہے نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہوجائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کردیں اور وقف باطل وزائل ہوجائے۔ ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز وعدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

---

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین مزارعوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام ومردود وباطل ہے کما حققناہ لامزید علیه فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریة وقف آجر المتکلم علیها ثلثها لرجل سنة بمال لیتناول مایتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیها وشتویها هذه الاجارة باطلة غیر منعقدة لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجرة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئا من احکام الاجارة فلیس للمستأجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذٰلك للوقف یصرف فی وجوهه المعینة[1]۔ (ملتقطًا)	وقف گاؤں ہو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو عین چیز کو قصدا تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی۔ (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصداکانت باطلة فلایملك المستأجر ماوجد من تلك الاعیان بل هی علی ماکانت علیه قبل الاجارة فتؤخذ من یده اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیها لعدم مبلکه وذٰلك کاستئجار بقرة لیشرب	جب اعیان کو تلف کرنے پر قصدًا اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی غلہ وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہذا ان میں اس کا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

لبنها وبستان لياكل ثمرته ومثله استئجار مافی يد المزارعين لاكل خراجه[1]۔	تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا، اس کی مثال جیسے کہ گائے وبھینس کو دودھ کے لئے اجارہ پر لے اور مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزارعین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة علی ما يتحصل من قرية الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدين يدفعه الملتزم ويكون له مايتحصل منها قليلا كان اوكثيرا لاتجوز اذلاوجه لها شرعالكونها لاتتصور شرعًا ان تكون بيعا اذبعض المقاطع عليه معدوم وبعضه مجهول ولاان تكون اجارة لانها بيع المنافع والواقع عليه فی المقاطعة المشروحة اعيان لامنافع فهی باطلة بالاجماع[2] (ملتقطا)۔	کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعًا اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہوسکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہوسکتا کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے جبکہ مذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القری والمزارع لتناول خراج المقاسمة اوخراج الوظيفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[3] (ملتقطا)	جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لینا تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے۔ (ملتقطا) (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۶
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

اسی میں ہے:

قریة ضمنها من له ولایتها لرجل بمال معلوم لیکون له خراجها فالتضمین باطل اذلایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعالانه معدوم[1] (ملتقطا)	کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہوجائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصداً ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ یہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

یتماری آجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم لاتصح وعلی کل منهما رد ماتناوله۔[2]	کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں۔(ت)

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارة اذاوقعت علی تناول الاعیان اواتلافها فهی باطلة فاجارة القری لتناول الخراج مقاسمة کان او وظیفة باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا۔[3] (ملتقطا)	ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ مستاجر اس کا وظیفہ اور حصہ عوض میں وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

المقرر فی کلام مشایخنا باجمعهم ان الاجارة علی استهلاك الاعیان باطلة	ہمارے مشائخ نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ہلاکت قبضہ میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۸

[3] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۹

وجعل العین منفعة غیر متصور فالاجارة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل علی اخذ الخراج والدراهم المضروبة فهو باطل باجماع ائمتنا[1] (ملتقطا)	عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہو سکتا، تو جہاں زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے (ملتقطا) (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لاقائل من فقهاء الاسلام بصحة الالتزام فی اوقاف الانام لانك مهما اعتبرته کان باطلا، وکیف ماقومته کان مائلافان قدرته بیعا فهو بیع المعدوم او المجهول، وان قدرته اجارة فهی واقعة علی استهلاك الاعیان المعدومة الاٰتیة فیما یؤل، وهی فی الموجودة لاتجوز فکیف یستأجر منها ماسیجوز وان اعتبرته واهبالما سیصرف ومتهبا لما سیقبض فالهبة فی مال الوقف لاتجوز ولو بعوض[2] اھ **اقول:** خص الکلام بالوقف لان السوال عنه فاستدل بدلیل یخصه والا فهبة المعدوم بطلانه معلوم ولو فی الملك، قال فی الخیریة من الهبة وبهذاعلم عدم صحة هبة ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواهب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه اھ[3]۔	فقہاء اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ نقد کے عوض حاصل کرلے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ کے طور پر بھی جائز نہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال یہی تھا اس لئے انہوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعد میں حاصل ہونیوالے محصول کا ہبہ بطریق اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۵

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

فتاوٰی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے:

هذا اذا لم تكن الاجارة واردة على استهلاك الاعيان قصدا، امااذاكانت كذلك بان كانت اراضى القرية فى ايدى مزارعين وانما استأجرها المستأجر المرقوم ليأخذ ما يخصها من خراج فهى باطلة كما صرح بذلك علماؤنا قاطبة[1]۔	یہ وہ صورت ہے جبکہ اعیان کو بطور ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو تو ان سے مقررہ محاصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

وانظر مافى فتاوى الشيخ خير الدين من الاجارات فقد افتى مرارا ببطلان هذه الاجارة المسماة بالمقاطعة والالتزام[2]۔	ہمارے شیخ خیر الدین کے اجارات کی بابت فتاوٰی پر غور کرو انہوں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کئے جاتے ہیں وہ باطل ہیں(ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے:

الواقع فى زماننا ان المستاجر يستاجر ها لاجل اخذ خراجها لاللزراعة ويسمى ذلك التزاما وهو غير صحيح[3]۔	ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لئے جو اجارہ طے کرتے ہیں وہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انہوں نے التزام بنا رکھا ہے(ت)

تو یہ کارروائی قطعاً اجماعاً حرام و باطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں آتا، نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہٖ و برعایت شرائط واقف لائق تولیت ہو،

قال تعالٰى "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی علامہ التاجی البعلی کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[3] ردالمحتار کتاب الجھاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۶۴

محل نظر خود وہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہوئے یہاں ضرور فقیر ان وقائع کا اظہار کرے جو ۳۴ برس سے آج تک کسی تحریر میں ذکر نہ کئے یہ مسئلہ کہ دیہات کارائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ محاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر موقوف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے سال کو ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہوئے تو یہ دو سو ٹھیکے دار کو حرام ہیں مالک یاواقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو مالک وواقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دارالفتن ہندوستان میں ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض، اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالٰی کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشہ سنت رحمہم اللہ تعالٰی، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالٰی کو حامی سنت ماحی بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول ومقبول ہے اور وہ بیشک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رحمۃ واسعۃ، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتوٰی اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ وردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاوٰی خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت موصوف نے بعد تامل بسیار اس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر شہر کو واپس آیا مفصل فتوٰی عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اسکے جواز کے حیلہ سے اطلاع دو یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل ووضوح تحریم یہی فرماتے پایا کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہوگئیں خود بھی ابتلا ہو چکا اور اس میں آرام بھی ہے لہٰذا حیلہ جواز کی تلاش ضرور ہوئی۔ مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور اذانیان زمان کی طرح اپنے اور اپنے آباء واساتذہ کی عادت کو شرع مطہر کے رد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ ردالمحتار کتاب الاجارہ میں ہے:

اذا تکلم احد بین الناس بذٰلك یعدون کلامه منکر امن القول وھذه بلیة قدیمة، فقد ذکر العلامة قنالی زادہ	لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألة کثیرة الوقوع فی البلد ان واذا طلب رفع اجارتها یتظلم المستأجرون ویزعمون انه ظلم وهم ظالمون، وبعض الصدور والا کابر یعاونونهم ویزعمون ان هذا تحرك فتنة علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ما هی علیه وان شر الامور محدثاتها ولایعلمون ان الشرفی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب[1]۔(ملتقطا)	کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں، اور بعض معتبر حضرات اور اکابرین ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے، وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔(ت)

ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے: وهذا اعلم فی ورق[2] (یہ ایک ورق میں عظیم علم ہے۔ت) تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بهذا ان هذه علة قدیمة ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم[3]۔	تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے، لاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔(ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ یہاں کے فحول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انہیں تک ہے اگر عوام قبل اطلاع حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ انہوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابل تولیت نہ رہیں، والله یعلم المفسد من المصلح والله غفور رحیم۔ والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴تا۷۵: مرسلہ محمد ابراہیم کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) اگر کسی ہندو نے چند جگہ مسلمان کو فقط نماز جمعہ کے واسطے وقف کردئے کہ تم لوگ اس میں قربانی مت کرنا۔ اگر قربانی کے واسطے اجازت بھی دیوے تو ہندو کی وقف کردہ زمین میں مسجد بنانا جائز ہے یانہیں؟

(۲) اگر ہندو کی وقف کردہ زمین میں ۲۰ یا ۲۵ برس تک نماز جمعہ پڑھی، بعد میں معلوم کیا، تو

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[3] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۷

اس مسجد کو دوسری جگہ مسلمان کے لئے جا کر بنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد کے لئے ہندو کا وقف ناممکن نامقبول ہے، وہ مسجد نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) وہ مسجد ہی نہیں، مسلمان دوسری جگہ اپنی مسجد بنائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**



مصارف وقف

(وقف کے مصارف کا بیان)

مسئلہ ۷۶: از احمد آباد گجرات محلّہ کالو پور پنچ پولی دھنکوٹ مرسلہ شیخ محمد زین الحق عرف چھٹو میاں ۴ محرم ۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید کے پاس ایک رقم زرِ نقد وقف یا ﷲ کسی کارِ خیر کے لئے موجود ہے مثلاً مسجد کی تعمیر وغیرہ مصارف کی یا کسی بزرگ کے روضہ یا مقبرہ یا عرس وغیرہ کی آمدنی اس کے مصارف پورے طور سے ہو کر اضافہ جمع رہتی ہے، یا مسجد یا مدرسہ یا یتیم خانہ تعمیر کرنے کو وہ چندہ جمع کیا گیا ہے اور اس کا خرچ پورے طور سے تمام ہو کر باقی رقم اضافہ رہی ہے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کا پیسہ نقد یا مِلک مانند مکان و زمین وغیرہ کے ایک کارِ خیر کے لئے فراہم ہوا ہے یا کیا گیا ہے اس کو دوسرے کارِ خیر میں ﷲ یعنی مسجد کا چندہ کیا ہوا یا اس کی آمدنی میں سے بچتا رہا ہوا مقبرہ یا مدرسہ یا یتیم خانہ کے کام میں یا مقبرہ و مدرسہ و یتیم خانہ کا پیسہ مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں وہ از روئے شرع شریف مع حوالہ کتب مذہب اہل سنت و جماعت کے خلاصہ بیان فرماکے اپنی مہر و دستخط فرمادیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وقف جس غرض کے لئے ہے اسکی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہو سکتی، نہ ایک

مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔ درمختار میں ہے:

اتحدالواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه،جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الأخر اليه لانهما حينئذ كشيئ واحد وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا او مدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذٰلك[1]۔	جب واقف ایک ہو اور جہت وقف بھی ایک ہو اور آمدن کی تقسیم بعض موقوف علیہ حضرات پر کم پڑجائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے فاضل وقف سے ان پر خرچ کردے کیونکہ یہ دونوں وقف ایک جیسے ہیں، اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں کی مختلف ہو مثلاً دو حضرات نے علیحدہ علیحدہ مسجد بنائی یا ایک نے مسجد اور دوسرے نے مدرسہ بنایا اور ہر ایک نے ان کے لئے علیحدہ وقف مقرر کئے تو پھر ایک کی آمدن سے دوسرے کے مصارف کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ (ت)

چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتانہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں، مثلاً تعمیر مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہوچکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں، اور اگر اس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کردیں۔ درمختار میں ہے:

ان فضل شيئ رد للمتصدق ان علم والا كفن به مثله والا تصدق به[2]	اگر چندہ سے کچھ بچ جائے تو دینے والا اگر معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے گا ورنہ اس جیسے فقیر کے کفن پر صرف کیا جائے یا صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۷: مسئولہ ظہور حسین ساکن بریلی محلّہ کٹلے نالہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک وقف نامہ غیر مستقل آمدنی کا بنام خدائے برتر لکھا اور وقف نامہ مذکور میں نسلاً بعد نسل تولیت کا تذکرہ نسبت ورثاء متولیان کے اور کسی

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

کمیٹی یا انجمن کادست انداز نہ ہونا تحریر ہے آمدنی مذکور بہ تعین تعداد واسطے نذرونیاز وکارخیر جاریہ کی مقرر کردی مگر جائداد موقوفہ کی آمدنی اخراجات معینہ واقف سے زائد ہو تو وہ زائد آمدنی کیا ہوگی اور وقف پر کیا اثر ہوگا اور اس پر وراثت جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وقف پر وراثت جاری نہیں ہوسکتی زائد آمدنی امانۃً جمع رہے گی جیسے زیادت ممکن ہے اور برسوں میں کمی بھی محتمل ہے وہ کمی اس سرمایہ جمع شدہ سے وقتاً فوقتاً پوری کی جائے گی، متولیان وورثہ بحال تولیت اگر صالح تولیت رہے تو بہتر، ورنہ بحال جرم وخیانت وعدم لیاقت ضرور مسلمانوں کو دست اندازی پہنچے گی اور واقفہ کی اس شرط پر کچھ نظر نہ کی جائے گی نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (درمختار وغیرہ معتمد کتب میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) درمختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۴ پر ہے:

فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال وابن الشحنه[1]۔	تو وہ لازم ہوجائے گا اب اس کا ابطال یاوراثت بنانا جائز نہیں، اسی پر فتوی ہے، ابن کمال وابن شحنہ۔ (ت)

وعلیہ الفتوی کے تحت میں علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای علی قولهما بلزومه قال فی الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والاثار متظافرة علی ذلك واستمر عمل الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذٰلك فلذا ترجح علی خلاف قوله اھ ملخصا[2]۔	یعنی صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے لزوم والے قول پر فتوی ہے، فتح میں فرمایا حق یہی ہے کہ عام علماء کے لازم ہوجانیوالے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ احادیث وآثار اس پر وارد ہیں، اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کا اس پر عمل چلاآرہا ہے اس لئے امام صاحب کے قول کے خلاف کو یہاں ترجیح ہے، اھ ملخصًا (ت)

اشباہ والنظائر ص ۱۹۲ میں ہے:

وسئل ابوبکر عن رجل وقف دارا علی مسجد علی ان مافضل من عمارته	ابوبکر سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گی جس نے مسجد کے نام ایک حویلی وقف کی اور قرار دیا کہ اس حویلی کی

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۸

فھوللفقراء فاجتمعت الغلۃ والمسجد لایحتاج الی العمارۃ ھل تصرف الی الفقراء قال لاتصرف الی الفقراء وان اجتمعت غلۃ کثیرۃ لانہ یجوز ان یحدث للمسجد حدث والدار بحال لاتغل[1]۔	آمدن اگر مسجد کے تعمیری اخراجات سے زائد ہو تو فقراء پر خرچ کی جائے گی، اب آمدن جمع ہو گئی اور مسجد کی عمارت کو ضرورت نہیں تو کیا وہ جمع شدہ آمدن فقراء پر صرف کر دی جائے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فقراء پر خرچ نہیں ہو گی اگرچہ کثیر آمدن جمع ہو چکی ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بعد میں مسجد کی عمارت میں ضرورت پیش آئے اور حویلی کی آمدن باقی نہ رہے۔ (ت)

درمختار ص ۳۸۴ میں فرمایا:

وینزع وجوبا ولو کان المتولی غیرمامون او عاجزا او ظھربہ فسق وان شرط عدم نزعہ وان لاینزعہ قاضی ولاسلطان لمخالفتہ لحکم الشرع فیبطل کالموصی[2] اھ ملخصا ومختصرا۔	لازمی علیحدہ کر دیا جائے اگر متولی قابل اعتماد نہ ہو یا عاجز ہو یا اس میں فسق واضح ہو جائے اگرچہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط لگا رکھی ہو اور یہ کہ قاضی اور سلطان بھی معزول نہ کر سکے گا کیونکہ ایسی شرط شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گی جیسا کہ وصیت کرنیوالے کی ایسی شرائط باطل ہو جاتی ہیں اھ ملخصًا و مختصرًا۔ (ت)

مسئلہ ۷۸: از پیلی بھیت مرسلہ مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد میں عرصہ پانچ سال سے واسطے حفاظت مسجد اور کل انتظام مسجد کے مقرر ہے اور مسجد کے وقف مال سے وظیفہ پاتا ہے اگر یہ شخص ایک سال یا کم وبیش کی رخصت لے کر اپنے مکان کو چلا جائے تو اس مدت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں، اگر بعلت بیماری جاوے تو بھی مستحق ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جس دن غیر حاضر ہو گا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے اور یہ امر باختلاف حاجت مختلف ہوتا ہے درس تدریس کی حاجت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

روزانہ نہیں بلکہ طلبہ بلا تعطیل ہمیشہ پڑھے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو لہذا ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل ٹھہری، اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے،

وقد قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القلب اذا اکرہ عمی [1]۔	اور ہمارے آقا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ جبر کی صورت میں دل بینا نہیں رہتا۔ (ت)

لہذا اسی صیغہ میں رمضان مبارک کی چھٹی بھی معمول ہوئی، بخلاف خدمتگاری کہ اس کی حاجت روزانہ ہے اگر خدمتگار رمضان مبارک کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہے ہرگز ایک حبہ تنخواہ کا مستحق نہیں انتظام وحفاظت مسجد بھی اسی قبیل سے ہے جس کی حاجت روزانہ ہے تو اس میں اتنی رخصت بھی نہیں ہوسکتی جتنی صیغہ تعلیم وتعلم میں ہے ولہذا ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ متولی کو اگر فالج وغیرہ عارض ہو تو جتنے دن اس کے باعث اہتمام مسجد سے معذور رہے گا اجرت نہ پائے گا بلکہ صیغہ تعلیم میں بھی تصریح فرمائی کہ مدرس معمول کے علاوہ غیر حاضری پر تنخواہ کا مستحق نہیں اگرچہ وہ غیر حاضری حج فرض ادا کرنے کے لئے ہو یونہی تصریح فرمائی کہ طالب علم جو وظیفہ پاتا ہو اگرچہ بضرورت حج فرض یا صلہ رحم اسے سفر کی اجازت ہے یا شہر کے آس پاس دیہات میں کہ مدت سفر سے کم ہوں بضرورت طلب معاش دو ہفتہ یا زیادہ انتہا تین مہینے تک غیر حاضری کی رخصت ہے مگر اس رخصت کے یہ معنی کہ ان ضرورتوں کے سبب اتنی غیر حاضری کے باعث اس کا نام نہ کاٹا جائیگا معزول نہ کیا جائیگا نہ کہ ایام سفر یا دو ہفتہ خواہ زیادہ کی غیر حاضری بلا سفر پر وظیفہ بھی پائے وظیفہ ان سب صورتوں میں اصلًا نہ مل سکے گا اور اگر تین مہینے سے زیادہ غیر حاضر رہا اگرچہ حوالی شہر میں اگرچہ بضرورت وناچاری معزول بھی کردیا جائے گا جب صیغہ تعلیم میں یہ احکام ہیں تو صیغہ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظام مسجد میں کسی غیر حاضری کی تنخواہ کیونکر پاسکتا ہے، ہاں غایت درجہ حرج مرض کو سال میں ایک ہفتہ کی اجازت ہوسکتی ہے یا زیادہ چاہے تو اپنا عوض یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ مہتممان وقف کو روا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دی تو تنخواہ حلال نہیں نہ اسے لینا جائز، نہ ان کو دینے کا اختیار اگر دیں گے تو یہ خود مال وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے، اس بیان سے جواب سوال واضح ہوگیا، اب مطالب مذکورہ پر علماء سنئے، درمختار میں ہے:

نظم ابن الشحنۃ الغیبۃ المسقطۃ للمعلوم المقتضیۃ للعزل ومنہ [2]۔ ومالیس بد منہ ان لم یزد علی ثلاث شہور فہو یعفی ویغفر	ابن شحنہ نے اپنی نظم میں مقررہ وظیفہ کو ساقط اور استحقاق معزولیت والی غیر حاضری کو بیان فرمایا ہے، ضروری عذر کی وجہ سے غیر حاضری اگر تین ماہ سے زائد نہ ہو تو معاف ہوگی، اور علماء کا اتفاق ہے کہ گزشتہ

[1]

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

وقد اطبقوا لایأخذ السھم مطلقًا لماقد مضی و الحکم فی الشرع یسفر قلت وھذاکلہ فی سکان المدرسۃ وفی غیر فرض الحج وصلۃ الرحم، امافیھما فلایستحق العزل والمعلوم کما فی شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی[1]۔	غیر حاضری کا وظیفہ مطلقًا نہ لے گا اور شرع میں حکم واضح ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تمام بیان مدرسہ کے رہائشیوں کے لئے ہے اور فرض حج اور صلہ رحمی کے عذر کے علاوہ کے لئے ہے اگر دو مذکور عذر ہوں معزولی اور وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا جیسا کہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ نظم ابن الشحنۃ، حاصل مافی شرحہ تبعا للبزازیۃ انہ لایسقط معلومہ ولایعزل اذاکان فی المصر مشتغلا بعلم شرعی اوخرج لغیر سفر واقام دون خمسۃ عشر یوما بلا عذر علی احد قولین(ای والقول الاخر انہ یسقط معلومہ اذا خرج لرستاق بلاعذر ولواقل من اسبوعین)او خمسۃ عشرفاکثر لعذر شرعی کطلب المعاش ولم یزد علی ثلثۃ اشھر وانہ یسقط ولایعزل لوسافر لحج ونحوہ اوخرج للرستاق لغیرعذر مالم یزد علی ثلثۃ اشھر وانہ یسقط ویعزل لوخرج واقام اکثر من ثلثۃ اشھر ولو لعذر قال الخیر الرملی وکل ھذا اذا لم ینصب نائبا عنہ والا	قولہ ابن شحنہ کی نظم، اس کی شرح کا ماحاصل یہ ہے جو بزازیہ کی اتباع میں بیان کیا کہ اگر غیر حاضر ہونے والا شہر میں ہی شرعی علم یا حد سفر سے کم مسافت کے لئے شہر سے باہر گیا اور بلاعذر پندرہ دن سے زیادہ باہر قیام کیا تو ایک قول کے مطابق معزول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی مقررہ وظیفہ ساقط ہوگا یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ بلاعذر شہر سے متعلقہ سراؤں میں پندرہ دن سے کم غائب رہا ہو، یا کسی شرعی عذر کی بناء پر مثلًا طلبِ معاش کے لئے پندرہ دن سے زائد اور تین ماہ سے کم غائب رہا ہو، تو وظیفہ ساقط ہوگا اور معزول نہ ہوگا یونہی اگر فرض حج کیلئے سفر پر رہا ہو یا بغیر عذر تین ماہ سے زائد شہری سراؤں میں غائب رہا ہو، اور اگر شہر سے باہر تین ماہ سے زائد اگرچہ عذر کی بناء پر غائب ہو کر وہاں مقیم رہا ہو تو وظیفہ ساقط اور معزول بھی ہوگا، اور خیر رملی نے فرمایا یہ تمام صورتیں تب ہوں گی جب وہ اپنا نائب مقرر نہ کر گیا ہو ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

فلیس لغیرہ اخذ وظیفتہ اھ وفی القنیۃ من باب الامامۃ امام یترك الامامۃ لزیادۃ اقربائہ فی الرساتیق اسبوعا او نحوہ او لمصیبۃ او لاستراحۃ لا باس بہ ومثلہ عفو فی العادۃ والشرع، وقد ذکر فی الاشباہ عبارۃ القنیۃ ھذہ وحملھا علی انہ یسامح اسبوعا والاظھر مافی اٰخر شرح منیۃ المصلی للحلبی ان الظاہر ان المراد فی کل سنۃ ذکر الخصاف انہ لو اصاب القیم فالج او نحوہ فان امکنہ الکلام والاخذ والاعطاء فلہ اخذ الاجر، والّا فلا قال الطرطوسی ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لایمکنہ المباشرۃ لایستحق المعلوم لانہ ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والافلا وھذا ھو الفقہ اھ، ولاینافی مامر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کما سومح بالبطالۃ المعتادۃ[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا وظیفہ کوئی دوسرا وصول نہیں کرسکتا اھ، اور قنیہ کے امامت کے باب میں ہے کہ اگر امام نے ہفتہ بھر امامت کا ترک سراؤں میں رہائش پذیر اپنے اقرباء کی زیارت یا کسی مصیبت کی بناء پر یا آرام کرنے کے لئے کیا تو کوئی حرج نہیں شرعًا اور عادۃً یہ معاف ہے، اور اشباہ میں قنیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرکے فرمایا کہ ہفتہ کی مقدار میں چشم پوشی سے کام لیا جائے، اور زیادہ ظاہر وہ قول ہے جو منیۃ المصلی کی شرح حلبی کے آخر میں مذکور ہے کہ ہفتہ بھر پورے ایک سال میں مراد ہے، خصاف نے ذکر فرمایا کہ اگر منتظم کو فالج یا کوئی مرض لاحق ہوگیا تو اس میں گفتگو اور لین دین کرنا ممکن ہو تو وہ اپنے اجر کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں، اس پر طرطوسی نے فرمایا کہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس وغیرہ کو جب کوئی عذر مثلاً مرض یا فرض حج پیش آئے جس کی وجہ سے وہ فرض منصبی ادا نہ کرسکے تو مقررہ وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ معاملہ فرض منصبی کی ادائیگی پر طے ہوا ہے اگر یہ پایا گیا تو وظیفہ کا استحقاق ہوگا ورنہ نہیں، فقہ یہی ہے اھ، یہ بیان ہفتہ تک کی چشم پوشی کے مذکور حکم کے منافی نہیں ہے کیونکہ قلیل معاف ہوتا ہے جیسا کہ عادت میں مقررہ تعطیلات میں چشم پوشی ہوتی ہے اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۷۔۴۰۸

مسئلہ ۷۹: از سورت عید روس منزل خانقاہ عید روسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زین بن حسن عید روس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ زید محض اس خیال سے کہ متولیان وقف کا مال غفلت وبے پرواہی سے خرد برد کر جاتے ہیں گورنمنٹ کے سامنے بغیر مشورہ قرآن وحدیث کے اپنی ذاتی رائے پیش کرتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ کرائے جائیں اور حساب کی جانچ پڑتال کی جائے حالانکہ گورنمنٹ نے ایڈووکیٹ جنرل کو اوقاف کے لئے محض اس غرض کے واسطے مقرر کیا ہوا ہے کہ اگر متولی کے متعلق کسی شخص کو اس قسم کی کوئی خرابی معلوم ہو تو وہ ایڈوکیٹ جنرل کو اس کی اطلاع دے کر اس کی منظوری سے متولی پر دعوی کرسکتا ہے باوجود اس قاعدہ کے وہ یہ چاہتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ ہوں اور محکمہ کے کثیر اخراجات مثل رجسٹرڈ کرانے کی فیس اور کلرکوں وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ جس قدر اخراجات ہوں وہ تمام اوقاف سے دئے جائیں حالانکہ واقف کی ان کے لئے وصیت نہیں کیا زید کا یہ بل ازروئے شریعت حقہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

زید کا وہ بل محض جائز و باطل ہے، وہ نئے خرچ کہ زید نے بے حکم شرع وبے شرط واقف اپنے دل سے ایجاد کرکے کسی وقف پر ڈلوانے چاہے ہرگز وقف پر نہ پڑیں گے، نہ کوئی وقف ان کا ذمہ دار ہوگا، زید تو زید حاکم وقاضی کو بھی وقف میں ایسے ایجاد کا شرعًا اختیار نہیں۔ عقود الدریہ مطبع مصر جلد اول صفحہ ۱۹۲:

اذا ثبت الاحداث لایعمل بتقریرہ لان القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرة والولوالجیة وغیرهما بان القاضی اذا قرر فراشًا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلك ولم یحل للفراش تناول المعلوم[1]۔	جب وقف میں نئے مصارف ثابت کئے جائیں تو ان کی تقرری پر عمل نہ کیا جائے گا کیونکہ قاضی کو شرعی جواز کے بغیر نئے امور نافذ کرنے کا اختیار نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے، ذخیرہ، ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے فرش کی صفائی کرنے والا مقرر کردیا تو قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے اور اس مقرر شدہ کو بھی مقررہ وظیفہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضًا ص ۱۸۸ (ص ۱۸۸ پر بھی ہے۔ت):

واخذ القاضی واعوانه المال کاخذ	قاضی اور اس کے عملہ کا وقف مال کو لینا ایسا ہی ہے

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

اللصوص۔[1]	جیسے چوروں کا لینا ہے۔(ت)

بحر الرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۶۰:

فی البزازیہ المتولی لو امیا فاستاجر الکاتب لحسابہ لایجوزلہ اعطاء الاجرۃ من مال الوقف[2]۔	بزازیہ میں ہے کہ متولی اگر تعلیم والا نہ ہو اور حسابات کیلئے وہ کسی کو اجرت پر رکھ لے تو متولی کو اس کی اجرت وقف مال سے دینا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضاً ص ۲۴۵:

فان قلت فی تقریر الفراش مصلحۃ قلت یمکن خدمۃ المسجد بدون تقریرہ بان یستأجر المتولی فراشالہ والممنوع تقریرہ فی وظیفۃ تکون حقالہ ولذاصرح قاضیخان بان للمتولی ان یستأجر خادما للمسجد باجرۃ المثل واستفید منہ عدم صحۃ تقریر القاضی فی بقیۃ الوظائف بغیر شرط الواقف کشہادۃ ومباشرۃ وطلب بالاولی وحرمۃ المرتبات بالاوقاف بالاولی[3]۔	اگر تیرا سوال ہو کہ مسجد کے لئے صفائی والے میں وقف کی اصلاح ہے تو میں کہوں گا کہ مسجد کی خدمت مستقل تقرری کے بغیر بھی ممکن ہے کہ متولی اجرت پر کسی سے کرالے، مستقل وظیفہ پر تقرری ممنوع ہے، اور اسی لئے قاضی خاں نے تصریح کی ہے کہ متولی مسجد کیلئے مروجہ اجرت پر کسی خادم سے کام لے سکتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وقف کے بقایا وظائف میں مستقل تقرری واقف کی شرط کے بغیر نہیں کرسکتا، مثلاً شہادت اور اس کی ادائیگی اور اس کا طلب کرنا بطریق اولی اور اوقاف کے حسابات کو مرتب کرنا بطریق اولٰی (مستقل تقرری ممنوع ہوگی۔(ت)

ایضاً ص ۲۶۳:

فقد علمت ان مشروعیۃ المحاسبات للنظار انما ھی لیعرف القاضی الخائن من الامین لا لاخذ شیئ من النظار للقاضی واتباعہ والواقع بالقاہرۃ فی زماننا الثانی وقد شاھدنا	تو معلوم کرچکا کہ نگران حضرات سے حساب یہ صرف اس لئے مشروع ہے کہ قاضی کو معلوم ہوسکے کہ کون خائن ہے یا امین ہے، اس لئے نہیں کہ قاضی اور اس کے عملہ کے لئے نگرانوں سے کچھ وصولی کی جائے جبکہ

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۵

[2] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۱

[3] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷

فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا بحیث تقدم کلفۃ المحاسبۃ علی العمارۃ والمستحقین وکل ذٰلك من علامات الساعۃ[1]۔	قاہرہ میں اس وقت دوسری صورت مروج ہے وار اس سلسلہ میں ہم نے اوقاف میں بہت سے فسادات کا مشاہدہ کیا ہے جہاں پر محاسبہ کے اخراجات کو اوقاف کی عمارت اور اس کے مستحقین پر تقدم حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ تمام امور علامات قیامت سے ہیں (ت)

پھر زمانے کے حالت صدہا سال دگرگوں ہو رہی ہے، دیانت امانت اور روپے کے معاملے میں حرام وحلال کی پروا نادر رہ گئی ہے، ابھی اسی عبارت بحرالرائق میں سن چکے کہ وہ اپنے زمانہ میں جسے چار سو برس ہونے آئے قاہرہ کے اوقاف کا کیا حال بتاتے ہیں کہ اہلکاروں کے حساب فہمیوں ہی نے وقف کے وقف تباہ کردئے ابھی تو متولی تنہا ہے اور اسے حساب کا خوف لگا ہے اور ہر مسلمان کو اس کی شکایت کا حق پہنچتا ہے اور تغلب کرے تو اس کے ہاتھ میں اپنی براءت کی کوئی دستاویز نہیں، اور جب اوقاف رجسٹرڈ کرائے گئے اور حساب فہمی پر اہلکار مقرر ہوئے اور حساب رجسٹروں پر چڑھائے گئے متولیوں کو شکایت ومطالبہ سے تو اطمینان ہوگیا کہ ان کا جمع خرچ پاس ہولیا مگر ان میں جو خائن ہیں ان کا خیانت سے باز آنا معلوم، بلکہ وہ اپنی اغراض فاسدہ کیلئے حساب فہموں کو بھی راضی کرنا چاہیں گے اور انہیں بہت ایسے مل بھی سکیں گے اس وقت وقف میں ایک کی جگہ دس حصے ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کا صاف وہی نتیجہ ہے جو بحر میں فرمایا کہ **شاھدنا فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا**[2] (ہم نے قاہرہ میں اوقاف کا کثیر فساد دیکھا ہے۔ت) اور ان کا وہ اعتراض تو ضرور لازم ہے کہ وہ خلاف شرع فیسیں قاہرہ میں خواہی نخواہی لی گئیں، وقف کی عمارت اور اس کے مستحقوں کا حق پورا ہو یا نہ ہو، **نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۰:　از سہسوان مسئولہ مولوی فضل احمد بدایونی　۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

اگر جائداد موقوفہ سے رجوع شرعًا ناجائز ہو تو ایسے میں توسیع خرچ کی کرسکتا ہے مثلًا پندرہ روپے ماہوار یا دس روپے ماہوار متولی کو ملتا ہے بوجہ تنگی عیال اطفال گزر مشکل ہے، نوکری چاکری کی قوت یا ہمت نہیں اور کام آپ ہی کرتا ہے اگر اپنے خرچ توسیع کرے جائز ہے یا نہیں؟

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ"[1]	جو حاجتمند ہے وہ موافق دستور کھائے۔

اور فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ"[2]	خداخوب جانتا ہے کون بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رب متخوض فیما شاءت نفسه من مال الله ورسوله لیس له یوم القیٰمة الا النار[3]۔ رواه احمد والترمذی وقال حسن صحیح عن خولة بنت قیس والبیهقی فی الشعب عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم۔	بہت وہ کہ اللہ و رسول کے مال میں اپنی خواہش نفس کے مطابق دھنستے ہیں ان کے لئے قیامت میں نہیں مگر آگ (اس کو احمد نے اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو خولہ بنت قیس سے صحیح اور حسن قرار دیا ہے اور بیہقی نے اس کو اپنی شعب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لو کان لابن اٰدم واد من ذهب لابتغی الیه ثانیا ولو کان له وادیان لابتغی الیهما ثالثا ولا یملأ جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب[4]۔ رواه	اگر ابن آدم کے لئے ایک جنگل بھر سونا ہو تو دوسرا جنگل اور مانگے اور دو جنگل ہوں تو تیسرا اور چاہے، اور ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتی مگر خاک اور تائب کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے (اس کو

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[3] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء ان الغنی غنی النفس امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۰

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ البزاز الترغیب فی الاقتصاد حدیث ۳۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۴۲، صحیح البخاری باب مایتقی من فتنۃ المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۳، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی واقد اللیثی دارالفکر بیروت ۵/ ۲۱۹

احمد والشیخان عن ابن عباس والترمذی عن انس والبخاری عن ابن الزبیر وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و احمد عن ابی واقد والبخاری فی التاریخ والبزار عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	شیخین نے ابن عباس اور ترمذی نے انس سے اور بخاری نے ابن زبیر سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابو واقد سے اور بخاری نے تاریخ میں اور بزار نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

وقف سے رجوع ناممکن، پھر جو ماہوار مقرر ہوا اگر اس کے صدق سعی وحسن خدمت کے لحاظ سے بقدر اجر مثل کے نہیں تو ضرور اجر مثل کی تکمیل کردی جائے گی، اور اگر واقعی اجر مثل بھی اسکے واجبی صرف کو کفایت نہ کرے تو وقف کی فاضلات سے تاحد کفایت ماہوار میں اضافہ بھی ممکن، مگر نہ یوں کہ بطور خود کہ خود ہی مدعی اور خود ہی حاکم ہونا ٹھیک نہیں، بلکہ وہاں کے افقہ اہل بلد عالم سنی دیندار کی طرف رجوع کرے یا متعدد معزز متدین ذی رائے مسلمانان شہر کے سپرد کردے وہ بعد تحقیقات کامل اجر مثل تک حکم دیں یا بشرط صدق حاجت وعدم کفایت تاقدر کفایت اضافہ کریں، اس تقدیر پر ان کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب واقف خود ہی متولی ہوا اور خود ہی وقت وقف یہ ماہوار تجویز کیا تو اب کون سی بات حادث ہوئی کہ وہ ماہوار ناکافی ہوگیا، ردالمحتار میں ہے:

الناظر بشرط الواقف فله ماعینه له الواقف ولو اکثر من اجر المثل کمافی البحر ولوعین له اقل فللقاضی ان یکمل له اجر المثل بطلبه کما بحثه فی انفع الوسائل، ویأتی قریبا مایؤیده، وھذا مقید لقوله الاٰتی لیس للمتولی اخذ زیادة علی ماقرر له الواقف اصلا[1]۔	نگران کو واقف کی شرط کے مطابق مقررہ وظیفہ ملے گا اگرچہ یہ مروج سے زائد ہو، اور اگر واقف کا مقرر کردہ مروج سے کم ہو تو اس کے مطالبہ پر مروج تک مکمل کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اس کو انفع الوسائل نے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، اور اس کی مزید تائید عنقریب آئے گی اور یہ اس کے آئندہ قول کے "متولی کو مقررہ پر زیادتی کا ہر گز اختیار نہیں ہے" سے مقید ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم	جب امام کے لئے مقررہ وظیفہ کفایت نہ کرے تو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۷

الامام اذاکان لایکفیه[1]۔	قاضی کو زائد کرنے کا اختیار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاهر انه یلحق به کل من فی قطعه ضرر اذا کان المعین لایکفیه کالناظر والمؤذن ومدرس المدرسة والبواب ونحوهم اذا لم یعملوا بدون الزیادة، یؤیده مافی البزازیة اذا کان الامام والمؤذن لایستقر لقلة المرسوم للحاکم الدین ان یصرف الیه من فاضل وقف المصالح والعمارة باستصواب اهل الصلاح من اهل المحلة لو اتحد الواقف والجهة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہے کہ جس کو معزول کرنے میں نقصان ہو کہ مقررہ اس کو کفایت نہ کرتا ہو تو اس کے معاملہ کو بھی اس سے لاحق کیا جائے گا، مثلاً نگران، مؤذن، مدرس، چوکیدار وغیرہ حضرات جب یہ لوگ وظیفہ زائد کئے بغیر کام نہ کریں، اس کی تائید بزازیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ جب امام اور مؤذن وظیفہ کی قلّت کی وجہ سے استقرار نہ کریں تو حاکم دین کو محلّہ کے اہل لوگوں کے مشورہ سے وقف کے مصالح اور عمارت سے فاضل آمدنی میں سے ان کے لئے صرف کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ فاضل آمدنی والے او قاف کا واقف اور ان کی جہت ایک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱: از رام پور محلّہ چاہ شور، محمود الظفر خان عرف چھمن خان ۹ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد بایں الفاظ وقف کی کہ تاحیات اپنی آمدنی جائداد موقوفہ کی اپنے مصارف میں لاتا رہوں، بعد میرے اولاد اپنی ضروریات میں صرف کرتی رہے، جب میرے اولاد میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے تو علمائے صالحین محل مشروع میں صرف کرتے رہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو دائن زید مدیون کی اس آمدنی پر جو تاحیات اس کو جائداد موقوفہ سے اپنے مصارف میں لارہا ہے اجرائے ڈگری چاہتا ہے تو وہ شرعاً کراسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہاں جائداد پر نہیں کرسکتا آمدنی جو زید کو ملتی ہے اس پر کرسکتا ہے کہ جائداد وقف ہے اور آمدنی زید کی ملک۔ ردالمحتار میں ہے:

الموقوف علیه یملك المنافع بلابدل[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ حضرات وقف کے منافع کے بلا عوض مالک ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۸

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۹

مسئلہ ۸۳: از ضلع سیتاپور، لاہرپور مدرسہ اسلامیہ مسئولہ ابو محمد یوسف متعلّم مدرسہ اسلامیہ ۱۲صفر المظفر ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ

والا جناب مستطاب اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ لازال شموس افضالکم تسلیم مسنون کریم مشحون معظم مقرون گزارش ہے بصدور والا نامہ فیض شمامہ عزت افزائی ہوئی، جواب استفتاء بیحد تسکین بخش صادر ہوگیا، اللہ تعالٰی جناب والا کی بزرگ ذات کو ہمیشہ سلامت رکھے اور اس فیض عام سے مسلمانان عالم کو فیضیاب فرماتا رہے آمین بحرمۃ النبی والہ الامجاد، جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور کی خبر رحلت دریافت ہو کر بہت رنج ہوا، صرف ایک بات اور دریافت طلب ہے جو گزارش کی جاتی ہے ازراہ شفقت بزرگانہ اسکے جواب سے بھی مطلع کیا جاؤں، بجواب استفتاء مزامیر پر صرف ناجائز فرمایا بہت درست و بجا ارشاد ہے عین حکم شریعت ہے صرف اس قدر عرض ہے کہ صرف کسی قوال سے کوئی قصیدہ یا غزل نعتیہ یا توحید وغیرہ یا سلام وغیرہ سن کر عین حالت سماع میں یا بوقت رخصت حسب شدائد قوانین سابق او قات اوقاف سے بطور زاد راہ قلیل یا کثیر دینا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مشائخ علیہم الرحمۃ کی مجالس عرس میں بزرگوں کا دستور رہے، درانحالیکہ وہ مزامیر سے خالی ہوں اور اس پر حضور انور حیات رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فعل سے سند لینا جو حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے کہ حضور نے حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قصیدہ سن کر ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی ٹھیک ہے یا نہیں؟ امیدوار ہوں کہ اسی عریضہ پر یہ جواب بھی مرحمت ہوجائے، عین ذرہ نوازی ہوگی فقط۔

الجواب:

قوال اگر نہ امرد ہو نہ عورت، اور اشعار صحیحہ حمد و نعت و منقبت بلا مزامیر خوش الحانی سے پڑھے یا خاص مجمع صالحین میں ان کے ساتھ تغنی کرے بالجملہ نہ کسی فتنہ پر فی الحال اشتمال نہ آئندہ اس کا صحیح احتمال، تو صحیح یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے اور اس پر لینا دینا بھی روا اور واقعہ کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے قصیدہ نعتیہ استماع فرما کر ردائے مبارک عطا فرمائی اس پر استناد صحیح ہے، اور جبکہ شدائد قدیم میں اس صورت جائزہ پر دینا چلا آیا ہے تو اب بھی دیا جائے گا بلکہ وہ صادرین و واردین میں داخل ہے، اور قلیل و کثیر بھی معہود قدیم پر دائر رہے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۴ تا ۸۷: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے احاطہ میں ایک دفتر خانہ ہے اور جس کے انتظام کے متعلق گیارہ اشخاص کو کئی جماعت المسلمین بمبئی کی جانب سے مشاور مقرر ہیں

ان میں سے اکثرین کی رائے سے یہ قرار داد طے ہوئی ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں ٹیلیفون لیا جائے باوجودیکہ نہ مسجد کے ساتھ کوئی تجارتی تعلقات ہیں اور نہ کوئی دوسرے اسباب ٹیلیفون کے، بلکہ اس سے فقط تضییع مال وقف ہے، پس ایسے ٹیلیفون کا لینا مال وقف سے شرعًا درست ہے یا نہیں؟

دوسرا اسی کے ساتھ یہ قرار داد بھی طے ہوئی کہ دفتر خانہ مذکور میں جہاں مجلس منتظمہ مشاورین منعقد ہوتی ہے وہاں ایک برقی پنکھا اپنے آرام و تعیش کے واسطے لیا جائے، آیا ایسا خرچ مال وقف میں سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں باوجودیکہ گیاس کی روشنی موجود ہے اس کو رد کرکے اس کی جگہ برقی روشنی کے خرچ کا مال وقف کو زیر بار کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟ اطلاعا یہ بھی گزارش ہے کہ مجلس منتظمہ کے اجلاس علی الدوام زمانہ قدیم سے دن کے وقف طے ہوتے ہیں اور اگر احیانًا رات کو ضرورت پڑی تو گیاس کی روشنی موجود ہے۔ برقی روشنی کی بالکل ضرورت نہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ ایسے مشاورین جو مال وقف سے ایسے فضول اور اسراف بیجا کریں ان کے متعلق شریعت غرا کا کیا حکم ہے؟

پس ان مسائل مذکورہ کے جوابات کتب شرعیہ سے مدلل بیان فرمائیں **جزاکم اللہ خیرا، بینوا توجروا۔**

پانچواں سوال یہ ہے کہ مانعین متولیوں سے ایک نے کہا کہ اس باب میں یعنی مال اوقاف سے ان کاموں میں صرف کرنے سے علماء سے رائے لینا شرعًا ضرور ہے، پس متولیان مجوزین سے ایک نے کہا کہ یہاں شریعت کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور دوسرے نے کہا میں تو عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں، اس وقت اس سے کہا گیا کہ یہ کیا کلمہ کہتا ہے، خدا سے ڈر۔ تو اس نے کہا کہ خدا تو اوپر ہے اور ہم زمین پر، اگر خدا یہاں آئے تو ہم اس کو درست کردیں گے۔ پس ایسے کلمات ناشائستہ کہنے والوں کا شرعًا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل مع سندہائے کتب شرعیہ بیان فرمائیں۔ **جزاکم اللہ۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ نئی بدعتیں کہ مشاورین وقف میں حادث کیا چاہتے ہیں ٹیلیفون اور برقی پنکھا اور برقی روشنی مال وقف پر بار ڈالنا محض حرام ہے، فتح القدیر میں ہے:

امرنا بابقاء الوقف علی ماکان [1]۔	ہمیں حکم ہے کہ وقف کو گزشتہ حال پر قائم رکھیں۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

یہ وہاں فرمایا ہے کہ جہاں منافع وقف کے لئے مصارف مشروطہ پر زیادت کی جائے نہ کہ بے حاجت نہ کہ اپنا تعیش وترفع یہ حرام در حرام ہے، مال وقف حکم مال یتیم میں ہے اور رب عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ "[1]	جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔(ت)

یہ اسراف ہے اور اللہ مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا " اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ "[2] (اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ت) اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ "[3]	بیشک مال بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

یہ ان کو فرمایا جو اپنا مال بیجا اڑائیں نہ کہ وقف کا۔ ایسے مشاوروں کو معزول کرنا واجب ہے، در مختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مأمون[4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو دوسرے اگر قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ بطریق اولٰی معزول ہوں گے۔(ت)

یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف بدرجہ اولٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایسے اقوال ملعونہ بکنے والا کافر مرتد ہے اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر اس سے میل جول حرام ہے، وقف مسلماناں میں اسے دخل دینا حرام ہے، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، اس کا جنازہ اٹھانا حرام ہے، جنازہ کے ساتھ جانا حرام ہے، اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے، اسکی قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے، اسے کسی قسم کا ایصال ثواب کرنا کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی " وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے فوت ہونیوالے پر نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ آپ ان کی قبر پر قیام فرمائیں(ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰
[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱
[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷
[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳
[5] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

جو اسے اب بھی مسلمان جانے یا اس کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔

شفائے امام قاضی عیاض و بزازیہ و بحر الرائق و مجمع الانہر و در مختار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر [1]۔ نسأل الله العفو و العافیة ولاحول ولاقوة الابالله العلی العظیم۔ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾" [2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ کافر ہے (ت) ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور در گزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لاحول ولاقوة ولاباللہ العلی العظیم۔ (ت) اے ہمارے رب! ہدایت فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے فضل سے ہمیں رحمت عطا کر، بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸تا۹۱: مرسلہ حکیم محمد حیات خاں صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر اوقاف بشمول مسجد جامع وغیرہ آگرہ میں ایک انجمن کے ماتحت و وزیر نگرانی ہیں جس کے پانچ ممبر ہیں منجملہ ان پانچوں کے ایک ممبر صاحب انجمن ہلال احمر آگرہ کے بھی سکریٹری ہوگئے ہیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ کچھ ترک قسطنطنیہ سے بغرض اظہار شکریہ مسلمانان آگرہ میں تشریف لائے اور بایماء ان ممبر صاحب کے جو ہلال احمر کے سکریٹری ہیں بلادریافت دیگر ممبران کمیٹی ایک جلسہ مسجد جامع آگرہ میں منعقد ہوا اس جلسہ کے متعلق جملہ انتظامات ممبر صاحب موصوف نے ملازمان مسجد سے کرائے اور جو کچھ روشنی میں خرچ ہوا وہ انجمن اوقاف متذکرہ صدر سے دلوایا اور یہ کہا کہ چونکہ مسجد جامع مسلمان آگرہ کی ہے اور یہ جلسہ مسلمانان آگرہ کا تھا اگر مسجد میں روشنی زائد نہ ہوتی تو باعث بدنامی مسلمانان تھا اس کارروائی پر دو ممبر معترض ہوئے تو ایک چوتھے ممبر صاحب نے وہ جو روشنی میں خرچ کی گئی تھی اپنے پاس سے ادا کردی اور یہ کہا کہ میں رفع نزاع کئے دیتا ہوں پس امورات قابل استفسار یہ ہیں:

(۱) آیا اول ممبر صاحب کا یہ فعل کہ ملازمان وقف سے انجمن ہلال احمر کا کام لیں درست تھا؟

(۲) آیا ایسے ملازم جو ذی استعداد علم دین سے بہرور کہے جاتے ہیں اور انہوں نے خود نیز اپنے ماتحت ملازموں سے بلا ایماء انجمن اوقاف متذکرہ بالا کرائے ان ملازموں کا یہ فعل جائز تھا؟

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

(۳) جو صرفہ آمدنی وقف سے روشنی کا دلوایا گیا وہ جائز تھا؟

(۴) اگر دیگر ممبر نے اس خرچہ کو ادا کردیا تو آمدنی وقف میں شامل کرلئے جانے میں کوئی امر مانع شریعت تو نہیں ہے؟

الجواب:

شرائط اوقاف پر نظر کی جائے اگر معاملہ مذکورہ ان کے تحت میں داخل ہوتا ہو تو حرج نہیں ورنہ اس ممبر کو ایسا کرنا جائز نہ تھا، کام کرنیوالوں نے اگر کار اوقاف کا حرج کرکے کام کیا تو وہ بھی گنہگار ہوئے، ممبر جس نے معاوضہ دے دیا اپنی حسن نیت پر اجر پائے گا اور اس معاوضہ کو قبول کرلینا جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

اکثر سجادہ نشینان ومتولیان ومینیجران وممبران وملازمان وقف آمدنی ہائے جائداد وقف کو اپنی ہی ملک اور اس کی زیادہ تر آمدنی کو بھی اپنے ہی مصارف میں صرف کرنا درست وحق سمجھتے ہیں درانحالیکہ وقف جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ مذہبی ثواب کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے جیسا کہ کلکتہ، مدراس، بمبئی، الہ آباد کی کونسلوں میں بھی تسلیم کیا ہے، پس ان کا ایسا سمجھنا و کرنا برخلاف شرع کرنا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذکورین کے لئے کوئی وعید بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عوام مسلمین کو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

وقف میں اتباع شرط واقف لازم ہے،

فقد قال علماؤنا ان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[1]۔	ہمارے علماء نے فرمایا کہ واقف کی شرط پر عمل شارع کی نص پر عمل کی طرح ضروری ہے۔ (ت)

اگر واقف نے یہی شرط کردی ہے کہ اکثر حصہ اس کا سجادہ نشینوں متولیوں کے صرف میں آئے تو ان کا ایسا کرنا بجا ہے اور ان پر کچھ الزام نہیں، اور اگر شرائط واقف کے خلاف وہ براہ تعدی مال وقف کو ظلمًا اپنے مصارف میں لاتے ہیں تو ظالم ہیں غاصب ہیں واجب الاخراج ہیں، لازم ہے کہ وقف ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیة، ولو الواقف، درر، فغیرہ بالاولی لو غیر مامون[2]۔	لازمی طور پر معزول ہوگا، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی اگر وہ ناقابل اعتماد ہو (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مال وقف مثل مال یتیم ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا، " اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا‌ ؕ وَسَيَـصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ۞ "[1]۔ اگر وہ لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں ان سے میل جول چھوڑ دیں، ان کے پاس بیٹھنا روا نہ رکھیں۔

قال اللہ تعالٰی " وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۞ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب کبھی شیطان تجھے بھلادے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ تا ۱۰۲: از بہرائچ سید واڑہ بدولتکدہ حاجی احمد اللہ شاہ صاحب مرسلہ نواب علی مورخہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

کسی مقام پر ایک بزرگ کا مزار ہے اور اس کے متعلق وقف کی معقول آمدنی ہے خادمان وقف کی بدنظمی سے عدالت نے اس وقف کو خادموں کے ہاتھ سے نکال کر ایک کمیٹی کے سپرد کیا جو وقف کمیٹی کے نام سے موسوم ہے، عدالت نے اس کمیٹی کے ممبران کے لئے جو اس میں شریک ہوں سنی المذہب ہونا ضروری رکھا ہے اور عدالت نے اس وقف کی نگرانی کے لئے قواعد وقف بھی مرتب کئے اور ان قواعد میں اخراجات کے مدات قائم کئے اور یہ شرط کردی کہ بجز ان مدات کے جو قواعد میں درج ہیں کسی دوسرے مدات غیر مندرجہ قواعد میں یہ رقم نہ صرف کی جائے۔

(۱) ان اخراجات کے مدات میں ایک مد خیرات کی بھی ہے جن کے الفاظ وقف قواعد میں یہ ہیں دو خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف وخیرات و تقسیم کھانا کپڑا بغرض پرورش غربا، اگر ایسے خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف سے ان مساجد میں مؤذنوں کو تنخواہ دینا جن کا کوئی تعلق اس وقف سے نہیں ہے یا ایسے ہی دوسرے مصارف مثلاً مدارس اردو انگریزی یا کسی انجمن کے اس مدرسہ کو جس کا کوئی تعلق وقف سے نہیں ہے ان کے مدرسین کو تنخواہ دینا شرعاً جائز ہے؟

(۲) اگر ممبران کمیٹی آمدنی وقف سے ایک مد کی رقم کسی دوسرے مد مندرجہ یا غیر مندرجہ مدات میں صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

کریں اس وقت مسلمانوں کو ان سے باز پرس کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ اس رقم صرف شدہ کے ادا کرنے پر شرع شریف سے مجبور ہیں یا نہیں؟

(۳) ایسے ممبران جو ہر کارروائی وقف کمیٹی کو عام مسلمانوں سے پوشیدہ کریں یا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں یا اپنی خود رائی سے اس وقف کا روپیہ کسی بیجا طور پر صرف کریں تو ایسے لوگوں کا اس وقف کا ممبر رہنا شرعًا جائز ہے یا نہیں اور عام مسلمانوں کو اوقاف کی جانچ کا اختیار ہے یا نہیں؟

(۴) اگر وقف کمیٹی کے اکثر ممبران صدر انجمن وقف کے ہمخیال ہوں اور بوجہ اپنی کثرت رائے کے احکام شرعیہ و نیز قواعد وقف کمیٹی کے خلاف عملدرآمد کریں یا کرتے ہوں اور اسی کمیٹی کا ایک ممبر زید جو ان کا ہمخیال نہیں ہے محض اپنی ذاتی معلومات و واقفیت واطمینان کے لئے متعلق وقف کاغذات وقف کو دیکھنا چاہے اور اس کی اصلاح کرنا چاہے اس وقت وہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں زید کو اس کے ارادہ سے باز رکھیں یا جس کاغذ کو وہ دیکھنا چاہتا ہے اس کو ان کاغذات کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں یا اس کو اس کے فرض منصبی ادا کرنے سے باز رکھیں تو ان کا یہ فعل شرعًا جائز ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۵) قواعد وقف مرتبہ عدالت نے کمیٹی وقف کو اختیار دیا ہے کہ کمیٹی حسب ضرورت دوسرے قواعد علاوہ قواعد مرتبہ عدالت مرتب کرے۔ قواعد وقف مرتبہ عدالت میں کسی ممبر کمیٹی کو جانچ پڑتال کاغذات عام نگرانی کی ممانعت نہیں ہے ایسی صورت میں کیا ممبران وقف وصدر وقف کو یہ اختیار شرعًا حاصل ہے کہ وہ جدید قواعد وقف ایسے مرتب کرلے کہ جس سے زید مذکور کاغذات وقف دیکھنے سے مجبور ہوجائے یا یہ کہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں اپنی کثرت رائے سے یہ قاعدہ پاس کردیں کہ کوئی ممبر وقف کمیٹی بغیر اجازت صدر انجمن وقف کوئی کاغذ نہیں دیکھ سکتا ان کی یہ کارروائی شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۶) سامان روشنی، فرش فروش، خیمہ و قنات و دیگر فرنیچی مثلًا شامیانہ و میز و کرسی وغیرہ جو وقف کی ملک ہیں اہالیان شہر کو ان کی مشروع وغیر مشروع جلسوں میں دینا یا کسی رئیس کی رہائش کے سامان اسی وقف سے دینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۷) مذہبی تقریبات میں جو شیرینی بغرض تقسیم آتی ہے وہ اس محفل کے حاضرین کے لئے مخصوص ہے یا مسلم اور غیر مسلم جو اس تقریب میں شریک نہیں ہے ان کے گھروں میں وہ شیرینی بطور تبرک بھیجنا یا اہالیان شہر کی اس اوقاف کے روپیہ سے دعوت کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۸) اگر کوئی شے یا کتاب جو وقف کی ملک ہے کسی ملازم وقف یا ممبر وقف کمیٹی سے یا کسی غیر شخص سے

تلف ہو جائے تو اس وقت اس کا معاوضہ لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور معاوضہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۹) اگر ممبران وقف کمیٹی یا صدر انجمن وقف کمیٹی ملک وقف شدہ سے کوئی چیز کسی انجمن یا کسی مسجد میں جو غیر متعلق اوقاف ہے ہمیشہ کے لئے دے دیں تو ان کا یہ فعل شرعًا جائزہ یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۱۰) اگر جدید قواعد وقف مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت احکام شرعیہ کا لحاظ کرکے قواعد وقف مرتب ہو سکتے ہیں یا ممبران وقف کمیٹی کی کثرت رائے پر، شرع شریف کس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

الجواب

(۱) وقف میں شرائط واقف کا اتباع واجب ہے، اشباہ والنظائر میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ [1]۔	واجب العمل ہونے میں واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے (ت)

اگر ان مواقع میں صرف کرنا شرط واقف سے جدا ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو یہ صرف محض ناجائز ہے اور اگر واقف نے ہی ان مواقع میں صرف کی اجازت دی ہے جو ان میں مصرف خیر ہو اس میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر شرائط واقف معلوم نہ ہوں تو متولیوں کے عملدرآمد قدیم پر نظر ہو گی کما فی الخیریۃ وغیرہا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت)

(۲) اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گزرا جہاں انہوں نے صرف کیا اگر وہ موافق شرط واقف یا اس کے معلوم نہ ہونے کی حالت میں موافق عملدرآمد قدیم متولیان ہے تو وہ صرف جائز ہوا اور ان سے مطالبہ و باز پرس کی کوئی وجہ نہیں ورنہ ناجائز ہوا اور ضرور باز پرس ہے اور ان پر لازم ہو گا کہ اس کا تاوان وقف کے لئے ادا کریں۔

(۳) اگر روپیہ بیجا صرف کریں تو ضرور ان کا معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف، بزازیہ، فغیرہ بالاولی، درر، لوغیر مامون [2]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، بزازیہ تو غیر کو بطریق اولٰی، درر، اگر وہ قابل اعتماد نہ ہو۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

اور متولیوں کا وقف کی کارروائی پوشیدہ کرنا کوئی جرم نہیں، نہ ہر شخص ان سے حساب کا مطالبہ کرسکتا ہے جب تک خیانت ظاہر نہ ہو کہ وہ منجانب امین ہیں اور امین پر اعتراض نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ یونہی جن کی تولیت بشروط واقف نہ ہو، نہ شرط واقف کے خلاف ہو، اور عام مسلمانوں نے ان کو متولی کیا ہو یا ان کی تولیت پر راضی ہوئے ہوں۔

(۴) ان کا یہ فعل شرعًا جائز نہیں اور ان پر صریح الزام ہے جبکہ وہ دربارہ وقف مخالفت شرع کریں اور دوسرے کو اس کی جانچ سے بھی باز رکھیں۔ حدیث میں ہے:

من استرعی الذئب فقد ظلم۔[1]	جس نے بھیڑیئے کو راعی بنایا تو اس نے ظلم کیا (ت)

(۵) یہ کارروائی محض ناجائز ہے کہ اس سے دفع ظلم کا سد باب مقصود ہے۔ متعلق وقف نئے قوانین احداث کرنے کا کسی کو اختیار نہیں جبکہ وہ شرع مطہر یا شرط واقف کے خلاف ہو نہ کہ ایسی صورت کہ مخالفت احکام شرعیہ کی جائے اور اس کی ممانعت کا دروازہ بند کرنے کو یہ قوانین وضع ہوں ایسا قانون اگر خود شرط واقف میں ہوتا مردود ہوتا وہ ہرگز نہ مانا جاتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مثلًا واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط لگادی کہ اسے کوئی معزول نہ کرسکے اور جو اسے معزول کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہو اور حالت یہ ہو کہ متولی شرعا رکھنے کے قابل نہیں تو فورًا نکال دیا جائے گا اور واقف کی ایک نہ سنی جائے گی اور اس کی وہ لعنت اسی پر واپس جائیگی **کما فی الدر المختار**۔

(۶) حرام ہے، یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں **کما فی العلمگیریۃ عن القنیۃ** (جیسا کہ قنیہ سے عالمگیریہ میں ہے۔ت) نہ کہ زید وعمرو کو نہ کہ نامشروع جلسوں کو۔ یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے ان کا اخراج واجب ہے، **کما مر عن الوجیز والدرر والدر** (جیسا کہ وجیز، درر اور در سے گزرا۔ت)

(۷) غیر مسلم کو مال وقف سے بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں کہ وقف کار خیر کے لئے ہوتا ہے اور غیر مسلم کو دینا کچھ ثواب نہیں **کما فی البحرالرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت)، رہا غیر حاضرین مسلمانوں کے گھروں پر بھیجنا، اس میں وہی شرط واقف یا عملدرآمد قدیم کا لحاظ ہوگا بعض مسلمانوں کی دعوت اگر کسی مصلحت وقف کے لیے ہے تو جائز ہے جبکہ شرط واقف یا عملدرآمد کے موافق ہو یا کسی ضرورتِ خاصہ کے لئے ہو **کما ذکروا للوصی فی مال الیتیم** (جیسا کہ علماء نے یتیم کے مال میں وصی کیلئے

1

فرمایا۔ت) اور اگر بعض مہتمم اپنی بارات میں کسی کو کھلانا چاہیں جو ان صورتوں سے جدا ہو تو کھانا بھی حرام ہے اور کھلانا بھی حرام اور کھلانے والوں پر اس کا تاوان واجب۔

(۸) متولی وقف امین وقف ہے جبکہ اس طرح کا متولی ہو جو اوپر مذکور ہوا اگر اس سے اتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر و بے احتیاطی کے وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہو جائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کردے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے، یہی حکم ملازمان وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہو گئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے، غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا تو منجانب وقف جس کی اسے اجازت تھی اور بے اس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہو گئی مثلا کتب خانہ وقف میں جا کر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول ہو کہ کتابیں دیکھ کر اسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کر دیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجالایا اور کتاب گم ہو گئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر و بے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا، اور بہر حال معاوضہ اس کتاب کی قیمت یعنی بازار کے بھاؤ سے جو اس کے دام ہوں، کتاب کو علماء نے قیمتی ٹھہرایا ہے نہ مثلی مگر اس وقت تک چھاپے نہ تھے، اور کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسی چھاپے کی ہو یعنی اسی بار کی چھپی ہو اور کاغذ بھی ایک ہو اور جلد نہ بندھی ہو تو عجب نہیں کہ مثلی ہو سکے، یعنی کتاب کے معاوضہ میں ایسی ہی کتاب دینی آئے مگر تحقیق یہ ہے کہ چھاپے اور کاغذ کی وحدت بھی مستلزم مثلیت نہیں، ایک کاپی ایک پتھر پر جمی ہوئی اس کے ہزار کاغذ اٹھائے جاتے ہیں، کوئی ہلکا ہے کوئی بھرا ہوا، کوئی بہا ہوا ہے کوئی صاف ہے، تو بات وہی ہے جو علماء نے فرمائی کہ کتاب قیمتی ہے۔

(۹) حرام ہے، اور وہ چیز وہاں سے لی جائے گی اور نہ مل سکے تو ان سے تاوان لیا جائے گا ہم بحوالہ عالمگیری کہہ آئے کہ ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریۃً دینا بھی ناجائز، نہ کہ غیر جگہ دے ڈالنا، جو ایسا کرے واجب العزل ہے۔

(۱۰) وقف کے لئے قوانین کے وضع کرنے کا حال اوپر گزرا کہ خلاف شرط واقف ہر گز جائز نہیں، اور جہاں جواز ہو وہاں قطعاً احکام شرعیہ ہی کا لحاظ فرض ہوگا، ان کے خلاف جس کسی کا بھی کہنا ہو مردود ہوگا، یہاں نہ کثرت رائے دیکھی جاتی ہے نہ اتفاق رائے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] (حکم صرف

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

اللہ تعالٰی کا ہے۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔(ت)

واقف جس کے لئے تصریح ہے کہ در بارہ وقف اس کی شرط مثل نص شارع علیہ الصلوۃ والسلام واجب العمل ہے اس کا تو یہ حال ہے کہ اگر خلاف شرع شرط کرے مردود ہے ہرگز نہ مانی جائے گی، پھر زید وعمرو وکمیٹی کیا چیز ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ فھو رد وان کانت مائۃ شرط شرط اللہ احق واوثق۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسی قوموں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں (جائز) نہیں، اور جو کتاب اللہ کے خلاف شرطیں لگائے تو وہ مردود ہونگی اگرچہ ایسی سو شرطیں ہوں صرف اللہ تعالٰی کی (مقبول) شرطیں ہی حق ہیں اور ثقہ ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳تا۱۰۵: از شہر بمبئی کامبیکر اسٹریٹ چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ ۹جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہر بمبئی کی جامع مسجد کے اکثر متولیوں نے یہ رائے قائم کی کہ ایک کرایہ کی زمین لے کر اس پر ایک مکان وقف کے سرمایہ سے بنایا جائے، جس مکان کی لاگت ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ تک ہو اس حالت میں کہ شہر میں سیکڑوں مکانات دوامی بیعنامہ پر مل سکتے ہیں وقف کی اس قدر بڑی رقم ایک کرایہ کی زمین پر صرف کر دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا زمین کے مالک نے کرایہ زمین کی یہ صورت قائم کی ہے کہ زمین مذکور کی ایک خاص رقم قرار دی جائے اور قیمت پر سالانہ فیصدی للعہ۸ روپیہ کے حساب سے جو سود ہے اس حساب سے زمین مذکور کا ماہواری کرایہ قرار دیا جائے، آیا کرایہ کا یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) چونکہ فی الحال بوجہ جنگ مزدوری لکڑی اور دیگر عماراتی اشیاء کی قیمت تین گنی بلکہ چار گنی ہوگئی ایسے وقت میں وقف مسجد کے سرمایہ کو کرایہ کی زمین پر عمارت بنانے میں صرف کرنا اور تیار شدہ عمارتیں جو کثرت سے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء من اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

ملتی ہیں انہیں نہ خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ یہ عمارت زر مسجد سے کیوں بنائی جاتی ہے اور وہ غرض اغراض وقف مسجد میں داخل ہے یا نہیں، اگر ان اغراض سے خارج ہے تو نہ خریدنا جائز نہ کرایہ پر لینا، اور اگر داخل ہے تو اس غرض کا حصول خاص اس زمین سے تعلق رکھتا ہے جسے متولی کرایہ پر لے کر عمارت بنانا چاہتے ہیں یا اور مکانوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر اور مکانوں سے بھی حاصل ہے اور وہ مول مل سکتے ہیں اور جدید عمارت بنانے اور کثیر کرایہ دینے سے خریداری میں نفع ہے تو متولیوں کو ہرگز جائز نہیں کہ یہ صورت کرایہ اختیار کرکے وقف کو نقصان پہنچائیں،

فان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولانظر فی الضرر۔	ولایت مشروط بشفقت ہے اور ضرر میں شفقت نہیں ہے۔ (ت)

سود ملحوظ کرکے مقدار کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات اور گندہ لحاظ ہے لیکن اگر معین ہو جائے تو اس کرایہ میں حرج نہیں، مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نجس حساب لگا کر پونے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اس لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی، یہ ایسا ہوا کہ ابتداءً کہتا کہ یہ زمین اتنی مدت کو پونے چار روپیہ کرایہ پر کردی، تیسری بات کا جواب مضمون بالا میں آگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از سہسوان ضلع بدایوں قاضی محلّہ مرسلہ سید پرورش علی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

حضور نے تنخواہ ماہوار متولی وقف کو اجیر مثل کا فتوی لکھا ہے، لہٰذا عرض ہے کہ مدرسہ اسلامیہ حنفیّہ سہسوان کی زمین موقوفہ سہسوان سے تین کوس ہے متولی کو سواری وخوراک مع سپاہی فصل ہنگام تحصیل وقت سے ملے گی، نذر، بھیٹ روپیہ، پٹہ وقبولیت بھی حسب رواج ہنگام ماہوار اس کی تنخواہ کا روپیہ مناسب ہے کاشتکاروں سے وصول کرکے مدرسہ پر صرف کرنا، مدرسوں کو ماہوار دینا، تعمیر ومرمت وغیرہ میں خرچ کرنا مالگذاری گورنمنٹی ادا کرنا اس کا کام ہے اتنے کام کی کتنی اجرت ہوگی۔

الجواب:

وقف سے سواری اور ایام کارگزاری کی تنخواہ ملے گی اور ضرورت ہو تو ان ایام میں سپاہی کی تنخواہ بھی، تنخواہ کا تعین کام کی کمی بیشی اور ہر جگہ کے عرف پر ہے، پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ اور اس قسم کے زائد اور بے اصل رقوم کہ رائج ہو رہی ہیں شرعاً باطل ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از شہر بریلی محلّہ فراشی مسئولہ مولوی عبدالعزیز قدرت اللہ خاں صاحب　۲۱رجب المرجب ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ کسی نے دو یا تین مسجدوں کے واسطے نام بنام الگ الگ روپیہ وصیت نامہ سے وقف کیاکہ فلاں مسجد کو اتنااور فلاں کو اتناماہوار دیا جائے، اب خود اس نے ایک مسجد کے نام کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا دیااور اس دوسری مسجد کے نام کا روپیہ بھی اسی دوسری مسجد میں لگادیا، دونوں مسجدوں کے نام ماہوار وقف کیاہے، سوال یہ ہے کہ دوسری مسجد کے ماہوار میں سے پہلی مسجد کا روپیہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور آئندہ بھی ایک مسجد کاماہوار دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو اس کو ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ یہ بھی واضح ہو کہ ہر ایک مسجد کے واسطے خاص خاص دکانوں کا کرایہ وقف ہے واقفہ زندہ ہے اور وصیت نامہ اسی کے قبضہ میں ہے جو رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

جب وقف کی وصیت کی ہے تو اس کا نفاذ بعد موت واقف ہوگا، زندگی میں اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸تا۱۱۳: از فیض آباد چوک مسجد شاہ ٹاٹ مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب پیش امام　۱۶شعبان ۱۳۳۷ھ
حضرات علمائے کرام سوالات ذیل میں از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں:

(۱) مسجد کے متعلق مسجد کی ضرورت سے پاخانہ بناہوا تھااور وہی استنجاخانہ بھی تھا، مسجد کے متعلق ایک تھوڑا سا صحن مسجد کے دکھن جانب تھا جس کا حلقہ پختہ دیوار سے تھااور اسی حلقہ کے گوشہ میں مسجد کا استنجاخانہ تھا جس میں نمازیان مسجد اور مسافران طہارت اور رفع حاجت کرتے تھے۔ زید نے ایک مدرسہ بنانا چاہا جس کے واسطے عمرو نے اپنی ملک سے مدرسہ کے لئے مسجد کے خلف سے ملی ہوئی زمین دی تھی، زید کو وہ حلقہ جو مسجد کے متعلق تھااور پاخانہ دونوں وہ بھی زید نے کھود ڈالا اور تخمیناً دو گز زمین چوڑان میں اور جتنی دور پاخانہ تھا اور اسی سیدھ اتنی ہی زمین پر چوڑان میں ۵ خواہ ۶ گز تک لمبان میں سب بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے غصب کرکے اپنا مدرسہ بڑھا کر بنالیااور تخمیناً تین ہزار اینٹ اسی حلقہ کی جو کھود ڈالی تھی وہ بھی مدرسہ میں لگائی، عام مسلمانوں نے سکوت کیا بوجہ اس کے کہ چند مسلمان ہمخیال زید کے اس کے شریک رہے۔ مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے یہ سب بنوایا تھا کچھ دخل نہ دیا۔ کیا شرعاً زید کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد کا پاخانہ توڑ ڈالے اور معہ پاخانہ کی زمین کے بغیر اجازت عام مسلمانوں کے غصب کرکے مدرسہ بنالے، اینٹ پاخانہ اور حلقہ کی مدرسہ میں لگالے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی حالت میں جبکہ وہ پاخانہ اور استنجا خانہ نمازیان مسجد اور مسافران مسجد کے لئے تھا جس کے کھود ڈالنے سے نمازیوں کو برابر تکلیف رہی اور ہے، زید کا پاخانہ کھود ڈالنا اور مسجد کی ضروریات کا خیال نہ کرنا اور ایسی زمین کو مدرسہ میں داخل کرنا یہ سب شرعًا جائز ہے یا نہیں اور زید اس سے گنہگار ہوا یا نہیں؟

(۳) زید نے مسجد کی پشت پر کا پختہ پشتہ ایک ثلث جو حفاظت دیوار مسجد کے لئے بنایا جاتا ہے کھود ڈالا اور پاخانہ غسل خانہ اور اس کے بدررو (نالی) کا حوض سب مسجد کے پشت دیوار سے بالکل ملا ہوا بلکہ ایک گز مٹی نکال کر بنایا جس سے مسجد میں بو بھی آئے گی، دیوار پشت مسجد میں نونا (شور) بھی لگے گا مسجد کی بیحرمتی بھی ہے کہ پشت مسجد پر پاخانہ بنا ہے، آیا یہ سب فعل زید کے لئے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ شرع دیوار مسجد میں اجازت دیتی ہے کہ مسجد کا پشتہ وزمین پاخانہ کی ضرورت کو کھود ڈالا جائے کہ پاخانہ کی جگہ کچھ کم تھی یا پاخانہ بن نہ سکتا۔ مسجد کی پشت پر سے مہتر آوے گا حوض کا پانی جو بالکل نجاست غلیظہ ہے جس سے مسجد دیوار پر ضرور چھینٹ پڑے گی۔

(۴) زید نے یہ سب کچھ کیا خود اور چند مسلمانوں کی مدد سے، مگر مسلمانان شہر جس میں ہر قسم کے لوگ ہیں زید کی ان تمام باتوں کے خلاف یہ سب زمین مسجد پاخانہ اور وہ زمین جو اس کے متصل مسجد کے متعلق ہے اور اس کی اینٹ سب اپنے تحت تصرف میں لانا بھی سخت خلاف اور رنجیدہ ہیں اس کو جائز نہیں سمجھتے لہٰذا شرعا ہم سب مسلمانوں کو سکوت کرنا چاہئے یا کہ دخل دینا چاہئے اور یہ سب زمین علیحدہ کرلینا چاہئے؟ امید کہ تشفی بخش جواب ہم غریب مسلمانوں کو مرحمت ہووے مع دلیل کے کیونکہ زید بھی مولوی ہے بغیر دلیل کے وہ ہم لوگوں کی کیوں مانے گا۔

(۵) کیا زمین متعلقہ مسجد یا استنجا خانہ وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کی اجازت سے شرعًا منہدم ہوسکتا ہے ایسی حالت میں جبکہ وہ مسجد کے کام میں نہ آئے بلکہ دوسرے کام میں آئے وہ اجازت کے مجاز ہیں۔

(۶) مسجد میں پاخانہ یا پیشاب خانہ بنانے میں کچھ پورپ پچھم میں فرق ہے یا نہیں؟ اور مسجد سے کتنے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنانا چاہئے اس کی کوئی حد شرعًا جو ہو حکم فرمایا جائے اور نجاست کے پانی سے مسجد کی دیوار میں اگر اثر پہنچے تو شرعًا کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب:

(او۲) یہ فعل زید کا حرام قطعی ہے، ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلاً دکان کو رباط کردیں یا رباط کو دکان، یہ حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لاتجوز تغییر الوقف عن هیئته[1]۔	وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ کہ سرے سے موقوف علیہ بدل دیا جائے، متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے۔

(۳) یہ بھی زید کا ویسا ہی تصرف ہے، حرام و ناجائز ہے۔ مسجد کا پشتہ کھودنا حرام، اور اسے ماورائے مسجد دوسرے کام خصوصًا ایسے ناپاک کام میں صرف کرنا صریح ظلم و غصب و بیحرمتی مسجد ہے۔

صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روزِ قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا[2]۔

(۴) مسلمانون کو زید کی ایسی بیجادست برد و ظلم پر سکوت حرام ہے اور چارہ جوئی فرض۔ لازم ہے کہ بذریعہ حکومت مسجد کی وہ پہلی زمین اور پشتہ کی زمین سب اس کے قبضہ سے نکلوائی جائے اور پہلے جس حالت پر تھی اسی حالت پر جبرًا اس سے کرائی جائے اور جتنی اینٹیں اس نے تصرف میں کرلی ہیں وہ متمیز ہوں تو واپس لی جائیں ورنہ ان کی قیمت لی جائے اور جتنے دنوں یہ استنجا خانہ وپشتہ وغیرہ کی زمین اس کے قبضہ میں رہی یا تاانفصال رہے اس سب کا کرایہ اس سے مسجد کے لئے لیا جائے **کما قد نصوا علیه قاطبة فی الکتب المعتمدة** (جیسا کہ تمام معتبر کتب میں اس پر نص موجود ہے۔ت)

(۵) مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کرسکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

(۶) مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے، ولہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیاسلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: **وان یمر فیه بلحم نیئ**[3]۔ یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں، حالانکہ کچے گوشت کی بو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی، مسجد عام جماعت کیلئے بنائی جاتی ہے اور جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے یہاں تک کہ ترک جماعت پر صحیح حدیث میں فرمایا: ظلم ہے اور کفر ہے۔ اور نفاق یہ کہ آدمی اللہ کے منادی کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[3] سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

لوصلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذا المتخلف لترکتم سنۃ نبیکم ولوترکتم سنۃ نبیکم لضللتم [1] وفی روایۃ ابی داؤد لکفرتم [2]۔	یعنی اگر مسجد میں جماعت کو حاضر نہ ہوگے اور گھروں میں نماز پڑھو گے تو گمراہ ہوجاؤ گے ایمان سے نکل جاؤ گے (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے تم کافر ہوجاؤ گے۔ت)

بایں ہمہ صحیحین کی حدیث میں ارشاد ہوا:

من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلایقربن مصلانا [3]۔	جو اس گندے پیڑ میں سے کھالے یعنی کچا پیاز یا کچا لہسن وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔

اور فرمایا: **فان الملئکۃ تتأذی ممایتأذی منہ بنواٰدم** [4]۔ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اگر مسجد خالی ہے تو اس میں کسی بو کا داخل کرنا اس وقت جائز ہو کہ کوئی آدمی نہیں جو اس سے ایذا پائے گا ایسا نہیں بلکہ ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں اس سے جس سے ایذا پاتا ہے انسان۔ مسجد کو نجاست سے بچانا فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴تا۱۱۹: از بمبئی کامبیکرات اسٹریٹ المعروف چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ صاحب مشاور جامع مسجد کمیٹی، ۱۶رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین زادہم اللہ تعالٰی شرفاً وتعظیماً ان صور مسئولہ میں جو کہ ذیل حسب نمبر مندرج ہیں:

اول: یہ کہ شہر بمبئی میں ایک مسجد عظیم الشان رفیع البنیان جامع مسجد ہے اور اس کی بنا وسط شہر میں ایسی جگہ واقع ہے جس کے چوطرف کوئی مکان نہیں ہے اور اس میں ہوا بکثرت آتی کیونکہ سب اطراف اس کے فارغ ہیں بلکہ بعض اوقات بسبب کثرت ہوا مصلی دریچہائے مسجد کو بند کرتے ہیں، اس مسجد کی بنا پہلے ہی سے نہایت عمدہ وشاندار تھی مگر قبل از چند سال حضرات مشاورین نے اپنی رائے سے اس میں کسی قدر تبدل وتغیر کیا اور تخمیناً اس ترمیم وتبدیل میں تخمیناً تین لاکھ روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے کیا گیا اس

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل صلٰوۃ والجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

مسجد کی روشنی کے لئے قبل از چند سال بصرف مبلغ دس بارہ ہزار روپیہ ہانڈیاں و جھومر بلوری وغیرہ اسباب روشنی کا خرید کرکے نہایت اعلٰی پیمانہ پر مشاورین قدیم نے انتظام کیا تھا بعد از چند سال مشاورین جدید نے اس انتظام کو ناقابل و غیر مکتفی سمجھ کر تقریبًا بیس ہزار روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے گیس کی روشنی کی تجویز کی اور طبقہ زیریں اور بالا پر گیس کے نل وغیرہ سقف وجدار مسجد میں نصب کئے گئے تھے اور چند سال تک یہ گیس یعنی دخان کی روشنی کا مسجد میں انتظام رہا، مگر جبکہ مسجد بطریق بیان بالا ترمیم و تغیر کرنے میں آئی اس وقت یہ سب گیس کی روشنی کے نل وغیرہ جو کہ سقف وجدار میں نصب کیے گئے تھے ضائع وخراب وبرباد ہوئے پھر تجدیدًا حضرات مشاورین نے بکثرت رائے مشاورین نئے سرے سے گیس کی روشنی کا انتظام کیا اور طبقہ زیریں میں سقف وجدار میں نل نصب کئے اس امر کو ایک سال کا عرصہ منقضی نہیں ہوا ہے کہ مشاورین مذکور چاہتے ہیں کہ مسجد میں برقی روشنی اور برقی پنکھوں کا انتظام واہتمام بصرف مال مسجد کیا جائے پس جملہ احوال سوال مذکور پر غور فرما کر بیان فرمادیں کہ یہ جو وقتًا فوقتًا در بارہ روشنی اخراجات کثیرہ کئے گئے ہیں یہ مال وقف میں تصرف بیجا وناز یبائے شرع ہیں یا نہیں؟ بیان فرمائیں۔

ثانی: یہ کہ جب مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور مسجد مذکور کے دیواروں میں دریچہائے کلاں بکثرت بنائے گئے ہیں اور ہر وقت ہوا وہاں موجود و متموج ہے بلکہ بعض وقت حسب بیان سوال اول کھڑکیاں بسبب کثرت ہوا کے بند کی جاتی ہیں، پس ایسی صورت میں مال وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ تجربتًا یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخل نماز و مبطل خشوع و خضوع، بناءً علیہ اس طرح کے پنکھے بلاضرورت بصرف مال مسجد بنانا شرعًا جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) یہ امر بتحقیق تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاء ناپاک و نجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرف مال وقف شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی و برقی پنکھوں میں زیادہ تر خوف آتشزدگی ہے، چنانچہ الیکٹری سے اس قسم کی آتشزدگی کے واقعات بہت ہوچکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں، پس صورت مذکور میں ایسی خوفناک وحشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۶) یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقول اطباء روشنی برقی مضر بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا

بھی نقصان رسان صحت ہے، چنانچہ اس قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکم جون سنہ رواں مطبوع ہے جو اخبار کہ بسر پرستی جناب حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خاں صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکلا کرتا ہے، پس ایسی مضرت رساں صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) یہ تصرفات محض ظلم واسراف وتضییع مال اوقاف ہیں علماء نے ایک چراغ وقف کے صبح تک روشن رکھنے کو ناجائز بتایا جب تک واقف سے نصًا یا عرفًا اس کی اجازت ثابت نہ ہو نہ کہ بار بار یہ ہزار ہا روپوں کا صرف بیکار، متولیوں کو کسی صرف جدید کے احداث کی اجازت نہیں ہوسکتی، اگر بلا مسوغ شرعی اس میں مال وقف صرف کرینگے وہ صرف ان کی ذات پر پڑے گا اور جتنا مال مسجد اس میں خرچ کیا اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا، واقف نے اگر مسجد میں کنگرے نہ بنائے تھے اور متولی مال وقف سے بنائے گا گنہگار ہوگا اور تاوان دے گا، نمازیوں کو اگر بے منارہ کے اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے تو متولی مال مسجد سے منارہ نہیں بناسکتا، بنائے گا تو اس پر تاوان آئے گا، واقف نے فراش مسجد کا کوئی وظیفہ نہ رکھا تھا، متولی تو متولی حاکم کو حلال نہیں کہ اس میں فراش کا وظیفہ حادث کرے، نہ فراش کو وہ وظیفہ لینا حلال۔ بنائے مسجد بسکہ عمدہ ومحکم تھی تو متولیوں کو اس کا شہید کرنا اور نقشہ بدلنا اور اس میں مسجد کے تین لاکھ روپے اڑا دینا اور اس کے سبب بیس ہزار کے نل برباد کرنا اور پھر گیاس کی روشنی میں بیس ہزار اور اڑانا، اور اب اسے بھی تباہ کرکے برقی روشنی کی کوشش کرنا اور اس میں مال مسجد برباد کرنا، یہ تمام افعال حرام تھے اور ہیں، متولیوں پر ان لاکھوں روپوں کا تاوان لازم ہے کہ اپنی گرہ سے ادا کریں، اور واجب ہے کہ ایسے مسرف متولی معزول کئے جائیں اور ان کی جگہ مسلمان متدین ہوشیار کار گزار خداترس دیانتدار مقرر کئے جائیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووقف علی دھن السراج للمسجد لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین ویجوز الی ثلث اللیل ونصفه اذااحتیج الیه للصلٰوۃ فیه کذا فی السراج الوھاج ولایجوز ان یترك فیه کل اللیل الافی موضع جرت العادة فیه بذٰلك کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و المسجد الحرام	اگر مسجد کے چراغ کے تیل کے لئے کوئی وقف کیا تو تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہ ہوگا بلکہ صرف نمازیوں کی ضرورت کے مطابق اور تہائی رات تک، اگر ضرورت ہو تو نصف رات تک روشن رکھا جائے، تاکہ نمازی عبادت کرسکیں، یونہی السراج الوہاج میں ہے۔ اور تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہیں، ہاں ایسے مقامات جہاں ایسی عادت جاری چلی آرہی ہے، جیسا کہ مسجد بیت المقدس او مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ہے، یا واقف نے تمام

اوشرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کماجرت به العادة فی زماننا کذافی البحر الرائق [1]۔	رات روشن رکھنے کی شرط لگار کھی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں یہ عادت بن چکی ہے، بحرالرائق میں یونہی ہے (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارة المسجد شرفا من ذٰلك ولو فعل یکون ضامنا [2]۔	منتظم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مسجد کی عمارت پر وقف مال سے کوئی بالاخانہ بنائے، اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

یجوز ان یبنی منارة من غلة وقف المسجد ان احتاج الیها لیکون اسمع للجیران وان کانوا یسمعون الاذان بدون المنارة فلا [3]۔	ارد گرد کے لوگوں کو آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے وقف کی آمدنی سے مینار بنانا جائز ہے بشرط ضرورت، اور اگر منارہ کے بغیر اذان کی آواز لوگ سن لیتے ہوں تو پھر جائز نہیں (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرة والولوالجیة وغیرهما بان القاضی اذا قرر فراشا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلك ولم یحل للفراش تناول المعلوم قال فی البحر فان قلت فی تقریر الفراش مصلحة قلت یمکن خدمة المسجد بدون تقریره بان یستاجر المتولی فراشا	قاضی کو وقف میں نئی عمارت بنانا ضرورت شرعی کے بغیر جائز نہیں تو متولی کیسے کر سکتا ہے جبکہ ذخیرہ اور ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے صفائی والا مقرر کیا تو اسے جائز نہیں اور اس صفائی والے کو مقرر وظیفہ لینا جائز نہیں ہے اور بحر میں فرمایا اگر تیرا اعتراض ہو کہ صفائی والے کی تقرری میں اصلاح کی صورت ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس تقرری کے بغیر بھی مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب جعل دارہ مسجدًا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۲

[3] خزانۃ المفتین کتاب الوقف قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۴

لہ والممنوع تقریرہ فی وظیفۃ تکون حقالہ[1]۔	خدمت ممکن ہے کہ متولی کسی کو اجرت دے کر کرالے جبکہ مستقل تقرری جس پر وظیفہ مقرر ہو منع ہے۔(ت)

ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضہ ویبنیہ ثانیا احکم من البناء الاول لیس لہ ذلك لانہ لاولایۃ لہ، مضمرات، الاان یخاف ان ینہدم، تاتارخانیۃ، وتاویلہ ان لم یکن البانی من اھل تلك المحلۃ اما اھلہا فلھم ان یھدموا ویجددوا بنائہ لکن من مالھم لامن مال المسجد الابامر القاضی[2]۔	تعمیر شدہ مسجد کو گراکر کوئی شخص نئی مضبوط عمارت بنانا چاہے تو اسے یہ اختیارات نہیں کیونکہ اس کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے، مضمرات۔ مگر اس صورت میں جب عمارت منہدم ہونے کا خطرہ ہو، تاتارخانیہ۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ تعمیر کرنے والا محلّہ دار نہ ہو، اگر وہاں کا محلّہ دار ہو تو محلے والوں کو اختیار ہے گراکر دوبارہ تعمیر کریں لیکن اپنے مال سے، نہ کہ مسجد کے مال سے، ہاں اگر قاضی کی اجازت ہو تو مسجد کا مال خرچ کرسکتے ہیں۔(ت)

خلاصہ وتنویر الابصار میں ہے:

لاباس بنقشہ خلامحرابہ بجص وماء ذھب بمالہ لامن مال الوقف وضمن متولیہ لوفعل[3]۔	جص اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش ونگار محراب کو چھوڑ کر کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی ذاتی مال سے کرے، وقف کے مال سے جائز نہیں، اگر متولی نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔(ت)

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

امامن مال الوقف فلاشك انہ لایجوز للمتولی فعلہ مطلقًا لعدم الفائدۃ فیہ[4]۔	لیکن وقف مال سے ایسا کرنا بلاشبہ متولی کو مطلقًا جائز نہیں کیونکہ اس میں وقف کا کوئی فائدہ نہیں ہے(ت)

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

[2] فتاوی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۳

درمختار میں ہے:

الا اذا کان الواقف فعل مثلہ لقولھم انہ یعمر الوقف کما کان[1]۔	ہاں اگر واقف ایسا کرتا رہا ہو تو پھر وقف مال سے جائز ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ متولی اسی طرح تعمیر کرے جس طرح پہلے تھی (ت)

فتح القدیر پھر شرح علامہ بیری پھر ابن عابدین میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ ولا موجب لتجویزہ لان الموجب الشرط والضرورۃ ولا ضرورۃ فی ھذا اذلا تجب الزیادۃ بل تبقیہ کما کان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا واجب ہے کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے کیونکہ موجب صرف وقف کی شرط یا ضرورت ہے اور اس میں کسی زیادتی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔(ت)

(۲) اولاً ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے، مدخل الی الشریعۃ میں ہے:

قد منع علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی المراوح اذ ان اتخاذھا فی المسجد بدعۃ[3]۔	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرشی پنکھا مسجد میں لگانا ناجائز کہا ہے کیونکہ مسجد میں ایسا کرنا بدعت ہے۔(ت)

ثانیاً: جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مال وقف سے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾"[4]۔	اسراف نہ کرو اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا	اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب ما یفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۲۲

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱

قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال[1]۔	فرمایا ہے قیل و قال، بغیر ضرورت سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔ (ت)

ثالثًا: یہ وقف میں صرف جدید کا احداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہو سکتی کما بیّنا۔

رابعًا: جب طبًّا اس پنکھے کی ہوا مضر صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا نہ کہ مسجد میں نہ کہ مال وقف سے، کما یأتی۔

(۳) بیشک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

کرہ وقت حضور طعام تاقت نفسہ الیہ وکذا کل مایشغل بالہ عن افعالھا ویخل بخشوعھا کائنا ما کان[2]۔	نفس کی خواہش ہو تو کھانے کے وقت نماز مکروہ ہے اور یونہی ہر وہ چیز جس سے نماز میں دل مصروف رہے اور خشوع میں خلل انداز ہو، جو بھی ہو۔ (ت)

نیز شرح تنویر میں ہے: ولذا تکرہ فی طاحون[3] (اسی لئے چکی خانہ میں نماز مکروہ ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

لعل وجھہ شغل البال بصوتھا[4]۔	ہوسکتا ہے اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کی مشغولیت ہو (ت)

(۴) اس صورت میں وہ پنکھا مطلقًا خود ہی ناجائز ہے اگرچہ پہلی چار وجہ نہ بھی ہوتیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ ادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[5]۔	مسجد میں نجاست کا داخل کرنا منع ہے اس لئے ناپاک تیل سے مسجد میں چراغ روشن کرنا جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث المغیرۃ بن شعبۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۶

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۵

[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

(۵) یہ بھی کافی وجہ اس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مراحدکم فی مسجدنا اوفی سوقنا ومعه نبل فلیمسك علی نصالها بکفه لایعقر مسلما[1]۔رواہ البخاری ومسلم وابوداؤدو ابن ماجة عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم ہماری مساجد وبازار سے گزرو تو اپنے نیزوں کے پھالوں کو قابو رکھو اگر پاس نیزے ہوں تاکہ کسی مسلمان کو نہ لگے۔اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نمتم فاطفؤا السراج فان الفارة تاخذ الفتیلة فتحرق اهل البیت[2]۔رواہ احمد والطبرانی والحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن سرجس والحدیث فی الصحیحین من وجوہ۔	جب سونے کا ارادہ ہو تو چراغ کو بجھادو، ممکن ہے کہ چوہیا چراغ کے فتیلہ کو کھینچ کر گھر والوں کو جلادے،اس کو احمد، طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیحین میں یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔(ت)

(۶) جب ازروئے طب ان کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلٰی وجہ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے، اور یہ حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار[3]۔رواہ احمد و ابن ماجة عن ابن عباس وابن ماجة عن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	ضرر رسانی ناجائز ہے۔اس کو احمد اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اس میں مسلمانوں کی بدخواہی ہوئی اور یہ خلاف دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله	بلاشبہ دین اللہ تعالٰی، اسکی کتاب، اس کے

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حمل السلاح فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۷، مسند احمد بن حنبل حدیث ابوموسٰی الاشعری دارالفکر بیروت ۴/ ۳۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ بن سرجس دارالفکر بیروت ۵/ ۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل اخبار عبادة بن الصامت دارالفکر بیروت ۵/ ۳۲۷

ولائمة المسلمین وعامتھم[1]۔رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ،واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اور مسلمانوں کے ائمہ اور عوام الناس کے لئے خلوص کانام ہے۔اس کو مسلم،ابوداؤد،نسائی نے تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰تا۱۲۱: از بہاولپور ریاست سپرنٹنڈنٹ یتیم خانہ وسکریٹری اوقاف ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ پنجشنبہ

حضور ایک کمیٹی ریاست بہاولپور میں منتظم آمدنی وخرچ اوقاف مساجد کی ہے اس کو دو مسئلہ کی اس وقت ضرورت ہے اس پر شرعی فتوے سے روشنی فرماکر باراحسان فرمائیں:

اول: مسجد کی جائداد وقف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصارف میں خرچ ہوسکتی ہے یانہ؟

دوم: اگر کوئی شخص سال تمام کے وعدہ پر دکان وقف کو کرایہ پر لے اور درمیان سال میں بوجہ بیماری وغیرہ چھوڑدے تو کیا ممبران اوقاف باقیماندہ کرایہ چھوڑ سکتے ہیں؟فقط۔

الجواب:

(۱) ہر گز جائز نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں لوٹے حاجت سے زائد ہوں اور دوسری میں نہیں تو اس کے لوٹے اس میں بھیجنے کی اجازت نہیں۔

(۲) اگر اس نے عذر صحیح شرعی سے چھوڑا تو باقیماندہ کرایہ چھوڑا جائے گا ورنہ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: از انجمن اسلامیہ،بریلی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یتیم خانہ اسلامیہ،بریلی میں وہ یتیم جن کی عمر ۱۶ سال ۲ ماہ کی ہے ان کی یہ دریافت طلب ہے کہ اس عمر والوں کو بموجب شرع شریف کے پرورش کرنے اور روٹی کپڑا دینے کا بار یتیم خانہ کے ذمہ ضروری ہے یانہیں؟ان لڑکوں کی حالت یہ ہے کہ سردست یہ اس قابل نہیں ہوئے کہ یتیم خانہ سے نکلتے ہی وہ خود اپنے قوت بازو سے معاش حاصل کرسکیں،اور اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو اگر اس طرح چھوڑ دیا جائے گا تو یہ آوارہ گردی اور بداطواری میں مبتلا ہوجائیں گے،اور امید ہے کہ چھ سات ماہ کوشش کرکے ان کو اس قابل کردیا جائے گا کہ وہ کوئی پیشہ یا صنعت سیکھ کر اپنی معاش وجہ حلال سے پیدا کرسکیں گے اور اس عرصہ میں ان کے واسطے کوئی صورت معاش حاصل کرنے کی پیدا کردیجائے گی،

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴

پس اس صورت میں اگر ان لڑکوں کو اس عرصہ تک جب تک کہ وہ معاش پیدا کرنے کے قابل ہوسکیں یتیم خانہ میں رکھا جائے اور ان کے ضروری مصارف خورد نوش کا تکفل یتیم خانہ سے کیا جائے تو عند الشرع یہ مصارف اسلامی چندہ کی امانت سے جو یتیموں ہی کے واسطے وصول کیا گیا ہے جائز ہوں گے یا ناجائز؟ اور اس روپیہ کے اس مدت میں صرف کرنے کا مواخذہ عندالشرع مہتممان یتیم خانہ کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زر چندہ شرعًا ملک چندہ دہندہ پر باقی رہتا ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اس میں اجازت چندہ دہندگان پر مدار ہے اگر قدیم سے معمول یتیم خانہ رہا ہو کہ جو یتیم حد یتیم شرعی سے نکل کر بالغ ہو جائیں اور وہ بھی اپنے لئے رزق حلال کسب کرنے کے قابل ہونے تک ان کو یتیم خانہ میں رکھا جاتا اور زر چندہ سے ان کا خرچ کیا جاتا ہو، چندہ دہندگان اس پر آگاہ ہوا کئے اور اس پر راضی رہا کئے تو اب بھی جائز ہے **لان المعروف کالمشروط والاجازۃ دلالۃ کالاذن الصریح** (کیونکہ معروف چیز مشروط چیز کی طرح ہوتی ہے اور دلالۃً اجازت بھی صریح اجازت کی طرح ہے۔ت) اور اگر پہلے سے یہ معہود اور معروف نہ رہا اور اب تمام چندہ دہندوں سے اجازت لینی ممکن ہو تو اجازت لے کر کرسکتے ہیں،

لان المال لھم فیصرف باذنھم ولیس ھذا خلاف سبیل البرحتی یکرہ لھم الرجوع عنہ بل ربما یؤیدہ ویرغب الیتامٰی فی دخول ھذہ الجمیعۃ۔	کیونکہ مال ان کا ہے اس لئے ان کی اجازت سے خرچ کیا جائے اور یہ راہ نیکی کے خلاف نہیں ہے حتی کہ واپس لینا مکروہ ہے بلکہ اس میں نیکی کے لئے رغبت ہے اور یتیموں کو اس اجتماعیت میں شرکت کی رغبت ہوسکتی ہے (ت)

اور اگر سب سے اجازت نہ لے کر تو آئندہ مہینے کے چندے میں بقدر کفایت چند اشخاص سے اجازت لے لیجائے کہ تمہارا یہ چندہ جس حالت کے انقضا تک اس کام میں صرف ہوگا جو اجازت دیں ان کا چندہ باقی زر چندہ سے جدا رکھ کر خاص اس کام میں صرف کریں یہاں تک کہ پورا ہو اور اگر کوئی اجازت نہ دے یا جس قدر پر اجازت پائی اس سے زیادہ اس کام میں اٹھایا جائے تو ضرور حرام ہوگا اور اس کا مواخذہ مہتمموں پر رہیگا اور جن جن کا وہ چندہ تھا ان سب کا تاوان ان پر لازم آئے گا **لانھم تعدوا علی اموالھم والمتعدی غاصب والغصب مضمون** (کیونکہ انہوں نے دوسرے کے مال پر تعدی کی ہے اور تعدی غصب ہے اور غاصب سے ضمان لیا جاتا ہے۔ت) اور اگر وہ یتیم حالت یتم سے یتیم خانہ میں تھے اور بعد ظہور بلوغ یا

پندرہ سال کی عمر پوری ہونے کے یتیم خانہ سے ان پر صرف کیا گیا اور اجازت مذکورہ نصًا یا عرفاً ثابت نہ تھی تو سال بھر سے زائد یہ مواخذہ ذمہ مہتممان لازم اور تاوان ادا کرنا واجب ہو چکا صرف آئندہ سے سوال کیوں **واللہ الھادی** برادران اسلام کو احکام اسلام سے اطلاع دینی خیر خواہی ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہر مسلمان کا حق ہے **والدین النصح لکل مسلم**[1] (دین تمام مسلمانوں کیلئے خلوص اور بھلائی کا نام ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: ازاکبرآباد جامع مسجد مسئولہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

حضرت مولانا بالفضل والمعرفۃ اولانا مجدد مائۃ حاضرہ دام مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک استفتا ارسال خدمت اقدس ہے، امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمایا جاؤں، یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے اور میری نظر سے ابھی کوئی نظیر ایسی نہیں گزری جس سے تشفی بخش جواب دیا جاسکتا، خیال ہوتا ہے کہ زید وکیل بالقبض ہے مگر سارا باب وکالت کا دیکھ ڈالا یہ صورت ایسی انوکھی ہے کہ صاف جواب نہیں ملتا، لہٰذا تصدیعہ وہ خدمت اقدس عالیہ ہوا زیادہ والتسلیم بہزار تفخیم، عاجز محمد رمضان عفی عنہ واعظ جامع مسجد آگرہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا عمرو نے پانچسو روپے کا ایک چک دیا جو نوٹ نہیں تھا بلکہ کتاب کا ورق تھا جس کے ذریعہ سے بنک سے روپیہ وصول کیا جاسکتا ہے کہ بنک سے روپیہ وصول کرکے اس رقم میں شامل کرلی جائے وہ چندہ زید کے پاس جمع ہوا جو اس مسجد کے متولیوں میں سے ایک متولی تھا اس نے چک کا روپیہ وصول نہیں کیا خواہ غفلت سے خواہ اس چک میں بنک کی جانب سے کوئی اعتراض ہو ازاں بعد زید کا انتقال ہوگیا اور ورثائے زید نے بھی روپیہ وصول نہیں کیا ازاں بعد عمرو کا بھی انتقال ہوگیا باقی متولیان مسجد مذکورہ نے ورثائے زید پر اس جمع شدہ چندہ کی نالش کرکے ڈگری بھی حاصل کرلی ورثائے زید سے اس چک کا روپیہ وصول کرنا کہ ان کے مورث کی غفلت یا بنک کے کسی اعتراض کی وجہ سے وصول نہیں ہوا تھا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے یا نادرست؟ یہ ملحوظ رہے کہ وہ چک اب کسی کام کا نہیں رہا، **بینوا بالکتاب تؤجروا عند اللہ احسن ثواب** (کتاب سے بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر وثواب پاؤ۔ت) **فقط۔**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۵

الجواب:

صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کی وہ نالش محض باطل تھی اور ڈگری سراسر خلاف شرع ہوئی، وہ روپیہ مسجد میں لینا نرا حرام ہے، اور اگر لے لیا ہے تو ورثائے زید کو واپس دینا فرض ہے، ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے، عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیر مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد اومصالح المسجد صح لانہ ان کان لایمکن تصحیحہ وقفا یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی ھذا الوجہ صحیح ویتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ[1]۔	اگر کسی شخص نے مسجد کی عمارت یا اس کے اخراجات یا مصالح کے لئے بطور چندہ ایک درہم دیا تو جائز ہے کیونکہ اگر وقف کے طور پر صحیح نہ ہو تو ہبہ کے طور پر اس کی صحت ہوسکتی ہے کہ مسجد کے لئے یہ تملیک ہوجائیگی جبکہ اس طرح مسجد کے لئے تملیک صحیح ہے اور قبضہ ہوجانے پر ہبہ تمام ہوجائے گا۔ حسامیہ کے واقعات میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین وغیرہا میں ہے اس تقدیر پر یہ ھبۃ الدین عمن غیر من علیہ الدین مع تسلیطہ علی القبض (غیر مدیون کو قبضہ پر اختیار دے کر دین کا ہبہ کیا گیا ہے۔ت) ہوا، متولیان مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اسکے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملک عمرو پر تھا، صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملک مالک سے خروج کیا معنی،

وقد حققنا فی فتاوٰنا ان مایجمع من الناس لمصرف خیر یبقی علی ملك المعطیین۔	ہم نے اپنے فتاوٰی میں یہ تحقیق کردی ہے کہ لوگوں سے کسی اچھے مصرف کے لئے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے وہ چندہ دینے والے لوگوں کی ملکیت ہی رہتا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ	کسی شخص نے لوگوں سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ٤٦٠

فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجته ثم ردبدلها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه [1] الخ۔	جمع کیااور ان دراہم کو اس نے اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرلیا پھر اس کے بدلے مسجد کی ضرورت میں اپنامال خرچ کیاتو ایسا کرنے کا اس کو اختیار نہیں ہے اگر کرلیا تو چندہ دینے والوں کو چندہ واپس کرے یاان سے نئی اجازت طلب کرے اگر چندہ دینے والوں کا علم ہو۔(ت)

اور صورت اولٰی میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفید ملک موہوب لہ نہیں ہوتا، ابھی واقعات حسامیہ وہندیہ سے ہبہ مسجد میں گزراکہ یتم بالقبض (قبضہ ہوجانے سے ہبہ تام ہوجاتا ہے۔ت) اسعاف پھر بحرالرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبهم شیئ قالوایصرف الفاضل فی بنائه ولایصرف الی الدهن والحصیر هذا اذاسلموه الی المتولی لیبنی به المسجد والایکون الفاضل لهم یصنعون به ماشاؤا [2]۔	اگر قوم نے مل کر مسجد تعمیر کی اور کچھ تعمیراتی سامان لکڑی وغیرہ بچ جائے تو فقہاء نے فرمایا کہ بچے ہوئے کو اسی عمارت میں خرچ کرے اوراس کو دوسرے مصارف مثلاً مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ میں نہ خرچ کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ قوم نے متولی کو یہ کہہ کر سونپا ہو کہ اس کو تعمیر میں خرچ کردو، ورنہ فالتو سامان ان دینے والوں کی ملکیت رہے گا وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایصح تملیکه ای الدین من غیر من هو علیه الا اذاسلطه علی قبضه فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسه [3]۔	اس کی یعنی قرض کی مقروض کے غیر کو تملیک جائز نہیں تاوقتیکہ اس غیر کو قرض کی وصولی پر مقرر نہ کردے تاکہ یہ اس مالک کی طرف سے وصولی کا وکیل بن کر پھر اپنے لئے وصولی کامالک بن جائے(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الاوقاف التی یستغنی عنہا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین فائدہ نمبر ۵ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

جامع الفصولین میں ہے:

هبة الدین ممن لیس علیه لم تجز الااذا سلطه علٰی قبضه فیصیر کانه وهبه حین قبضه ولایصح الا بقبضه[1] (ملتقطًا)۔	قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگاجب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے، تو یوں قبضہ کرلینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کا قبضہ ہوجانے پر صحیح ہوجائے گا(ملتقطا (ت)

یہاں اگر موت عمرو سے پہلے چک بیکار ہوگا تو ہبہ بوجہ ہلاک موہوب قبل القبض باطل ہوگیا اور اگر موت عمرو کے بعد بیکار ہوا تو بوجہ موت واہب قبل تسلیم کمافی الدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ت) بہر حال مسجد کے لئے ملک اصلا نہ ہوئی تو متولیان مسجد کو اس کا مطالبہ کس بناء پر پہنچ سکتا تھا، نہ کسی طرح ان کی ڈگری ہوسکتی تھی نہ ہرگز انہیں اس کا لینا حلال، نہ مسجد میں خرچ کرنا حلال، معہذا غفلت اگر جرم ہے تو نہ صرف زید بلکہ سب متولیوں کا کہ جب عمرو نے وہ چک مسجد کو دیا تھا ہر متولی کو مسجد کے لئے اس کا حاصل کرنا تھا فقط زید کے پاس جمع کردینے سے کیا باقی سب تولیت مسجد سے خارج ہوگئے اگر خارج ہوگئے تو انہوں نے دعوی کس بنا پر کیا اور اگر خارج نہ ہوئے تو انہوں نے کیوں نہ وصول کیا یا کرایا، کیوں مال ضائع ہونے دیا، جرم ہے تو سبھی پر ہے، بلکہ اگر چک بعد موت زید بیکار ہوا تو تنہا باقیوں پر الزام ہے کہ ورثاء متولی نہیں، ان متولیوں نے کیوں تلف ہونے دیا، علاوہ بریں اگر یہ جرم تھا تو اتنا کہ ایک مال جو مسجد کی ملک ہوجاتا وصول نہ کیا نہ یہ کہ ایک مال جو مسجد کی ملک تھا تلف کردیا تو یہاں تملک سے امتناع ہے نہ کہ مملوک کا ضیاع، تو ضمان کیا معنی، اور جب ضمان نہیں تو زید ہی کے مال پر مطالبہ نہ آیا تو ورثاء سے مطالبہ کیسا،

قال اللہ تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بوجہ غفلت چک بیکار ہوا ہو، اور اگر بنک والوں نے اس میں کوئی نقص نکال کر روپیہ نہ دیا جب تو ظاہر ہے کہ زید بے قصور ہے بالجملہ دعوی بہر حال باطل وبے معنی ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکامات ہبۃ الدین اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

[2] القرآن الکریم ۶ /۱۶۴

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ بطور چندہ کانپور کے بیوگان ویتیمان وغیرہ وغیرہ کے واسطے جمع کیا ہو، اور اب بعد فیصلہ کانپور وہ روپیہ اکثر مردمان کی رائے سے تعمیر مسجد میں لگادیا جائے تو اس کے بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

چندہ جس کام کے لئے کیا گیا ہو جب اسکے بعد بچے تو وہ انہیں کی ملک ہے جنہوں نے چندہ دیا ہے، **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) ان کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا جس کام میں وہ کہیں صرف کیا جائے، اور اگر دینے والوں کا پتانہ چل سکے کہ ان کی کوئی فہرست نہ بنائی تھی نہ یاد ہے کہ کس کس نے دیا اور کتنا کتنا دیا تو وہ مثل مال لقطہ ہے اسے مسجد میں صرف کرسکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از شہر مرسلہ جناب حافظ میاں صاحب ۵ جمادی الاخری ۷ ۱۳۳ھ یوم دوشنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ملک اور ایک باغ واسطے نیاز حضور جناب امام حسین علیہ السلام اور فاتحہ پیران عظام اور مرمت شکست ریخت زیارت بغرض بقائے نشان ونیز خیرات خالصًاللہ وقف کی، آیا یہ وقف مذہب اہل سنت وجماعت میں جائز وصحیح ہے یانہیں؟ بحوالہ کتب بادلیل مشرح فرمائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

خیرات خالصًا للہ کے لئے وقف جائز وصحیح ہے یونہی نیاز وفاتحہ حضرتِ امام واولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے، جبکہ اسے مصرف خیر میں صرف کرنا ہو۔ رہی مرمت زیارت، اگر اس مراد وہ مکان ہے کہ مسافرین، زائرین، حاضرین عرس کے آرام کو بنایا گیا تو وہ مثل سرائے ومسافرخانہ قربت ہے اور اس کی مرمت مثل عمارت، تو اس پر بھی وقف جائز وصحیح ہے۔

فی الدرالمختار الوقف علی ثلثة اوجه اما للفقراء او للاغنیاء ثم للفقراء اویستوی فیه الفریقان کرباط و خان ومقابر وسقایات وقناطر ونحوذلك کمساجد و طواحین وطست لاحتیاج الکل لذلك الخ[1]۔	درمختار میں ہے کہ وقف تین طرح ہوتا ہے: فقراء کے لئے یا پہلے اغنیاء اور پھر فقراء کے لئے یادونوں کے لئے مساوی، جیسے سرائے، تکیہ، قبرستان، سبیلیں اور خیمے وغیرہ۔مثلًا مساجد، چکیاں اور برتن کیونکہ یہ تمام لوگوں کی ضروریات ہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۶

اور اگر مراد عام قبر کی مرمت ہے تو وہ قربت نہیں اور وقف کے لئے قربت ہونا شرط ہے،

فی الدرالمختار شرطه ان یکون قربة فی ذاته ملوما منجزا[1] الخ۔	درمختار میں ہے کہ وقف ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ذاتی طور پر نیکی ہونا واضح طور پر معلوم ہوا الخ۔ (ت)

فتاوٰی قاضی وفتاوٰی سراجیہ وتنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

اوصی بان یطین قبر فھی باطلة[2] اھ مختصرًا	قبر کی لپائی کی وصیت کی تو باطل ہے اھ مختصرًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الوصیة اما صلة او قربة ولیست ھذہ واحدة منھما فبطلت[3]۔	وصیت، صلہ رحمی ہو یا پھر نیکی ہو، اور یہ دونوں میں سے نہیں ہے، لہٰذا باطل ہے (ت)

ہاں قبور اولیاء کرام کے حفظ ونگہداشت کو جبکہ ان کی تعظیم وتکریم کے تحفظ اور توہین وپامالی سے بچانے اور مسلمانوں کے وہاں حاضر ہو کر فیض ثواب وتبرکات پانے کے لئے ہو قربت کہنا اقرب بفقہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ"[4]۔	یہ پہچان سے قریب تر ہے تاکہ ان کو اذیت سے بچایا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تطیین القبور لایکرہ فی المختار وقیل یکرہ وقال البزدوی لواحتج لکتابة کیلا یذھب الاثر ولایمتھن لاباس به[5]۔	قبروں کی لپائی مکروہ نہیں ہے، مختار قول میں بعض نے کہا مکروہ ہے۔ بزدوی نے فرمایا اگر کتابت کے لئے ضرورت ہو تاکہ قبر کے آثار ختم نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۱

[4] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۹

[5] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

ان کان القصد بذلك التعظيم فی اعين العامة حتی لایحتقر واصحاب هذا القبر الذی وضعت عليه الثياب ولجلب الخشوع والادب لقلوب الزائرين الغافلين كما ذكرنا من حضور روحانيتهم المباركة عند قبورهم فهو امر جائز الخ[1]۔	اگر مقصد یہ ہو کہ اس سے لوگوں کی نظروں میں تعظیم ہو گی اور قبر والے کی تحقیر سے حفاظت ہو گی تو اس کی قبر پر کپڑا ڈالنا اور غافل لوگوں کو وہاں خشوع کی طرف اور ادب کی طرف راغب کرنا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ قبروں پر اصحاب قبور کی روحیں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے ہو تو یہ جائز ہے الخ (ت)

اور شک نہیں کہ ہر مباح بہ نیت محمودہ محمود و قربت ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنيات ولكل امرئ مانوی[2]۔	اعمال نیات کے ساتھ ہیں، ہر شخص کو وہی حاصل ہو گا جس کی وہ نیت کرے (ت)

اس صورت میں اس مرمت کے لئے تنہا بھی وقف صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہاں جبکہ صرف مرمت قبر پر وقف نہیں بلکہ اس میں مصارف قبر صراحۃً مذکور ہیں تو ایک مصرف جائز اگرچہ خود قربت نہیں، ان میں شامل کرنا وقف کو ناجائز نہیں کر سکتا غایت یہ کہ گویا اتنا روپیہ جس قدر کی حاجت کبھی مرمت قبر کے لئے واقع ہو مصارف خیر سے ایک مصرف جائز کے لئے مستثنے ہوا اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا جعل اوله علی معنيين صار كانه استثنی ذلك من الدفع الی الفقراء كما صرحوا به[3]۔	جب وقف کرتے ہوئے دو چیزوں کو ذکر کیا گیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے مستثنٰی ہو گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

فتاوٰی قاضی خان ردالمحتار میں ہے:

لو قال ارضی صدقة موقوفة علی من يحدث لی من الولد وليس له ولد يصح لان قوله صدقة موقوفة	اگر کسی نے یوں کہا کہ میری یہ زمین آئندہ پیدا ہونیوالے میرے بچے کے لئے صدقہ ہے فی الحال اگرچہ بچہ نہ ہو تو بھی یہ صحیح ہے کیونکہ اس کا صدقہ کہنا اس کو

[1] العقود الدرية فی تنقيح الفتاوی الحامدية مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۷

[2] صحيح البخاری باب كيف كان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء [1]۔	فقراء کے لئے وقف قرار دے گا اور آئندہ ہونیوالے بچے کاذکر فقراء کے مصرف سے مستثنٰی ہوگا۔(ت)

بالجملہ صورت مذکورہ میں وہ وقف ضرور صحیح وجائز ولازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقف علی الاولاد وقف علی النفس جائز ہیں یا نہیں؟ اور ان کے کیا معنٰی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

شرع مطہر میں وقف علی الاولاد ووقف علی النفس سب جائز ہے یعنی اپنی جائدادیوں وقف کرے کہ تاحیات کلیۃً خود اس سے متمتع رہوں تمام آمدنی اپنے مصارف ذاتی پر صرف کروں میرے بعد میری اولاد واولادِ اولاد اس سے بدیں تفصیل یا حصہ مساوی (جس طرح چاہے کہے) متمتع ہوتی رہے جب نسل میں کوئی نہ رہے تو فلاں مدرسہ یا مسجد یا فقراء یا کارِ خیر کے لئے ہو جس طرح کہے گا اسی طرح پابندی ہوگی اور جائداد بیع وہبہ وغیرہ انتقال کے اصلاً قابل نہ رہے گی تولیت کا بھی اختیار ہے کہ اپنی حیات تک چاہے اپنے ہی نام رکھے یا اپنی اولاد کے نام اور بعد کو بھی جس طرح کی جائز شرطیں چاہے تولیت میں لگائے سب کی پابندی اسی طرح ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مکان بوائن مرحومہ مرسلہ محمد مغل صاحب ۲۶ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی ایک موضع میں ۴/ حقیت زمینداری ہے جس سے انتفاع تخمیناً مبلغ عہ ۳۰/ روپیہ ماہوار کا ہے اور یہ اراضی ہندہ کو اپنے شوہر مرحوم سے دین مہر میں ملی ہے چونکہ ہندہ لاولد ہے اس وجہ سے اپنی جائداد مذکورہ اس طور سے وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے خود متولی رہ کر اس کی آمدنی سے بطریق مناسب خیرات کرتی رہے گی بعد اس کے مرنے کے چار شخص دیندار متدین جنکو کہ وہ نامزد کرے گی وہ لوگ متولی ہوں گے اور اس آمدنی سے ایصال ثواب جس طریقہ سے وقف نامہ میں لکھے گی کرتے رہیں گے، ہندہ کی تین حقیقی بہنیں ہیں سوائے ان کے کوئی عزیز قریب نہیں ہے اور یہ ہر سہ بہنیں صاحب اولاد ہیں اور ان کی ماہوار آمدنی ہندہ کے آمدنی سے زیادہ غرضکہ ہر سہ بہنیں محتاج نہیں ہیں، اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ یہ وقف ازروئے شرع شریف

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۱

ناقص وناجائز ہوگااس وجہ سے کہ حقیقی بہنیں موجود ہیں اور ہندہ پر حق العباد کا مواخذہ رہے گااوراس کو اجر وثواب اس کانہ ہوگا بلکہ گنہگار ہوگی کہ وہ حق تلفی کرتی ہے، چونکہ ہندہ جائداد مذکورہ بالاثواب وصدقہ جاریہ کے غرض سے وقف کرتی ہے پس اس صورت میں یہ وقف جائز ہوگا یاکہ ناجائز؟ اور ہندہ وقف کرنے سے ثواب پائے گی یاحق العباد کی حق تلفی سے گنہگار ہوگی؟ امید کہ جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

اسے اپنی صحت میں وقف کااختیار ہے جس طرح وقف کرے گی کل یا بعض وقف ہوجائے گی مگرنیت اگر یہ ہے کہ بہنوں کو ترکہ سے محروم کرے تو یہ اگرچہ حق العبد میں گرفتار نہیں کہ صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوتا مگر ایسی نیت ضرور مذموم وسخت شنیعہ ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ۔[1]	جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کا حصہ قطع کردے۔(ت)

بہنوں کا مالدار ہونا کوئی وجہ شرعی ان کے محروم کرنے کی نہیں۔ راہ یہ ہے کہ یا تو وارثوں سے رضامندی لے وہ سچے دل سے اجازت دے دیں کہ تم اپنی جائداد مصارف خیر کے لئے وقف کردو یا وقف اہلی کرے کہ وقف کا بھی ثواب پائے اور وارث بھی محروم نہ ہوں یعنی یوں وقف کرے کہ یہ جائداد میں نے اپنی زندگی بھر اپنے نفس پر وقف کی اور اپنے بعد اپنے ورثہ پر اور جب وہ اور اس کا وارث کوئی نہ رہے تو فلاں فلاں مصارف خیر پر اس میں یہ بھی جائز ہوگا کہ جائداد میں سے جتنا چاہے اپنی حیات اور اپنے وارثوں کے حیات میں بھی مصارف خیر کے لئے معین کردے اتنا ان میں صرف ہوگا باقی اپنی زندگی بھر یہ لے گی اور اس کے بعد اس کے وارث۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: ازمدرسہ نعمانیہ دہلی مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے مکان کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہ ہو، منشاء زید یہ ہے کہ مکان آبائی اسی طرح قائم رہے حصہ بخرہ ہو کر خراب نہ ہو کہ ورثہ اپنے اپنے حصے بیع کردیں گے، اولاد نرینہ اس میں رہا کرے اولاد اناث کو اگر ضرورت ہو یعنی

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا ص ۱۹۸

ان کی سسرال سے کسی ناچاقی کی وجہ سے یہاں آنا ہو تو وہ بھی رہے اور خرید وفروخت ہبہ وغیرہ کا کسی کو اختیار نہ رہے البتہ شکست وریخت یا تعمیر جدید یا تغییر مکانیت مناسب کا ہمیشہ اختیار ہے زید کی ایک ہمشیرہ بھی سہیم ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کے لڑکے شاید ناراض ہوں تحریر نہیں دیتی زبانی خاص لوگوں کے روبرو اپنا معاف کرنا بیان کرتی ہے، اس صورت میں زید کا وقف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

زید کو ایسے وقف کا اختیار ہے اور یہ وقف صحیح ہے اولاد نرینہ کے سامنے ہمشیرہ کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وقف پر کہ غیر مرض موت میں کیا جائے کسی وارث کو حق اعتراض نہیں، نہ حصہ معاف کرنے کی ضرورت، نہ کسی تحریر دینے کی۔ وہ یہ مضمون لکھ دے کہ میں نے اپنا مکان محدود بحدود چنیں وچناں اپنی زندگی بھر اپنے نفس پھر اپنی اولاد پھر فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت پر بایں شروط وقف صحیح شرعی لازم کیا۔

(۱) اپنی حیات بھر خود اس میں رہوں گا۔

(۲) میرے بعد میری اولاد نرینہ واولاد نرینہ واولاد نرینہ تا بقائے نسل اس میں رہیں۔

(۳) اولاد اولاد اولاد میں جو اناث ہوں جب تک شادی نہ ہو یا جو بیوہ ہو جائے اور وہاں ٹھکانہ نہ رہے یا بوجہ ناچاقی وہاں نہ رہ سکے وہ بھی تا بقائے ضرورت اس میں سکونت رکھے گی۔

(۴) جب نسل میں اولاد ذکور نہ رہیں اولاد اناث کو حق ہوگا۔

(۵) جب وہ بھی نہ رہیں مکان کرائے پر دیا جایا کرے گا اور کرایہ فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے گا۔

(۶) شکست ریخت کا صرف میری زندگی میں میرے ذمہ پھر اولاد ساکنین پھر کرایہ مکان سے ہوا کرے گا۔

(۷) کسی وقت کسی کو اس کی بیع وہبہ وانتقال وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا، اور یہ جو مناسب ہوں شرائط لکھ کر وقف نامہ مکمل کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۹ تا ۱۳۰: ازآگرہ کڑہ مسئولہ محمد نواب حسین کارخانہ دار کامدانی ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) زید اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے اور ایک ثلث آمدنی جائداد کا کار خیر میں دینا منظور ہے بعد منہائی دیگر اخراجات ضروری مرمت وغیرہ میں جو رقم باقی رہے اس میں سے ایک ثلث کار خیر میں صرف کرنا یا کل آمدنی میں سے۔

(۲) جو رقم ثلث آمدنی کارِ خیر کے واسطے نکالی جائے اس میں سے نیاز بزرگان دین کی و محفل میلاد شریف میں خرچ کرنا و کسی مدرسہ وغیرہ میں دینا مقصود ہے یہ جائز ہوگا اس حالت میں جداگانہ زکوۃ کی تو ضرورت نہ رہے گی۔

الجواب:

(۱) یہ اسکی زبان پر ہے اگر وقف میں یہ شرط لگائے گا کہ کل آمدنی بلااخراج خرچ کا ثلث تو یہی واجب ہوگا اور منافع خالص کا ثلث کہے گا تو خرچ نکال کر جو بچا اس کی تہائی اور اگر مطلق کہے گا تو حسب عرف منافع خالص کا ثلث سمجھا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کار خیر میں جو کام متعین کردے گا مثلاً مسجد یا مدرسہ یا مساکین وہ ثلث اس میں صرف ہوسکے گا اور اگر نیاز بزرگان دین و محفل میلاد شریف بھی اسی میں شامل کرے گا تو یہ بھی ہوسکے گا یہ ثلث کار خیر میں صرف کردینا بقیہ دو ثلث پر سے زکوۃ ساقط نہ کردے گا جبکہ اس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔





باب المسجد

(احکام مسجد کا بیان)

مسئلہ ۱۳۱: میمن محمد عبداللہ ابوبکر سوداگر زورنگل بازار انصار گنج ریاست حیدر آباد دکن ۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ پر عرصہ تیس سال سے اذان و نماز باجماعت وجمعہ ہوا کرتی ہے، اس پر محراب ومنبر بھی ہے، زید کہتا ہے کہ محض چبوترہ پر نماز وغیرہ قائم ہونے سے حرمت مسجد نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نہ چھت ہے نہ منارہ جو لوازمات مسجد ہیں، بکر کہتا ہے یہ لوازمات مسجد نہیں اذان و نماز پنجگانہ باجماعت وجمعہ کا قیام کافی ہے، اب ازروئے شرع کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

زید کا قول محض باطل وخلاف شرع ہے مسجد کے لئے چھت، منارہ، دیواریں کوئی چیز لازم نہیں، اس میں تو منبر محراب موجود ہے، یہ بھی نہ ہوتا تو بھی مسجدیت میں خلل نہیں۔ مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی نری خالی زمین مسجد کو دے مسجد ہوجائے گی، مسجد کا احترام اس کے لئے فرض ہوجائے گا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوافيها بجماعة ابدا او امرهم بالصلٰوة مطلقًا ونوى	کسی شخص کی خالی زمین ہے جس میں عمارت نہیں اس نے لوگوں کو کہا کہ اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کرو، یایوں کہا کہ اس میں نماز پڑھو، اور نیت

الابد صارت الساحة مسجدا کذافی الذخیرة وهکذا فی فتاوی قاضی خان۔[1] (ملخصًا)	ہمیشگی کی کی تھی تو دونوں صورتوں میں وہ خالی زمین مسجد ہوگئی جیساکہ ذخیرہ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے (ت)

جبکہ اس چبوترہ کا کوئی مالک ومدعی نہیں اور اس میں مدتوں سے نماز باجماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، منبر ہے، محراب ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مسجد نہ سمجھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۳۲: از شملہ مسجد قطب خانساماں کوہ شملہ خورد مرسلہ عالم خاں ممبر وسکریٹری مسجد مذکورہ ملازم کوٹھی آرناڈیل ٦ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص قطب خانساماں نے تین مسجدیں مقام کوہ شملہ تین بازاروں میں بنوائی تھیں، بازار کلاں وبازار بابوگنج وبازار چھوٹا شملہ، خانساماں مرحوم نے خاص اپنی سعی وکوشش سے انگریز سے زمین بھی لی اور بنیاد بھی مسجد کی خود ہی ڈالی، اور اپنے زرِ خاص سے مسجد کو بنوایا، اور تیار ہونے پر بھی خانساماں مغفور نے اپنی حین حیات مسجد کی خدمت وخبر گیری کی اور مسجد کے ہمیشہ خرچ کے لئے کچھ جائداد بھی مسجد کے متعلق کی جو مسجد کے خرچ کو کافی ہے، اب بعد گزر جانے خانساماں مرحوم کے بے انتظامی متولیان ومنتظمانِ وقت کے سبب مسجد کے شہید ہوجانے پر اور پیشہ کے چند لوگوں نے چندہ جمع کرکے مسجد مذکور کو تعمیر کرایا اور انتظام دست بدست دیگراں رہا، سواب حق زیادہ مسجد پر پہلے بنانے والے اور اسکے گروہ کا ہے یا بعد کے بنانے والوں کا اور اس کے گروہ کا؟ اور نام روشن ہونا مسجد پہ اور مسجد کی تمام چیزوں پہ کس کا ہونا چاہئے یا کسی کا بھی نہیں؟ او مسجد مذکور قطب خانساماں کے نام سے پکاری جاتی ہے، بعد گزر جانے خانساماں مذکور کے انتظام مسجد دست بدست دیگراں رہا جو کہ منتظم یا متولی مانے جاتے رہے ہیں، بایں صورت ایک شخص بابو پندرہ بیس سال سے متولی یا منتظم قرار دیا ہوا تھا اور انتظام مسجد وآمدنی وخرچ سب اسی کے سپرد تھا سواسکے انتظام وتولیت سے مسجد کو سراسر نقصان ہوا، یہاں تک کہ مسجد مقروض بھی ہوئی اگرچہ اب نہیں ہے، لیکن مسجد پر خستگی اب بھی ظاہر ہے اور نمازیوں کو تکلیف سامان نماز سے ہمیشہ پہنچتی رہی، لہٰذا متولی ہذا کو معزول کرکے بجائے اس کے چند اشخاص معقول ممبر مقرر کرکے جو ایک پیشہ اور اسی بازار کے تھے، انتظام مسجد وآمدنی وخرچ ان کے متعلق کیا گیا، اب آئندہ انتظام دستور سابق کے موافق ہونا چاہئے جو متولی معزول کے وقف میں تھا اور اسی روش پہ چلنا چاہئے یا نئے طریق سے جو مسجد کی آسودگی ونمازیوں کے آرام کی صورت ہو، جو کتابیں کہ اب انتظام مسجد کے حساب وکتاب کے واسطے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

نئی تیار ہوئی ہیں ان پر نام قطب خانساماں کا لکھا گیا ہے، گروہ دوم کہتا ہے کہ ان پہ قطب خانساماں کا نام لکھنا شرک وبدعت ہے چونکہ پہلے نہ تھا اب کیوں لکھا گیا؟ گروہ خانساماں کہتا ہے کہ کتابوں پہ نام کا ہونا شرک وبدعت نہیں ہے، پہلے کا دستور قاعدہ جب لیں جو قواعد وطریق سابق سے مسجد کو آسودگی اور نمازیوں کو آرام پہنچا ہو، مسجد کی آمدنی کا روپیہ خانساماں کے گروہ کے پاس رہنا چاہئے یا گروہ دوم کے پاس؟ اور زرِ مذکور زیادہ مالدار کے پاس رہے یا تھوڑے مالدار کے پاس؟

الجواب:

مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگرچہ اس کی شکست ریخت یا شہید ہوجانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں، ثواب ان کے لئے بھی ہے مگر اصل بنا بانی وقف کے واسطے خاص ہے،

فان اصل المسجد الارض والعمارة وصف ولایکون من اعاد الوصف کمن احدث الاصل۔	کیونکہ اصل مسجد تو زمین ہے اور عمارت وصف ہے چنانچہ جس نے وصف کا اعادہ کیا وہ موجد اصل کی مانند نہیں ہوسکتا۔(ت)

کتابوں پر خانساماں کا نام لکھا جانا نامناسب نہیں بلکہ بہتر ہے اور اسے شرک وبدعت کہنا بدعت ہے۔اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

من قصد الواقف نسبة الوقف الیه وذٰلك فیما ذکرنا[1]۔	واقف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کی طرف منسوب رہے،اور یہ ہماری مذکورہ صورت میں ہی ہوسکتا ہے(ت)

متولی مسجد بھی جب تک خانساماں کی اولاد یا کنبہ والوں میں کوئی شخص اس کا اہل پایا جائے اور لوگوں میں سے نہ کیا جائے گا، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح التولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانه اشفق ومن قصدہ نسبة الوقف الیهم[2]۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی متولی وقف بنانے کی اہلیت رکھتا ہو بیگانوں میں سے کسی کو متولی نہ بنایا جائے کیونکہ واقف کا قریبی رشتہ دار وقف کا زیادہ خیال رکھنے والا ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مسجد کا روپیہ اسی متولی کے اختیار میں رہے گا اسکے لئے دیانتداری کارگزار ہونا شرط ہے مالدار ہونا ضرور نہیں، مالداروں کی سپردگی میں جبکہ مسجد کی بے انتظامی اور نمازیوں کو تکلیف رہی تو اس انتظام کا بدلنا اور ہوشیار دیانت دار پرہیزگار مسلمانوں کی نگرانی میں دینا فرض تھا، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیة، لو الواقف درر، فغیرہ بالاولی غیر مأمون او عاجزًا او ظھر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف متولی کی تولیت سے نکال لینا واجب ہے (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہی متولی ہو (درر) جبکہ وہ غیر امین یا عاجز ہو یا اس کا فسق جیسے شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہو جائے [جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو] غیر واقف سے اس صورت میں وقف کا واپس لے لینا بدرجہ اولٰی واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: از رام پور پیلا تالاب مسجد شاہ درگاہی صاحب مرسلہ مولوی عبدالقادر صاحب بنگالی ۵ صفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ ایک مسجد چھپّر کی تھی اب ایک شخص نے اسکو توڑ کر اپنے پاس سے روپیہ دے کے اسی جگہ میں ٹین کر دیا، اب توڑا ہوا چھپّر فروخت کرنا برائے خرچ مسجد کے یا بیٹھک خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھک خانہ درست ہے تو از روئے شرع شریف کے کس صورت پر جائز ہوگا فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حاکم اسلام اور جہاں وہ نہ ہو تو متولی مسجد واہل محلّہ کو جائز ہے کہ وہ چھپّر کہ اب حاجت مسجد سے فارغ ہے کسی مسلمان کے ہاتھ مناسب داموں بیچ ڈالیں اور خریدنے والا مسلمان اسے اپنے مکان نشست یا باورچی خانے یا ایسے ہی کسی مکان پر جہاں بے تعظیمی نہ ہو ڈال سکتا ہے، پاخانہ وغیرہ مواضع بیحرمتی پر نہ ڈالنا چاہئے کہ علمانے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔ جواہر الاخلاطی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

حشیش المسجد اذا کان لہ قیمة فلاھل المسجد ان یبیعوہ وان رفعوا الی	مسجد کی گھاس کی اگر کوئی قیمت ہو تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کر دیں۔ اگر حاکم کے پاس

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الحاکم فھواحب ثم یبیعوہ بامرہ ھو المختار[1]۔	اس کامرافعہ کریں تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے پھر اس کے اذن سے فروخت کریں، یہی مختار ہے(ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امرالقاضی لایصح ان یکون فی موضع لاقاضی ھناک[2]۔	ہم ذکر کرچکے کہ حکم صحیح یہ ہے کہ بغیر امر قاضی کے ان لوگوں کا مسجد کی گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں سوائے اس جگہ کے جہاں قاضی نہ ہو۔(ت)

درمختار میں قبیل باب المیاہ ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کی گھاس اور کوڑا کرکٹ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں اس کی بیحرمتی ہوتی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[3] درمختار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴



رسالہ
التحریر الجید فی حق المسجد ۱۳۱۵ھ
(مسجد کے حق میں عمدہ تحریر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۳۴: بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۱ ذوالحجۃ الحرام ۱۳۱۵ ہجری قدسیہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی چیزیں اس کے اجزاء ہیں، یا آلات یا اوقاف یا زوائد، اجزاء یعنی زمین و عمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذاللہ ویران مطلق ہو جائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ رہے تو ایک روایت میں باذن قاضیِ شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں، مواضع ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔

فی الدرالمختار لوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عندالامام	درمختار میں ہے اگر مسجد کا گرد و پیش ویران ہوگیا اور مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام اعظم ابو حنیفہ

والثانی ابدا وبه یفتی وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی [1]، وفی ردالمحتار قوله وعن الثانی الخ جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لایعود الی ملك الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الی بعض المساجد [2] اھ وفیه ایضًا الشیخ الامام امین الدین بن عبدالعال والشیخ الامام احمد بن یونس الشبلی والشیخ زین بن نجیم والشیخ محمد عبد الوفائی فمنهم من افتی بنقل بناء المسجد ومنهم من افتی بنقله ونقل ماله الی مسجد اٰخر، والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد اذالم ینقل	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔اور امام ابویوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردیا جائیگا۔ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "وعن الثانی الخ" اسعاف میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسجد اور اس کا گردو پیش ویران ہوجائے اور لوگ وہاں سے نقل مکانی کرجائیں، تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ واقف کی ملک میں نہیں لوٹے گی چنانچہ قاضی کی اجازت سے اس کا ملبہ فروخت کرکے ثمن کسی دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا اھ اسی میں یہ بھی جیسے شیخ امام امین الدین بن عبدالعال، شیخ امام احمد بن یونس شبلی، شیخ زین بن نجیم اور شیخ محمد الوفائی ان بزرگوں میں سے بعض نے مسجد کی عمارت اور بعض نے عمارت اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنے کا فتوٰی دیا،اور جو بات مناسب ہے وہ یہی ہے کہ مسجد وحوض میں فرق کئے بغیر جواز نقل میں مشائخ مذکورہ کی اتباع کی جائے جیسا کہ امام ابوشجاع اور امام حلوانی نے اس پر فتوی دیاہے اور ان دونوں اماموں کا مقتدا ہونا کافی ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں، کیونکہ اگر مسجد کو منتقل نہ کیاجائے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

یاخذا نقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد اھ ملتقطًا[1] **قلت** وللعبد الضعیف ههنا تحقیق شریف حقق فیه بتوفیق الله تعالٰی ان الروایة النادرة عن الثانی مفرعة علی قوله المفتی به کما افاده فی الدرر والدر خلافا لما فهمه العلامة الشامی رحمة الله تعالٰی علیه وانه یفتی بها فی مواضع الضرورة کما قررہ الشامی ومن سبقه ممن سمی وممن لم یسم وانه یجوز نقل الساحة ایضا کما نقل النقض وهو ما مر من قوله منهم من افتی بنقله ونقل ماله وان قول الدر "ینقل الی مسجد اٰخر"[2] محمول علی ظاهره وان ذکر النقض والمال والبناء فی کلام غیره غیر قید وان حاصل تلك الروایة زوال المسجدیة مع بقاء الوقفیة فلا یعود الی ملك البانی اوورثته ویجوز النقل والاستبدال والله تعالٰی اعلم بحقائق الاحوال۔	تو چور اور جبری قبضہ کرنے والے لوگ اسباب مسجد لے لیں گے جیسا کہ دیکھا جارہا ہے اھ التقاط۔**قلت** (میں کہتا ہوں) اس عبد ضعیف کی یہاں پر ایک نہایت شاندار تحقیق ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابویوسف کی روایت نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے جیسا کہ اس کا فائدہ درر اور در نے دیا ہے، بخلاف اس کے جو علامہ شامی نے سمجھا اور مواضع ضرورت میں اس پر فتوی دیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی اور ان کے پیش روائمہ نے اس کی تقریر فرمائی ان میں سے بعض کا نام علامہ شامی نے ذکر کیا اور بعض کا نام ذکر نہیں کیا، اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ مسجد کے ملبہ کی طرح اس کی میدان کو بھی نقل کرنا جائز ہے، اور علامہ شامی کا یہ قول گزرچکا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسجد کو نقل کرنے اور اس کے مال کو نقل کرنے کا فتوی دیا ہے اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ در کا یہ قول "اس مسجد کو دوسری مسجد کی طرف نقل کیا جائے گا" اپنے ظاہر پر محمول ہے اور یہ کہ در کے غیر کے کلام میں ملبہ، مال اور عمارت کا ذکر بطور قید نہیں اور یہ کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وقفیت کے باقی رہنے کے باوجود مسجدیت کا زوال ہے لہٰذا بانی یا اس کے وارثوں کی طرف ملک عود نہیں کرے گی اور اس کا نقل کرنا اور تبدیل کرنا جائز ہے اور احوال کی حقیقتوں کو اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٧٢

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٧٩

ہاں اگر معاذ اللہ مسجد کی کچھ بنا منہدم ہو جانے یا اس میں ضعف آجانے کے سبب خود منہدم کرکے از سر نو تجدید عمارت کریں اب جو اینٹوں کڑیوں تختوں کے ٹکڑے حاجت مسجد سے زائد بچیں کہ عمارت مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت کے لئے اٹھا رکھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضائقہ نہیں مگر اذن قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے،

فی ش عن ط عن الهندية مسجد مبنی اراد رجل ان ينقضه ويبنيه احكم، ليس له ذٰلك لانه لاولاية له، مضمرات، الاان يخاف ان ينهدم ان لم يهدم تاتارخانية، وتاويله ان لم يكن البانی من اهل تلك المحلة واما اهلها فلهم ان يهدموه ويجددوا بناءه ويفرشوا الحصير ويعلقوا القناديل لكن من مالهم لامن مال المسجد الا بامر القاضی خلاصة[1] اھ وفی العقود الدرية عن البحر عن عمدة الفتاوٰی لا يجوز بيع بناء الوقف قبل هدمه[2] وفی الهندية عن السراجية لوباعواغلة المسجد اونقض المسجد بغيراذن القاضی الاصح انه لايجوزاھ[3] وفی الدر صرف الحاكم اوالمتولی نقضه اوثمنه ان تعذر	شامی میں ط سے بحوالہ ہندیہ مذکور ہے کہ تعمیر شدہ مسجد کو گرا کر اگر کوئی شخص پہلے سے مضبوط تر بنانا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں، مضمرات۔ مگر اس وقت ایسا کرنا جائز ہے جب یہ ڈر ہو کہ اگر وہ نہیں گرائیگا تو از خود گر جائے گی، تاتارخانیہ۔ تاویل اس کی یہ ہے کہ جب نئی مسجد بنانے والا اس محلّہ کا باشندہ نہ ہو لیکن اہل محلّہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پرانی مسجد کو گرا کر اس کو نئے سرے سے تعمیر کریں، اس میں چٹائیاں بچھائیں اور قندیلیں لٹکائیں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنے مال سے کریں مسجد کے مال سے بلا اجازت قاضی وہ ایسا نہیں کر سکتے، خلاصہ۔ اور عقود الدریہ میں بحر سے بحوالہ عمدۃ الفتاوٰی منقول ہے کہ گرانے سے قبل وقف کی عمارت کو فروخت کرنا جائز نہیں اھ ہندیہ میں سراجیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوقف حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۳

اعادة عینه الی عمارته ان احتاج والاحفظه لیحتاج، الااذاخاف ضیاعه فیبیعه ویمسك ثمنه لیحتاج[1]۔	لوگوں نے قاضی کی اجازت کے بغیر مسجد کا غلہ یا اس کا ملبہ فروخت کردیا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز نہیں اھ۔

درمختار میں ہے حاکم یا متولی وقف کے ملبہ یا اس کی قیمت کو صرف کرے اگر وقف کا اعادہ بعینہٖ اس کی عمارت کی طرف متعذر ہوا گر حاجت ہو مرمت کی، ورنہ قضائے حاجت کے لئے محفوظ رکھے، مگر جب اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہو تو اس کو فروخت کرکے ثمن وقف حاجت کے لئے رکھ چھوڑے۔ (ت)

آلات: یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے **وغیر ذٰلک**، اگر سالم و قابل انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب و بیکار ہوگئی یا **معاذاللہ** بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلّہ متدین امین باذن قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہب مفتی بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثل لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذن قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں،

فی الهندیة عن الذخیرة رباط کثرت دوابه وعظمت مؤنها هل للقیم ان یبیع شیئا منها وینفق ثمنها فی علفها او مرمة الرباط، فهذا علی وجهین ان بلغ سن البعض الی حد لایصلح لما ربطت له، فله ذٰلك وما لافلا[2] الخ وفی الخانیة جنازة او نعش	ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ ایک رباط کے جانور بہت زیادہ ہوگئے اور ان کا خرچہ بہت بڑھ گیا تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے ان کی قیمت جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر بعض جانوروں کی عمریں اس قدر زیادہ ہو چکی ہیں کہ وہ اس مقصد کی صلاحیت نہیں رکھتے جس کے لئے ان کو رباط میں باندھا گیا ہے تو متولی انہیں فروخت کرسکتا ہے ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۰

للمسجد فسد فباعه اهل المسجد قالوا الاولی ان یکون البیع بامر القاضی والصحیح ان بیعهم لایصح بغیر امر القاضی [1] اھ وفیها بسط من ماله حصیرا فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذٰلك یکون له ان کان حیا ولوارثه ان کان میتا وان بلی ذٰلك کان له ان یبیع ویشتری بثمنها حصیرا اٰخر،وکذالو اشتری حشیشا او قندیلا للمسجد فوقع الاستغناء عنه،وعندابی یوسف یباع ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه هذاالمسجد یحول الی المسجد الاٰخر،والفتوی علی قول محمد،ولو ان اهل المسجد باعوا حشیش المسجد اوجنازة او نعشا صار خلقا ومن فعل ذٰلك غائب،لایجوز الاباذن القاضی هوالصحیح [2] اھ فی الهندیة	نہیں الخ۔خانیہ میں ہے مسجد کا تابوت اور مسجد کی چارپائی جو کہ خراب ہوچکی ہو پس اہل مسجد نے اسے فروخت کردیا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے بیع کا ہونا اولٰی ہے اور صحیح یہ ہے کہ بلااذن قاضی ان کی بیع درست نہیں ہوگی اھ اسی میں ہے کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد میں چٹائی بچھائی پھر مسجد ویران ہوگئی اور اس چٹائی کی ضرورت نہ رہی تو وہ چٹائی بچھانے والے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے وارثوں کی ہوگی،اور اگر وہ چٹائی بوسیدہ ہوجائے تو بچھانے والے کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی چٹائی خریدلے۔اسی طرح حکم ہے اگر کسی نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدا پھر اس کی ضرورت نہ رہی ہو، اور امام ابویوسف کے نزدیک ان چیزوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات پر صرف کیاجائے گا اور اگر اس مسجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کیاجائے گا،اور فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے،اور اگر اہل مسجد نے مسجد کی پرانی گھاس یا پرانا تابوت یا پرانی چارپائی فروخت کردی جبکہ یہ چیزیں مسجد کو دینے والا غائب ہے تو قاضی کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اھ ہندیہ میں ہے

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ اول ۷۱۶،دوم ۷۱۳،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ اول ۷۱۶،دوم ۷۱۳،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

ذکر ابو اللیث فی نوازله حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اھل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فھو له وان کان میتا ولم یدع له وارث ارجو ان لاباس بان یدفع اھل المسجد الی فقیر او ینتفعوا به فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انه لایجوز لھم ان یفعلوا ذٰلك بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی[1] اھ فی ردالمحتار عن البحر الفتوی علی قول محمد فی اٰلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد[2]۔	کہ ابولیث نے اپنی نوازل میں ذکر کیا کہ مسجد کی چٹائی جب پرانی ہوگئی اور اہل مسجد کو اس کی ضرورت نہ رہی جبکہ اس کو ایک شخص نے ڈلوایا تھا وہ اس کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے اور اگر وہ مرگیا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو میں امید کرتا ہوں کہ اس بات میں حرج نہیں کہ اہل مسجد وہ چٹائی کسی فقیر کو دے دیں یا اس کو بیچ کر مسجد کے لئے دوسری چٹائی خریدنے میں اس سے نفع اٹھائیں، اور مختار یہ ہے کہ قاضی کی اجازت کے بغیر انہیں ایسا کرنا جائز نہیں، محیط سرخسی میں یونہی ہے اھ، ردالمحتار میں بحوالہ بحر ہے کہ آلات مسجد کے بارے میں فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے اور تابید مسجد کے بارے میں فتوٰی امام ابویوسف کے قول پر ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما (ت)

اوقاف: جبکہ عامر وآباد نہ ہوں ان کی بیع اصلاً جائز نہیں مگر بناچاری کہ ظالم نے زبردستی ان پر قبضہ کرلیا اور اس سے رہائی کی سبیل نہیں مگر وہ قیمت دینے پر راضی ہے تو بمجبوری ثمن لے کر ان کے عوض اور خرید کر ان کے قائم مقام کردیں یا جبکہ واقف نے اصل وقف میں استبدال شرط کرلیا ہو تو جائز ہے کہ انہیں بیچ کر تبدیل کرلیں،

فی الدر عن الاشباہ لایجوز استبدال العامر الا فی اربع[3]، فی ردالمحتار، الاولی لوشرطه الواقف، الثانیة اذا غصبه غاصب واجری	درمختار بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں، ردالمحتار میں ہے (ان چار صورتوں میں سے) پہلی صورت یہ ہے کہ خود واقف نے تبدیل کرنے کی شرط لگائی ہو،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

عليه الماء حتى صار بحرا . فيضمن القيمة ويشترى المتولى بها ارضا بدلا . الثالثة ان يجحده الغاصب ولابينة اى واراد دفع القيمة فللمتولى اخذها ليشترى بها بدلا . الرابعة ان يرغب انسان فيه ببدل اكثر غلة واكثر صقعًا فيجوز على قول ابى يوسف وعليه الفتوى كما فى فتاوٰى قارئ الهداية . قال صاحب النهر فى كتابه اجابة السائل قول قارئ الهداية . "والعمل على قول ابى يوسف" معارض بما قاله صدر الشريعة "نحن لانفتى به" . وقد شاهدنا فى الاستبدال ما لايعد ويحصى ، فان ظلمة القضاة جعلوه حيلة لابطال اوقاف المسلمين وعلى تقديره فقد قال فى الاسعاف المراد بالقاضى هو قاضى الجنة المفسر بذى العلم والعمل اھ ولعمرى ان هذا اعزمن الكبريت الاحمر ، وما اراه الالفظا يذكر فالا حرى فيه السد خوفا من مجاوزة الحد	دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اسے غصب کرکے اس پر پانی جاری کردیا یہاں تک کہ وہ وقف دریا بن جائے تو اس صورت میں غاصب قیمت کا تاوان دے گا اور متولی اس قیمت کے بدلے دوسری زمین خریدے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکاری ہے اور گواہ نہیں ہیں یعنی غاصب وقف زمین کی قیمت دینے پر آمادہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اس سے قیمت وصول کرلے تاکہ اس کے بدلے دوسری زمین خرید لے چوتھی صورت یہ ہے کوئی شخص وقف زمین میں ایسی زمین کے بدلے رغبت رکھتا ہے جو غلہ کے اعتبار سے زمین وقف سے اکثر اور محل وقوع کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت ہو تو امام ابویوسف کے قول پر تبدیل کرلینا جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے، صاحب نہر نے اپنی کتاب اجابۃ السائل میں فرمایا قاری الہدایہ کا کہنا کہ عمل امام ابویوسف کے قول پر ہے صدر الشریعۃ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتوٰی نہیں دیتے تحقیق ہم نے وقف کی تبدیلی میں بے شمار (خرابیاں) دیکھی ہیں کیونکہ ظالم قاضیوں نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف باطل کرنے کا حیلہ بنالیا ہے، اسی لئے اسعاف میں فرمایا کہ قاضی مستبدل سے مراد قاضی بہشت ہے جس کی تفسیر اہل علم وعمل کے ساتھ کی جاتی ہے اھ میری عمر کی قسم یہ صورت تو کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور میں نہیں خیال کرتا ہوں اس کو

والله سائل کل انسان اھ قال العلامة البیری بعد نقله **اقول:** وفی فتح القدیر الموجب الشرط او الضرورة ولاضرورة فی هذا اذ لاتجب الزیادة بل نبقیه کما کان اھاقول: ماقاله هذاالمحقق هوالحق الصواب اھکلام البیری وهذا ماحرره العلامة القنالی اھ مافی ردالمحتار مختصرًا[1] ورأیتنی کتبت علی هامش قوله واجری علیه الماء حتی صار بحرا مانصه **اقول:** علی هذالم یبق عامراوفیه کلام والصورة الرابعة سیأتی ان الحق عدم جواز الاستبدال فیها فلم یبق الاصور تان بل لك ان تقول الثالثة ایضا خراب معنی وان لم یکن صورة فلك ان تقول ان العامر لایستبدل الابشرط کما هو قضیة	مگر محض لفظ جس کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ حد سے تجاوز کرنے کے خوف کے پیش نظر زیادہ مناسب اس میں ممانعت ہے اور اللہ تعالٰی ہر انسان سے پوچھنے والا ہے اھ علامہ بیری نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا **میں کہتا ہوں** اور فتح القدیر میں ہے کہ استبدال کا موجب یا تو شرط استبدال ہے یا ضرورت استبدال جبکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وقف پر زیادتی واجب نہیں بلکہ ہم اس کو پہلی حالت پر باقی رکھیں گے اھ میں کہتا ہوں جو کچھ اس محقق نے کہا وہی حق اور درست ہے اھ کلام البیری۔ یہ وہ ہے جس کو علامہ قنالی نے تحریر کیا ہے اھ مختصراً ردالمحتار، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی کے قول کہ "غاصب نے زمین وقف پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ دریا بن گئی" پر یوں حاشیہ لکھا کہ **میں کہتا ہوں** اس صورت میں وہ آباد نہ رہی حالانکہ کلام تو آباد زمین میں ہو رہی ہے، اور عنقریب چوتھی صورت کے بارے میں آرہا ہے کہ اس میں حق استبدال کا عدم جواز ہے، تو اب صرف دو۲ صورتیں باقی ہیں بلکہ تو کہہ سکتا ہے کہ تیسری صورت بھی معنًی خراب ہے اگرچہ صورتًا نہیں، لہٰذا تو کہہ سکتا ہے کہ آباد زمین وقف میں استبدال نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ واقف نے خود استبدال کی شرط لگادی ہو،

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ماحقق المحقق فی الفتح حیث حصرہ فی الشرط اوضرورۃ خروجه من الانتفاع به وان شئت اوضحت فقلت ان الوقف مهما امکن الانتفاع به لم یجز استبداله الابالشرط۔	جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور کلام محقق کا تقاضا ہے جہاں اس نے استبدال کو شرط یا انتفاع سے خارج ہونے کی ضرورت میں منحصر کیا ہے اگر تو تفصیل کا طلبگار ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک وقف سے انتفاع ممکن ہو بلاشرط اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔(ت)

پھر بحالت شرط استبدال بھی اس تبدیل کا جواز چند شرط سے مشروط:

اولاً: یہ تبدیل کرنے والا خود واقف ہو یا وہ جس کی تبدیل اس نے شرط کی ہو مثلاً اپنے لئے تبدیل شرط کی تو متولی وغیرہ کسی کو اختیار نہیں اور دوسرے کے لئے شرط کی تو واقف کو اختیار ہے۔

ثانیاً: جتنی بار شرط کی اس سے زائد نہ ہو مثلاً کہا کہ مجھے تبدیل کا اختیار ہے تو ایک ہی بار بدل سکتا ہے اور اگر کہا جس قدر بار چاہوں تبدیل کروں تو ہمیشہ مختار ہے۔

ثالثاً: تبدیل عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ہو نہ روپیہ اشرفی سے۔

رابعاً: عقار میں تخصیص کر دی ہے تو اس کے خلاف کا اختیار نہیں مثلاً زمین سے بدلنا شرط کیا تو مکان سے تبدیل نہیں کر سکتا اور مکان کی شرط کی زمین سے تبدیل کا اختیار نہیں رکھتا یونہی فلاں شہر یا گاؤں کی زمین یا فلاں محلّہ کے مکان یا فلاں بازار کی دکان کی تخصیص کی تو معتبر رہے گی۔

خامساً: تبدیل مکان بمکان میں وہ مکان اسی محلّہ کا ہو یا اس سے بہتر کا، یونہی دکان میں بازار وہی ہو یا اس سے بہتر۔

سادساً بیع میں غبن فاحش نہ ہو۔

سابعاً: ایسے کے ہاتھ بیع نہ کرے جس کے لئے اس کی شہادت بوجہ تہمت رعایت مقبول نہ ہو جیسے باپ بیٹا۔

اقول: خلاصہ یہ کہ مخالفت شرط ومظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے سب شرائط انہیں دو کلموں میں آگئے،

اما الاولان والرابع ففی الاولی ولیس استبداله بنفسه اذا شرطه لغیرہ من باب الخلاف	بہر حال پہلی دونوں اور چوتھی شرط ہے تو اول میں خود واقف کا تبدیل کرنا جبکہ وہ غیر کیلئے استبدال کی شرط کر چکا ہو خلاف شرط کے قبیلہ سے نہیں،

لماصرح به فی الخانية اٰخر فصل الشرط فی الوقف ان الوقف هو الذی شرط لذٰلك الرجل وما شرط لغيره فهو مشروط لنفسه [1] اه واما البواقی ففی الاخری فان النقد اسرع هلاكا من العقار فالاستبدال به نزول الی الاخس وفيه مخالفة النفع والسابع مظنتها۔	اس دلیل کی بناء پر جس کی تصریح خانیہ کے باب الوقف، فصل الشرط کے آخر میں کی گئی کہ بیشک واقف وہی ہے جس نے اس شخص (غیر) کے لئے استبدال کی شرط لگائی اور جو شرط اس نے غیر کے لئے لگائی وہ خود اس کے اپنے لئے بھی شرط ہوئی اھ لیکن باقی شرطوں میں سے دوسری اس لئے کہ نقدی عقار کی بنسبت جلد ہلاک ہوتی ہے تو نقدی کے ساتھ وقف زمین کا تبادلہ گھٹیا کی طرف نزول ہوگا اور اس میں نفع کی مخالفت ہے اور ساتویں شرط میں اس مخالفت کا ظن ہے۔ (ت)

ہاں جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضی شرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرط واقف بلکہ باوصف منع واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض کے لیے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط، چار شرطیں تو یہی کہ اوپر گزریں یعنی اول وثانی ورابع کے سوا اور پانچویں شرط جو ابھی بیان کی کہ قاضی قاضی بہشت ہو، نہ قاضی جہنم،

سادسًا: وقف کا کچھ غلہ کرایہ وغیرہ ایسا نہ ہو جس سے اس کی آبادی ہوسکے۔

سابعًا: ویرانی کامل ومطلق ہو کہ اصلاً قابل انتفاع نہ رہے جس غرض کے لئے وقف کیا کچھ کام نہ دے یا آمدنی اس قدر ناقص ہو کہ اس کے خرچ کو بھی غیر وافی ہو،

هذاما لخصناه بتوفيق الله تعالٰی من كلمات العلماء سنذكر كلامهم ليتضح لك جليلة المآل قال فی ردالمحتار اعلم ان الاستبدال علی ثلثة وجوه. الاول ان يشترطه الواقف لنفسه اولغيره اولنفسه	یہ وہ خلاصہ ہے جو ہم نے علماء کی کلاموں سے اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ اخذ کیا ہے اب ہم ان علماء کرام کا کلام ذکر کرینگے تاکہ تیرے لئے بحث کے انجام کی عظمت واضح ہوجائے، ردالمحتار میں فرمایا تو جان لے کہ استبدال تین وجہوں پر ہے، اول یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے یا دونوں کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۲

وغیرہ،فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح،والثانی ان لایشرطه سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیئ اصلا اولایفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذاکان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه،والثالث ان لایشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاونفعا وهذالایجوز استبداله علی الاصح المختار کذاحرره العلامة قنالی زاده وهو ماخوذ من الفتح[1]اھ ثم قال وفی البحر،المعتمد انه بلاشرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لایکون هناك ریع للوقف یعمر به وان لایکون البیع بغبن فاحش وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل	استبدال کی شرط لگائی ہوتو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔دوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو عام ازیں کہ عدم استبدال کی شرط لگائی ہو یا خاموشی اختیار کی ہو لیکن وقف ایسا ہو گیا کہ اب اس سے بالکل نفع نہیں اٹھایا جاسکتا بایں طور کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا یا اتنا حاصل ہوتا ہے جس سے وقف کاخرچہ پورا نہیں ہوتا تو اصح قول کے مطابق اس میں بھی استبدال جائز ہے بشرطیکہ قاضی اس کا اذن دے اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔سوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط تو نہ کی ہو لیکن اس وقف میں کچھ نفع ہو اور اس کابدل ماحول اور نفع کے اعتبار سے وقف سے بہتر ہوتو اصح ومختار قول کے مطابق اس کا استبدال جائز نہیں۔علامہ قنالی زادہ نے یوں ہی تحریر فرمایا ہے اور یہی فتح سے ماخوذ ہے اھ۔پھر فرمایا اور بحر میں ہے معتمد یہ ہے کہ یہ بلاشرط ہے جبکہ قاضی کے لئے اس شرط کے ساتھ استبدال جائز ہے کہ وقف کلی طور پر انتفاع سے خارج ہوجائے اور نہ ہی وقف کا ماحول اس قابل ہو کہ اس کے ذریعے وقف کو آباد کیاجاسکے اور نہ ہی یہ بیع غبن فاحش کے ساتھ ہو۔اسعاف میں یہ شرط لگائی گئی کہ تبدیل کرنے والا قاضی بہشت یعنی صاحب علم وعمل ہو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۷

ویجب ان یزاداٰخر فی زماننا وھو ان یستبدل بعقار لابدراھم ودنانیر فانا قد شاھدنا النظار یأکلونھا وافادفی البحرزیادۃ شرط سادس ان لایبیعه ممن لا تقبل شھادته له ولاممن له علیه دین، حیث قال باع من رجل له علی المستبدل دین وباع الوقف بالدین وینبغی ان لایجوز علی قول ابی یوسف وھلال لانھمالا یجوز ان البیع بالعروض فالدین اولی اھ وذکر عن القنیة مایفید شرطا سابعا حیث قال مبادلة دار الوقف بدار اخری انما یجوز اذاکانتا فی محلة واحدۃ اومحلة الاخری خیرا، وبالعکس لا یجوز وان کانت المملوکة اکثر مساحة وقیمة واجرۃ لاحتمال خرابھا فی ادون المحلتین اھ۔وزاد قنالی زادہ ثامنا وھو ان یکون البدل والمبدل من جنس واحد	اور ہمارے زمانے میں ایک اور شرط کااضافہ ضروری ہے وہ یہ وقف کاتبادلہ عقار کے ساتھ کیاجائے نہ کہ درہموں اور دیناروں کے ساتھ، کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ متولی وقف کے عوض دراہم ودینار لے کر کھاجاتے ہیں اور بحر نے چھٹی شرط کے اضافے کا فائدہ دیاہے وہ یہ کہ وقف کی زمین ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کے حق میں اس کی گواہی مقبول نہیں اور نہ ہی ایسے کے ہاتھ فروخت کرے جسکا یہ مقروض ہے۔ جہاں صاحب بحر نے فرمایاکہ وقف کو ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیاجسکا تبدیل کرنے والے پر قرض تھا اور اس نے قرض کے بدلے وقف کو بیچا تو امام ابویوسف اور ہلال کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ دونوں عروض کے عوض بیع کو ناجائز مانتے ہیں،تو دین کے عوض بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگی اھ اور قنیہ کے حوالے سے صاحب بحر نے جو ذکر کیا وہ ساتویں شرط کا فائدہ دیتا ہے جہاں یہ فرمایاکہ وقف مکان کو دوسرے مکان سے تبدیل کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ دونوں مکان ایک ہی محلّہ میں واقع ہوں یا دوسرا محلّہ بہتر ہو اور اس کے برعکس استبدال ناجائز ہے اگرچہ تبدیل شدہ مکان وسعت، قیمت اور اجرت کے اعتبار سے وقف کی بنسبت اکثر ہو کیونکہ کمتر محلّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی خرابی کا احتمال ہے اھ،اور قنالی زادہ نے آٹھویں شرط کااضافہ کیا

لما فی الخانیة لو شرط لنفسه استبدالها بدار لم یکن له استبدالها بارض وبالعکس او بارض البصرة تقید اھ فھذا فیما شرطه لنفسه فکذا یکون شرطا فیما لم یشرطه لنفسه بالاولی تامل ثم قال والظاہر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفة للاستغلال لان المنظور فیھا کثرة الریع وقلة المرمة والمؤنة اھ ولایخفی ان ھذہ الشروط فیما لم یشرط الواقف استبداله لنفسه اوغیرہ، فلو شرطه لایلزم خروجه عن الانتفاع ولامباشرة القاضی له ولاعدم ریع یعمر به کما لایخفی فاغتنم ھذا التحریر[1] اھ کلام الشامی ملخصا ورائیتنی کتبت علی ھامشه عند ذکرہ الشرط الثامن وھو اتحاد جنس البدلین	وہ یہ کہ بدل اور مبدل دونوں ایک ہی جنس سے ہوں اس دلیل کی بناپر جو خانیہ میں ہے کہ اگر واقف نے شرط لگائی کہ وہ وقف گھر کو گھر سے بدلے گا تواس کے بدلے میں زمین لینا اس کے لئے جائز نہیں یونہی اسکے برعکس یا یہ شرط لگائی کہ اس کے بدلے بصرہ کی زمین لے گا تو یہ مقید ہوجائے گااھ یہ اس صورت میں ہے جب واقف نے اپنے لئے یہ شرط لگائی ہو اسی طرح یہ بدرجہ اولٰی شرط ہوجائے گی جبکہ اس نے خاص اپنے لئے یہ شرط نہ لگائی ہو، غور کر، پھر فرمایا غلہ حاصل کرنے کے لئے زمین موقوفہ کے استبدال میں ظاہر اتحاد جنس کا شرط نہ ہونا ہے کیونکہ اس میں سبزہ، گھاس اور غلہ کی کثرت اور مرمت اور خرچہ کی قلّت ملحوظ ہوتی ہے اھ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ تمام شرطیں اس صورت میں ہیں جب واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو چنانچہ اگر واقف نے استبدال کی شرط لگائی ہے تو استبدال کے لئے وقف کا انتفاع سے خروج اور اس کے لئے قاضی کی مباشرت اور وقف کے مال کا ایسا نہ ہونا جس سے اس کو آباد کیا جاسکے کچھ بھی ضروری نہیں جیسا کہ مخفی نہیں، پس اس تحریر کو غنیمت سمجھ اھ تلخیص کلام شامی۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مانصه **اقول:** الذی یظهر للعبد الضعیف انه غیر شرط الا لاتباع الشرط حتی لو شرط الاستبدال واطلق لم یتقید بالجنس کما یفیدہ کلام الاسعاف فاذن لایکون هذامشروطا فی التبدیل بالشرط، ثم راجعت الخانیة فوجدت کلامها انص علی مافهمت ولله الحمد حیث قال رضی الله تعالٰی عنه، لوقال ارضی صدقه موقوفة علی ان لی ان استبدلها بارض اخری لم یکن له ان یستبدلها بدار لانه لایملك تغیر الشرط، ولو قال ان لی ان استبدلها بدارلم یکن له ان یستبدلها بارض، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارافباع الارض الاولی کان له ان یستبدلها بجنس العقارات ماشاء من دار اوارض لاطلاق اللفظ[1] اھ	کے اس مقام پر حاشیہ لکھا جہاں علامہ شامی نے آٹھویں شرط یعنی بدلین میں اتحاد جنس کا صراحۃً ذکر کیا (اور وہ حاشیہ یوں ہے) **اقول:** (میں کہتا ہوں جو اس ضعیف بندے پر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ غیر شرط ہے مگر اتباع شرط کے لئے یہاں تک کہ اگر واقف نے مطلقًا استبدال کی شرط لگائی تو یہ استبدال جنس کے ساتھ مقید نہ ہوگا جیسا کہ اسعاف کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا یہ بلاشرط تبدیل میں مشروط نہیں ہوگا پھر میں نے خانیہ کی طرف رجوع کیا تو الحمد للہ اس کے کلام کو اپنے فہمیدہ پر بہتر نص پایا جہاں امام قاضی خاں رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اگر واقف نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ مجھے دوسری زمین کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو اس کو گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ وہ شرط میں تبدیلی کا مالک نہیں، اور اگر اس نے کہا کہ مجھے گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو وہ دوسری زمین کے ساتھ استبدال نہیں کرسکتا اور اگر اس نے استبدال کی شرط لگائی مگر اس نے زمین یا گھر کا ذکر نہیں کیا پھر پہلی زمین کو بیچ دیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ ثمن کے بدلے کوئی بھی غیر منقولہ جائداد لے سکتا ہے چاہے زمین ہو یا گھر کیونکہ اس نے لفظ مطلق

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۱

مختصرا، فهذا بحمد الله نص صریح جلی فیما فهمت اما ما کتبت علیه فتبین ولله الحمد ان هذا الثامن لامساغ فی استبدال القاضی بلا شرط فلذا اسقطته من شروطه وابدلته فی الشرط الرابع، واسقطت من السابع فی الاول وهو الرابع فی الثانی عدم البیع بالدین لعلمی بان الثالث مغن عنه وزدت فی سابع الثانی ان لایفی ریعه بمؤنة اخذا مما ذکر فی ردالمحتار وقد نص علیه فی الاسعاف والخانیة وعنها فی البحر نفسه وزدت فی الاول الشرطین الاولین لما فی الخانیة والاسعاف والبحر، واللفظ له لو شرط الاستبدال لنفسه ثم اوصی به الی وصیه، لایملك وصیه الاستبدال ولو وکل وکیلا فی حیاته صح، ولو شرطه لکل متولی صح، وملکه کل متولی ولو شرط الاستبدال لرجل اٰخر مع نفسه، ملك الواقف الاستبدال وحده	بولا ہے اھ اختصارا۔ یہ بحمداللہ کھلی اور واضح نص ہے اس پر جو میں نے سمجھا اور جو میں نے شامی پر حاشیہ لکھا الحمد للہ وہ واضح ہوگیا کہ یہ جو آٹھویں شرط ہے استبدال قاضی بلا شرط میں اس گنجائش نہیں اسی لئے میں نے اس کو استبدال غیر مشروط کی شرطوں سے ساقط کردیا اور استبدال مشروط کی شرطوں میں اسے اس چیز کے ساتھ بدل دیا جو میں نے شرط رابع میں دیکھا اور میں نے اول میں ساتویں شرط جو کہ ثانی میں چوتھی ہے سے دین کے بدلے بیع کے عدم جواز کو یہ جان کر ساقط کردیا کہ تیسری شرط اس سے بے نیاز کردیتی ہے۔ اور جو کچھ ردالمحتار میں مذکور ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ثانی کی ساتویں شرط میں یہ اضافہ کیا کہ وقف کی آمدنی سے اس کا خرچہ پورا نہ ہوتا ہو حالانکہ اسعاف اور خانیہ میں اس پر نص کی گئی ہے اور خانیہ کے حوالے خود بحر میں مذکور ہے۔ اور اول میں پہلی دو شرطوں کا اضافہ میں نے اس دلیل کی بنا پر کہا جو خانیہ، اسعاف اور بحر میں ہے اور لفظ بحر کے ہیں کہ اگر واقف نے اپنے لئے استبدال کی شرط لگائی پھر کسی کے لئے اس کی وصیت کردی تو وصی استبدال کا مالک نہیں ہوگا، اور اگر اپنی زندگی میں کسی کو وکیل بنایا تو صحیح ہے، اور اگر ہر متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو صحیح ہے اور ہر متولی اس کا مالک ہوگا، اور اگر واقف نے اپنے ساتھ دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو واقف تنہا استبدال کا مالک

ولایملکه فلان وحده اھ[1] مختصرا وفی الدر وغیرہ جاز شرط الاستبدال به ثم لایستبدل بها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة[2] اھ قال الشامی قال فی الفتح الاان یذکر عبارة تفید له ذٰلك دائما[3] اھ فاغتنم ھذا التحریر والحمد ﷲ العلی الکبیر۔	ہوگا جبکہ دوسرا شخص تنہا اس کامالک نہیں ہوگا اھ اختصار۔ درمختار میں ہے وقف زمین کو دوسری زمین سے بدل لینے کی شرط لگانا جائز ہے پھر اسکو تیسری زمین سے نہیں بدلے گا کیونکہ یہ حکم استبدال شرط کے ساتھ ثابت ہوا اور شرط صرف پہلی زمین میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں شامی نے کہا فتح میں فرمایا ہے مگر واقف ایسی عبارت ذکر کرے جو اسکے لئے دائمی استبدال کا فائدہ دے اھ اس تحریر کو غنیمت سمجھ، اور تمام تعریفیں اللہ بزرگ وبرتر کے لئے ہیں (ت)

یہ حکم ہر عقار موقوف کا ہے جیسے زمین، مکان، دکان، اسی طرح اشجار موقوفہ اگر پھل دار ہوں توجب تک ہرے ہیں ان کاکاٹنا بیچنا ناجائز اور گرپڑنے یا سوکھ جانے کے بعد رواہے کہ لکڑی بیچ کر مصارف وقف میں صرف کردیں یہاں تک اگر کوئی پھل کادرخت نصف خشک ہوگیا اور نصف قابل انتفاع ہے تو اسی نصف خشک کی بیع جائز، باقی کی ممنوع، متولی اگر سبز کو کاٹے بیچے گا خائن ہے تولیت سے خارج کیا جائے گا، ہاں وہ پیڑ کہ پھل نہیں رکھتے بلکہ وقف کاانتفاع ان سے یونہی ہے کہ انہیں بیچ کر دام کئے جائیں ان کے سبز وخشک ہر طرح کی بیع جائز ہے،

فی العقود الدریة عن البحر لرائق عن عمدة الفتاوی لایجوز بیع الاشجار الموقوفة المثمرة قبل قلعها بخلاف غیر المثمرة اھ وفی الفتح سئل ابو القاسم الصفار عن شجرة وقف یبس بعضها وبقی بعضها فقال	عقود دریہ میں بحوالہ بحر عمدۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ وقف شدہ پھل دار درختوں کو گرجانے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں بخلاف ان درختوں کے جو پھل دار نہیں اھ۔ فتح میں ہے کہ ابوالقاسم صفار سے ایسے وقف شدہ درخت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کا کچھ حصہ خشک ہوگیا اور کچھ ابھی باقی ہے

[1] بحر الرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مایبس منہافسبیلہ سبیل غلتہا وما بقی فمتروک علٰی حالہا اھ[1] (ملخصا) وفی العقود عن البحر عن الظہیریۃ لیس لہ ان یبیع الشجرۃ ویعمر الدار[2] الخ وفیہا سئل فی ناظر وقف قطع اشجار بستان الوقف الیافعۃ الغیر الشالبۃ ولاالیابسۃ وباعہا بلاوجہ شرعی فہل اذا ثبت ذلک علیہ بالوجہ الشرعی یستحق العزل الجواب نعم وافتی الشیخ اسمٰعیل بمثل ذلک[3]۔	توانہوں نے فرمایا کہ جو خشک ہوگیا ہے اس کا راستہ وہی ہے جو اس کے غلہ کا راستہ ہے اور جو باقی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اھ تلخیص۔ عقود دریہ میں بحوالہ بحر، ظہیریہ سے منقول ہے کہ وقف درخت بیچ کر وقف گھر کی تعمیر کااختیار متولی کو نہیں الخ۔ اسی میں ہے کہ ایسے متولی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے وقف باغ کے ایسے درخت کاٹ دئے جنکا پھل پکا ہوا تھا اور وہ بے کار اور خشک نہ تھے اور انہیں بغیر کسی شرعی وجہ کے فروخت کردیا کہ اگر اس پر شرعی طریقے سے اس فعل کا ثبوت ہوجائے تو کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کو معزول کردیا جائے؟، جواب: ہاں، اور شیخ اسمٰعیل نے اسی کی مثل فتوی دیا ہے (ت)

زوائد: جیسے درختوں کے پھل، زمین کاغلہ وغیرہ جن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں بیچ کر مصارف مسجد واغراض معینہ واقف میں صرف کریں انکی بیع میں کوئی کلام نہیں مگر یہ بیع متولی کرے یا باذن قاضی شرع ہو کما قدمناہ عن الہندیۃ عن السراجیۃ (جیساکہ ہم نے پہلے ہندیہ سے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے۔ت) ہاں جہاں جہاں ان مسائل میں اذن قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضی شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں، توبضرورت مسلمانان دین دار موتمن معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھاسکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح ومفسد کو خوب جانتا ہے،

فی الخانیۃ من فصل المقابر والرباطات قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعہم بغیر امر القاضی لا یصح	خانیہ کی فصل المقابر والرباطات میں ہے تحقیق ہم ذکر کرچکے ہیں کہ صحیح حکم یہ ہے کہ قاضی کے حکم کے بغیر ان کی بیع درست نہیں سوائے اس جگہ کے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوقف الباب الاول مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[2] العقود الدریۃ کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۰۰

[3] العقود الدریۃ کتاب الوقف الباب الثالث مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۳۰

الاان یکون فی موضع لاقاضی هناک[1]۔	جہاں کوئی قاضی نہ ہو۔(ت)

اسی طرح وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگرچہ وہ دکان ومکانات ودیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگرچہ بنظر مصلحت جائز ہوتی ہے مگر اس کے باعث وہ چیزیں وقف مسجد نہ ہوگئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو،

فی الخانیة باب الرجل یجعل دارہ مسجدا المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتا او دارا اومستغلا اٰخر جاز لان هذامن مصالح المسجد فاذا اراد المتولی ان یبیع ما اشتری وباع اختلفوافیه قال بعضهم لا یجوز هذا البیع لان هذاصار من اوقاف المسجد وقال بعضهم یجوز هذاالبیع وهو الصحیح لان المشتری لم یذکر شیئامن شرائط الوقف فلایکون ما اشتری من جملة اوقاف المسجد[2]اھ وفی منحة الخالق ورد المحتار عن الفتح اعلم ان عدم جواز بیعه الااذا تعذر الانتفاع به،انما هوفیما ورد علیه وقف الواقف امافیما اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فانه یجوز بیعه بلا هذا الشرط وهذا لان فی صیرورته وقفا خلافا	خانیہ کے "باب الرجل یجعل دارہ مسجدا" میں ہے کہ متولی اگر مسجد کی آمدنی سے دکان، گھر یا دیگر منافع خریدے تو جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے۔ پھر جب متولی چاہے کہ جو اس نے خریدا اس کو فروخت کرے، اور فروخت کردے تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا، بعض نے کہا یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ چیز اوقاف مسجد میں سے ہوچکی ہے اور بعض نے کہا یہ بیع جائز ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری نے شرائط وقف میں سے کچھ بیان نہیں کیا لہٰذا جو کچھ اس نے خریدا وہ اوقاف مسجد میں سے نہیں ہوگا اھ منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں فتح کے حوالہ سے ہے۔ جان لے کہ بیشک وقف سے انتفاع کے متعذر ہوئے بغیر اسکی بیع کا عدم جواز صرف اس چیز میں ہے جس پر واقف کا وقف وارد ہوا، رہی وہ چیز جس کو متولی نے وقف کی آمدنی سے خریدا تو اس میں شرط مذکور کے بغیر بھی بیع جائز ہے کیونکہ اس کے وقف ہونے میں اختلاف ہے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجدا مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۵

والمختار انه لایکون وقفا فللقیم ان یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت[1] اھ، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور مختار یہ ہے کہ وہ وقف نہیں ہے لہذا متولی کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کے عارض ہونے پر جب چاہے اس کو فروخت کرسکتا ہے اھ، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۵ تا ۱۳۶:

(۱) ایک مسجد کی ملکیت دیگر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

دونوں صورتیں حرام ہیں مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسے میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں سو چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه جائز للحاکم، ان یصرف عن فاضل الوقف الاخر الیه لانهما حینئذ کشیئ واحد وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة ووقف علیهما اوقافا لایجوز له ذٰلک[2]۔	دو وقفوں کا واقف بھی ایک ہو اور ایک ہی چیز پر وقف ہوں، ان میں ایک کی آمدنی کم ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بحث سے اس پر خرچ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وہ دونوں گویا ایک ہی چیز ہیں، اور اگر واقف دو ہوں یا جدا جدا چیزوں پر وقف ہوں جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان پر جائدادیں وقف کیں تو اب حاکم کو بھی جائز نہیں کہ ایک کا مال دوسرے میں صرف کرے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی الوقف اذاخرب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۲، منحة الخالق علی هامش البحر الرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

ردالمحتار میں ہے:

المسجد لایجوز نقل ماله الی مسجد اٰخر [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جائز نہیں کہ ایک مسجد کا مال دوسری مسجد کو لے جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: مسجد کی کوئی چیز ایسی ہو کہ خراب ہوجاتی ہے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دیں اور وہ چیز اگر دوسرا آدمی قیمت دے کر مسجد کی چیز اپنے مکان پر رکھے تو اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے مگر اسے بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔ درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وکناسته لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کا گھاس کوڑا جھاڑ کر ایسی جگہ نہ ڈالیں جس سے اس کی تعظیم میں فرق آئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: ایک شہر میں سب لوگوں نے اتفاق کے ساتھ ایک مکان نماز پڑھنے کے لئے بنایا اور اس کا نام عبادت گاہ رکھا گیا اور مسجد نام نہیں رکھا، اس کی وجہ یہ کہ کبھی آدمی نماز نہ پڑھے تو وہ عبادت گاہ بدعانہ کرے، اب اس مکان میں بیٹھ کر لوگ دنیا کی باتیں کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے اور لکڑی کا منبر بھی رکھا گیا ہے اور پیش امام بھی ہے، تو اس عبادت گاہ میں فقط محراب نہیں ہے تو اس مکان کا مرتبہ مسجد کا ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں دنیا کی باتیں کرنی درست ہیں یا نہیں؟

الجواب:

جب وہ مکان عام مسلمین کے ہمیشہ نماز پڑھنے کے لئے بنایا اسے کسی محدود مدت سے مقید نہ کیا کہ مہینے دو مہینے یا سال دو سال اس میں نماز کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں نماز حتی کہ جمعہ وعیدین تک ہوتے ہیں تو اس کے مسجد ہونے میں کیا شک ہے، اس میں دنیا کی باتیں ناجائز اور تمام احکام احکام مسجد، مسجد ہونے کے لئے زبان سے مسجد کہنا شرط نہیں، نہ محراب نہ ہونا کچھ منافی مسجدیت۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی محراب نہیں، خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہوجائیگی، اگرچہ یہ نہ کہا ہو اسے مسجد کیا، اس میں محراب کہاں سے آئیگی، ذخیرہ وہندیہ وخانیہ، بحر وطحطاوی میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة فهذا علی ثلثة اوجه ان امرهم	ایک شخص کی خالی زمین بے عمارت ہے اس نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اس میں جماعت سے نماز پڑھیں، اس کی تین صورتیں ہیں اگر تصریحًا کہا کہ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۴

بالصلٰوۃ فیھا ابدًا نصًا بان قالواصلوا فیھا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًاونوی الابدصارت الساحۃ مسجدًا اوان وقت الامر بالیوم او الشھر اوالسنۃ لا تصیر مسجدًا لومات یورث عنہ[1]۔	ہمیشہ پڑھیں یا مطلق کہا اور دل میں ہمیشگی کی نیت تھی تو وہ سادہ زمین مسجد ہوگئی اور اگر ایک دن یا مہینے یا برس کی قید لگادی کہ اتنے دن اس میں نماز پڑھ لو تو مسجد نہ ہوگی، اسکے مرنے پر وارثوں کو پہنچے گی۔

درمختار میں ہے: یزول ملکہ عن المسجد بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا[2] یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہوجائے تو اس سے بھی مسجد ہوجائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔ بحرالرائق میں ہے:

لایحتاج فی جعلہ مسجدا الی قولہ وقفتہ ونحوہ لان العرف جاریا لاذن فی الصلٰوۃ علٰی وجہ العموم و التخلیۃ بکونہ وقفا علی ھذہ الجھۃ فکان کالتعبیر بہ[3]۔	مسجد ہونے کو کچھ ضروری نہیں کہ زبان سے کہے میں نے اسے وقف کیا یا اور کوئی لفظ اس کے مثل (۔مثلاً مسجد کیا) اس کے کہنے کی کچھ حاجت نہیں کہ عرف جاری ہے کہ نماز کی عام اجازت دے کر زمین اپنے قبضہ سے جدا کردینا نماز کیلئے وقف ہی کرنا ہے، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے زبان سے کہنا کہ اسے مسجد کیا۱۲۔

اسی میں ہے:

بنی فی فنائہ فی الرستاق دکانا لاجل الصلٰوۃ یصلون فیہ بجماعۃ کل وقت فلہ حکم المسجد[4]۔	گاؤں میں اپنے پیش دروازہ کوئی چبوترہ نماز کیلئے بنالیا کہ لوگ پانچوں وقت اس میں جماعت کرتے ہیں اس چبوترے کے لئے مسجد کا حکم ہے ۱۲

اقول: بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کردے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نماز مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵
[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹
[3] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۸۔۴۹
[4] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

جب بھی مسجد ہو جائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے موقوف پورے ہو گئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہو گئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ ہم یہ زمین وقف نہیں کرتے صرف اس طور پر نماز کی اجازت دیتے ہیں کہ زمین ہماری ملک رہے اور لوگ نماز پڑھیں، تو البتہ نہ وقف ہوتی نہ مسجد۔ یہاں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین مذکور جسے بالاتفاق اہل شہر نے محل نماز کیا یا تو عام زمین ملک بیت المال ہو جس میں اتفاق مسلمان بجائے حکم امام ہے یا ان کی ملک ہو یا اصل مالک بھی شامل ہو یا اس کی اجازت سے ایسا ہوا ہو یا بعد وقوع اس نے اسے جائز و نافذ کر دیا ہو، ورنہ اگر اہل شہر کسی شخص کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے نماز کے لئے وقف کر دیں اور وہ جائز نہ کرے، ہر گز نہ وقف ہو گی نہ مسجد، اگرچہ سب اہل شہر نے بالاتفاق یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے اسے مسجد کیا۔ بحر الرائق میں ہے:

فی الحاوی القدسی ومن بنی مسجدا فی ارض المملوکۃ لہ الخ فافاد ان من الخانیۃ لو ان سلطانا اذن لقوم ان یجعلوا ارضا من اراضی البلدۃ حوانیت موقوفۃ علی المسجد او امرھم ان یزید وا فی مسجدھم قالوا ان کانت البلدۃ فتحت عنوۃ وذٰلک لا یضر بالمارۃ والناس ینفذ امر السلطان فیھا وان کانت فتحت صلحا لاینفذ امر السلطان لان فی الاول تصیر ملکا للغانمین فجاز امر السلطان فیھا وفی الثانی	حاوی قدسی میں ہے جس نے اپنی مملوک زمین میں مسجد بنائی اس سے ثابت ہوا کہ مسجد ہونے کے لئے شرط ہے کہ بانی اس زمین کا مالک ہو، اسی لئے فتاوٰی قاضی خاں میں فرمایا کہ اگر سلطان نے لوگوں کو اجازت دی کہ شہر کی کسی زمین پر دکانیں بنائیں جو مسجد پر وقف ہوں یا حکم دیا کہ یہ زمین مسجد میں ڈال لو، علماء نے فرمایا اگر وہ شہر بزور شمشیر فتح ہوا ہے اور وہ دکانیں بنانا یا مسجد میں اس زمین کا شامل کر لینا راستہ تنگ نہ کرے نہ عام لوگوں کا اس میں نقصان ہو تو وہ حکم سلطان نافذ ہو جائے گا، اور اگر شہر صلح سے فتح ہوا تو نہیں کہ پہلی صورت میں شہر کی زمین بیت المال کی ملک ہو گئی تو اس میں سلطان کا حکم جائز ہے اور دوسری صورت میں اصلا مالکوں

تبقٰی علی ملك ملاکہا فلاینفذ امرہ فیہا[1]۔	کی ملک رہی تو سلطانی حکم اس میں نفاذ نہ پائیگا ۱۲

ردالمحتار میں ہے:

شرط الوقف التأبید والارض اذاکانت ملکا لغیرہ فللمالك استردادها[2]۔	وقف کی شرط ہمیشگی ہے اور زمین جب دوسرے کی ملک ہو تو مالک اسے واپس لے سکتا ہے ۱۲

یہ بیان بغرض تکمیل احکام تھا، سوال سے ظاہر وہی پہلی صورت ہے تو اس کے مسجد ہونے میں شک نہیں اور اس کا ادب لازم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹: غرۃ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارش کے دن مسجد میں بیٹھ کر وضو کرنا اس طرح پر کہ غسالہ صحن مسجد میں گرے جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہت؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صحن مسجد مسجد ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) اور مسجد میں وضو حرام۔

واستثناء موضع اعد لذلك لایصلی فیہ معناہ اذاکان الاعداد من الوقف قبل تمام المسجدیۃ امابعدہ فلا یمکن منہ الواقف نفسہ فضلا عن غیرہ کما حققناہ فیما علی رد المحتار علقناہ واذاکان ذلك کذلك لم یکن الثنیا الاصوریا منقطعا کمالایخفی۔	وضو کے لئے بنائی گئی جگہ جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ واقف نے تمام مسجدیت سے قبل وہ جگہ وضو کے لئے بنائی ہو لیکن تمام مسجدیت کے بعد تو خود واقف بھی اس پر شرعًا قادر نہیں چہ جائیکہ کوئی اور ایسا کرسکے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ استثناء محض صوری و منقطع ہوگا، جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں اس طرح وضو کرلے کہ ماءِ مستعمل برتن ہی میں گرے، ہاں صرف معتکف کو اس صورت کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ کوئی بوند برتن سے باہر نہ جائے۔

[1] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۰

درمختار میں ہے:

یحرم فیہ(ای فی المسجد)الوضوء الافیما اعدلذٰلک[1]۔	مسجد میں وضو حرام ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہے(ت)

اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الاان یکون ثمہ موضع اعدلذٰلك لایصلی فیہ اوفی اناء[2]۔	مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے الایہ کہ وہاں کوئی جگہ اسی مقصد یعنی وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو یا پھر کسی برتن میں وضو کیا جائے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی البدائع یکرہ التوضی فی المسجد لانہ مستقذر طبعا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہہ عن المخاط والبلغم[3]۔	بدائع میں ہے کہ مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے طبعًا گھن محسوس ہوتی ہے لہذااس سے مسجد کو پاک رکھنا ایسے ہی واجب ہے جیسا کہ رینٹ اور بلغم سے مسجد کو پاک رکھنا(ت)

اسی میں ہے:

قولہ اوفی اناء **اقول**:ھذالیس علی العموم بل فی المعتکف فقط بشرط عدم تلویث المسجد[4]۔	اس کا کہنا کہ یا برتن میں وضو کرلے، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم عموم پر نہیں بلکہ صرف معتکف کے لئے ہےاور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے۔(ت)

بحرالرائق باب الاعتکاف میں ہے:

فی البدائع وان غسل المعتکف	بدائع میں ہے کہ اگر معتکف مسجد میں اس طرح

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۱۔۲۳۰

رأسه فی المسجد فلاباس به اذا لم یلوث بالماء المستعمل فان کان بحیث یتلوث المسجد یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب ولوتوضأ فی المسجد فی اناء فھو علی ھذا التفصیل انتھی بخلاف غیر المعتکف فانه یکرہ له التوضی فی المسجد ولو فی اناء ان یکون موضعا اتخذ لذٰلك لایصلی فیه[1] اھ۔	سر دھوئے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث نہ ہو تو حرج نہیں ورنہ ممنوع ہے کیونکہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور اگر وہ مسجد میں کسی برتن میں وضو کرے تب بھی وہی تفصیل ہے جو مذکور ہوئی (انتھی) بخلاف غیر معتکف کے کہ اس کے لئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو اھ۔

تو اگر خروج ممکن ہے مثلاً بارش خفیف ہے یا چھتری وغیرہ آلات حفاظت پاس ہیں او باہر نکلنے سے معذور نہیں تو واجب ہے کہ باہر ہی وضو کرے اور اگر عذر قوی قابل قبول ہے تو اگر کوئی برتن وغیرہ میسر ہے جس میں بلا تلویث مسجد وضو کرسکے جب بھی صحن میں وضو حرام ہے بلکہ چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کرلے اور برتن میں اس طرح وضو کرے کہ باہر چھینٹ نہ پڑے یا جو تدبیر ممکن ہو۔ایک سال اعتکاف میں شب کے وقت بارش بشدت تمام ہورہی تھی اور کوئی برتن اس اطمینان کا نہ تھا کہ وضو کرتے میں پانی قطرہ قطرہ سب اسی میں جائے، جاڑے کا موسم تھا فقیر نے توشک پر چادر چند تہہ کرکے رکھی اور اس پر وضو کیا کہ سب پانی چادر ہی میں رہا۔ غرض جو طریقہ تحفظ مسجد کا ممکن ہو بجالائے ورنہ بمجبوری بضرورت در میں بیٹھ کر اس طرح وضو کرے کہ خود سائے میں رہے اور پانی تمام وکمال موقع آب ومجرائے بارش میں گرے کہ ساتھ ہی مینہ اسے بہاتا لے جائے لان من قواعد الشرع ان الضرورات تبیح المحظورات[2] (کیونکہ شرعی قواعد میں سے ہے کہ ضرورتیں محظورات وممنوعات کو مباح وجائز کردیتی ہیں۔ت)

وقد قال اللہ تعالٰی "مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ"[3] وقد رخصت الشریعة لعذر المطر فی ترك الجماعة وحضور المسجد	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔اور تحقیق شریعت نے بارش کی وجہ سے جماعت ترک کرنے اور مسجد میں حاضر نہ ہونیکی

[1] بحر الرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲ / ۷۸

مع وجوبھما علی المعتمد کما حققناہ فی رسالۃ لنا فی حکم الجماعۃ بل فی ترك الجمعۃ مع انھا فریضۃ قطعیۃ اجماعیۃ۔	رخصت دی ہے حالانکہ مذہب معتمد پر یہ دونوں واجب ہیں، جیساکہ ہم نے حکم جماعت سے متعلق اپنے رسالے میں اسکی تحقیق کی ہے، بلکہ جمعہ کو چھوڑنے کی بھی بسبب بارش رخصت دی گئی باوجودیکہ وہ فرض قطعی اجماعی ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لاتجب (یعنی الجماعۃ) علی من حال بینہ وبینھا مطر وطین وبرد شدید[1]۔	اس شخص پر جماعت واجب نہیں جس کے لئے بارش کیچڑ او شدید سردی رکاوٹ بن جائے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار بالحیلولۃ الی ان المراد المطر الکثیر کما قیدہ بہ فی صلٰوۃ الجمعۃ وکذا الطین[2]۔	رکاوٹ بننے کے ذکر سے صاحب تنویر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد شدید بارش اور سخت کیچڑ ہے، جیساکہ نماز جمعہ میں انہوں نے یہ قید لگائی ہے (ت)

درمختار میں ہے:

شرط لافتراضھا (ای الجمعۃ) بلوغ وعقل وعدم مطر شدید ووحل وثلج ونحوھما[3] اھ ملتقطا وذلك ان اللہ رؤف بالعباد، والحمدللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	نماز جمعہ کی فرضیت کے لئے عاقل وبالغ ہونا اور شدید بارش، کیچڑ اور برف وغیرہ کا نہ ہونا شرط ہے (التقاط) اور یہ اس لئے ہے کہ بیشك اللہ تبارك وتعالٰی اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں حدث کرنا جائز ہے یانہیں؟ اور معتکف کو حدث کرنا مسجد میں جائز ہے یانہیں؟ اور کوئی طالبعلم باوجود حجرہ ہونے کے مسجد میں کتب بینی کرے اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۳

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

حدث بھی کرے تواب اس صورت میں مسجد میں بیٹھنا افضل ہے یا حجرہ میں؟اور جو صاحب اس کو تسلیم نہ کریں ان کو کیا حکم ہے شریعت کا؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد میں حدث یعنی اخراج ریح غیر معتکف کو مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ ایسے وقت باہر ہو جائے پھر چلا آئے، طالب علم کو مسجد میں کتب بینی کی اجازت ہے جبکہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اور اخراج ریح کی حاجت نادر ہو تو اٹھ کر باہر چلا جائے، ورنہ سب سے بہتر یہ علاج ہے کہ بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھے اور کتاب دیکھے جبکہ کتاب علم دین کی ہو یا ان علوم کی جو علم دین کے آلہ ہیں، اور یہ اسی نیت سے اسے پڑھتا ہو، جو شخص غیر معتکف کو اخراج ریح مسجد میں خلاف ادب نہیں جانتا غلطی پر ہے اسے سمجھا دیا جائے، یہ طریقہ اعتکاف کہ اوپر بیان ہوا اس کے لئے ہے جس کی ریح میں وہ بو نہ ہو جس سے ہوائے مسجد پر اثر پڑے، بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بوئے شدید ہوتی ہے بعض کو بوجہ سوئے ہضم وغیرہا عارضی طور پر یہ بات ہو جاتی ہے ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بوئے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے۔

وان الملئکة تتأذی ممایتاذی منه بنوادم[1]۔قاله رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱: منشی عبدالصبور صاحب ۲۹ صفر مظفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد زید کے آباواجداد کی تعمیر ہے اور اسی بناء پر زید اپنے کو متولی مسجد مذکور قرار دیتا ہے، یہ مسجد ویران رہتی تھی، متولی ضروریات واقع کا خبر گیراں نہیں ہوتا تھا، اہل محلّہ نے مرمت شکست ریخت کے واسطے متولی سے کہا کچھ بندوبست نہیں کیا تو اہل محلّہ نے تعمیر شروع کرادی، مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی، تعمیر ناتمام تھی کہ متولی نے روکا کہ جب ہم کو مقدرت ہوگی خود بنوادیں گے، تعمیر ناتمام رہی، اس مسجد میں کنواں بھی نہیں، متصل شارع عام کے کنویں سے کہ ہر کس وناکس پانی بھرتا ہے مسجد میں پانی آتا ہے، ہنود کی بے احتیاطی دیکھ کر اب اہل محلّہ کا قصد ہے کہ مسجد میں ہی کنواں تعمیر ہو جائے اور ایک حجرہ بھی سکونت جاروب کش ومؤذن کے واسطے تعمیر ہو جائے مگر متولی مانع ہوتا ہے کہ اور کوئی نہ بنوائے

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

جب ہم کو استطاعت ہوگی خود بنوادیں گے ایسی حالت میں تعویق تعمیر کا حق متولی کو شرعاً حاصل ہے یا نہیں اور تعمیر سابق بدون اجازت متولی جائز ہوئی یا نہیں اور ممانعت متولی باطل تھی یا صحیح؟ اب بدون اجازت اہل محلّہ تعمیر کرا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور متولی مذکور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہیں ہے اور تعمیر ضروریات میں مانع ومزاحم ہوتا ہے شرعاً متولی رہ سکتا ہے؟ یا تولیت سے معزول ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں واقعی متولی کو بھی ہرگز حق نہ تھا کہ تعمیر مسجد سے اہل محلّہ کو روکتا، نہ کہ یہ شخص جو صرف اس بنا پر کہ مسجد اس کے بزرگوں کی تعمیر ہے اپنے آپ کو متولی ٹھہراتا ہے، تعمیر سابق کہ مسلمانان اہل محلّہ نے بے اجازت شخص مذکور کی ضرور جائز ہوئی کہ وہ باجازت قرآن عظیم ہے۔ اللہ عزوجل کی اجازت کے بعد زید وعمرو کی اجازت وعدم اجازت کیا چیز ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ"[1]	خدا کی مسجدیں وہی عمارت کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز برپا رکھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنٰی للّٰہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں مکان تعمیر فرمائے۔

شخص مذکور کی ممانعت محض باطل ونامسموع تھی اب بھی اہل محلّہ بے اس کی اجازت کے تعمیر کر سکتے ہیں، درمختار میں ہے:

اراد اھل المحلۃ نقض المسجد وبناءہ احکم من الاول ان البانی من اھل المحلۃ لھم ذٰلک والالا، بزازیۃ[3]۔	اہل محلّہ نے مسجد گرانے اور پہلے سے مضبوط تر بنانے کا ارادہ کیا اگر دوبارہ بنانے والا اہل محلّہ سے ہے تو انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۰، مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۸

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

فتاوٰی قاضی خاں پھر ردالمحتار میں ہے:

لیس لورثته منعهم من نقضه والزیادة فیه ولااهل المحلة تحویل باب المسجد[1]۔	واقف کے ورثاء اہل محلّہ کو مسجد گراکر وسیع کرنے سے منع نہیں کرسکتے مسجد کا دروازہ تبدیل کرنے کا بھی اہل محلّہ کو اختیار ہے (ت)

محیط امام سرخسی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجد ثم مات فاراداهل المسجد ان ینقضوہ ویزیدوافیه فلهم ذٰلك ولیس لورثة المیت منعهم[2]۔	ایک شخص نے مسجد بنائی پھر وہ فوت ہوگیا، بعد ازاں اہل محلّہ نے اس مسجد کو گرانے اور اس میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا تو بانی اول کے ورثاء کو منع کرنے کا اختیار نہیں (ت)

شخص مذکور ضروریات مسجد کا خبر گیراں نہیں ہوتا اور اہل محلّہ کی درخواست پر بھی درستی مسجد کا کچھ بندوبست نہ کیا اور جب اہل محلّہ نے تعمیر شروع کی اور مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی تو روکنے کو آموجود ہوا اور وہ روکنا بھی یوں نہیں کہ آپ تعمیر کرنا شروع کرتا بلکہ نرا وعدہ کہ ہم بنوادیں گے وعدہ بھی کیسا، محض موہوم کہ جب ہمیں مقدرت ہوگی بنوائیں گے، تو ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شخص مذکور آبادی وعمارت مسجد میں خلل انداز ہے اور وہ ضرور "مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ۙ﴿۱۲﴾"[3] (نیکی سے بہت زیادہ منع کرنیوالا حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے۔ت) میں داخل ہے آپ تعمیر نہ کرتا ہے نہ کرسکتا ہے کہ خود اپنی مقدرت سے انکار رکھتا ہے اور مسلمانوں نے جو تعمیر کی جس سے نماز وجماعت ہونے لگی اسے روکتا ہے تو صاف ویرانی مسجد کا خواستگار اور "مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[4] (اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ تعالٰی کے ذکر سے منع کرے اور مساجد کی بربادی میں کوشاں ہو۔ت) کی وعید شدید کا سزاوار ہے۔ شخص مذکور کو اگر متولی فرض بھی کرلیں تو اور مسلمانان محلّہ کی تعمیر میں اس کی کوئی اہانت نہیں نہ ہرگز شرع مطہر میں متولی کو حق دیا گیا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کہ بوعدہ موہومہ مقدرت آپ تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو خراب رکھے اہل محلّہ کو تعمیر سے روکے۔فرض کیجئے اسے مقدرت کبھی نہ ہوئی تو کیا ہمیشہ مسجد ویران رکھیں یا اسے استطاعت دس برس یا دس مہینے یا دس دن ہی بعد ہوگی تو کون سی شریعت نے فرض کیا ہے کہ اس کی مقدرت کا انتظار کرو اور اتنی مدت مسجد خراب رکھو۔جو شخص دعوی کرتا ہے کہ بسبب وعدہ اور لوگوں کو اس کے تیار کرانے کا انتظار کرنا ہوگا اگر اپنی ہوائے نفس کا حکم دیتا ہے تو مسلمانوں پر اس کا اتباع نہیں،اور اگر اسے شرع مطہرہ کا حکم ٹھہراتا ہے تو صراحۃً شریعت غرا پر افتراء کرتا ہے،شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کہیں نہیں کہ ایسے مہمل وعدوں کا انتظار مسلمانوں کو کرنا ہوگا انتظار میں مسجد کو خراب رکھنا ہوگا،مسجد متولی یا اس کے بزرگوں کی ملک نہیں۔ **قال اللہ تعالٰی** "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی ہی کی ہیں۔ت)فرضی یا واقعی متولی کو کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وعدہ فردا کے انتظار پر مجبور کرے اور تا تریاق از عراق کے لئے مسجد کو خراب رکھے،ایسے انتظار کا فتوٰی دینا صریح جہالت وضلالت ہے خصوصًا جبکہ مسلمان آنکھوں دیکھ چکے کہ وہ ضروریات مسجد کی خبر گیری نہیں کرتا اور باوصف درخواست اس نے کچھ پروانہ کی،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[2]۔	مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا(ت)

اور اگر بفرض باطل تسلیم بھی کرلیں کہ اوروں کی تعمیر میں بخیال عوام اس کی کوئی اہانت ہے تو بیت اللہ کی اہانت وخرابی سے اس کی یہ نفسانی اہانت آسان تر ہے۔بھلا متولی تو متولی،علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اصل بانی مسجد اور اہل محلّہ میں دربارہ امام ومؤذن نزاع ہو اور جسے اہل محلّہ چاہیں وہ زیادہ مناسب ہو تو اصل بانی کے اختیار پر اہل محلّہ ہی کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی۔اشباہ والنظائر میں ہے:

ان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اھل المحلة ان کان مااختارہ اھل المحلة اولٰی من الذی اختارہ البانی فمااختارہ اھل المحلة اولٰی[3]۔	بانیان مسجد اور اہل محلّہ کے درمیان امام مؤذن کی تقرری میں اختلاف واقع ہو اور جس کو اہل محلّہ پسند کریں وہ بانی کے پسند کردہ سے اولٰی ہے تو اسی کو مقرر کرنا بہتر ہے(ت)

[1] القرآن الکریم ٧٢/ ١٨

[2] مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ٢/ ٣٧٩

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ١/ ٣٠٧

جب اصل واقف پر اہل محلّہ کو صرف اس وجہ سے کہ ان کا پسند کردہ زیادہ مناسب ہے شرع مطہر نے ترجیح عطا فرمائی تو یہاں کہ آبادی و ویرانی کا اختلاف ہے اور شخص مذکور خود واقف بھی نہیں اور خود عمارت کرتا بھی نہیں نرے وعدہ ہی پر ٹالتا ہے اور وہ وعدہ بھی ایک غیبی بات پر موقوف کہ خدا جانے ہوئی یا نہ ہوئی کیونکہ اہل محلّہ کی کارروائی کے آگے جو سراسر نافع مسجد ہے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے، اور جب اس ترجیح اہل محلّہ میں خود واقف کی اہانت نہ تھی یا فرضًا ہو تو شرع مطہر نے اصلًا اسپر لحاظ نہ فرمایا اور محض ایک انسب بات کے لئے اہل محلّہ ہی کو ترجیح بخشی تو یہاں اس غیر واقف کی اہانت کیا ہوگی یا ہو تو اس پر شرع کیا لحاظ فرمائے گی ایسے بیہودہ مخیلات کو مدار فتوٰی قرار دینا سخت عامیانہ سفاہت ہے جس کے لئے شرع الٰہی میں اصلًا اصل نہیں، معہذا ظاہر ہے کہ اہل محلّہ کا مقصود آبادی مسجد ہے نہ کہ اس شخص کی اہانت، ولہذا پہلے خود اسی سے درخواست کی جب اس نے کان نہ رکھا مجبورانہ خود عمارت شروع کی تو اہل محلّہ کی یہ غرض ٹھہرالینی کہ شخص مذکور کو ذلت پہنچے کس قدر شدید سوئے ظن و جہالت ہے کیا وہ اس قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ لاینظر الٰی صورکم واموالکم ولکن ینظر الٰی قلوبکم واعمالکم[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔(ت)

کے مستحق نہیں؟ کیا صحیح حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔	بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔(ت)

کا مخالف فاسق نہیں؟ ضرور ہے۔ اور شخص مذکور جبکہ تعمیر ضروریات کا مانع ومزاحم ہے تو بدخواہی مسجد کے سبب اگر متولی بھی ہوتا اس کا معزول کرنا واجب تھا نہ کہ فقط اولادِ بانی سے ہونا کہ ہرگز موجب تولیت نہیں کما لایخفی (جیسا کہ چھپا ہوا نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲: از میرٹھ کوٹھی انانش خیر نگر دروازہ مرسلہ ولایت اللہ خاں ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت میں مسجدوں کے اوپر مینار اور برج نہیں تھے، اب کیونکر بنائے جاتے ہیں؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب تعلیم الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۵

الجواب:

واقعی زمانہ اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مساجد کے لئے برج کنگرے اور اس طرح کے منارے جن کو لوگ مینار کہتے ہیں ہرگز نہ تھے بلکہ زمانہ اقدس میں پکے ستون نہ پکی چھت، نہ پکا فرش نہ گچکاری، یہ امور اصلًا نہ تھے **کما فی صحیح البخاری فی ذکر مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (جیسا کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد کے ذکر میں ہے۔ت) بلکہ حدیث میں ہے:

ابنواالمساجد واتخذوھا جما[1]۔رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو (اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے سنن میں سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے:

ابنوامساجدکم جماوابنوامدائنکم مشرفۃ[2]۔رواہ ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اپنی مسجدیں منڈی بناؤ اور اپنے شہر کنگرہ دار۔(اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ت)

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر تنبہ کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے اس قسم کے امور علماء وعامہ مسلمین نے مستحسن رکھے، اسی قبیل سے ہے قرآن عظیم سے ہے قرآن عظیم پر سونا چڑھانا کہ صدر اول میں نہ تھا اور اب بہ نیت تعظیم واحترام قرآن مجید مستحب ہے۔ یونہی مسجد میں گچکاری اور سونے کا کام،

ومارأہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن[3]۔	جس شیئ کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ بھی اچھی ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیھا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیھا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹، کنزالعمال حدیث ۲۰۷۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۵۶

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۷۹

درمختار میں ہے:

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[1]۔	قرآن مجید کو مزین کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو تعظیماً منقش کرنا جائز ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[2]۔	قلعی اور سونے کے پانی سے مسجد کو منقش کرنا مکروہ نہیں۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاباس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذھب والصرف الی الفقراء افضل کذا فی السراجیۃ وعلیہ الفتوی کذا فی المضمرات وھکذا فی المحیط[3]۔	مسجد کو قلعی، ساج کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں حرج نہیں تاہم فقراء پر صرف کرنا اولٰی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے، مضمرات اور محیط میں یونہی ہے(ت)

اور ان میں ایک منفعت یہ بھی کہ مسافر یا ناواقف منارے کنگرے دور سے دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہاں مسجد ہے، تو اس میں مسجد کی طرف مسلمانوں کو ارشاد وہدایت اور امر دین میں ان کی امداد واعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪"[4]	نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔(ت)

تیسری منفعت جلیلہ یہ ہے کہ یہاں کفار کی کثرت ہے، اکثر مسجدیں سادی گھروں کی طرح ہوں تو ممکن ہے کہ ہمسایہ کے ہنود بعض مساجد پر گھر اور مملوک ہونے کا دعوی کردیں اور جھوٹی گواہیوں سے جیت لیں بخلاف اس صورت کے کہ یہ ہیأت خود بتائے گی کہ یہ مسجد ہے تو اس میں مسجد کی حفاظت اور اعدا سے اس کی صیانت ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/ ۱٦۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۱۴۳: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ قاضی ہاٹ متصل بختیار منشی کے بازار مرسلہ مولوی عبدالعلی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی ہندو مشرک زمیندار اپنی زمین میں نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے ایک مسجد بنادے یا مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو درست یا پختہ کردے یا ازروئے حیلہ کے دوسو یا چارسو کسی شخص کو مسجد بنوانے کی نیت سے دے وہ شخص زرِ دادہ سے مسجد بنادے شرعاً اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمان کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحۃً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوادو، مسلمان نے ایساہی کیاتو وہ مسجد ضرور ہوگئی اوراس میں نماز پڑھنی درست ہے۔

لانہ انما یکون اذناللمسلم بشراء الآلات للمسجد بمالہ وبمجرد ھذالایصیر وکیلا وان فرض التوکیل فحیث لم یعین جنس المشری لایقع الشراء الا للمسلم لان الجھالۃ الفاحشۃ تبطل الوکالۃ۔ فی الدر المختار الاصل انھا(ای الوکالۃ)ان جھلت جھالۃ فاحشۃ وھی جھالۃ الجنس کدابۃ بطلت اھ[1] (ملخصًا) ومعلوم ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ علیہ فعلی کل کانت الآلات ملک المسلم وقد جعلھا مسجدا فصح۔	کیونکہ یہ اس کی طرف سے مسلمان کو اس کے مال سے مسجد کے لئے سامان خریدنے کا اذن ہوا اور محض اتنی بات سے وہ وکیل نہ ہوا اور بالفرض توکیل مان بھی لیں توجب جنس شراء غیر معین ہے توشراء مسلمان کے لئے ہی واقع ہوگی اس لئے کہ جہالت فاحشہ وکالت کو باطل کردیتی ہے۔درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وکالت جہالت فاحشہ کے ساتھ مجہول ہو یعنی جہالت جنس ہو جیسے دابہ کا مجہول ہونا تو وکالت باطل ہوجاتی الخ (ملخصا) اوریہ بات معلوم ہے کہ شراء جب مشتری پر نفاذ پائے تو نافذ ہوجاتی ہے، بہرصورت وہ خریدا ہوا سامان مسلمان کا مملوک ہوا اوراس نے مسجد بنادی تو صحیح ہے۔(ت)

یونہی مسجد قدیم کی درستی ومرمت اگر کافر کرے تواس کی مسجدیت میں نقصان نہ آئے گا **لان المسجد اذا تم مسجدا لایعود غیر مسجد ابدا** (کیونکہ مسجد بن جانے کے بعد کبھی بھی وہ غیر مسجد نہیں بن سکتی۔ت)

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۴

اسی طرح کچھ مسجد کو اگر پکی کرادے فرش اور دیواریں پختہ بنوادے جب بھی اس کی مسجدیت میں حرج نہیں اس میں نماز درست ہے کہ یہ دیواریں اگرچہ ملک کافر رہیں گی کہ وہ مسجد کے لئے وقف کرنے کا اہل نہیں مگر دیواریں حقیقت مسجد میں داخل نہیں،

حتی لولم تکن او رفعت لم یتطرق الی المسجد خلل الاتری ان المسجد الحرام لاجدران فیه اصلا وان بناء الکعبة لو رفع کما وقع فی زمن سیدنا عبدالله بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما لصحت الصلوة الیها کما نصوا علیه۔	مسجد کی دیواریں اگر بالکل نہ ہوں یا مرتفع ہوجائیں تو مسجدیت میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مسجد الحرام میں دیواریں نہیں ہیں اور اگر کعبۃ اللہ کی عمارت اگر مرتفع ہوجائے جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ہوا تو تب بھی اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

یوں ہی مسالہ کہ فرش پختہ کرنے کو ڈالا چٹائی کی طرح ایک شیئ زائد ہے اور جواز نماز یوں کہ اگرچہ وہ مسالہ ملک کافر پر رہے گا مگر اس پر نماز اس کے اذن سے ہے،

فکان کالصلاۃ فی ارض الکافر باذنه بل اولی۔	تو یہ کافر کی زمین میں اس کے اذن سے نماز پڑھنے کی مانند ہوا یا اس سے بھی اولٰی ہے۔ (ت)

ہاں ایسی چیز کا قبول کرنا مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ مسجد کو ملک کافر سے آلودہ کرنا ہے،

وقد قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا لا نستعین بمشرک[1]۔	تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرک سے استعانت نہیں کرتے (ت)

اور اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ جب وہ فرش ملک کافر پر باقی ہے تو اگر کسی وقت وہ یا اس کے بعد اس کا وارث اس پر نماز سے منع کردے تو نماز ناجائز ہوجائے گی جب تک فرش کھود کر زمین صاف نہ کرلیں۔ رہی پہلی صورت کہ مشرک اپنی زمین میں مسجد بنوادے اگر مشرک نے وہ زمین کسی مسلمان کو ہبہ کردی اور مسلمان نے مسجد بنوائی تو جائز ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے، اور اگر بے تملیک مسلم اپنی ہی ملک رکھ کر مسجد بنوائی تو وہ مسجد شرعًا مسجد نہ ہوئی،

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجهاد باب فی الاستعانة بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

لان الکافر لیس اھل لوقف المسجد وفی جواھر الاخلاطی جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلٰوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثا لورثتہ[1] وھذا قول الکل۔	کیونکہ کافر مسجد کو وقف کرنے کا اہل نہیں جواہر الاخلاطی میں ہے کہ ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا اور مسلمانوں کی طرح اس کی تعمیر کرائی پھر مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کو کہا اور انہوں نے اس میں نماز پڑھی بعد ازاں وہ ذمی مرگیا تو وہ اس کے وارثوں کو بطور میراث ملے گی، اور یہی سب کا قول ہے (ت)

اس میں نماز ایک کافر کے گھر میں نماز ہے جس پر نماز مسجد کا ہرگز ثواب نہیں مگر جبکہ اس کے اذن سے ہے نماز درست ہے اگر منع کردے گا تو اب اجازت نہ رہے گی اور زمین غصب میں نماز کی طرح مکروہ ہوگی **للتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنہ** (ملک غیر میں بلااذن مالک تصرف کرنے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴:　　　　ازکانپور مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرکے کسب ناجائز اختیار کرلیا اور مال میں ہزار پانسو کی تجارت بھی کرتی رہی چنانچہ اس نے اسی مال سے چند دن میں متعدد مکان وغیرہ بھی خرید کئے اور وہ مال اسکے پاس کچھ بطور حلال حاصل ہوا تھا اور کچھ بطور حرام، لیکن یہ امر کہ مال حلال کس قدر تھا اور مال حرام کس قدر، کچھ معلوم نہیں، خلاصہ یہ کہ وہ مال اس کے پاس مختلط تھا، اس کے بعد اس مال کی وارث اس کی ماں بنی، ہندہ کی ماں نے محض اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کی، اب اس مسجد میں لوگ نماز پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں، پس یہ فرمایا جائے کہ ایسی مسجد کو حکم مسجد کا دیں گے یا نہیں؟ اور یہ وقف شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی ارشاد ہو کہ مال مختلط وراثۃً اگر شخص کو نہ ملا ہو جبکہ خود اس کے پاس مختلط اپنا ذاتی ہو جیسا آج زمانے میں بکثرت لوگوں کے پاس ہے اگر ایسے سے مسجد بنوائی جائے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال مختلط کہ مورث وجوہ مختلفہ سے جمع کرلے اور وارث کو اس کی کچھ تفصیل کا پتا نہیں چل سکا کہ کتنا حلال ہے کتنا حرام ہے، جو حرام ہے کس کس سے لیا ہے تو امر مجہول کا مطالبہ اس سے نہیں ہوسکتا ایسی ہی

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الوقف قلمی نسخہ ص ۱۲۷

جگہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ:

الحرمة لاتتعدی بیان المسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہما من الاسفار۔	حرمت متعدی نہیں ہوتی اس مسئلہ کی وضاحت درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے(ت)

تو مسجد مذکور ضرور مسجد ہے اور اس کا وقف صحیح اور اس میں نماز جائز، اور اگر خود اپنا روپیہ مختلط بلکہ حرام ہو اور اس سے مسجد یوں بنائے کہ زمین وخشت وغیرہما آلات کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع نہ ہو تو مذہب امام کرخی پر کہ اب وہی مفتی بہ ہے ان خریدی ہوئی اشیاء میں خباثت اثر نہ کرے گی۔

بل استحسن فی الطریقة المحمدیة الافتاء بما اوسع من ھذا وھوان الخبث لایسری فی الابدال مطلقا اذا کان ذلك فیما لایتعین فی البیع کالدراھم والدنانیر۔	بلکہ طریقہ محمدیہ میں تو اس سے وسیع تر صورت پر فتوی کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ خباثت ابدال میں مطلقًا اثر نہیں کرتی جبکہ ان اشیاء میں ہو جو بیوع میں متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم ودنانیر۔(ت)

حرام پر عقد کے یہ معنی کہ زرحرام دکھا کر کہے اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، اور نقد کے یہ معنی کہ پھر زرِ حرام ہی اس کے معاوضہ میں دے، اگر مطلقًا بغیر روپیہ دکھائے کوئی چیز خریدے اور پھر زرِ حرام عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا،

لانه فیه بأدائه الی من کان له وان لم یبق ھو ولاوارثه اولم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔	کیونکہ اس میں وہ مال حرام اس شخص کو واپس کرنے کا پابند تھا جس کا وہ ہے اگر وہ یا اس کا کوئی وارث باقی نہیں یا ان کا علم نہیں تو صدقہ کرنا لازم ہے جبکہ یہ مال حرام کسی کو معاوضے میں دینے اور اصل مالک کو واپس کرنے سے عدول ہوگا تو جائز نہیں(ت)

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے جیسے غصب ورشوت واجرت زنا وغیرہ کا روپیہ مگر جبکہ حرام پر عقد نہ ہوا فرد مطلق پر ہوا خریدی ہوئی شے میں خبث نہ آیا یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، جب اس نے دے دی اس نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا، ان دونوں صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر ابدال یعنی خریدی ہوئی چیزیں حلال رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت اولٰی پر ہوتی ہیں کہ حرام پر عقد نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض بعض آلات پر اتفاقًا ایسا ہوا ہو تو اس کا حال معلوم نہیں،

وقد قال فی الاصل بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ ہم اسی کو اپناتے ہیں جب تک ہمیں کسی خاص شئے کے حرام ہونے کا پتانہ چل جائے۔(ت)

تو ایسی مساجد کی مسجدیت اور ان میں نماز کی صحت میں شک نہیں **وقد فصلنا المسألۃ فی فتاوٰنا** (تحقیق ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے فتاوی میں بیان کردی ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۳ محرم شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹی مسجد کو مسلمانوں نے بڑھایا جو زمین اندر آتی اس میں ایک محراب ہوتی ہے کسی حساب سے پانچ در نہیں ہوسکتے، نہ تو زمین زیادہ ہے کہ دو در بن کر پانچ ہوجائیں نہ اتنا روپیہ کہ سامنے کی محرابیں توڑ کر اس زمین کو شامل کرکے تین در بنائے جائیں، اب اگر ایک در تیار ہوجائے اور سب مل کر چار در ہوجائیں تو کسی طرح کا نماز میں فتور آئے گا یا نہیں؟ شرع شریف نے کیا اجازت دی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اتنا ضرور ہے کہ طاق عدد اللہ عزوجل کو محبوب ہے **ان اللہ وتر یحب الوتر**[2] (اللہ تعالٰی وتر یعنی طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ت) اور یہاں عام مسلمانوں میں مسجد کے در طاق ہی رکھنے کا رواج ہے **وقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ** (علماء نے تصریح فرمائی کہ مسلمانوں کی عادت مستمرہ سے خروج مکروہ ہے۔ت) تو جہاں تک ممکن ہو مخالفت عادت مسلمین سے احتراز کریں اور ناممکن ہو تو کوئی حرج نہیں اور نماز میں تو کسی طرح دروں کے طاق یا جفت ہونے سے کوئی فضیلت یا فتور اصلاً نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۶: مرسلہ عنایت حسین ۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک مسجد چھوٹی ہے اور ایک جانب اس کے قبرستان ہے دو جانب تالاب ہے اور ایک جانب راستہ ہے اور مرمت طلب ہے، ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں ایک مسجد بناؤں مگر شرط یہ ہے کہ اس مسجد سے بڑی ہو اور اس میں حجرہ وغیرہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۳

اور وہیں چاہ بھی ہو اور پیش امام اور مؤذن کے واسطے بھی انتظام جائداد سے کر دیا جائے اور یہ جو مسجد ہے اسکے آس پاس بڑھانے کی گنجائش نہیں ہے اگر دوسری مسجد اس موضع میں تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ویران ہو جائے گی اس میں کوئی نمازی نماز کے واسطے نہیں آئے گا اس وجہ سے کہ اس مسجد میں کوئی امام نہیں ہے اور نمازی بھی ایسے نہیں کہ اس میں امامت کرکے جماعت کرلیں ایسی حالت میں مسجد تعمیر کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ مسجد شہید کرکے اینٹ وغیرہ اس مسجد کی اس مسجد میں لگائیں یا کیا کریں؟

الجواب:

مسجد بنانا باعث اجر عظیم ہے جس طرح ممکن ہو کوشش کیجائے وہ مسجد بھی آباد رہے اور یہ بھی آباد ہو، ثواب لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی امام مقرر کرے اگر کسی طرح یہ ممکن ہو بلکہ اگر معلوم ہو کہ اس مسجد کا بننا اسے ویران کردے گا تو ہرگز نہ بنائے کہ مسجد کا ویران کرنا حرام قطعی ہے اور اسے شہید کرنا حرام قطعی، اور آباد مسجد کی اینٹ وغیرہ دوسری مسجد میں لگادینا حرام قطعی۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِہَا" [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے ظالم تر کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی کی سعی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷: از بدایون ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

زید نے قبرستان قدیم اہل اسلام کو پاٹ کر ان قبروں کی چھت پر مسجد بنانا اور اس کو ایک مسجد قدیم کے صحن میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے اور دروازہ قدیم مسجد کو بھی پاٹ کر اسکے نیچے دکان یا حجرہ بنانا اور چھت کو مسجد کرنا چاہتا ہے، آیا شرعاً زید کو یہ منصب ہے اور یہ سقف قبور مسجد ہوجائے گی اور مصلی کو ثواب مسجد ملے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا عنداللہ تعالٰی** (بیان کیجئے اور اللہ تعالٰی سے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

دروازہ پاٹ کر اس کے نیچے دکان بنانا ہرگز جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائہ [2] ۔	ناظم مسجد کو جائز نہیں کہ وہ مسجد کی حدود میں یا فنائے مسجد میں دکانیں بنائے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

اور حجرہ بنانے کی اجازت ہے جبکہ زمین مسجد سے اس میں کچھ نہ لیا جائے، نہ مسجد پر راہ وغیرہ کسی امر کی تنگی لازم آئے اور یہ تغییر دروازہ کرنے والے خود اہل محلّہ ہوں یا ان کے اذن سے ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: **لاھل المحلة تحویل باب المسجد**[1] (اہل محلّہ کو دراوزہ مسجد کی تبدیل کا اختیار ہے۔ت) اور اس صورت میں حجرہ کی چھت مسجد ہو جائے گی جبکہ برضائے اہل محلّہ ہے۔ خلاصہ میں ہے:

ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز الخ[2]۔	ایک زمین مسجد کے لئے وقف ہوئی اور اس مسجد کے پہلو میں زمین ہے اہل محلّہ نے ارادہ کیا کہ مسجد میں کچھ اضافہ اس زمین سے کریں تو جائز ہے الخ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر جامع المضمرات شرح القدوری پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

مسجد اراد اھله ان یجعل الرحبة مسجدا وان یحولوا الباب عن موضعه فلھم ذٰلك فان اختلفوا نظر ایھم اکثر وافضل فلھم ذلك[3] اھ، بتلخیص۔	اہل محلّہ نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد کردیں اور دروازہ کو اپنی جگہ سے تبدیل کردیں تو جائز ہے اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں اکثر وافضل گروہ کی کیا رائے ہے اور انہیں کو اختیار دیا جائیگا اھ بتلخیص (ت)

اور اس کے نیچے حجرہ ہونا کچھ منافی مسجدیت سقف نہ ہوگا، قول بحر **شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا**[4] (اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر والا حصہ بھی مسجد ہو۔ت) یہاں وارد ہوگا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جمیع جہات میں حقوق مالکانہ عباد سے منقطع ہو مصالح مسجد توابع مسجد ہیں، خود بحر میں تتمہ عبارت مذکور یہ ہے:

لینقطع حق العبد عنه بقوله تعالٰی وان المسٰجد لله بخلاف ما اذا کان السرداب العلو موقوفا لمصالح المسجد کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاہر	تاکہ حق عبد اس سے منقطع ہو جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ جب تہ خانہ یا بالاخانہ مصالح مسجد کیلئے موقوف ہوں جیسا کہ بیت المقدس کا تہ خانہ ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب الرجل جعل دارہ مسجدا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[4] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

الروایة[1]۔	یہی ظاہر الروایہ میں ہے(ت)

ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب اوفوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانه لم یخلص ﷲ تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقا به ولوکان السرداب لمصالح المسجد جاز[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ اور اوپر مکان ہے اس نے مسجد کا دروازہ راستے کی طرف بنایا اور اس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو وہ اس کو بیچنے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کی میراث قرار پائے گا کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوا اس سبب سے حق عبد اس کے ساتھ منسلک رہا اور اگر وہ تہ خانہ مصالح مسجد کیلئے ہو تو جائز ہے۔ (ت)

ہاں اگر زید بطور خود یہ کارروائی بے رضائے اہل محلّہ کرے تو وہ چھت مسجد نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز اگرچہ جائز ہے مگر اس پر نماز مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیه سنین ثم ترك الناس الصلٰوة فیه فاعید منزلا مستغلا جاز لانه لم یصح جعل المتولی ایاہ مسجدا کذا فی الواقعات الحسامیة[3]۔	ایک مسجد کے متولی نے ایک گھر جو کہ مسجد پر موقوف تھا کو مسجد بنادیا لوگ اس میں کئی برس نماز پڑھتے رہے، پھر لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑدیا پھر وہ اپنی سابقہ حالت یعنی کرایہ پر چلنے لگا تو جائز ہے کیونکہ متولی کا اس کو مسجد کردینا صحیح نہیں ہوا تھا یہ واقعات حسامیہ میں مذکور ہے(ت)

رہا مسلمانوں کا قبرستان قدیم کہ وہ ضرور دفن موتٰی کے لئے موقوف ہوتا ہے، اس میں دو صورتیں ہیں اگر وہ قبرستان قابل کار ہو کہ اس میں دفن اموات کو جگہ بھی ہے اور کسی اور وجہ کے باعث اس سے استغناء بھی نہ ہوگیا نہ داخل حدود شہر ہونے کے سبب اس میں دفن کی ممانعت انگریزی طور پر ہوگئی جب تو اسے پاٹ کر دفن سے روک دینا سرے سے ناجائز وحرام ہے کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور وہ اصلًا روا نہیں۔

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[2] الهدایة کتاب الوقف المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۶۲۴

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

عالمگیریہ میں ہے: لایجوز تغییر الوقف[1] (وقف میں تغییر و تبدیل جائز نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه[2]۔	وقف کو حال سابق پر برقرار رکھنا واجب ہے (ت)

اور اگر وہ قابل کار نہ رہا یا اس سے استغناء ہوگیا یا وہاں دفن کی ممانعت ہوگئی جس کے سبب اب وہ اس کام میں صرف نہیں ہوسکتا یا مسجد قدیم لب مقبرہ واقع ہے یہ بیرون حدود مقبرہ ستون قائم کرکے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحن مسجد سابق سے ملا کر مسجد کردینا چاہتا ہے اس طرح کہ زمین مقبرہ نہ رکے نہ اس میں دفن موتی کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ رکے نہ اس چھت کے ستون قبور مسلمین پر واقع ہوں بلکہ حدود مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ زمین جس میں ستون قائم کئے گئے متعلق مسجد ہو اور کارروائی اہل محلّہ کی یا ان کے اذن سے ہو یا وہ زمین اس بانی سقف یا کسی دوسرے مسلمان کی ملک ہو اور مالک اسے ہر کام کے لئے وقف کردے یا وہ زمین افتادہ بیت المال کی ہو اور اس میں اس کارروائی سے مسلمانوں کے راستے وغیرہ کو ضرر نہ ہو کہ ان حالتوں میں اس نے کوئی بیجا تصرف نہ کیا نہ وقف کو روکا نہ اس کی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کیا صرف بالائی ہوا میں کہ نہ موقوف تھی نہ مملوک ایک تصرف غیر مضر نفع مسلمین کے لئے کیا۔ عالمگیریہ میں ہے:

ذکر فی المنتقی عن محمد رحمه الله تعالٰی فی الطریق الواسع بنی فیه اهل المحلة مسجدا و ذلك لایضر بالطریق فمنعهم رجل فلا باس ان یبنوا کذافی الحاوی[3]۔	منتقی میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے کہ ایک وسیع راستہ میں اہل محلّہ نے مسجد بنائی جس سے راستہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا ایک شخص نے انہیں اس سے منع کیا تو ان کے مسجد تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، حاوی میں یونہی ہے (ت)

اسی میں خزانۃ المفتین سے ہے:

قوم بنوا مسجدا واحتاجوا الٰی مکان	لوگوں نے مسجد بنائی تو انہیں مسجد کو وسیع کرنے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

لیتسع المسجد واخذوامن الطریق وادخلوہ فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لایجوز وان کان لایضر بھم رجوت ان لایکون بہ بأس کذافی المضمرات وھو المختار کذافی خزانۃ المفتین[1]۔	کے لئے کچھ جگہ کی ضرورت پڑی اور انہوں نے راستہ سے کچھ جگہ لے کر مسجد میں داخل کرلی، اگر اس سے راستہ والوں کو ضرر ہوتو ناجائز ہے اور اگر ضرر نہ ہوتو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہی مختار ہے خزانۃ المفتین میں یونہی ہے۔ (ت)

نیز ہندیہ میں حق عام کی شے پاٹ کر مسجد اس طرح بنانے کا جس سے ان حقوق کو ضرر نہ پہنچے جزئیہ یہ ہے:

فی نوادر ھشام سألت محمدالحسن عن نھر قریۃ کثیرۃ الاھل لایحصی عددھم وھو نھر قناۃ او نھر وادلھم خاصۃ، وارادقوم ان یعمروا بعض ھذاالنھر ویبنوا علیہ مسجدا اولا یضر ذٰلک بالنھر ولا یتعرض لھم احدمن اھل النھر، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی یسعھم ان یبنواذلک المسجد للعامۃ او المحلۃ کذافی المحیط[2]۔	ہشام نے نوادر میں کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک کثیر آبادی والے قصبہ میں ایک نہر ہے جو کہ جنگل یا پہاڑ کے نالے کی صورت میں ہے اور وہ خاص انہی لوگوں کی ہے اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ وہ نہر کے کچھ حصہ تعمیر کرکے مسجد بنادیں، اس سے نہ تو نہر کو کوئی نقصان ہے اور نہ ہی نہر والوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسی مسجد بنانے کا اختیار ہے چاہے وہ مسجد اہل محلّہ کے لئے بنائیں یا عام لوگوں کے لئے، جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ وہ وقف بھی مسجد ہوجائے گی اور اس میں نمازی کو ثواب مسجد ملے گا اور اس کے نیچے قبریں ہونا اس بناپر کہ ہمارے علماء نے قبروں کے سطح بالائی کو حق میت لکھا ہے،

فی العالمگیریۃ عن القنیۃ قال علاء الترجمانی یأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق المیت[3]۔	عالمگیریہ میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے کہ علاء ترجمانی نے فرمایا قبور کو روندنا گناہ ہے کیونکہ قبروں کی بالائی سطح میت کا حق (ملکیت) ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

اور مسجد کا جمیع جہات میں حقوق العباد سے منقطع ہونا لازم ہے کما تقدم (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) ہر گز مانع مسجدیت نہ ہوگا کہ اس حق سے مراد کسی کی ملک یا وہ حق مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہ اللہ نہ ہوئی، اور مسجد کا خالص لوجہ اللہ ہونا ضرور ہے، ولہذا فتح القدیر میں عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں فرمایا:

المسجد خالص ﷲ سبحانه ليس لاحد فيه حق، وهو منتف فيما ذكر اما اذاكان السفل مسجدا فان لصاحب العلو حقا فی السفل حتی منع صاحبه ان ينقب فيه كوة اويتد فيه وتدا، واما اذاكان العلو مسجدا فلان ارض العلو ملك لصاحب السفل بخلاف ما اذاكان السرداب اوالعلو موقوفا لصاحب المسجد فانه يجوز اذ لا ملك فيه لاحد[1] اھ مختصرا۔	مسجد خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہے اس میں کسی کا حق نہیں اور یہ بات صورت مذکورہ میں منتفی ہے لیکن اگر نیچے والا حصہ مسجد ہو پھر تو اس لئے کہ بالاخانے والا نچلے حصہ میں حق رکھتا ہے یہاں تک کہ نیچے والے کو دیواروں میں سوراخ کھودنے یا میخ گاڑنے سے منع کرسکتا ہے، اور اگر اوپر والا حصہ مسجد ہو تو پھر اس لئے کہ بالاخانے کی زمین نیچے والے کی ملک ہے۔ بخلاف اس کے اگر تہ خانہ اور بالاخانہ دونوں ہی مصلحت مسجد کے لئے وقف کردئے گئے ہوں تو صحیح ہے کیونکہ اب اس میں کسی کی ملک باقی نہیں رہا اھ مختصرا۔(ت)

مطلقًا حق العبد کا تعلق اگر مانع مسجدیت ہو تو کوئی مسجد مسجد نہ ہوسکے کہ ہر مسجد میں ادائے نماز واعتکاف وغیرہ عام مسلمانوں یا خاص اس کے اہل کا بخصوصیت زائدہ حق ہے جس کے باعث وہ بحال تنگی اوروں کو اپنی مسجد محلّہ میں نماز سے منع کرسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا ضاق المسجد كان للمصلی يزعج القاعد عن موضع ليصلی فيه وان كان مشتغلا بالذكر اوالدرس او قراءة القراٰن اوالاعتكاف، وكذالاهل المحلة ان يمنعوا من ليس منهم عن الصلوٰة فيه اذا ضاق بهم المسجد كذافی القنية[2]۔	اگر مسجد تنگ ہو تو نمازی دوسرے شخص کو جو کہ وہاں بیٹھا ہوا ہے وہاں سے ہٹا کر نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ بیٹھا ہوا شخص ذکر، تلاوت یا اعتکاف میں مشغول ہو یوں ہی مسجد کی تنگی کی صورت میں اہل محلّہ دوسروں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرسکتے ہیں یونہی قنیہ میں ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۔۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

بلکہ حق میت کہ قبر وسقف قبر میں ہے اگر ان حقوق عباد سے ہو جن کا تعلق خلوص لوجہ اللہ تعالٰی سے مانع ہو تو سرے سے مقبرہ موقوفہ ہی محال ہو جائے کہ مسجد کی طرح مقبرہ میں بھی محض خلوص وانقطاع جملہ حقوق عباد شرط ہے ولہذا بالاجماع مسجد کی طرح اس میں بھی افراز شرط ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

وقف المشاع جائز عندابی یوسف الافی المسجد والمقبرة فانه لایتم ایضاً عند ابی یوسف لان بقاء الشرکة یمنع الخلوص لله تعالٰی اھ[1]۔ مختصرًا۔	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وقف مشاع جائز ہے سوائے مسجد و مقبرہ کے، اور وہ بھی امام ابو یوسف کے نزدیک تام نہیں ہوتا کیونکہ شرکت اس وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے اھ مختصرًا (ت)

فتح القدیر میں ہے:

انما اتفقوا علٰی منع وقف المشاع مطلقًا مسجدا او مقبرة لان الشیوع یمنع خلوص الحق لله تعالٰی[2]۔	مسجد و مقبرہ میں وقف مشاع کے مطلقًا ممنوع ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں کیونکہ شیوع وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے (ت)

بلکہ میت تو کوئی حق مالکانہ نہیں رکھتا لان الموت ینافی الملک (کیونکہ موت ملکیت کے منافی ہے۔ت) نہر عام کی طرح نہر خاص اہل محلّہ کا جزئیہ گزرا کہ اس کے اوپر پاٹ کر مسجد بنادینا جائز ہے جبکہ ان کی نہر کو ضرر نہ پہنچے نہ وہ مانع آئیں تو اوپر مسجد ہے اور نیچے نہر بہتی ہے جس میں خاص قوم کا حق مالکانہ ہے مگر ازانجا کہ ان کے حق میں کوئی تصرف نہ کیا، نہ انہیں بالائے نہر اس پٹی ہوئی عمارت میں نماز سے ممانعت پہنچتی ہے کہ ان کا حق نہر میں ہے نہ کہ ہوا میں، وہ مسجد صحیح وجائز ہو گئی بلکہ حق مالکانہ درکنار خاص زمین مسجد جس پر عمارت بناکر مسجد کی گئی اگر ملک غیر ہو مگر اسے حق مزاحمت اصلًا نہ رہا ہو تو مذہب مفتی بہ پر وہ خالی عمارت بھی مسجد ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے:

بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونها ان الارض مملوکة لایصح وقیل صح وعلیه الفتوی، وان موقوفه علی	ایک شخص نے کسی زمین پر عمارت بنائی پھر بالقصد عمارت کو وقف کیا بغیر زمین کے، اگر وہ زمین کسی کی مملوک ہے تو وقف صحیح نہیں، اور ایک قول

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۶

ماعین البناء له جازتبعا اجماعا وان الارض لجهة اخرے فمختلف فیه،والصحیح الصحة کما فی المنظومة المجیبة[1] اھ باختصار۔	میں صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے،اور اگر زمین وقف ہے اسی پر جس کے لئے عمارت معین ہوئی تو عمارت کا تبعًا وقف بالاجماع جائز ہے،اور اگر زمین کسی اور جہت کے لئے وقف ہے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی عمارت کا وقف صحیح ہے جیسا کہ منظومہ مجیبہ میں ہے اھ باختصار(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والصحیح الصحة ای اذاکانت الارض محتکرة وعن هذاقال فی انفع الوسائل انه لوبنی فی الارض الموقوفة المستأجرة مسجدا انه یجوز[2] اھ هذاما عندی،والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "الصحیح الصحة" (صحیح صحت ہے)اس وقت ہے جب زمین محتکرہ ہو(یعنی جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالیانہ مقرر ہو)اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر کسی نے موقوفہ مستاجرہ زمین پر مسجد بنادی تو جائز ہے اھ میرے نزدیک یہ ہے۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۸: غرہ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی مسمّٰی عنایت اللہ نے حجرہ مسجد کی دیوار پر ایک دیوار بناکر مکان بنالیا ہے اور اسی دیوار کو سائبان کرلیا ہے اور مسجد کی محراب اور دیوار سے ملاکر ایک پیل پایہ کھڑا کرکے خاص دیوار مسجد میں سوراخ کرکے ایک کڑی ڈال کر چھت بنائی اور پرنالہ مسجد کی دیوار سے ملاہوا رکھا جس سے مسجد کا ضرر ہے اور ایک کھڑکی بھی اسی دیوار میں جو حجرہ پر بنائی گئی ہے واسطے آمدورفت چھت حجرہ کے رکھی،عنایت اللہ کو اس طریقہ سے مکان بنانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام حرام حرام،سخت گناہ،سخت کبیرہ،وہ شخص شرعًا اشد سزا کا مستحق۔اس پر فرض ہے کہ حجرہ مسجد پر جو دیوار بنائی ہے ابھی ابھی ابھی فورًا فورًا ڈھادے مسمار کردے،اور اس میں جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوادے جیسا پہلے بنا ہوا تھا،

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

فان کل ضرر ببناء یضمن بالقیمۃ ماخلا بناء الوقف فیومر باعادتہ[1] کماکان فی الاشباہ والنظائر والدر المختار۔	عمارت کے ہر ضرر کا ضمان قیمت سے ادا کیا جاتا ہے سوائے وقف کے عمارت کے کہ اس کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ وہ عمارت پہلے تھی (الاشباہ والنظائر اور در مختار) (ت)

دیوار مسجد میں جو سوراخ کیا ہے وہ سوراخ اسکے ایمان میں ہوگیا اس پر فرض قطعی ہے کہ اس ناپاک کڑی کو ابھی ابھی فوراً نکال لے اور دیوار مسجد کی ویسی ہی اصلاح کردے جیسی تھی اور اس کے سبب اس کی چھت گر پڑے اور گرانا ہی فرض ہے اور وہ ناپاک پر نالہ کہ دیوار مسجد سے ملا ہوا بلا استحقاق شرعی رکھا ہے اور اس میں مسجد کا ضرر ہے، لازم ہے کہ فوراً اسے اکھیڑ دے اور بند کردے، اور حجرہ کی چھت پر آمد ورفت کا اسے کوئی استحقاق نہیں، یہ ناپاک دیوار تو گرائی ہی جائے گی، اگر اسے ڈھا کر خاص اپنی زمین میں کوئی دیوار اس کے متصل بنائے تو اسے اصلاً اختیار نہیں کہ حجرہ کی چھت پر آنے جانے کو اس میں کھڑکی رکھی، یہ سب اس کی طرف سے ظلم اور سخت ظلم ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ت)

عنایت اللہ اگر ان سب احکام شرعی کو فوراً مانے اور اپنے یہ سب ناپاک تصرفات فوراً ڈھادے مسمار کردے فبہا، ورنہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی چارہ جوئی کریں، اگر اس میں کمی یا دیر کرینگے تو وہاں کے سب مسلمان جو اس پر قادر تھے اور چارہ جوئی میں دیر لگائی عذاب شدید کے سزاوار ہوں گے **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹: 　　　از ریاست رامپور مرسلہ شاہ مفتاح الاسلام صاحب پانی پتی　　　۹ شوال المکرم ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتر بازی، بیٹر بازی وغیرہا حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوار مسجد پر بیٹھ جائے اس کے پکڑنے کے لئے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحن مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی بے حرمتی مسجد سے فاعل ایسے فعل کے لئے اور نیز متولی ودیگر متعلقین مسجد کے واسطے جو اس امر سے مانع نہ ہوں اور سکوت کریں یا شرکت اس میں کریں یا ان افعال سے رضامند ہوں پس ان کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی وعید ہے یا نہیں اور وہ سب گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ۲/ ۹۷ وردالمحتار کتاب الغصب بیروت ۵/ ۱۱۵

[2] السنن الکبرٰی، کتاب الغصب ۱/ ۹۹ وکتاب احیاء الموات ۱/ ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸ دار صادر بیروت

الجواب:

پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا مگر اپنے کبوتر اڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے اس کے لئے بھی شرع مطہر میں حکم ہے کہ اسے نہایت سختی سے منع کیا جائے تعزیر دی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو احتساب شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے۔ در مختار میں ہے:

یکرہ امساك الحمامات ولو فی برجها ان کان یضر بالناس بنظر اوجلب، فان کان یطیرها فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین ویکسرز جاجات الناس یرمیه تلك الحمامات عزر ومنع اشد المنع، فان لم یمتنع ذبحها المحتسب، وصرح فی الوهبانیة بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیده بما مرو لعله اعتمد عادتهم[1]۔	کبوتر رکھنا اگرچہ اپنے برجوں میں ہوں مکروہ ہے جبکہ کبوتر باز کے لوگوں کے گھروں میں نظر کرنے یا دوسروں کے کبوتر اپنے کبوتروں میں ملانے کے سبب سے لوگوں کو ضرر پہنچے، اور اگر چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑاتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا کنکریاں پھینکتا ہے جس سے لوگوں کے برتن اور شیشے ٹوٹ جاتے ہیں تو اسے تعزیر کی جائے، اگر باز نہ آئے تو حاکم محتسب اس کے کبوتروں کو ذبح کردے۔ صاحب وھبانیہ نے مطلقاً وجوب تعزیر اور کبوتر کو ذبح کردینے کی تصریح کی ہے لوگوں کی بے پردگی کی قید کا ذکر نہیں کیا، شاید انہوں نے لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس قید کو ترک کیا ہے۔ (ت)

اقول: بلکہ ان کا خالی اڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو نہ کنکریوں سے نقصان، خود کب ظلم شدید سے خالی ہے جبکہ رواج زمانہ کے طور پر ہو کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں اور ان کا دم بڑھانے کے لئے (جس میں اصلاً دینی یا دنیوی نفع نہیں فیصدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا اب خواب وخیال وافسانہ ہوگیا ہے نہ ہرگز یہ ان جہال کا مقصود، نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے فائدہ اپنے بیہودہ بے معنی شوق کے واسطے انہیں اترنے نہیں دیتے وہ تھک تھک کے نیچے گرتے یہ مار مار کر پھر اڑادیتے ہیں صبح کا دانہ دیر تک کی محنت شاقہ پرواز سے ہضم ہوگیا بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچا کر بانس دکھا کر آنے نہیں دیتے خالی معدے شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اترنے، دم لینے دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں انہیں

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

اسی عذاب شدید میں رکھتے ہیں، یہ خود کیا کم ظلم ہے اور ظلم بھی بے زبان بے گناہ جانور پر کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے،

کما سیأتی وکان ھذاان شاء اللّٰه تعالٰی ملحظ اطلاق العلامۃ ابن وھبان واللّٰہ المستعان۔	جیسا کہ عنقریب آئے گا،اور گویا کہ یہ ان شاء اللّٰہ تعالٰی علامہ ابن وھبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللّٰہ تعالٰی سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے(ت)

بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھیں اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاوا کاٹنے کو کہے یہ جب تھکیں پست ہو کر رکیں، کوڑے سے خبر لے،ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بیحد ستائے، مگر وہ کوڑا لئے تیار ہے کہ رکنے نہیں دیتا،اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے،دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکام شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ایک دن انصاف کاآنے والا ہے جس میں شاخدار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا حالانکہ جانور غیر مکلّف ہے تو تم مکلّفین کہ تمہارے ہی لئے ثواب وعذاب جنت وجہنم تیار ہوئے ہیں کس گھمنڈ میں ہو وہاں اگر نار سقر میں کاواکاٹنا پڑا کہ وہاں "جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾"[1] (پوری پوری جزا۔ت) ہے تو اسوقت کے لئے طاقت مہیا کر رکھو، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت امرأۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تأکل من خشاش الارض[2] فوجبت لھا النار بذٰلک[3]۔رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما،وجملۃ"فوجبت"من روایۃ الامام احمد عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنھما۔	ایک عورت جہنم میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا نہ خود کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کا گراپڑا یا جو جانور کو ملتا کھاتی اس وجہ سے اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی (اس کو امام بخاری نے سیدنا حضرت عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنہما سے روایت کیا اور جملہ "فوجبت" (یعنی اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی) حضرت امام احمد بن حنبل نے بروایت سیدنا حضرت جابر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما ذکر فرمایا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب بدأالخلق باب خیر مال المسلم غنم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۷

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللّٰہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۳۵

اور جب کبوتر بازی بیرون مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اشد سخت تر حرام ہوگی، بادشاہ جبار قہار کی ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجئے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں کہ یہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو **معاذ اللہ** بے قدر سمجھنے پر دال ہے، اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محل ادب ہے جس میں گناہ سے رکئے جب تو خالص کفر ہے ورنہ جرم پہلے سے **اضعافًا مُّضَاعَفه** ہوجانے میں شک نہیں، وہ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیه مکروہ یاکل الحسنات[1]۔	مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھاجاتا ہے۔(ت)

اشباہ میں ہے:

انه یاکل الحسنات کماتاکل النار الحطب[2]۔	بیشک وہ نیکیوں کو یوں کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے(ت)

امام ابوعبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحدیث فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش[3]۔	مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔(ت)

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالٰی عنه عمل اربعین سنة[4]۔	جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالٰی اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول: ومثله لایقال بالرائ (میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی بات رائے اور اٹکل سے نہیں کہی جاسکتی۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیکون فی اٰخر الزمان قوم یکون حدیثهم فی مساجد هم لیس للہ فیهم حاجة[5]۔ رواہ ابن حبان	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں (اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ فصل ویکرہ استقبال القبلة بالفرج فی الخلاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المساجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[3] المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان آیۃ ومن الناس من یشتری دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۷۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب المواقیت حدیث ۳۱۱ المطبعۃ السلفیہ مدینہ منورہ ص ۹۹

في صحيحه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا: ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

كلام الدنيا اذاكان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعية الٰی ذٰلك كالمعتكف فی حاجته اللازمة مكروه كراهة تحريم (ثم الحديث وقال فی شرحه) ليس لله تعالٰی فيهم حاجة ای لايريد بهم خيرا وانماهم اهل الخيبة والحرمان والاهانة والخسران[1]۔	یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہٖ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کریگا اور وہ نامراد محروم وزیاں کار اور اہانت وذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع الی السماء شاكيا من اهله يتكلمون فيه بكلام الدنيا فاستقبلته الملئكة وقالوا بعثنا بهلاكهم[2]۔	یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملئكة يشكون الی الله تعالٰی من نتن فم المغتابين والقائلين فی المساجد بكلام الدنيا[3]۔	یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام و

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۷-۳۱۶

[2] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

[3] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا، مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف ونظیف وقلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے نہ اسکے ادب کے خلاف ہو اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو،

استثنیته تفقها لانه ماذون له فی احضار هذاقطعا ولایؤمر بالخروج للاکل والشرب۔	اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعًا اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا۔(ت)

اور تجارت کے لئے بیع وشرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں، اشباہ میں ہے:

یمنع من البیع والشراء لغیر معتکف ویجوزله بقدر حاجته ان لم یحضر السلعة[1]۔	مسجد میں بیع وشراء غیر معتکف کے لئے ممنوع ہے اور معتکف کو بقدر حاجت جائز ہے جبکہ سامان مبیع مسجد میں نہ لایا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بشرط ان لایکون للتجارة بل یحتاجه لنفسه او عیاله بدون احضار السلعة[2]۔	بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ معتکف کو اپنی ذات یا اہل وعیال کے لئے اس کی ضرورت ہو اور وہ سامان بھی مسجد میں حاضر نہ کیا گیا ہو(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم[3]۔ رواه ابن ماجة عن مکحول عن واثلة وعبدالرزاق فی مصنفه عن	اپنی مسجد کو بچاؤ اپنے ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید وفروخت اور جھگڑوں اور آواز بلند کرنے سے۔اس کو ابن ماجہ نے مکحول سے اور انہوں نے واثلہ سے روایت کیا جبکہ امام عبدالرزاق

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مکحول عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما۔	نے اپنے مصنف میں مکحول سے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأیتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لاا ربح اللہ تجارتك واذا رأیتم من ینشد ضالة فی المسجد فقولوا لارد اللہ علیک[1]۔ رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وابن خزیمة والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے، اور جب کسی کو دیکھو کہ اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے (اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن صحیح ہے۔ نیز امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

دوسری صحیح روایت میں ارشاد فرمایا:

قولوا لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا[2]۔ رواہ مسلم عنه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اس سے کہو اللہ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنی ہیں کہ ان میں آکر گمشدہ چیزوں کی تفتیش کرو (اس کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

سبحان اللہ! جب دوسرے کا مال بخوشی برضا ورغبت دام دے کر مول لینے کی بات چیت کرنے پر یہ احکام ہیں تو پرایا مال بلارضا بلااجازت غصبًا پکڑ لینے کے لئے مسجد میں اپنے کبوتر چھوڑنا، دانہ پانی ڈالنا، قابو چلے تو پکڑ لینا کس درجہ اشد عظیم وبالوں کا موجب ہوگا، اور بٹیر بازی کہ ان کے لڑانے سے عبارت ہے اس سے بھی سخت تر ہے کہ وہ بلافائدہ بلاوجہ اپنے ناپاک شوق کے لئے جانوروں کو ایذا دینی ہے۔ حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن التحریش بین البھائم[3]۔ رواہ ابوداؤد	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا جانوروں کو باہم لڑانے سے (اسے ابوداؤد

[1] جامع الترمذی کتاب البیوع باب النھی عن البیع فی المسجد امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب عن نشد الضالة فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰

[3] جامع الترمذی کتاب الجہاد باب ماجاء فی التحریش بین البھائم امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۲

والترمذی وقال حسن صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور امام ترمذی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان پر ظلم کرنے سے ذمی کافر پر جو پناہ سلطنت اسلام میں رہتا ہو ظلم کرنا سخت تر ہے اور ذمی کافر پر ظلم کرنے سے بھی جانور پر ظلم کرنا سخت تر ہے، درمختار میں ہے:

جاز رکوب الثور وتحمیلہ والکراب علی الحمیر بلا جھد وضرب، اذظلم الدابۃ اشد من الذمی وظلم الذمی اشد من المسلم[1]۔	بیل پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا اور گدھے کو ہل میں جوتنا جائز ہے جبکہ مشقت و تشدد کے بغیر ہو، کیونکہ جانور پر ظلم ذمی پر ظلم ہے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ برا ہے(ت)

اس مسئلہ کی کمال تحقیق وتفصیل فقیر کے فتاوی مجلد چہارم ف کتاب الحظر والاباحۃ میں ملاحظہ ہو، جو لوگ ان افعال شنیعہ میں شریک ہوں وہ توظاہر شریک ہیں اور جو شریک نہ ہوں راضی ہوں وہ بھی شریک ہیں اور گناہ وعذاب میں حصہ دار، بلکہ اگر راضی بایں معنی ہوں کہ ان افعال کو خوب وپسندیدہ جانتے ہوں توان کا حکم سخت تر ہے کہ گناہ گناہ ہے اور اسے اچھا جاننا کفر۔ اور جو لوگ باوصف قدرت منع نہ کریں انسداد نہ کریں متولی مسجد ہو خواہ اہل محلّہ خواہ غیر وہ سب بھی گنہگار وماخوذ و گرفتار ہیں، اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ سوار ہیں تتق والے چھتری پر پانی بھرتے آتے چھتری والے تکلیف پاتے، تتق والوں نے کہا ہم نیچے جہاز میں سوراخ کرلیں کہ یہیں سے پانی بھر لیا کریں کہ اوپر جانے میں چھتری والوں کو ایذا نہ ہو، اب اگر چھتری والے انہیں نہ روکیں اور سکوت کریں تو نرے وہی نہ ڈوبیں گے بلکہ یہ اور وہ سب ڈوبیں گے، اور روک دیں تو یہ اور وہ سب نجات پائیں گے۔ یہی حال گناہ کرنے والوں اور باوصف قدرت انہیں نہ روکنے والوں کا ہے[2] رواہ البخاری والترمذی عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما (اس کو امام بخاری وترمذی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) اور فرماتے ہیں

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[2] صحیح البخاری باب الشرکۃ ۱/ ۳۳۹ و کتاب الشہادات ۱/ ۳۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، جامع الترمذی ابواب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۰

ف: کتاب الحظر والاباحۃ مکمل بارہ جلدوں میں سے اب مطبوعہ دسویں جلد ہے۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: پہلا نقص بنی اسرائیل میں یہ آیا کہ ان میں ایک گناہ کرتا دوسرا اسے منع تو کرتا مگر اس کے نہ ماننے پر اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا نہ چھوڑتا، اسکے سبب اللہ تعالٰی نے ان سب کے دل یکساں کردئے اور ان سب پر لعنت اتاری[1]۔ **رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو ابوداؤد وترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

" كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ "[2]۔	یعنی ان پر لعنت اس لئے ہوئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہ تھے بیشک یہ ان کا بہت ہی برا کام تھا۔

اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق توبہ نصیب فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: از کھٹور ضلع سورت کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان ہندوستان بہ تلاش معاش جنوبی افریقہ کے علاقہ ٹرنسوال میں جاکر آباد ہوئے، انہوں نے اس ملک میں مسجدیں بنائیں، اب وہاں کی گورنمنٹ نے ان پر طرح طرح کے ظلمی قانون نافذ کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کا رہنا وہاں مشکل ہوگیا ہے، پس اگر یہ لوگ وہاں سے نقل مکان کریں تو دوسرے مذہب کے لوگ یقیناً مسجدوں کے مالک بن کر ان کو اپنے تصرف میں لائیں گے، لہٰذا اس جگہ سے اثاث مسجد کو منتقل یا فروخت کرکے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اس سے مسجدیں بنائی جائیں تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ٹرانسوال میں کبھی سلطنت اسلامی نہ ہوئی تھی جیسا کہ یہی ظاہر ہے یا ہوئی تھی اور پھر ایسی غیر قوم کا تسلط ہوگیا جس نے شعائر اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان وغیرہا کی یکسر بندش کردی اگرچہ بعد کو اسی قوم یا اس کے بعد کسی اور قوم نامسلمان نے اجازت بھی دے دی ہو جب تو نہ مسلمان کو اس میں وطن بنانے کی اجازت ہے نہ وہ مسجدیں مسجدیں ہوئیں **کما بنی مسجدا فی بریۃ کما فی الفتاوٰی العالمگیریۃ بل اضعف و**

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

ابطل (یہ تو جنگل میں مسجد بنانے والے شخص کی طرح ہوا، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے بلکہ ان مساجد مزعومہ کا حکم تو اس سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔ت) اس حالت میں بلا تکلف ان مکانات کو جنہیں مسجد سمجھے ہوئے ہیں مع زمین وعملہ سب بیچ ڈالیں اور بیچ نہ سکیں تو عملہ توڑ کر جہاں چاہیں لے جائیں یہ عملہ یا قیمت بانیوں کی ملک ہیں اور اگر اس علاقہ میں پہلے سلطنت اسلام ہوچکی تھی اور بعد کی قوموں نے کبھی جملہ شعائر اسلام کی بندش نہ کی بعض ہمیشہ جاری رہے اور اب جاری ہیں تو اس صورت میں اگر مسلمانوں کو ان میں توطن وبنائے مسجد کی اجازت تھی مگر جب حالت وہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو عملہ بیچ کر یا بعینہٖ دوسری جگہ لے جانے اور وہاں اس سے مسجد بنانے کی اجازت ہے،

علی مافصله وانقحه العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی فی رد المحتار[1] وذکر ندامته علی افتائه من قبل بخلاف ذلك فلیراجع الیه۔ والله تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کی تفصیل وتنقیح علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمائی اور اس سے قبل حکم مذکور کے خلاف اپنے جاری کردی ایک فتوے پر افسوس وندامت کا اظہار کیا اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، اب ج د ہ ایک مسجد ہے، ا مسجد، ب صحن مسجد، ج نالی مسجد برائے وضو، د نالی مسجد، ہ متعلق صحن مسجد۔ سوال یہ ہے کہ مقام ہ پر نماز پڑھنا اس قدر ثواب رکھتا ہے جس قدر مکان پر نماز پڑھنے سے ثواب ہے کیونکہ مقام ہ جمیع اہل محلّہ کی رائے سے بڑھایا گیا ہے۔

الجواب:

جبکہ وہ زمین متعلق مسجد تھی اور جمیع اہل محلّہ کے رائے سے جزو مسجد کرلی گئی تو اب وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں۔

فی الهندیة عن المضمرات عن الکنز مسجد اراد اهله یجعل الرحبة مسجدا لهم ذلك[2] اھ وفیها عن الخلاصة ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذٰلك	ہندیہ میں مضمرات سے بحوالہ کنز مذکور ہے کہ ایک مسجد والوں نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد بنالیں تو انہیں یہ اختیار ہے۔ اسی میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ایک زمین مسجد پر وقف ہوئی اور مسجد کے پہلو میں ایک وقف

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

المسجد وارادوا ان یزید وافی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لهم ومستغل الوقف کالدار والحانوت علی هذا [1] اھ ومثله فی ش عن البحر عن الخانیة وفیه عن الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبه ارض وقف علیه حانوت جاز ان یوخذو یدخل فیه [2] اھ ومعلوم ان الجماعة کالقاضی حیث لاقاضی وفی الدرالمختار لم یختص ثواب الصلٰوۃ فی مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما کان فی زمنه [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین خالی پڑی ہے مسجد والوں نے چاہا کہ اس خالی زمین کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرکے مسجد میں اضافہ کرلیں تو جائز ہے، لیکن وہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ انہیں ایسا کرنے کا اذن دے دے اور وقف آمدنی کے لئے گھر اور دکان کا بھی یہی حکم ہے اھ اور اس کی مثل ش میں بحر سے بحوالہ خانیہ ہے اور اس میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کوئی مسجد تنگ ہے اور اس کے پہلو میں اسی مسجد کے لئے ایک وقف زمین ہے جس پر دکان بنی ہوئی ہے تو اس کو (بغرض توسیع) مسجد میں داخل کرلینا جائز ہے اھ اور یہ بات معلوم ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں جماعت مسلمین قاضی کی مانند ہے، اور درمختار میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف اسی مسجد کے ساتھ مختص نہیں جو عہد رسالت میں تھی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از ضلع کبرے ڈاکخانہ مونڈا سودا ران مقام نجیب نگر مسئولہ سردار مجیب رحمان تعلقہ دار　　۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

عالیجناب حاجی مولوی احمد رضاخان صاحب زاد فیوضکم، پس از تسلیم مسنون نیاز مشحون! گزارش مدعا یہ ہے کہ راقم نے جو مسجد جدید تعمیر کرائی اس میں ایک مختصر سا باغیچہ ہے جس میں اکثر اشجار ثمر دار ہیں اور مرچیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ آپ کی التماس ہے کہ براہ کرم حکم شرع شریف سے معزز فرمائیے کہ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر استعمال جائز ہے تو کس طریقہ سے؟ جواب سے معزز

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

[3] درمختار

کیا جاؤں۔

الجواب:

خاص مسجد میں باغیچہ ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔اگر یوں ہے کہ جس زمین کا ایک قطعہ مسجد کیا ہے اس کے دوسرے قطعہ میں باغیچہ ہے تو اس صورت میں اگر باغیچہ مسجد پر وقف نہ کیا گیا تو وہ ملک اصل مالک پر باقی ہے اسے اختیار ہے کہ اس کے پھل جو چاہے کرے،اور اگر وہ بھی مسجد پر وقف کردیا ہے تو اب اپنے صرف میں لانا اسے جائز نہیں بلکہ پھل بیچ کر مسجد کے صرف میں لائے۔اور اگر واقف نے یہی کیا ہے کہ جس زمین میں باغیچہ ہے خود اسی کو مسجد کردیا ہے یعنی باغیچہ کو وقف علی المسجد نہ کیا بلکہ خود اس کی زمین کو مسجد کردیا تو اس کے پھل توڑ کر اپنے صرف میں لائے اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کرکے مسجد بنائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳: مسئولہ منشی حاجی محمد ظہور صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اہلسنت وجماعت تابع شرع دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک مسجد لب سڑک شارع عام جس کے تین طرف راستہ اور دو دروازے شرقی وجنوبی متصل بازار ہے اس کے بانی جو تھے وہ جوار رحمت میں ہیں اب مرمت وسفیدی ونگرانی اہل محلّہ کرتے ہیں،چند عرصہ ہوا جو ایک مسماۃ نے از قول پنجابیان اس قدر مسجد میں اور اضافہ کیا ہے یعنی ایک درجہ مع مسافر خانہ زیر وبالا وچاہ اندرون مسجد ودو غسل خانہ مسقف وسقایہ وروکار دروازہ مسجد بلندی مینار ہائے مع کلس طلائی واز سر نو فرش واستر کاری والماریاں وحجرہ ودکانات زیریں برائے صرف مسجد تعمیر کرائیں ملحقہ مسجد مکان ایک شخص کا ہے جس نے بعد اس نو تعمیر کے چند عرصہ کے بعد اپنے مکانات کو بلند کیا اور دیوار پاکھائے مسجد پر اپنے بالاخانہ کی دیواریں اور دروازے لگائے جس میں مینار مسجد کے آگئے اور بذریعہ ایک دروازہ کے جو چھت مسجد پر ہے آمدورفت آدمیوں اور کتوں کی اکثر چھت مسجد پر رہتی ہے اور مسافر خانہ کی چھت پر اپنی کھپریل رکھ لی اور حجرہ مسجد کی چھت کو اپنے بالاخانہ کے صحن میں ڈال لیا اس شخص کو ہر چند منع کیا مگر نہ مانا،زبانی اور تحریر کے ذریعہ سے اس نے ظاہر کیا کہ یہ مسجد وقف نہیں ہے یہ مسجد دار کا حکم رکھتی ہے مثل حمام اور چاہ کے میرے مورثان کی ہے اور اب میری ہے یہ مال موقوفہ نہیں ہے میری جائداد ہے حالانکہ اس مسجد میں نمازیں باجماعت پنجگانہ اور تراویح رمضان شریف وختم قرآن مجید ونماز جمعہ وعیدین بہ ہجوم نمازیان محلّہ ودیگر مسلمانان مدام پڑھتے ہیں اور پابندی امامت ومؤذنی وقیام طلبا ومسافران کی رہتی ہے تو ایسی صورتوں میں یہ مسجد حکم وقف کا رکھتی ہے یا مکان کا جو وراثۃً پہنچ سکتا ہے مع حوالہ کتاب وصفحہ کے جواب عطا فرمایا جائے۔

الجواب:

وہ مسجد یقینا مسجد ہے، شخص مذکور کا اسے حکم دار میں بتانا اور اپنے مورثوں کی ملک ٹھہرانا ظلم وغصب ہے اور واحد قہار کی ملک دبا بیٹھنا ہے جب وہ عام طور پر مسجد مشہور ہے، مدتوں سے پنجگانہ جماعتیں جمعے، عیدین، تراویح وغیرہا مثل عام مساجد ہوتی ہیں، کوئی حق ملک اس میں غیر خدا کے لئے ثابت نہیں تو اسے مسلمان تو مسلمان جو غیر مذہب والا بھی دیکھے گا مسجد ہی جانے گا، شخص مذکور کے باپ دادا کی دار ہونے کا اصلاً گمان بھی نہ کرسکے گا، صورت مسجد کی صفت مسجد کی، برتاؤ مسجد کا، شہرت مسجد کی، ایسے روشن ثبوتوں کے بعد بھی کسی غاصب کا دعوی ملکیت سن لیا جائے تو ظالم لوگ تمام جہان کی مسجدیں دبا بیٹھیں، جس کے گھر کے پاس جو مسجد ہو وہ کہہ دے کہ اس کے باپ کا دار یا دادا کا حمام ہے، آج کل دو چار آنے تک گواہیاں سستی ہوگئی ہیں، آٹھ آنے میں دو گواہ دے دے، چلئے فراغت شد، اللہ واحد قہار کی مسجد انکے باپ دادا کا ترکہ ہوگئی، تمام ہندوستان میں وہ گنتی کی کے مسجدیں ہیں جن کے باضابطہ وقفنامے لکھے گئے ہیں اور وہ دستاویزیں محفوظ ہوں اور ان کے شاہد موجود ہوں تو یہ وہ ظالمانہ طریقہ ہے جس سے دنیا بھر کی تمام مسجدیں ظالموں غاصبوں کا گھر بن جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا، اور ظلم بھی کیسی حماقت کا جسے مسلمین تو مسلمین کوئی سمجھ وال غیر مذہب بھی قبول نہیں کرسکتا، بھلا مسجد تو مسجد ہے جس کی صورت جس کی محراب جس کے منارے وغیرہا خود دور سے گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ واحد قہار کا گھر ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ عام وقفوں کے ثبوت کو صرف شہرت کافی ہے پھر اس سے زیادہ اور شہرت کیا ہوگی کہ تمام مسلمان اسے مسجد جانتے ہیں، مسجد کہتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، پنجگانہ جماعتیں ہوتی ہیں۔ جمعہ عیدین تراویح ختم کی امامتیں ہوتی ہیں۔ مسلمان اپنے مصارف سے اس کی مرمت، اس میں اضافہ، اس کی عمارت کرتے ہیں۔ ایسی حالت کا نام نہ سنا یا پکا بے دین بے حیا جو ساری دنیا کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خدا کا مال غصب کرنا چاہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ درمختار جلد ۳ صفحہ ۶۲۴ میں ہے:

تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ حفظا للاوقاف القدیمۃ عن الاستھلاک[1]۔	وقف میں شہادۃ شہرت بھی مقبول ہے تاکہ اوقاف قدیمہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں جلد چہارم ص ۲۳۳ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

اذا شهد الشهود ما تجوز به الشهادة بالسماع وقالو الم نعاين ذلك ولكنه اشتهر عندنا جازت شهادتهم [1]	جب گواہوں نے ان معاملات میں گواہی دی جن میں شہادت سماعت جائز ہے، اور کہا کہ ہم نے معائنہ نہیں کیا لیکن یہ ہمارے نزدیک مشہور ہے، تو ان کی گواہی جائز ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد سوم ص ۱۳۷ میں ہے:

وتقبل الشهادة فی الوقف بالتسامع وان صرحابه لان الشاهد ربما يكون سنه عشرين سنة وتاريخ الوقف مائة سنة فيتيقن القاضی ان الشاهد يشهد بالتسامع لابالعيان فاذن لافرق بين السكوت والافصاح اشار ظهير الدين المرغينانی الی هذا المعنی كذافی الفصول العمادية [2]۔ملتقطا۔	وقف میں شہادت تسامع یعنی سماعت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ سماعت کی تصریح کردیں کیونکہ بسااوقات گواہ کی عمر بیس سال ہوتی ہے اور وقف سوسال سے ہوتا ہے، چنانچہ قاضی کو یقین سے علم ہوتا ہے کہ گواہ سنی ہوئی گواہی دے رہاہے نہ کہ دیکھی ہوئی، لہٰذا اس صورت میں سماع سے خاموشی اور تصریح کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ظہیرالدین مرغینانی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ جلد دوم ص ۲۷ میں ہے:

فی الكنز لايشهد بمالم يعاينه الافی النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضی واصل الوقف ومثله فی المختار وتنوير الابصار والكل من هٰؤلاء اطلق فعم المتقادم وغيره الخ [3]۔	کنز میں ہے کہ جب تک گواہ نے معائنہ نہ کیا ہو وہ گواہی نہیں دے سکتا سوائے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی اور اصل وقف کے، اور مختار وتنویر الابصار میں بھی اسی کی مثل ہے اور ان سب نے مطلق رکھا قدیم وجدید کو عام ہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات فصل فی الشاہد یشہد الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۸

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الشہادات دار الفکر بیروت ۲/ ۲۹

ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴ و۱۰۵ میں ہے:

اما الوقف فالصحیح انه تقبل الشهادة بالتسامع فی اصله دون شرائطه لان اصله هو الذی یشتهر [1]۔	صحیح یہ ہے کہ شہادۃ تسامع اصل وقف میں جائز ومقبول ہے نہ کہ شرائط وقف میں، کیونکہ اصل وقف ہی شہرت پذیر ہوتا ہے۔(ت)

بالجملہ شخص مذکور کا قول محض مدفوع وسخت باطل ونامسموع ہے، اس پر فرض ہے کہ مسجد کے مناروں دیواروں اور اس کی اور اس کے حجرہ وغیرہ کی چھتوں کو اپنے ظالمانہ تصرفوں سے فوراً پاک کردے، جو کچھ عمارت مسجد کے پکھے وغیرہ کسی پر بنائی ہے فوراً ڈھادے، جتنی راہیں اس کے یا کتوں کے آنے جانے کی مسجد یا حجرہ مسجد کی سقف پر ہیں فوراً بند کردے، وہ نہ مانے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ باضابطہ چارہ جوئی کرکے اس کا دست تعدی مسجد سے کوتاہ کریں اور بالجبر ان ناپاک تصرفات کو مسجد سے دور کرادیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: مرسلہ حکیم سراج الحق صاحب بریلی مسجد بدر الاسلام ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۲۸ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ۴۵ سال سے خارج از مسجد یعنی حوالی مسجد کی اراضی میں مکان بنالیا ہے اس میں رہتا ہے اس نے چند عرصہ سے یعنی چھ ماہ سے اس مکان میں کچھ مرغیاں کے بچے واسطے اپنے کھانے کے خرید کرکے پرورش کری جب اس کو فہمائش کی گئی تو اس نے فوراً مرغیوں کو علیحدہ کردیا اور بحضوری قلب اللہ تعالٰی سے توبہ بھی دل سے کی، علاوہ اس کے اور جو جو الزام کہ جھوٹے ذمہ زید کے لگائے گئے تھے ان سے زید توبہ کرتا ہے، اور کہا کہ یہ محض مجھ پر جھوٹا اتہام ہے آیا اس توبہ حضوری قلب سے نزدیک خداوند عالم کے پاک ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:

اللہ توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالٰی کے نزدیک اس گناہ سے پاک ہوجائے گا مگر حوالی مسجد یعنی فنائے مسجد میں جدید مکان بطور خود بنالینا اور اس کو اپنا مسکن کرلینا اور وہیں پاخانہ پیشاب کرنا یہ بھی حرام ہے اس کی توبہ سچی جب ہے کہ اپنے ان تصرفات کو بھی زائل کرے اور مسجد کو گھر نہ بنائے حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط	یعنی مسجد کو اگر دکان یا مکان بنالیا جائے تو اس کی

[1] الهدایة کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۵۹-۱۵۸

حرمتہ وھذاالایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذافی محیط السرخسی[1]۔	حرمت ساقط ہوگی بے ادبی بے حرمتی ہوگی اور یہ حرام ہے اور فنائے مسجد تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مثل حکم مسجد ہے، ایسا ہی محیط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔

اور یہ خیال کہ بہت مساجد میں مکان پیش امام ومؤذن کی سکونت کو بنے ہوئے ہیں نفع نہ دے گا، علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد بن جانے سے پہلے اگر بانی مسجد ایسا کوئی مکان بنادے تو جائز ہے اور اس کے بعد اگر خود بانی مسجد آئے اور بنانا چاہے تو اجازت نہ دیں گے اگرچہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اول ہی سے میری نیت اس کے بنانے کی تھی، درمختار میں ہے:

لوبنی فوقہ بیتا للامام لایضرلانہ من المصالح امالوتمت المسجدیۃ ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیۃ فاذا کان ھذافی الوقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علٰی جدار المسجد۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مسجد کے اوپر واقف نے امام کے لئے مکان بنایا تو حرج نہیں کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن جب مسجدیت تام ہوجائے پھر اس پر مکان بنانا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میں نے پہلے سے اس کا ارادہ کیا تھا تو اسکی تصدیق نہ کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے، لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از احمد آباد گھیسا محلّہ خماشہ مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب مع جماعت ۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ

حضرت مولانا ومخدومنا فاضل اجل عالم مولوی احمد رضا خاں صاحب! بعد آداب وتسلیمات کے آپ کی خدمت فیضدرجت میں دست بستہ ملتمس ہوں کہ یہاں احمد آباد میں اسلام رخنہ اندازہ ہورہی ہے آپ کو اللہ عزوجل نے وارث انبیاء کیا ہے واسطے اسلام میں اتفاق رکھنے کے، بجائے اس کے اسلام میں نفسانیت کی وجہ سے نااتفاقی از حد پھیل رہی ہے، کئی فتووں پر آپ کی مہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت وشنید نہیں سنتے، ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے، خیر یہاں ایک جھگڑا پڑا ہے، مسجد ایک مدت سے بن گئی ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ایک مسجد اب بن رہی ہے، ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں مذکور دو فتوے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ ہیں بغور ملاحظہ فرما کر جو حکم صحیح ہو روانہ کریں، آپ کی حق تحریر آنے سے ان شاء اللہ العزیز شرمٹ جائے ایسی امید ہے، والسلام۔

نقل فتوائے بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر احمد آباد میں محلّہ تاجپور پانچ پیلی میں سنت جماعت چھیپوں کی جماعت میں عرصہ چند روز کا ہوا اختلاف دنیویہ کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں، ایک طرف آٹھ سو گھر ہیں اور ایک طرف پچاس گھر ہیں، دونوں فرقوں نے مکان مسجد بنانے کے لئے خرید کئے، چھوٹی جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنی شروع کی، ان کو بڑی جماعت کی جانب سے سمجھا یا گیا کہ تمہاری مسجد کی مغرب کی جانب بڑی جماعت کا مکان ہے، ان دونوں مکانوں کو مسجد بناؤ اور بنانے میں ہم مال کی مدد میں شریک رہیں گے، انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ ہم فی الحال مسجد بناتے ہیں اور جب مغرب کی جانب مسجد بڑی جماعت والوں کی بنے گی تو ہم بیچ کی دیوار توڑ ڈالیں گے اب بڑی جماعت کی بھی مسجد قریب تیار ہونے کے ہے، اب چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کر دو، اب چھوٹی جماعت کے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنا ناجائز ہے۔ اب علمائے اہلسنت عم فیوضہم کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنے سے نمازیوں کو گنجائش نماز کی اچھی طرح سے ہوجائے گی اب اس صورت میں بیچ کی دیوار کو توڑ کر مسجد کو ایک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی دیوار چھوٹی جماعت والے توڑنے کا انکار کریں تو ان کی مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

ہاں اہل محلّہ کو اختیار ہوتا ہے کہ نماز کے لئے دو مسجدوں کو ایک کردیں، اس کو ناجائز کہنا محض غلط و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لهم ای لاهل المحلة نصب متولی وجعل المسجدین واحد وعکسه لصلاة لالدرس اوذکر فی المسجد اھ[1]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کا متولی مقرر کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک یا ایک کو دو کرلیں نماز کے لئے نہ کہ درس وذکر کے لئے اھ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مگر چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت صحیحہ شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر بھی جبر نہیں پہنچتا کہ جب ایک مسجد کو دو کرلینا جائز ہے **کما تقدم عن الدر ان لھم جعل مسجد واحد مسجدین** (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرا کہ ایک مسجد کو دو کرنے صرف کا اہل محلّہ کو اختیار ہے۔ت) تو دو کو دو رکھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، ہاں اگر اصلاً کوئی وجہ شرعی نہ ہو صرف ضد کے سبب تفریق جماعت کریں تو ان کی بات نہ سنی جائے گی کہ اس صورت میں وہ متعنت یعنی بے جاہٹ کرنے والے ہیں اور متعنت کا قول مسموع نہیں ہوتا،

فی الھدایۃ وغیرہا من القسمۃ الاول منتفع بہ فاعتبر طلبہ والثانی متعنت فلم یعتبر [1]۔	ہدایہ وغیرہ میں قسمت کے باب میں ہے کہ اول اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے لہٰذا اس کا مطالبہ معتبر ہے اور ثانی ہٹ دھرمی کرنے والا ہے اس کا مطالبہ معتبر نہیں (ت)

درمختار میں قبیل استصناع ہے:

الاصل ان من خرج کلامہ تعنتا فالقول لصاحبہ بالاتفاق [2]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کلام تعنت یعنی ہٹ دھرمی پر مبنی ہو اس کے مخالف کا قول بالاتفاق معتبر ہوگا۔(ت)

توحسب صوابدید اکثر اہل جماعت اس دیوار فاصل کو علیحدہ کردیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ سئل ابوالقاسم عن اھل مسجد اراد بعضھم ان یجعلوا المسجد رحبۃ والرحبۃ مسجدا او یتخذ وا لہ بابا اویحولوا بابہ عن موضعہ وابی بعض ذٰلك قال اذا اجتمع اکثرھم وافضلھم لیس للاقل منعھم [3]۔	تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوالقاسم سے یہ سوال کیا گیا کہ بعض اہل مسجد ایک مسجد کو صحن اور صحن کو مسجد بنانا، مسجد کا دروازہ بنانا اور سابق دروازے کو اس کی جگہ سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اس کا انکار کرتے ہیں تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ اکثر وافضل حضرات متفق ہیں تو اقل کو اختیار نہیں کہ انہیں منع کریں (ت)

[1] الھدایۃ کتاب القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع باب المسلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

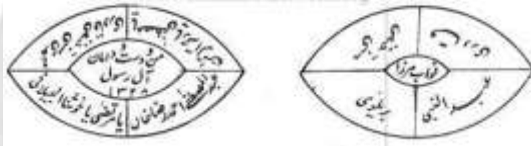
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۳

یوں ہی اگر اس دیوار و تعدد کے باعث اہل محلّہ پر مسجدیں تنگی کرتی ہیں کہ ایک تو دیوار نے جگہ گھیری دوسرے دواماموں کے باعث کمی ہوئی کہ خود امام ایک صف کامل کی جگہ لیتا ہے اس وجہ سے اہل محلّہ دونوں مسجدوں میں پورے نہیں آتے اور دیوار توڑ کر ایک جماعت کردینے سے وسعت ہوجائیگی تو اس صورت میں وہ دیوار خواہی نخواہی جدا کردی جائیگی کہ تنگی مسجد کی ضرورت سے اس کے قریب کی زمین یا مکان یا دکان مملوک بلا رضا مندی مالک بقیمت لینے کا اختیار حاکم کو ہے، تو مسجد کو مسجد میں ملالینا بدرجہ اولٰی، درمختار میں ہے:

توخذ ارض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقیمۃ کرھا درر وعمادیۃ[1]۔	مسجد اگر تنگ ہو تو اس کے پہلو میں جو زمین، مکان یا دکان ہے وہ قیمت دے کر جبرا مسجد میں داخل کی جاسکتی ہے، درر وعمادیۃ۔ (ت)

اور بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار کرنے سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں خواہ ان کا انکار سنا جائے یا نہیں کہ آخر وہ مسجد ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عبدالنبی نواب مرزا عفی عنہ الجواب صحیح۔ واللہ تعالٰی اعلم



نقل فتوائے دہلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس میں پنجگانہ نماز تین ماہ سے ہورہی تھی متصل اس کے اور ثانی مسجد بنائی گئی اس ضد پر کہ محلّہ والوں کے دو گروہ ہوجائیں اور آپس میں تفرقہ پڑجائے اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے پس اس ثانی مسجد کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اسکو مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جائے یا نہیں؟

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

الجواب:

صورت مسئولہ میں مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے یعنی اس میں نماز پڑھنا منع ہے اور حاکم وقت کو چاہئے کہ اس کو مسجد کی صورت میں نہ رہنے دے خواہ اس کو ہدم کرادیا جائے یا کوئی مکان دوسرا بنادے جیسا کہ تفسیر جامع البیان میں آیہ "وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا" الخ[1] اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر کے لئے ایک مسجد بنائی الخ۔ت) کی تفسیر میں لکھا ہے عبارت اس کی بلفظہ یہ ہے:

فلما اتموا بناءہ اتوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین رجع من تبوک وقال اتممنا مسجد اللضعفاء واھل العلۃ واللیلۃ المطیرۃ نلتمس ان تصلی فیہ وتدعو بالبرکۃ فنزلت فی تکذیبھم فامر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھدمہ فھدموہ واحرقوہ(لاتقم فیہ) فی ذٰلک المسجد ابدا للصلٰوۃ[2]۔	جب انہوں نے مسجد کی تعمیر مکمل کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ! ہم نے کمزوروں، بیماروں اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے والوں کی خاطر مسجد بنائی ہے۔ہماری التماس ہے کہ آپ اس میں برکت کے لئے دعا فرمائیں، تو اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی تکذیب میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس مسجد کے گرانے کا حکم دیا لہٰذا لوگوں نے مسجد کو گرا کر جلادیا، اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں کبھی بھی نماز کے لئے قیام نہ فرمائیں۔ (ت) محمد عبدالحق

نقل فتوائے ایران

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص محض بغرض نفسانیت اور عداوت اور ضرر مسجد مقیم (یعنی جو پہلے بنی ہوئی ہو) مسجد بنائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد بنائی جائے یا نہیں؟

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] جامع البیان تحت آیۃ ۹/ ۱۰۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ۱/ ۲۸۶

الجواب:

ھو اللہ تعالٰی اعلمھم بالحق والصواب، بلاشبہ جو مسجد بغرض نفسانیت وعداوت کے وضرر مسجد قدیم کے تیار کی جائے حکم مسجد ضرار رکھتی ہے اور ایسی مسجد کی بناء موجب ثواب نہیں بلکہ موجب نکال ہے، چنانچہ تفسیر مدارک وکشاف میں اس آیت کے نیچے مرقوم ہے:

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ "[1]۔ قیل کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ او بمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتھی[2]۔	اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں، اور تھانگ اس شخص کی جو لڑرہا ہے، اللہ سے اور رسول سے آگے کا اور اب قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی چاہتے تھے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو مسجد بھی تفاخر، ریاکاری، مشہوری یا طلب رضاء الٰہی کے علاوہ کسی غرض کے لئے بنائی جائے ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار سے ملحق ہوگی انتہی۔ (ت)

اور کشاف میں ہے:

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ[3] انتھی۔	حضرت عطا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ بہت سے شہر فتح فرمائے تو آپ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنانا تاکہ ایک سے دوسری کو ضرر نہ پہنچے، انتھی (ت)

اور صاحب تفسیر احمدی نے لکھا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] تفسیر النسفی (المدارک) تحت ۹/ ۱۰۷ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۴۵

[3] الکشاف (تفسیر) تحت ۹/ ۱۰۷ انتشارات آفتاب تہران ایران ۲/ ۲۱۴

فالعجب من المشائخين المتعصبين فی زماننا يبنون فی كل ناحية مساجد طلباللاسم والرسم واستعلاء لشانهم واقتداء بأبائهم ولم يتاملوافی هذه الأية والقصة من شناعة حالهم وسوء افعالهم [1] انتهی۔	ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ پر تعجب ہے کہ شہرت، رسم، اپنی رفعت شان اور اپنے آباء واجداد کی اقتداء کے لئے ہر کونے میں مسجدیں بنالی ہیں اور اس آیت کریمہ اور ان لوگوں کی بدافعالی اور بدحالی کے قصے میں غور نہیں کیا انتہی (ت)

کتبہ العبد بدیع الدین ابن سید شرف الدین صاحب مشہدی ثم الاحمد آبادی عفااللہ تعالٰی عنہما

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

مکرم کرم فرمایان سلمکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مع فتاوٰی فریقین ملا، فقیر نے آپ کے فرمانے سے یہاں کے فتوے پر مکرر نظر کی اور اس طرف کے فتاوٰی کو بھی دیکھا جو یہاں سے لکھا گیا خالص حق وصحیح ہے اس میں بحمداللہ تعالٰی کسی کی طرف داری نہیں حکم شرعی بیان کیا ہے کسی کے مخالف موافق ہو اس سے بحث نہ کی نہ کی جاسکتی ہے کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر جبر بھی نہیں پہنچتا، کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ان عبارات کو دیکھ کر آپ حضرات نے فریق اول کی طرفداری سمجھی، ان عبارات کو دیکھ کر وہ فریق آپ کی طرفداری سمجھے، خلاصہ یہ ہوگا کہ دونوں فریق کی طرفداری ہے یعنی کسی کی طرفداری نہیں صرف بیان حکم سے غرض ہے والحمدللہ رب العٰلمین۔ اور یہ الزام کہ آپ ہر دو جانب کی گفتگو نہیں سنتے ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے اگر آپ انصاف فرمائیں تو یہ الزام محض بے اصل ہے یہاں فتوٰی دیا جاتا ہے دار القضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو، مفتی تو صورت سوال کا جواب دے گا اس سے اسے بحث نہیں کہ واقع کیا ہے، نہ فریقین کا بیان سننا اس پر لازم نہ اس کا کام۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سوال اگر ظاہر البطلان ہو تو اس کا جواب نہ دے اور دے تو اس کی غلطی ظاہر کردے تاکہ وہ اپنے فتوے سے باطل کا مددگار نہ بنے، یہاں بحمدہٖ تعالٰی اس کا لحاظ رہتا ہے جس سوال پر بریلی سے جواب گیا اس میں کوئی

[1] التفسیرات الاحمدیہ تحت ۹/ ۱۰۷ المطبع الکریمی بمبئی انڈیا ص ۴۷۸

امر ایسا نہ تھا کہ صورت سوال کو غلط سمجھا جاتا مگر افسوس کہ اس طرف کے فتوؤں میں اس امر اہم کا لحاظ اصلاً نہ ہوا، ان کے سوالوں میں صورت یہ فرض کی تھی کہ دوسری مسجد کی بناء ضد سے کہ آپس میں تفرقہ ہو اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے محض نفسانیت وعداوت وضرر مسجد قدیم کے لئے بنائی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بنانے والوں کے قلب پر حکم تھا کہ ان کی نیت یہ ہے اور نہ صرف یہ بلکہ صرف یہی ہے، حالانکہ نیت کا جاننا اللہ عزوجل کا کام ہے اور مسلمان پر بدگمانی سخت حرام ہے تو مفتی صاحب کا منصب نہ تھا کہ اس صورت باطلہ کی تقدیر مان کر مسجد کے بنانے کو موجب عذاب ٹھہرائے اور حاکم وقت کو **معاذ اللہ** خانہ خدا کے ڈھانے پر ابھارے، ایسی جگہ صرف صورت پر حوالہ کا حیلہ یا اس کہدیئے کی آڑ جو چیز ایسی ہے اس کا حکم یہ ہے اہل عقل وعلم واقعات حال زمانہ کے نزدیک ہر گز کافی نہیں جبکہ صراحۃً معلوم ہے کہ ایک فریق بناواقعی حکم شرع وہ صورت گمان یا فرض کرکے فتوے لینا چاہتا ہے جس کے فرض وگمان کا شرعًا اسے اصلاً حق نہیں، نہ دوسرے کو جائز کہ اس کی بدگمانی مقرر رکھے،

"لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ" [1]۔	ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں پر اچھا گمان کرتے (ت)

اور وہ اپنے اس فرض باطل کے ایک فریق مسلمان کو بذریعہ فتوٰی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو صرف اس صورت کا حکم بتانا اور اس کا حکم نہ بتانا صراحۃً باطل کو مدد دینا ہے جو ایک جاہل مسلمان کے لائق بھی نہیں مفتی تو مفتی،

ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل [2]۔	جو اپنے اہل زمانہ کے احوال کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے (ت)

اور حقیقت یہ کہ نہ صرف فریق دیگر بلکہ خود اس فریق کی بھی بدخواہی ہے بلکہ اس کی بدخواہی سخت تر ہے، فریق اول کی نیت اگر صحیح ہے تو ان کے فرض باطل یا نافہم مفتیوں کے اقوال ہائل سے اس کا کیا ضرر، مگر اس فریق کو جو بدگمانی اور مسلمانوں کو ایذارسانی کی بیماری تھی وہ مفتیوں کی تقریر وعدم انکار کے بعد پختہ ہوگئی،

فھلکوا واھلکوا انما الدین النصح	وہ خود ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا دین تو

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] درمختار کتاب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

لکل مسلم[1] ۔	محض ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔(ت)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مریض نے براہ ناواقفی اپنا مرض الٹا تشخیص کیا اور اس کے لئے طبیب سے دوا پوچھی، طبیب اگر اس کا اصل مرض جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دوا اسے نافع نہیں بلکہ اور مضر ہوگی، تو اسے ہرگز حلال نہیں کہ الٹے مرض کی اسے دوا بتا کر اس کی غلطی کو اور جمادے اور اس کے ہلاک پر معین ہو اور یہاں اتنا کہہ دینے سے کہ مرض مسئول کی دوا یہ ہے یا جسے یہ مرض ہو اس کی دوا یہ ہے، طبیب الزام سے بری نہیں ہوسکتا جبکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نہ یہ مرض نہ یہ اس کی دوا، بلکہ یہ اس کے مرض کو اور محکم کردے گی، حاشا یہ وہی کرے گا جو یا تو خود ہی طب نہیں جانتا اور خواہی نخواہی لوگوں کا گلا کاٹنے کو طبیب بن بیٹھا یا دیدہ دانستہ مریض کی غلط تشخیص مقرر رکھ کر خلاف مرض دوا دے کر اسے ہلاک کیا چاہتا ہے، دونوں صورتیں سخت بلا ہیں، ایک دوسرے سے بدتر، تو صاف روشن ہوا کہ انہیں فتووں میں سخت ناانصافی اور نہ ایک فریق بلکہ دونوں کی سخت بدخواہی ہوئی اگرچہ بظاہر فریق دوم کی طرفداری نظر آئے اگر کسی ذی علم عاقل خیر خواہ مسلمان سے یہ سوال ہوتا تو وہ یوں جواب دیتا کہ بھائیو اس کی بناء محض نیت پر ہے اور نیت عمل قلب ہے اور قلب پر اطلاع اللہ عزوجل کو، تم نے کیونکر جانا کہ اس فریق نے یہ مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ محض نفسانیت وعداوت واضرار مسجد سابق کا ارادہ اس کے دل میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **افلا شققت عن قلبہ**[2] تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ باہم تفرقہ کے بعد اس کی بناء سے غایت یہ کہ تفرقہ کے باب الوقف میں ہے، اور مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی، اس بیان ضروری کے بعد چاہتا تو یہ بھی لکھتا کہ ہاں اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتا کہ ان کی نیت اضرار تھی اور اسی غرض سے انھوں نے مسجد بنائی تو ضرور اس کے لئے مسجد ضرار کا حکم ہوتا مگر حاشا اس کے ثبوت کا کیا طریقہ اور اس کی طرف راہ کیا، آپ کے سوال کا جواب یہ تھا، نہ وہ جو ایرانی ودہلوی صاحب نے دیا، بہر حال فقیر آپ صاحبوں کا ممنون احسان ہے کہ اپنے نزدیک جو عیب اپنے بھائی مسلمان یعنی اس فقیر میں سمجھا اس سے مطلع فرمایا، مجھ پر فرض تھا کہ بات ٹھیک ہوتی تو تسلیم کرتا اب کہ باطل ہے اس کا بطلان آپ کو دکھا دیا، ماننا آپ صاحبوں کا کام ہے، سنیوں بھائیوں کو آپس میں ایک رہنا لازم ہے، سنیوں پر دشمنان دین کے آلام کیا تھوڑے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

بندھ رہے ہیں کہ آپس میں بھی خانہ جنگی کریں اور نہ ہوسکے تو اتنا ضرور ہے کہ دنیوی رنجش جانے دیں "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ"[1] بیشک تمام مومن توآپس میں بھائی بھائی ہیں۔ت) پر نظر فرماکر گلے مل لیں، فریق اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالٰی اس سے زائد اس کی نسبت جانتا ہے اگر واقع میں مسجد انہوں نے محض براہ نفسانیت بقصد اضرار مسجد سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجد ضرار ہے اسے دور کردیں اور تائب ہوں مگر فریق دوم کو ہر گز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر اتنی سخت بدگمانی کرکے معاذاللہ مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی ناموں کے فتووں کی آڑلیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکم وقت کو بربادی خانہ خدا پر ابھارتے ہیں **والعیاذباللہ رب العٰلمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اللہ تعالٰی رب العالمین کی پناہ، بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی عطا کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔ت) فقیر اپنے اس خط کی نقل فریق اول کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے **والسلام علٰی جمیع اخوانناا ھل السنۃ والجماعۃ** (تمام اہلسنت وجماعت پر سلامتی ہو۔ت) فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۰ شعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ھ ہجریہ قدسیہ **علی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ آمین!**

مسئلہ ۱۵۶: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مسئولہ جناب سید علی شاہ حسن میاں صاحب غرہ ماہ مبارک ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد مسقف میں شدت گرما کے سبب مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کی کثرت وحبس کی وجہ سے ادائے فرض میں نقصان اور خلل ہوتا ہے ایسی حالت میں اس کے انسداد کے لئے اگر مسجد میں سقفی بادکش لٹکایا جائے تو یہ بھی جو بحالت معذوری ومجبوری کیا گیا ہے خلاف آداب مسجد ومنافی احکام شریعت تو نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

موسم گرما ہمیشہ سے آتا ہے اور عرب شریف میں آتا تھا اور مکہ معظّمہ میں گرمی یہاں سے سخت تر تھی اور ہے، اس میں نہ کوئی معذوری ہے نہ مجبوری، ورنہ ہر زمانے اور ہر مقام میں اس کا علاج ملحوظ ہوتا کہ انسان سے معذور ومجبور کبھی نہیں رہا جاتا، نماز عبادت وبندگی ہے اور بندگی کمال تذلل وفروتنی، نہ کہ مخدوم بننا اور عین دربار بے نیاز میں خادم کو مقرر کرنا کہ ہم کو پنکھا جھلے کچہریوں میں جو فرشی پنکھے ہوتے ہیں اس میں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۰

اصل مقصود حاکم ہوتا ہے کہ خود وہ ایک عاجز و محتاج ہے جسے گرمی سردی سب ستاتی ہے بلکہ اور بہت سے جفاکشوں کی نسبت وہ زیادہ محتاج ہے پنکھا اس کے لئے لگاتے ہیں خادم اس کے لئے کھینچتا ہے حاضرین بالطبع اس سے ہوا پاتے ہیں اس سبب سے وہ بے ادبی خلاف ادب دربار نہیں گنا جاتا۔ یوں نہ دیکھئے بلکہ یوں کہ کوئی شخص دربار شاہی میں حاضر ہو اور اپنا خادم مقرر کرے کہ بادشاہ کے سامنے مجھے دستی جھل، کیا اسے بے ادب نہ کہا جائے گا؟ بیشک کہا جائے گا، اور اب مسئلہ میں قدرے زیادہ بیان اور ادائے فرض میں عذر خلل و نقصان کا جواب فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: ازاحمد آباد محلّہ پانچ پپلی تاجپور ۱۴ رمضان ۱۳۲۹ھ

ایک مسجد جنگل میں ہے جس کی تولیت چھیپوں کی جماعت کرتی ہے اور وہ منہدم و مسمار ہوگئی ہے اور اس کی صرف ایک محراب ہی باقی ہے اور اس مسجد کے تمام پتھر لوگ چرالے گئے، اب اس صورت میں وہ محراب دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ اس مسجد شہید شدہ کا آباد کرنا فرض ہے ناممکن ہوگیا ہو اور اس کی طرف کوئی راہ میسر نہ ہو اور چور اس کے مال پر دست درازی کر رہے ہیں تو ایسی صورت میں اس ضرورت میں اس کی محراب دوسری مسجد میں لگادینے کی اجازت ہوگی **کما بینہ العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وفصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ علامہ شامی نے اس مسئلہ کو ردالمحتار میں بیان فرمایا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۸: ازالہ آباد بنگلہ نمبر ۱۶ مہابلی پرشاد سوداگر پناہی مرسلہ حاجی منشی محمد ظہور صاحب جوہری بریلوی ۷ اصفر مظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میرے مورثان نے بغرض نماز اپنے اور اپنے خاندان کے باستثناء عورات کے بنوائی اور اس کے ساتھ متصل اس کے اپنا مکان بنوایا اور ایک طرف کی کڑیاں مسجد کے ایک سمت کی دیوار پر اسی وقت میں رکھ لیں اب تیس سال ہوئے جو اس نے اجازت عام نمازیوں کو واسطے نماز کے دے دی اب نماز پنجگانہ اور نماز عیدین ہوتی ہے اب اس کی اولاد میں ایک شخص نے اپنے مکان کی نیچی چھت کو ڈیڑھ گز اونچا کیا اور وہاں کڑیاں یا شہتیر اٹھا کر دیوار پر دیوار کو بلند کرکے ڈال لیں اور بجائے ایک کھڑکی کے دو کھڑکی جانب مسجد اضافہ کی اور دیوار کو اونچا کرکے سائبان ٹین کا اپنی طرف کو ڈال لیا جس کا مگر مسجد کے دیوار پر رہا (خلاصہ) جب خانہ خدا وہ مسجد

عام نمازیوں کے واسطے وقف ہو گئی تو وہ دیوار مسجد جس پر کڑیاں یا شہتیر رکھا ہو اور دو مینار بھی اسی دیوار پر ہوں تو وہ دیوار بھی وقف ہوئی یا نہیں اور اس دیوار سے کڑیاں اٹھا کر اور دیوار بلند کرکے پھر دوبارہ کڑیاں رکھنے یا دیوار مسجد پر دیوار بنانے یا اضافہ کرنے کا کوئی حق ہے یا نہیں وارثان بانی مسجد کو ازروئے شرع شریف، اور وہ حق یا تعلق جو بانی مسجد نے رکھا تھا بعد علیحدہ کرنے کے باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ مسجد روز اول سے عام مسلمانوں کے لئے خانہ خدا ہو گئی خاص ایک قوم کے لئے نیت کرنے سے خاص نہیں ہو سکتی نہ بانی کو اس میں اپنے لئے کوئی حق یا تعلق رکھنے کا اختیار ہے، فتاوٰی عالمگیری جد ۳ ص ۷ ۱۳ میں ہے:

اتفقوا علی انہ لو اتخذ مسجدا علی انہ بالخیار جاز الوقف وبطل الشرط کذا فی مختار الفتاوی، فی وقف الخصاف اذا جعل ارضہ مسجدا وبناہ واشھد ان لہ ابطالہ وبیعہ فھو شرط باطل ویکون مسجدا کما لو بنی مسجدا لاھل محلۃ وقال جعلت ھذا المسجد لھذہ المحلۃ خاصۃ کان لغیر اھل تلك المحلۃ ان یصلی فیہ ھکذا فی الذخیرۃ[1]۔	یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مسجد بنائی اس شرط پر کہ مجھے اختیار رہے تو مسجد صحیح ہو گئی اور وہ شرط جو لگائی باطل و بے اثر ہے، ایسا ہی مختار الفتاوی میں ہے۔ وقف خصاف میں ہے جب اپنی زمین کو مسجد کیا اور مسجد تعمیر کی اور لوگوں کو گواہ کر لیا کہ اس کا باطل کرنا اور بیچنا مجھے جائز ہوگا تو یہ شرط باطل ہے اور وہ مسجد ہو جائیگی اسی طرح اگر مسجد کسی محلّہ والوں کے لئے بنائی اور کہا کہ میں نے خاص اس محلّہ والوں کے لئے اسے مسجد کیا تو یہ شرط بھی باطل ہے اور وہ عام مسجد ہو جائیگی ہر شخص کو اس میں نماز کا اختیار ہوگا اگرچہ وہ غیر محلّہ کا ہو۔ ذخیرہ میں یونہی ہے۔

اور جب وہ دیوار مسجد کی ہے خود بیان کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیں اور اس دیوار پر مسجد کے دو منارے ہونا روشن دلیل ہے کہ وہ مسجد کی دیوار ہے تو اس دیوار کے وقف و مسجد ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے، بانی مسجد کو حرام تھا کہ مسجد کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھے، یوں ہی اس وارث نے جو تصرفات مذکورہ کئے سب حرام ہیں، اور واجب ہے کہ کڑیاں اتار دی جائیں اور ٹین جدا کر دیا جائے، مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸-۴۵۷

دیواران تصرفات سے پاک کردی جائے۔درمختار مطبع قسطنطنیہ جلد ۳ص ۵۷۳ میں ہے:

لو بنى فوقه بيتا للامام لايضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدية ثم اراده البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاتارخانية فاذاكان هذا فى الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد[1]۔	یعنی اگر مسجد کی چھت پر امام کے لئے گھر بنایا تو نقصان نہیں کہ یہ بھی مصالح مسجد سے ہے مگر مسجد پوری ہونے کے بعد اگر امام کے لئے بھی گھر بنانا چاہے گا نہ بنانے دیں گے اور اگر کہے گا میری پہلے سے یہی نیت تھی جب بھی نہ مانیں گے۔ تاتارخانیہ میں ہے توجب یہ حکم خود بانی مسجد پر ہے تو دوسرے کا کیاذکر، تواس کاڈھادیناواجب ہے اگرچہ مسجد کی فقط دیوار ہی پر کچھ بنایا ہو۔

بحرالرائق مطبع مصر جلد ۵ص۲۷۱ میں ہے:

اذاكان هذافى الواقف فكيف بغيره فمن بنى بيتا على جدار المسجد وجب هدمه[2]۔	یعنی جب خود بانی مسجد کو ممانعت ہے تو غیر بانی کیا چیز ہے توجو شخص مسجد کی دیوار پر کوئی عمارت بنائے اس کاڈھادیناواجب ہے۔

ردالمحتار مطبع استنبول جلد ۳ص ۵۷۳ میں ہے:

نقل فى البحر قبله ولايوضع الجذع على جدار المسجد وان كان من اوقافه اه قلت وبه علم حكم مايصنعه بعض جيران المسجد من وضع جذوع على جداره فانه لايحل ولودفع الاجرة[3]۔	یعنی بحرالرائق میں اس سے پہلے نقل فرمایا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑی نہ رکھی جائے اگرچہ وہ کڑی خود مسجد ہی کی کسی وقفی مکان کی ہو اور یہیں سے معلوم ہوا کہ مسجد کے زیر سایہ رہنے والے بعض لوگ جو مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیتے ہیں یہ حرام ہے اگرچہ وہ کرایہ بھی دیں جب بھی اجازت نہیں ہوسکتی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

مسئلہ ۱۵۹: مسئولہ مولوی صلاح الدین صاحب عرف حاجی داداساکن ضلع پشاور ۲۱صفر ۱۳۳۰ھ

مسجد میں درخت بونا جائز ہے یا نہیں؟اگر بولیا گیاتو وہ کس کی ملک شمار ہوگا؟

الجواب:

مسجد میں درخت بونا ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اگرچہ درخت پھلدار ہو (سوااس ضرورت کے کہ زمین مسجد سخت نمناک ہو جس کے باعث اس کی عمارت کو ضرر پہنچے ستون نہ ٹھہریں یا دیواریں پھولیں،اس لئے بوئے جائیں کہ ان کی جڑیں پھیل کر رطوبت کوجذب کرلیں)خلاصہ میں ہے:

غرس الاشجار فی المسجد لاباس به اذاکان فیه نفع للمسجد بان کان المسجد ذانزو الا سطوانات لا تستقر بدونها وبدون هذالایجوز اھ [1] ولفظ الامام ظهیر الدین بعد ذکر الحاجة المذکورة فحینئذ یجوز والا فلا [2] اھ قال فی منحة الخالق قوله والا فلا دلیل علی انه لایجوز احداث الغرس فی المسجد ولا القائه وفیه لغیر ذلك العذر ولو کان المسجد واسعا، و لوقصد به الاستغلال للمسجد [3] الخ۔	مسجد میں درخت لگانا جائز ہے جبکہ مسجد کے نفع کے لئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہو اور درختوں کے بغیر اس کے ستون قرار نہ پکڑتے ہوں اور اس ضرورت کے بغیر درخت لگانا ناجائز ہیں اھ حاجت مذکورکے ذکر کرنے کے بعد امام ظہیر الدین نے یوں فرمایاکہ اگر یہ حاجت ہو تو جائز ورنہ ناجائز اھ منحۃ الخالق میں ہے فرمایا کہ امام ظہیر الدین کا قول والاّاورنہ ناجائز ہے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر مذکور کے بغیر مسجد میں ابتداً درخت لگانا بھی ناجائز اور لگے ہوئے درختوں کو باقی رکھنا بھی ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اور اگرچہ اس سے مسجد کے لئے کرایہ لینا مقصود ہوالخ (ت)

ہاں اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیاتو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویاگیابلکہ مسجد زمین درخت میں بنائی گئی اس صورت میں اگر درخت بونے والا وہی مالک زمین و بانی مسجد ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوگا،نہ کسی شخص کی ملک،

فی ردالمحتار یدخل فی وقف الارض	ردالمحتار میں ہے زمین کے وقف وہ درخت اور

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

[2] بحرالرائق بحوالہ الظہیریہ کتاب الصلٰوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہیۃ فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الصلٰوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہیۃ فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

مافیہامن الشجر والبناء[1] الخ۔	عمارت بھی داخل ہوگی جو اس زمین موقوفہ میں ہے۔(ت)

اور اگر درخت دوسرے کا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مسجد پر اس کا وقف تسلیم کرلے گا تو وقف ہوجائے گا ورنہ تفریغ مسجد کا حکم کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ مسجد میں درخت بویا علماء نے فرمایا کہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔ ردالمحتار میں خانیہ سے ہے:

لوغرس فی المسجد یکون للمسجد لانه لایغرس فیه لنفسه[2]۔	اگر کسی نے مسجد میں درخت بویا تو وہ مسجد کا ہی ہوگا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں ہوسکتا ہے۔(ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد[3]۔	جب کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو وہ درخت مسجد کے لئے ہوگا(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

سئل نجم الدین عن رجل غرس قالة فی مسجد فکبرت بعد سنین فاراد متولی المسجدان یصرف هذه الشجرة الی عمارة بئر فی هذه السکة والغارس یقول هی لی فانی ماوقفتها علی المسجد، قال الظاہر ان الغارس جعلها للمسجد فلایجوز صرفها الی البئر ولا یجوز للغارس صرفها الی حاجة نفسه[4]۔	نجم الدین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مسجد میں پودا لگایا جو چند برس میں بڑا درخت بن گیا، متولی مسجد کا ارادہ ہے کہ وہ اس درخت کو اسی کوچہ کے کنویں کی تعمیر میں صرف کرے، اور درخت لگانے والا کہتا ہے کہ یہ میرا ہے کیونکہ میں نے اس کو مسجد پر وقف نہیں کیا، تو امام نجم الدین نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اگر درخت بونے والے نے مسجد کے لئے بویا تھا تو اس کو کنویں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی بونے والا اپنی ضرورت میں اس کو صرف کرسکتا ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۷

درمختار میں ہے:

لوغرس فی المسجد اشجارا تثمران غرسها للسبیل فلکل مسلم الاکل والافتباع لمصالح المسجد[1]۔	واقف نے مسجد میں پھلدار درخت بوئے اگر تو اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور پر بوئے ہیں تو ہر مسلمان کو پھل کھانا جائز ہے ورنہ ان پھلوں کو مصالح مسجد کے لئے فروخت کیا جائے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یغرسها للسبیل بان غرسها للمسجد او لم یعلم غرضه بحر عن الحاوی[2]۔	یعنی اگر اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور نہیں بوئے یا اس طور کہ مسجد کے لئے ان کو بویا یا اس کی غرض معلوم نہیں ہوسکی، بحر بحوالہ حاوی۔(ت)

اصل یہ ہے کہ بنایا غرس زمین وقف میں اگر متولی کرے تو مطلقًا وقف کے لئے ہے مگر یہ کہ اپنے ذاتی مال سے کرے اور بناو غرس سے پہلے گواہ کرلے کہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہوں یا یہ کہ متولی خود واقف ہو اور وقف کے لئے اس کی نیت نہ کرے اور مسجد میں بونا دلالۃً مسجد کے لئے بونا ہے کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے نہیں بوتا، یہ اس فرع کی تاصیل ہے، درمختار میں ہے:

المتولی بناؤہ وغرسه للوقف مالم یشهد انه لنفسه قبله[3]۔	متولی کا زمین وقف میں عمارت بنانا یا درخت لگانا وقف کے لئے ہی ہوگا جب تک وہ عمارت بنانے یا درخت لگانے سے قبل اس پر گواہ نہ قائم کردے کہ میں اپنی ذات کے لئے کررہا ہوں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان کان البانی المتولی بمال الوقف فوقف، سواء بناہ للوقف او لنفسه اواطلق، وان من ماله للوقف او اطلق فوقف الا اذاکان	عمارت بنانے والا اگر خود متولی ہو اور مال وقف سے بنائے تو وہ وقف کے لئے ہے چاہے وقف کیلئے بنائے یا اپنے لئے بنائے یا مطلق رکھے،

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۵

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۳

هو الواقف واطلق فهوله كمافى الذخيرة وان من ماله لنفسه واشهدانه له فهو له كما فى القنية والمجتبٰى، وان لم يكن متوليا فان بنى باذن المتولى ليرجع فوقف، والا فان بنى للوقف فوقف، وان لنفسه واطلق فله رفعه ان لم يضر [1]۔	اور اگر اپنے مال سے وقف کے لئے بنائے یا مطلق رکھے تب بھی وقف کے لئے ہوگی ہاں اگر وہ خود واقف ہو اور مطلق رکھے تو وہ اس کے اپنے لئے ہوگی (ذخیرہ) اور اگر اس نے اپنے مال سے اپنی ذات کے لئے عمارت بنائی اور اس پر گواہ بھی قائم کرلئے کہ اپنی ذات کے لئے بنارہا ہوں تو وہ اسی کی ہوگی جیسا کہ قنیہ و مجتبٰی میں ہے۔ اگر بانی خود متولی نہ ہو تو اگر اس نے متولی کی اجازت سے عمارت بنائی تاکہ متولی سے خرچہ کا رجوع کرسکے تو وہ وقف کے لئے ہے ورنہ اگر وقف کے لئے بنائی تو پھر بھی وقف ہے اور اگر اپنے لئے بنائی یا مطلق رکھی تو اس کو اٹھانے کا اختیار ہے جبکہ وقف کو نقصان نہ پہنچے (ت)

اشباہ میں ہے:

وان اضر فهو المضيع لماله فليتربص الى خلاصه [2]۔	اور اگر اس کو اٹھالے جانے میں وقف کو نقصان ہے تو نہ اٹھانے دیں گے کیونکہ اس نے اپنا مال خود ضائع کیا اب وہ انتظار کرے یہاں تک کہ وہ عمارت وقف سے خلاص ہوجائے۔ (ت)

اقول: مگر یہ بنا و غرس جائز میں ہے ناجائز کے لئے حکم ہدم و قلع ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ليس لعرق ظالم حق [3] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) درمختار میں ہے:

لو بنى فوقه بيتاللامام لايضر لانه من المصالح امالو تمت المسجدية	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۳۔۳۰۲

[3] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، السنن الکبرٰی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم حق دارصادر بیروت ۶/ ۹۹

ثم ارادالبناء منع، ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیۃ، فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ، فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[1]۔	مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے یہ ارادہ تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرادینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوی قاری الھدایۃ استاجردارا وقفا، وجعلھا طاحونا ان لم یکن انفع ولااکثر ریعا الزم بھدم ماصنع[2] اھ مختصرًا۔	فتاوٰی قاری الہدایۃ میں ہے کہ ایک شخص نے مکان وقف کو کرایہ پر لے کر اس میں آٹا پیسنے کی چکی بنادی اگروہ وقف کے لئے زیادہ نفع وخوبی کا حامل نہیں تو جو کچھ اس نے بنایا اس کو گرانے پر مجبور کیا جائے گا اھ مختصرًا (ت)

اور ہم بیان کرچکے بلاضرورت مذکورہ مسجد میں پیڑبونا جائز نہیں لشغلہ موضع الصلٰوۃ ولشبہ البیع والکنائس (کیونکہ اسطرح نماز کی جگہ بھی مشغول ہوگی اور گرجا اور کلیسا سے مشابہت بھی ہوگی۔ت) اور یہ کہ اس کا باقی رکھنا جائز نہیں تو یہ فروع خانیہ صورت جواز پر محمول ہوں گی۔

الاتری انہ ممنوع والوقف قربۃ وانہ مقلوع والوقف مؤبد فذٰلك برھانان انہ لایکون للسمجد۔	کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ممنوع ہے جبکہ وقف عبادت ہے اور اس کو اکھاڑنا لازم، جبکہ وقف کو ہمیشہ باقی رکھنا لازم ہے، یہ دونوں دلیلیں ہیں اس پر کہ وہ مسجد کے لئے نہیں (ت)

اور فرع مذکور بحر وحاوی ودرمختار فنائے مسجد میں غرس پر بھی محمول ہوسکتی ہے اور اگر ثابت ہو کہ فنائے مسجد میں بونا بھی دلالۃً مسجد میں بونا بتاتا ہے تو جملہ فروع مذکورہ کا یہ دوسرا عمدہ محمل ہے ھذا ماظھر لی (یہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۴

مسئلہ ۱۶۰: از میرٹھ ۸ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رنڈی نے اپنے پیشہ کے ذریعہ سے کچھ دکانیں خریدیں، چندروز کے بعد وہ رنڈی مرگئی، بعد مرنے کے وہ دکانیں وراثۃً اس کی بہن کو پہنچیں جو اپنے پیشہ سے تائب اور کسی کے نکاح میں ہے، اب اس کی بہن اپنی طرف سے اس جائداد کو جو وراثۃً اس کو ملی ہے کسی مسجد کے نام وقف کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں مہتممان مسجد کو ان دکانوں کا لینا اور ان کے کرایہ سے مسجد کے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ دکانیں بعینہا رنڈی کو اجرت زنا یا غنا میں نہ ملی تھیں بلکہ اس نے خرید کیں، اگرچہ خریداری اسی زرِ خبیث سے ہو، تو ازانجا کہ عامہ عقود رائجہ میں یہ قاعدہ نہیں کہ روپیہ دکھا کر کہا جاتا ہو اس روپے کے عوض بیع کرے یا خریدے بلکہ مطلق بیع ہوتی ہے تو عقد ونقد زرِ حرام پر جمع نہیں ہوتی اور مذہب کرخی مفتی بہ پر ایسی حالت میں اس شے مشتری میں خباثت بھی نہیں آتی، تو وہ دکانیں خود اس رنڈی کے لئے اس صورت میں حرام نہ ہوں گی، نہ کہ بعد انتقالِ وراثت۔ لہٰذا وقف مذکور نہ فقط صحیح بلکہ جائز و مورث ثواب ہوگا اور متولیوں کو ان کا لینا اور ان کا کرایہ مسجد میں صرف وخرچ کرنا ہر طرح جائز ہوگا۔

والمسئلة قد فصلناھا فی فتاوٰنا ثم ان کان خبث بالاجتماع لوفرض لم یکن فیه الاکراھة والوراثة ناقلة والوقف اخراج عن الملك والابحاث طویلة الاذیال وانما یفتی فی الوقف بما ھوانفع له کیف و الصحة لاشك فیھا قطعا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کردیا ہے، پھر اگر بالفرض عقد ونقد کے اجتماع سے خبث آئے بھی تو اس میں صرف کراہت آئے گی جبکہ وراثت نقل کرنے والی اور وقف ملک سے اخراج کا نام ہے اور اس میں طویل مباحث ہیں، اور بلاشبہ وقف میں فتوٰی اسی پر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہو تو یہاں کیونکر ایسا نہ ہوگا جبکہ اس کی صحت میں قطعًا شک نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: از موضع ملکی پور تھانہ کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ جملہ مسلمانان موضع ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عیدگاہ موضع ملکی پور میں ہے وہ بہت چھوٹی ہے اور عیدین میں بفضلہٖ تعالٰی اس قدر مسلمان جمع ہوجاتے ہیں کہ نماز پڑھنے اور کھڑے ہونے کی

جگہ نہیں رہتی عیدگاہ سے باہر نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں اور عیدگاہ قبرستان میں واقع ہے اگر یہاں وسعت دی جائے تو قبریں اندر آنے کا احتمال ہے اور جگہ بھی تحفظ کی نہیں ہے، مویشی وغیرہ پیشاب وغیرہ کرتے ہیں، ایسی حالت میں عیدگاہ قدیمی چھوڑ کر دوسری جگہ اگر بہت بلند ہے اور فضا کی جگہ ہے اور ہر قسم کا تحفظ ہے، مویشی وغیرہ بھی وہاں نہیں جاسکتے، وسعت دے کر تعمیر کرائی جائے یا نہیں؟ اور عیدگاہ قدیمی میں بحالت چھوڑنے قبرستان بناسکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شرع شریف معزز و ممتاز فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ موضع ایک گاؤں ہے، اور ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے، تو وہ زمین وعمارت ملک بانیان ہیں انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں، خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں، اور اب وہاں دوسری عیدگاہ بنائیں گے اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ درمختار میں ہے:

فی القنیۃ صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای اشتغال بما لایصح[1]۔	قنیہ میں ہے کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

شرطہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ[2]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت مقصودہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از اسکول بنام اسلامی مرسلہ مولوی یعقوب علی ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا پیشہ ڈھولک فروخت کرنے کا ہے، مڑھے ہوئے اور بغیر مڑھے ہوئے دونوں قسم کے ڈھولک فروخت کرتا ہے۔ عمرو کو پیشہ حکمت طبابت بید حکیمی کا کرتا ہے اور قمار بازی بھی کرتا ہے اور دھوکا دہی کرکے مریضوں سے روپیہ لیتا ہے۔ زید وعمرو یہ لوگ کچھ روپیہ مسجد کی مرمت یا مسجد بنوانے میں دیں تو ان کا روپیہ لے کر مسجد میں صرف کیا جائے

[1] درمختار باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ خاص روپیہ جو ہم کو دیتا ہے وجہ حرام سے ہے اس کا لینا اور مسجد میں صرف کرنا جائز ہے کچھ حرج نہیں،

به نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه [1] کما فی الهندیة عن الذخیرة عن الامام محمد۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اور ہم اسی کو قبول کرتے ہیں جب تک کہ کسی معین شے کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو، جیسا کہ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳ تا ۱۶۵: از شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب علاقہ مرسلہ مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۸ رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

الاستفتاء فی حضرت مجدد المائة الحاضرة الفاضل البریلوی غوث الانام مجمع العلم والحلم والاحترام امام العلماء ومقدام الفضلاء لازال بالافادة والافاضة والعز والاکرام! کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک مسجد کا امام تھا بعد اس کی موت کے اس کا برادر حقیقی ایک مدت تک امام رہا جب وہ بھی انتقال کرگیا تو زید کا بیٹا بکر امام ہوا مگر چونکہ وہ دوسری مسجد میں امامت کرتا تھا اس مسجد میں اس نے برضائے مقتدیان اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اس کے لئے معلومات امامت سے ایک شے قلیل مقرر کی اور باقی کا خود لینا ٹھہرایا چنانچہ کئی برس تک جو خلیفہ یکے بعد دیگرے آیا اسی شرط کا پابند رہا یہاں تک کہ خالد نام مولوی زید کے شاگرد علمدینی نے اپنے استاد زادے بکر سے کہا کہ مجھ کو اس مسجد میں آپ امام مقرر کیجئے میں آپ کا خلیفہ رہوں گا اور آپ کے وظائف مقررہ معہودہ میں کوئی نقصان نہ کروں گا پس بکر نے خالد کو اس اقرار پر خلیفہ مقرر کیا اور تخمیناً سترہ اٹھارہ برس تک خالد یہ پابندی شرط مذکور امامتی کراتا رہا اور امور مقررہ میں کبھی چون وچرا نہ کی، اب چونکہ بکر کا بیٹا بالغ ہوگیا ہے اور علم امامت سے بہرہ مند ہے لہٰذا بکر خالد کو برطرف کرکے اپنے بیٹے کو امام کرنا چاہتا ہے اور ابتدائے تقرر خالد کے وقت خالد نے تسلیم کرلیا تھا کہ آپ کے بیٹے جب بالغ قابل امامت ہوں یا اور کسی امر سے جب کبھی آپ مجھ کو موقوف کردیں گے تو مثل خلفائے سابقین کے مجھ کو عذر نہ ہوگا، اب خالد اپنے اقرار سے فرار کرکے کہتا ہے کہ میں تمہارا کوئی خلیفہ نہیں کیونکہ جب میں نماز فرض وتراویح وعید وغیرہ خدمات مسجد ومراعات اہل محلّہ ختم دعا، درود سب بذات خود کرتا رہا تو میں امام مستقل ہوگیا تم کو میرے عزل کا کوئی اختیار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

نہیں اور قبل ہی سے جو کچھ میں نے تم کو دیا یا لینے دیا وہ شرم وحیا کی وجہ سے تھا ورنہ تمہارا کوئی استحقاق نہیں ہے کہ امامت تو میں کراؤں اور منافع تم لو، خلافت اور اصالت کے کیا معنی پس بکر نے علمائے اطراف کو جمع کیا تھا کہ خالد سے تحقیق کریں اور فہمائش کرکے اس کو برطرف ہونے کا حکم دیں مگر خالد ذرا چالاک آدمی ہے علماء سے کبھی امامت کی تعریف، کبھی خلیفہ کے معنی، کبھی وظیفہ امامت کے معنی دریافت کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ امام کی تعریف میرے پر صادق آتی ہے یا کہ بکر پر۔ غرض کہ ایسی باتوں میں وقت ٹال دیتا ہے، یہاں کے علماء کو یہ مسئلہ مصرحہ طور پر اور مفصل کسی کتاب میں نہیں ملتا اور ایسی طاقت نہیں کہ اجزائے مسئلہ کو ابواب مختلفہ ونظائر متفقہ سے استنباط کرکے فیصلہ کریں، چونکہ حضور پر نور بفضلہ تعالٰی مذہب مہذب حنفی کے بلکہ جمیع مذاہب حقہ کے مجتہد ہیں اور موافق ومخالف سب کے مسلم ہیں لہذا التماس کہ خالد باوجود دینے وظائف امامت کے بکر کو بہ اقرار خلافت سولہ سترہ برس تک مثل خلفائے پیشیں کے شرعًا مستقل امام متصور ہوگا۔ حالانکہ مقتدی لوگ کل سوا دو چار آدمیوں کے خالد کے اس فرار عن الاقرار سے سخت ناخوش ہیں یا مثل خلفائے پیشیں کے خالد بھی خلیفہ ہی ہوگا، واضح ہو کہ اس ملک میں کئی جگہ دستور ہے کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہوتا ہے اور باقی مساجد میں خود امامت کا مباشر تو نہیں ہوتا مگر ایسا تصرف رکھتا ہے کہ ان مساجد کے عمدہ عمدہ منافع خود لے لیا کرتا ہے اور معمولی قسم کی آمدنی خلیفہ کو دیا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو اسے موقوف کردیتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ قائم کردیتا ہے اور چونکہ اول ہی سے یہ بات قرار داد بین الاصل والخلیفہ ہوا کرتی ہے اور مقتدی لوگ بکر کے اس تصرف پر کسی طرح کے معترض نہیں ہوتے، کچہری انگریزی میں بھی ایک آدھ مقدمہ اس امر کا کیا گیا جس میں اصل ہی کامیاب ہوا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مسئلہ تین مسائل پر مشتمل: **اول:** آیا امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے؟

دوم: اگر کرسکتا ہے تو وظائف امامت کا مستحق وہ اصل ہوگا اور نائب صرف اسی قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے بتایا ازانجا کہ فعل وخدمات امامت یہ نائب بجالاتا ہے، یہی جملہ معلومات کا مستحق ہوگا اور اصل معزول سمجھا جائے گا۔

سوم: اگر اصل معزول نہیں بلکہ وہی اصل امام اور یہ اس کا مقرر کیا ہوا نائب ہے تو آیا امام اصل کو اس نائب کے معزول کر دینے اور اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بحمد اللہ** یہ تینوں مسائل واضح ومصرح ہیں۔

مسئلہ اولٰی: ہاں امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے، فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الامام یجوز استخلافه بلااذن بخلاف القاضی وعلی هذا الاتکون وظیفته شاغرة وتصح النیابة[1]۔	امام کے لئے بلااجازت نائب مقرر کرنا جائز ہے بخلاف قاضی کے، اسی بنیاد پر اس کا وظیفہ غیر مقرر ہوتا ہے اور نیابت صحیح ہے(ت)

مسئلہ ثانیہ: وظائف امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے معین کیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یجب العمل بما علیه الناس وخصوصا مع العذر، وعلی ذٰلك جمیع المعلوم للمستنیب ولیس للنائب الا الاجرة التی استأجره بها[2]۔	اس پر عمل واجب ہے جو لوگوں میں معروف ہے خصوصًا عذر کی صورت میں، لہٰذا تمام معلومات اصل امام کے لئے ہوں گے نائب کے لئے فقط اتنی ہی اجرت ہوگی جس پر اصل نے اس کو رکھا ہے۔(ت)

مسئلہ ثالثہ: صورت مذکورہ میں وہ نائب جبکہ اس کے لئے اصل کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے پھر اگر وہ اجرت معینہ ہے تو اجارہ صحیحہ ورنہ فاسدہ، اور اگر کچھ مقرر نہ کرے نہ نصًا نہ عرفًا، تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے، صورت اخیرہ میں توظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اصلاً نہیں رکھتا اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت ستخدام تھا اصل جس وقت چاہے اسے منع کرسکتا ہے نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، ایسی ہی صورت پر قنیہ میں ہے:

ان النائب لایستحق شیئا من الوقف لان الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد[3]۔	بیشک نائب وقف میں سے کسی شیئ کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ استحقاق تو مقرر کرنے سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا۔(ت)

اور صورت سابقہ میں وہ نائب اجیر ہے، بحرالرائق میں ہے: النائب وکیل بالاجرة[4] (نائب وکیل

---

[1] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، العقود الدریۃ بحوالہ بحر الرائق کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۵

[4] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

بالاجرۃ ہوتا ہے۔ت) پس صورت ثانیہ میں کہ اجارہ فاسد ہے آپ ہی ہر وقف اختیار فسخ ہونا در کنار خود وجوب فسخ ہے کہ اجارہ فاسدہ معصیت ہے اور معصیت کا ازالہ فرض، یہاں تک کہ اصل و نائب باہم فسخ نہ کریں تو حاکم پر فرض ہے کہ جبرًا اسے فسخ کردے **کماعرف ذٰلك فی البیوع** (جیسا کہ بیوع میں معلوم ہوچکا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ولذالایشترط فیه قضاء قاض لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء درر[1]۔	اسی واسطے اس میں قضا قاضی شرط نہیں کیونکہ جو شرعًا واجب ہو وہ قضاء کا محتاج نہیں ہوتا، درر۔(ت)

اور صورت اولٰی میں جبکہ عام رواج یہی ہے کہ کوئی مدت اجارہ معین نہیں کی جاتی کہ سال بھر کیلئے تجھے امام کیا یا چھ مہینے کے لئے بلکہ صرف امامت اور اس کے مقابل ماہوار اتنا پانے کا بیان ہوتا ہے تو اجارہ صرف پہلے مہینے کے لئے صحیح ہوا اور ہر سرماہ اجیر ومستاجر ہر ایک کو دوسرے کے سامنے اس کے فسخ کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اجر حانوتا کل شهر بکذا صح فی واحد فقط وفسد الباقی لجهالتها واذا مضی الشهر فلکل فسخها بشرط حضور الاخر لانتهاء العقد الصحیح[2]۔	دکان کرایہ پر دی کہ ہر ماہ اتنا کرایہ ہوگا تو فقط ایک ماہ کے لئے اجارہ صحیح ہوا باقی مہینوں میں بسبب جہالت کے فاسد ہے اور جب مہینہ پورا ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ عقد صحیح ختم ہوگیا (ت)

بہر حال اصل کو ہر سرماہ پر اس نائب کے معزول کردینے اور دوسرے کو اس کی جگہ نائب کرنے کا اختیار ہے۔ مسئلہ مسئولہ سائل کا تو جواب یہ ہے اور یہاں ایک امر ضروری اللحاظ یہ ہے کہ بعض جگہ معلومات ووظائف امامت ایسے مقرر ہوتے ہیں جو شرعًا جائز یا صحیح نہیں ان کا استحقاق نہ اصل کو ہوگا نہ نائب کو بلکہ صرف اجرت مثل کا، مگر نائب ان میں بھی اصل سے اپنے لئے منازعت نہیں کرسکتا کہ وہ اسے بھی حلال نہیں صرف اپنی اجرت مثل لے سکتا ہے۔ **فلیتنبه** (پس آگاہ رہنا چاہئے۔ت)

واللّٰه تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

مسئلہ ۱۶۶: از نینی تال بڑا بازار مرسلہ فدا حسین صاحب سادہ کار ۶ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

بعالی خدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب! جناب من! یہاں مسجد نینی تال میں گیس کی لالٹین روشن کی گئی ہے خاص اندرون مسجد، جس وقت وہ روشن کی جاتی ہے اسپرٹ شراب ڈال کر گرم کی جاتی ہے تب وہ روشن ہوتی ہے اور ایک ہندو ان کو جلانے کے واسطے اندر جا کر جلاتا ہے جس کے پیر دھلائے جاتے ہیں اور ناپاکی سے اس کی کچھ مطلب نہیں، یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اسپرٹ شراب ہے اور شراب ناپاک ہے اور ایسی ناپاک چیز مسجد میں لیجانا منع ہے ہرگز اجازت نہیں، ولہذا فتاوٰی عالمگیری ودرمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ تیل کسی طرح ناپاک ہوگیا ہو تو مسجد میں اسے جلانا ہرگز جائز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

یکرہ الوطی والبول والتغوط وادخال نجاسة فیه فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیه[1]۔	اور کافر کا اس میں جانا بھی بے ادبی ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا بتوفیقه تعالٰی** (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷: ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی سالار بخش نے محلّہ بانخانہ میں مسجد تعمیر کرائی اور اس کا فرش تھوڑا درست کرا کر چھوڑ دیا اور چہار دیواری وغیرہ بھی ٹھیک طور پر درست نہ کرائی، عرصہ قریب چھ سال کے گزر گیا مگر چند مرتبہ سالار بخش سے کہا گیا انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اب اور چند لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ مسجد ہنوز ایسی نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ اس کو درست کریں تاکہ نماز پڑھی جائے، مسمّٰی سالار بخش کو یہ بات ظاہر ہوئی کہ اور لوگ اس مسجد کو درست کرانا چاہتے ہیں فورًا ان لوگوں سے یہ لفظ کہا کہ اس کو میں خود درست کراؤں گا آپ لوگ اس میں ایک حبہ نہیں لگا سکتے ہیں اور نہ میں کسی کو روپیہ لگانے دوں گا جس وقت میرے پاس روپیہ

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

ہو جائیگا میں خود درست کرادوں گا، اب وہ مسجد اسی طرح پر ہے نہ تو کسی کو مرمت کرانے دیتے ہیں اور نہ خود درست کراتے ہیں، امیدوار کہ بعد ملاحظہ جو کچھ حکم شرع شریف ہو تحریر فرما کر مہر ثبت کردی جائے۔

الجواب:

اگر سالار بخش نے مسجد کی بناڈالی ہے اور ابھی یہ نہ کہا کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب تو وہ ابھی وقف نہ ہوئی سالار بخش کی ملک ہے دوسروں کو اس میں دست اندازی نہیں پہنچتی اور اگر اسے وقف کرچکا یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب بھی اس کے بنانے کا حق اسی کو ہے اسے چاہئے کہ خود بنائے ورنہ جو مسلمان بنانا چاہتے ہیں ان کو اجازت دے اور اگر باہم راضی ہوں تو یوں کریں کہ ان مسلمانوں سے کہے تم بناؤ اور جو کچھ اس میں صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے اس کا حساب لکھتے رہو میں ادا کروں گا یوں مسجد بن بھی جائے گی اور وہ سب مسلمان بھی اس کے بنانے کا پورا ثواب پائیں گے اور ساری مسجد اسی کے روپے سے بنے گی سب مطلب حاصل ہو جائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۸: از مارہرہ شریف سرکار خورد مرسلہ حضرت سید شاہ میاں صاحب ۹ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہل دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اب اس سقف کو بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے ایسی حالت میں حسب مذہب اہلسنت وجماعت اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں اور حصہ زیریں جو مرتب و مسقف ہے بدستور رکھا جائے یا بھراؤ ڈال کر صحن بنالیا جائے، ایسی صورت میں کہ سقف نہ رکھی جائے اور ایک بنی بنائی عمارت مسمار کردی جائے شرعًا خلاف ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وروایات جواب لکھا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں حصہ بالائی وحصہ زیریں کہنے سے ظاہر کہ مسجد دو طبقہ ہے: علو وسفل یعنی بالاخانہ ومنزل زیریں۔ اور یہ الفاظ کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ سرے سے بانی مسجد نے طبقہ سفل کا کوئی صحن نہ رکھا بلکہ اس کے دونوں درجہ اندرونی و بیرونی مسقف ہی بنائے اور بعد کے الفاظ کہ اب اس وقف کے بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے یہ بھی سقف کا حدوث نہیں بتاتے بلکہ اس کا پہلے سے ہونا اور اسے طبقہ علو کے لئے بجائے صحن قرار دینے کا حدوث۔ لیکن سفل جب اصل سے دو درجہ مسقف ہو اور درجہ اندرونی پر علو ہو تو درجہ بیرونی کی سقف خود ہی اس علو کے لئے بجائے صحن ہو گی، اب بطور صحن شامل کرلیا ہے

کا کیا محصل ہوگا یہ ظاہرًا حدوث سقف کی طرف ناظر ہے مگر یہ کہ اس وقف پر نماز پہلے نہ پڑھی جاتی ہو اب پڑھنے لگے بایں معنی شامل کرنے کا حدوث بتایا ہو، نیز صحن کا مسقف کہنا بھی حدوث سقف کا پتا دیتا ہے کہ صحن کبھی مسقف نہیں ہوتا نہ مسقف کو صحن کہیں مگر بایں معنے کہ پہلے جو صحن تھا بعد کو مسقف کرلیا ہے، اسی طرح عبارت سوال کہ اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں نظر بالفاظ اسی درجہ بیرونی منزل زیریں سے سوال ہے کہ وہی صحن مسقف ہے اور اوپر اسی کو اس لفظ سے تعبیر کیا بھی تھا، مگر وہاں تو سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اور اس میں عدم جواز کا کوئی منشا بھی نہیں، ہاں سقف کو جو حصہ بالا میں اب شامل کیا گیا اسے صحن حادثات بتایا اور یہاں سوال کے لیے منشا بھی ہے شاید اسے مسقف بایں معنی کہا ہو کہ یہ درجہ زیریں کی سقف کیا گیا ہے نہ یہ کہ اس پر سقف بنائی گئی بہر حال ہم ہر احتمال پر کلام کریں۔ یہ سقف اگر حادثات ہے بانی مسجد نے منزل زیریں کے سامنے صحن رکھا تھا بعدہ کسی نے اسے بھی مسقف کردیا، جب تو ظاہر ہے کہ اس درجہ بیرونی میں جو پہلے صحن تھا اور اب مسقف ہے عدم جواز نماز کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ بدستور مسجد ہے سقف نے اسے مسجدیت سے خارج کیا، ہاں اس سقف پر بلاضرورت نماز کی اجازت نہیں کہ سقف مسجد پر بے ضرورت چڑھنا ممنوع و بے ادبی ہے اور گرمی کا عذر مسموع نہ ہوگا، ہاں کثرت جماعت کہ طبقہ زیریں کے دونوں درجے بھر جائیں اور لوگ باقی رہیں تو سقف پر اقامت نماز کی اجازت ہوگی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذااشتد الحر یکرہ ان یصلوابالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحه للضرورة[1]۔	ہر مسجد چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے باوجود مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جب مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گئی تو مجبورًا چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں (ت)

اور اگر یہ سقف قدیم ہے خود بانی مسجد ہی نے طبقہ زیریں کے دونوں درجے مسقف بنائے تو اب نظر لازم ہے اگر ثابت اور تحقیقًا معلوم ہو کہ بانی نے اصل مسجد علو کو رکھا اور نیچے یہ دو درجے وقت ضرورت کے لئے بنادئے کہ اگر جماعت کثیر ہو تو ان میں قیام کریں تو اس صورت میں ظاہرًا سقف پر نماز مطلقًا جائز ہے کہ درجہ زیریں حسب نیت بانی اصل مسجد نہیں بلکہ تابع و معین مسجد ہے اور زیر سقف تو مطلقًا جواز خود ظاہر ہے کہ وقت ضرورت کی نیت اس کے غیر میں ممانعت نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور اگر ثابت ہو کہ بانی نے اصل مسجد طبقہ زیریں کو کیا اور طبقہ بالا وقت ضرورت یا وقت گرمی کے لئے بنایا دونوں کو اصل مسجد کیا مثلًا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

اختلاف موسم کے خیال سے طبقہ زیریں بالکل مسقف اور طبقہ بالامع صحن بنایا یا کچھ ثابت نہ ہوا تو ان تینوں صورتوں کا حکم مثل اس سب سے پہلی صورت حدوث سقف کے چاہئے کہ دو صورت پیشین میں تو طبقہ زیریں کا مسجد ہونا خود ہی ثابت و مراد ہے تو یہ سقف سقف مسجد ہوئی اور سقف مسجد پر بے ضرورت صعود ممنوع، اور صورت اخیرہ میں اگرچہ نصًا ثبوت نہ ہو عرفاً ثبوت ہے کہ منازل میں منزل زیریں ہی اصل ہے اور بالاخانہ تابع کہ اس کا قیام اس پر موقوف اور صحن نہ رکھنا عدم ارادہ اصالت کا موجب نہیں جیسے صورت لحاظ مواسم میں گزرا، بالجملہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقًا جائز ہے اور چھت پر بحال ضرورت تو مطلقًا اور بلاضرورت صرف اس صورت میں کہ بانی سے بتحقیق طور پر ثابت ہو کہ مسجد صرف علو کو کیا اور اسے تابع رکھا، باقی صورتوں میں چھت پر نماز سے احتراز ہو۔ رہا بھراؤ ڈال کر حصہ زیریں کو نیست و نابود کردینا یہ کسی صورت جائز نہیں جن صورتوں میں یہی مسجد یا یہ بھی مسجد ہے جب تو ظاہر کہ یہ مسجد کا اعدام اور معاذاللہ اس وعید شدید پر اقدام ہوگا،

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ"[1]	اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو مساجد میں ذکر الٰہی سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر نہیں تو لااقل وقف صحیح تابع مسجد ہے اور وقف کی ہیئت بدلنا تو جائز نہیں، نہ کہ بالکل مسدود و مفقود کردینا۔ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته فلایجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[2] اھ ھذا کله ماظهر لی۔ واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا ہاں اگر واقف نے خود متولی کو مصلحت وقف کے لئے تبدیلی کا اختیار دیا ہو تو جائز ہے اھ یہ تمام میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: ۱۰ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین مسجد کہ اس میں اور مسجد میں راہ وغیرہ کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

فاصل نہیں، کثرت جماعت کے وقت اس میں نماز بھی ہوتی ہے اور ایسے وضو وغیرہ ضروریات مسجد کے لئے ہے کیا متولی یا دیگر مسلمین کو یہ جائز ہے کہ اسے مسجد سے توڑ کر شارع عام میں شامل کردیں یا بالعوض خواہ بلاعوض سڑک بنانے کے لئے دے دیں اور ایسا کرنا حقوق مسجد پر دست درازی کرنا ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک ایسا کرنا حرام قطعی اور ضرور حقوق مسجد پر تعدی اور وقف مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرع مطہر میں بلا شرط واقف کہ اسی وقف کی مصلحت کے لئے ہو وقف کی ہیأت بدلنا بھی ناجائز ہے اگرچہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصد وقف باطل کرکے ایک دوسرے کام کے لئے دینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ سراج وہاج وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأته فلایجعل الدار بستانا ولاالخان حماما ولاالرباط دکانا الااذاجعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت یہ تبدیلی ناجائز نہ ہوگی جب واقف نے خود متولی کو اختیار دیا ہو کہ مصلحت کے لئے جو تبدیلی بہتر سمجھیں کرلیں۔ (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہ کتب میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه۔[2]	وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے (ت)

خصوصًا ایسی تبدیلی جس سے خاص مسلمانوں کا حق عام آدمیوں مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہوجائے جب وہ سڑک ہوئی تو اس میں مسلم کافر سب کا حق ہوجائے گا اور پہلے وہ صرف حق مسلماناں تھی تو کیونکر جائز ہو کہ مسلمانوں کا حق چھین کر عام کردیا جائے، کیا کوئی ہندو گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے شوالے یا مندر کا کچھ حصہ توڑ کر مسلمانوں کو اس میں حقدار کردیا جائے تو عجب اس مسلمان سے کہ اپنے دین پر ایسے ظلم کا مرتکب ہو، یا اگر کوئی مسلمان کسی زمین، مندر یا ہندو کسی زمین مسجد کے ساتھ ایسا کرے تو گورنمنٹ اسے روا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

رکھے گی ہر گز نہیں بلکہ ضرور اسے اس مسلم یا ہندو کی جبر و تعدی اور مذہبی دست اندازی قرار دے گی علی الخصوص ایسی زمین کہ اگر عین مسجد نہیں فنائے مسجد ہے۔غنیہ میں ہے:

فناء المسجد هو المکان المتصل به لیس بینه طریق[1]۔	فنائے مسجد وہ مکان ہے جو مسجد کے متصل ہو اور درمیان میں راستہ نہ ہو۔(ت)

اور فنائے مسجد کی حرمت مثل مسجد ہے۔فتاوٰی عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قیم المسجدلایجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذاجعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذالایجوز والفناء تبع المسجدفیکون حکمه حکم المسجد[2]۔	متولی کو مسجد کی حد یا مسجد کے فناء میں دکانیں بنانے کا اختیار نہیں کیونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنالیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہو جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور فنائے مسجد چونکہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے۔(ت)

جب فنائے مسجد میں خود مصلحت مسجد کے لئے دکان بنانا متولی مسجد کو حرام،اور مسجد کی بے ادبی اور اس کی حرمت کا ساقط کرنا ہے تو فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔وہ جو بعض کتب میں ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت مسجد کو راستہ بنانا جائز ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بضرورت مسجد میں ہو کر دوسری طرف کو نکل جانا جائز ہے کہ مسجد میں دوسری طرف جانے کے لئے چلنا حرام ہے مگر بضرورت کہ راستہ گھرا ہوا ہے اور مسجد ہی میں سے ہو کر جا سکتا ہے جیسے موسم حج میں مسجد الحرام شریف میں واقع ہوتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی جنب یا حائض یا نفساء کو نہیں نیز گھوڑے یا بیل گاڑی کو نہیں،ہو کر نکل جانے کیلئے بھی ان کا جانا لے جانا ہر گز جائز نہیں،نہ یہ کہ **معاذ اللہ** اسے مسجدیت سے خارج کرکے گزر گاہ عام کر دیا جائے کہ مسلم کافر جانور پاک ناپاک سب کے لئے شارع عام ہو جائے یہ ہر گز حلال نہیں ہو سکتا۔**اشباہ والنظائر احکام المسجد** میں ہے:

[1] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المسجد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

لایجوز اتخاذ طریق فیه للمرور الالعذر [1]۔	سوائے ضرورت کے مسجد میں سے گزرنے کیلئے راستہ بنانا ناجائز ہے(ت)

اس کی شرح غمز العیون والبصائر میں ہے:

قوله ولایجوز اتخاذ طریقه فیه للمرور یعنی بان یکون له بابان فاکثر فیدخل من هذا ویخرج من هذا [2]۔	ماتن کے قول کہ "مسجد سے گزرنے کے لئے راستہ بنانا ناجائز ہے" کا معنی یہ ہے کہ مسجد کے دو یا دو سے زیادہ دروازے ہوں تو ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی خلاصہ میں ہے:

رجل یمر فی المسجد ویتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لایجوز وبعذر یجوز ثم اذا جاز یصلی فی کل یوم مرة لافی کل مرة [3]۔	ایک شخص مسجد سے گزرتا ہے اور اس کو راستہ بناتا ہے اگر عذر ہے تو جائز ہے بلا عذر ہے تو ناجائز ہے پھر اگر اس کو گزرنا جائز ہو تو ہر روز ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھے نہ کہ ہر بار جب بھی گزرے(ت)

تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام الزیلعی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا جعل فی المسجد ممرا فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع جاز لکل واحدان یمرفیه حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لهم ان یدخلوا فیه الدواب [4]۔	اگر مسجد میں سے کوئی حصہ مسلمانوں کے لئے عام راستہ گزرگاہ بنا دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ شہروں کے لوگوں میں جامع مسجدوں میں ایسا متعارف ہے اور ہر ایک کو اس راہ گزر سے گزرنے کی اجازت ہوگی حتی کہ کافر کو بھی، مگر جنبی اور حیض ونفاس والی عورتوں کو گزرنے کی اجازت نہیں اور لوگوں کو یہ اختیار نہیں کہ اس راستے سے اپنے جانوروں کو لے کر جائیں۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۹

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

محیط امام برہان الدین وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذٰلك وانہ صحیح[1]۔	اگر لوگوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے گزرگاہ بنادیں تو کہا گیا ہے کہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہیں، اور بیشک یہی صحیح ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام فقیہ ابواللیث پھر فتاوٰی تاتارخانیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۰: از محلّہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مرادآباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مطہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

جلسہ چندہ واسطے مصارف خیر کے مساجد میں خصوصًا جامع مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ چپقلش نہ ہو اور کوئی بات خلاف ادب مسجد نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: از گونڈہ محلّہ گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحاق صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

مسجد قدیم کہنہ کو شہید کرکے اسی مقام پر یا کچھ فاصلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ مسجد جدید کوئی بنوادے تو اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

مسجد کو اس لئے شہید کرنا کہ وہ جگہ ترک کردیں گے اور دوسری جگہ مسجد بنائیں گے مطلقًا حرام ہے قال تعالٰی:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[2]	اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر اس لئے شہید کی کہ یہیں از سرنو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت و بلاوجہ صحیح شرعی ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

تو لغو وعبث وبے حرمتی مسجد وتضییع مال ہے اور یہ سب ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال[1]، وقال تعالٰی "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ"[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند بنایا: قیل وقال، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا۔اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے: **العبث حرام**[3] (فضول خرچی کرنا حرام ہے۔ت) اور اگر بمصلحت شرعی ہے مثلاً اگر اس میں اور زمین شامل کرکے توسیع کیجائے گی یا بنا کمزور ہوگئی ہے محکم بنائی جائے گی تو اصل بانی مسجد ورنہ اہل محلّہ کو اس میں اختیار ہے **کما فی الھندیۃ والدر المختار وغیرہما** (جیسا کہ ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۷۲: از علی گڑھ سوسائٹی کارڈن مسئولہ حمید الدین خاں بی اے ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ معرفت سید برکت علی صاحب:

معظمی زاد عنایتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ! تھوڑا عرصہ ہوا جب مجھے آپ کے ہمراہ جناب مولٰنا صاحب قبلہ سے شرف قدم بوسی حاصل ہوا تھا اس روز میں نے مولٰنا صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ایک صاحب نے مسجد کے متعلق چند کتب احادیث کی اسناد پر یہ مواد جمع کیا ہے کہ راستہ کی فراخی کے لئے مسجد میں سے کچھ حصہ بشرط گنجائش لینا جائز ہے جس میں آنجناب مولٰنا صاحب قبلہ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں بلکہ اس مسئلہ کا منشا بحالت ہجوم مسجد کے کسی حصہ میں سے گزرنے کا جواز ہے اس پر میں نے ان صاحب کو انکی غلطی پر بذریعہ خط متنبہ کیا عرصہ کے بعد ان کا جواب آیا افسوس ہے کہ وہ اپنی جائے قیام پر نہیں ہیں اس وجہ سے ان کے پاس وہ ان کا رسالہ اور وہ کتب جن سے مواد جمع کیا تھا موجود نہ تھیں مگر جو انہوں نے مجھے اپنی یادداشت سے لکھا بجنسہٖ نقل کرکے ارسال خدمت کررہا ہوں۔

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النھی عن کثرۃ المسائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶۔۲۷

[3] الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

نام کتاب جس میں سے مواد حاصل کیا: اشباہ والنظائر مصنفہ امام ابراہیم باب فوائد شتی ص ۴۰۴ و ۴۰۵ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ مطبع نظامی یا مصطفائی کانپور۔

عبارت خط: جو حوالہ میں نے آپ کو لکھا تھا وہ اس طرح ہے:

لو ضاق الطریق علی المارۃ والمسجد واسع فلھم ان یوسعوا الطریق من المسجد۔	اگر راستہ گزرنے والوں کے لئے تنگ ہو اور مسجد وسیع ہو تو انہیں مسجد کا کچھ حصہ لے کر راستہ میں توسیع کرنے کا اختیار ہے (ت)

اور دوسری جگہ:

ماضاق المرور ولو کان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ۔	جب گزر دشوار ہو اور مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ (ت)

قریب قریب ایسی ہی عبارت جو مجھے کل اور اچھی طرح یاد نہیں ہے، عبارت بالا اشباہ والنظائر میں صاف لکھی ہے اور صاحب رد المحتار نے اسی کو مرجح اور معتمد لکھا ہے حکم بالا میں مسجد کے متعلق ہے فناء مسجد یعنی وضو خانہ، حجرہ، غسل خانہ میں تو بحث ہی فضول ہے۔ یہ عبارت انہوں نے مجھے لکھ کر بھیجی ہے غالبًا یہ کتاب آنجناب مولانا صاحب کے وسیع کتب خانہ میں ضرور موجود گی ہوگی اور اس کو دیکھ کر آں جناب ضرور اس کی صحت اور موقع پر غور فرماسکیں گے **والسلام**۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب قبلہ کے فیصلہ سے مجھے بھی مطلع فرمائیں تو باعث کمال عنایت ہوگا علاوہ اضافہ معلومات مجھے ان حضرت کو بھی لکھنے کا موقع مل سکے گا میرا پتہ حسب ذیل ہوگا:

محمد حمید الدین خاں بی اے، سوسائٹی کارڈن علی گڑھ

الجواب:

استغفر اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم الحکیم، نہ کتاب مستطاب اشباہ والنظائر کے مصنف امام ابراہیم نہ اشباہ میں **معاذاللہ** کہیں ان کا پتہ کہ **لوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ** (اگر مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ ت) نہ کوئی مسلمان ایسا کہہ سکے نہ کوئی

عربی دان ایسی عبارت لکھے نہ کہ علامہ زین بن نجیم مصری مصنف اشباہ ان کی نسبت یہ محض تہمت ہے یا نرا اشتباہ۔ کسی شخص کے اپنے تخیل میں یہ لفظ پیدا ہوئے ہوں گے جس کی عربیت فاسد اور معنی باطل، کوئی آدمی ابراہیم نامی وہاں موجود یا مخیل ہوگا اور کتاب اشباہ کہیں رکھی ہوگی سب تصورات جمع ہو کر یہ یاد رہا کہ امام ابراہیم نے اشباہ میں ایسا لکھا اگرچہ نظر بواقع وہی مثال ہے کہ۔

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا الا ایھا الساقی ادر کاسا و ناولہا

(کیا خوب کہا سعدی نے زلیخا میں، خبردار اے ساقی! جام کو گردش دے اور عطا کر۔ت)

بلکہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر ہے کہ اگرچہ نہ کتاب زلیخا شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالٰی کی تصنیف نہ مصرع دوم ان کا، نہ اس کتاب کا، مگر آخر ہے تو ایک عارف کا قول۔بخلاف اس کے کہ مسجد ڈھانے کی حلت اور اشباہ کی طرف اس کی نسبت، افسوس کہ ناقل نے جس کتاب کے صفحہ ۴۰۴ سے پہلی عبارت نقل کی اس سے گیارہ ہی ورق اوپر صفحہ ۳۸۱ میں اس کے معنی کی صریح تشریح نہ دیکھی کہ "لایجوز اتخاذ طریق فیہ للمرور یعنی بان یکون لہ بابان فاکثر فیدخل من ھذا ویخرج من ھذا"[1] یعنی مسجد میں راستہ بنانا جو ناجائز ہے اور عذر کی صورت میں جس کی اجازت دی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد کے دو یا زیادہ دروازے ہوں ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے۔ **بحمد اللہ تعالٰی** اس یعنی نے معنی کو صاف کردیا اور جب خود اسی کتاب میں جو عبارت تھی نظر نہ آئی اور جو نہ تھی وہ متشکل ہوگئی تو اس کی کیا شکایت کہ خود انہیں امام مصنف اشباہ کی دوسری جلیل و عظیم کتاب بحر الرائق نہ دیکھی جس میں انہوں نے صاف طور پر واضح کردیا ہے کہ مسجد کو راستہ بنانے سے یہی مراد ہے کہ مسجد بحال خود قائم و برقرار رہے اور کسی کام کے لئے اس میں ہو کر نکل جائے اور صریح تصریح فرمادی ہے کہ یہ ناپاک مرد یا عورت کے لئے حلال نہیں، نہ اس میں گھوڑا یا بیل وغیرہ جانور لے جاسکتے ہیں، عبارت یہ ہے بحر الرائق مطبع مصر جلد پنجم ص۲۷۶:

ومعنی قولہ کعکسہ انہ اذاجعل فی المسجد ممرا فانہ یجوز لتعارف اھل الامصار فی الجوامع و جاز لکل واحد ان یمر فیہ حتی	یعنی مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں ہو کر مرور کے لئے جگہ ٹھہرالے تو رواہے کہ شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا عام رواج ہو رہا ہے اور اس میں

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث۔القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لماعرف فی موضعہ ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب[1]۔	ہو کر ہر شخص کو گزر جانے کی اجازت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو مگر جنابت والے مرد و عورت اور حیض والی عورت اور نفاس والی ان میں کسی کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ مسجد میں ان کا جانا حرام ہونا اپنی جگہ یعنی کتاب الطھارۃ میں معلوم ہوچکا ہے اور یہ بھی انہیں اختیار نہیں کہ اس جگہ جانور لے جائیں (ت)

بعینہٖ اسی طرح تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی و درر الحکام و در مختار و فتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔اس ارشاد علماء کو ایمان کی نگاہ سے دیکھنے والے پر آفتاب کی طرح روشن ہوجائے گا کہ مسجد کو راستہ بنانے کے معنی خود انہوں نے کیا ارشاد فرمائے اور کیا مراد بتائی،اور یہ کہ **معاذ اللہ** مسجد توڑ کر سڑک میں ڈال لو جس میں آدمی،جنب،حائض،نفسا،گھوڑے،گدھے،غلیظ کی گاڑیاں سب گزریں اور سب کا حق مساوی ہو اور کسی کو منع نہ کرسکو نہ وہاں منڈھی ڈال کر بیٹھ سکو کہ جو آدمی گزرے اس سے پوچھو تجھے نہانے کی حاجت تو نہیں،جو عورت گزرے اس سے دریافت کرو تجھے حیض تو نہیں،اور جو ایسا کرے بھی تو مجنون کہلائے اور فائدہ کچھ نہیں کہ کسی کو روک سکو اور روکو تو روز فساد ہو **استغفر اللہ** کیا ایسی بے معنی بیہودہ بات علماء نے اپنی مراد بتائی یا یہ کہ مسجد اپنے حال پر قائم و برقرار رہے اس کے تمام آداب بدستور فرض و مقرر ہیں نہ اسمیں کوئی جانور جاسکے،نہ جنب،نہ حائض،نہ نفاس والی،اور ان کے علاوہ اور آدمی ہو کر گزر جائے،یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ جس امر کی اجازت دے رہے ہیں اسے صاف بتارہے ہیں کہ عام شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا رواج ہے،اب یہ دیکھ لیجئے کہ جامع مسجدوں کا عام دستور کیا ہے،آیا یہ کہ مسجدیں توڑ کر سڑک میں ڈال لی جاتی ہیں،حاشا کوئی اندھا بھی ایسا نہیں کہہ سکتا تو بس جتنی بات کا عام شہروں کی جامع مسجدوں میں رواج چلا آتا ہے اسی کی وہ اجازت دے رہے ہیں اور وہی ان کی مراد ہے اس سے زیادہ باطل وایجاد ہے **واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل** (اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے اور وہی مجھے کافی اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل لما اختص المسجد باحکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵

مسئلہ ۱۷۳ تا ۱۸۱: مسئولہ محمد علاؤالدین صاحب مالگذار رئیس تحصیل ملتائی ضلع بیتول ملک متوسط ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اس مختصر قصبہ ملتائی میں قریب سوسال سے ایک مسجد کمترین کے بزرگوں کی تعمیر کرائی ہوئی موجود ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ہوا کرتا ہے یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے قریب ستر پچھتّر مکان ہوں گے ان میں بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند صرف معدودے چند اشخاص ہیں تاہم تفرقہ انداز نفوس موجود ہیں امسال رمضان شریف میں روزہ جلد افطار کرنے کی کٹ حجتی پر یعنی متولی مسجد کے یوم غیم میں کچھ دیر کرکے روزہ افطار کرنے کی تنبیہ پر زید وبکر وخالد وعمرو نے مسجد قدیمی سے کنارہ کشی اختیار کرکے اور دس بیس آدمیوں کو ورغلا کر مسجد میں تراویح پڑھنے وقرآن شریف سننے سے جو حافظ صاحب نماز تراویح میں پڑھتے تھے خود بھی باز رہے اور دیگر لوگوں کو بھی باز رکھا اور ترک جماعت کرکے ایک دوسری جگہ نماز پنجگانہ وتراویح ونماز جمعہ پڑھنے لگے اور اپنی ضد وتفرقہ اندازی کی غرض سے اور چند جاہل مسلمانوں کو اکسا و ورغلا کر اپنا ہم خیال بنا کر جابجا سے چندہ وصول کرکے ایک دوسری مسجد تعمیر کرنے کی فکر کررہے ہیں بلکہ ایک ویرانی خانگی مسجد کو جو ایک خاندان کے لئے مخصوص تھی جس میں اب کوئی علامت مسجد کی باقی نہیں نہ دیوار ودر ثابت ہیں نہ منبر وغیرہ کا نشان نظر آتا ہے پچاس ساٹھ برس سے بالکل ویران پڑی ہوئی ہے اسی کو باجازت اس کے متولیوں کے از سرنو تعمیر کراکر مسجد حال کو ویران کرنے کی نیت سے اس مسجد سے بالکل کنارہ کش ہو بیٹھے ہیں اور اس اپنی منافقانہ وکافرانہ حرکت وضد کو قرین ثواب وجائز قرار دے کر اسی پر اڑے ہوئے ہیں کہ ہم دوسری مسجد بنا کر رہیں گے حالانکہ سب کے سب علم دین سے محض نابلد وجاہل مطلق ہیں کہ آیہ کریمہ قرآن پاک پ ۱۱ رکوع ۲ میں جو اس قسم کی مسجد ضرار کے بارہ میں احکام الٰہی صاف روشن ہیں اس کا ترجمہ دیکھ کر اس کے معنی الٹے سمجھتے ہیں کہ یہ یہود ونصارٰی سے متعلق ہے انہیں کے لئے نازل ہوئی ہے لہٰذا ان کے منافقانہ تفرقہ اندازی سے باز رہنے کے لئے حسب ذیل امور کیلئے علمائے دین موجودہ حال لکھنؤ کے مواہیر سے مثبتہ فتوٰی درکار ہے اور رفع شر کے لئے ایسے فتوے کی اشد ضرورت ہے، اللہ جل شانہ نے آپ صاحبوں کو علمی فضیلت دی ہے، نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ براہ عنایت وتحصیل ثواب فتوٰی مسندہ جلد ارسال فرماکر عنداللہ وعندالناس مشکور ہوں گے۔

(۱) کیا مذکورہ بالا اشخاص ایک مسجد قدیمی کی ضد پر موجودہ حال وآبادی سے قریب ومتصل ہے اور اس میں پوری گنجائش نمازیوں کی کافی طور سے ہوتی ہے اور جس میں عرصہ قریب سوسال سے نماز پنجگانہ وجمعہ ادا ہوتی ہے بلکہ مذکورہ بالا اشخاص وبستی کے مسلمان صرف ایک مسجد کو بھی پورے طور سے آباد نہیں رکھ سکتے ہیں باہم نفاق ڈالنے کی نیت سے بلاضرورت دوسری مسجد تعمیر کرانا اور چند

انجان مسلمانوں کو ترغیب دے کر اس قدیمی مسجد سے باز رکھنا اور اپنی ایک جداگانہ جماعت قائم کرنا یہ فعل ان کا منافقانہ داخل کفر و ناروا ہے یا نہیں؟

(۲) دیگر بے شر و بے لوث مسلمانوں کے لئے ان کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا کیا؟

(۳) ان سے راہ ورسم، سلام مسنون یا ان میں سے بطور قاضی کے کسی کا نکاح پڑھانا جائز یا کیا:

(۴) مسجد ضرار جو ایک مسجد کی ضد پر بنائے فساد قائم کی جائے اس کے گرادینے ومنہدم کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

(۵) کیا ایسا شخص مذکورہ بالا جو ایسے شر و نفاق کا بانی مبانی ہو امامت کے قابل ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی امامت جائز ہے۔؟

(۶) کیا ایسی مسجد کی تعمیر کے لئے جس کی بنا ضد و نفاق پر ہو اور جو ضرار کی تعریف میں داخل ہو کچھ چندہ دینا یا دیگر طریقہ سے مدد دینا جائز ہے؟

(۷) کیا ذابح بقر و غنم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یعنی جو شخص اجرت لے کر ذبیحہ کرتا ہو وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۸) کیا نماز جمعہ ایسی جگہ جہاں مسلمانوں کے ستر پچھتّر مکان ہوں اور نمازی بمشکل تیس چالیس جمع ہوتے ہوں نماز جمعہ دو جگہ ہوسکتی ہے؟

(۹) جو شخص بستی و قوم میں ہر طرح معزز و رئیس ہو اور وہ متولی مسجد بھی ہو اس کے خلاف برگشتہ ہو کر معمولی حیثیت کے مسلمان کا ایسا شر پیدا کرنے کا طرز عمل جائز ہے؟ **بینوا توجروا یا اولی الابصار۔**

الجواب:

(۱) اگر فی الواقع ان کی نیت جماعت مسلمین کی تفریق اور مسجد قدیم کی تخریب ہو تو ضرور وہ مرتکب سخت کبیرہ ہیں اور اس تقریر پر ان کی مسجد مسجد ضرار ہوگی مگر اتنی بات پر حکم تکفیر ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جب ان پر حکم کفر نہیں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیوں نادرست ہوگا؟

(۳) جو لوگ اس تقدیر پر فساق و مرتکب کبائر ہیں ان سے ابتداءً سلام ناجائز ہے اور بغرض زجر و تنبیہ ترک راہ ورسم بہتر ہے اور جب راہ ورسم نہ ہوگی تو اپنی شادیوں میں بلانا اور نکاح پڑھوانا بھی نہ ہوگا لیکن اگر وہ نکاح پڑھائیں تو اس نکاح میں کوئی جرم لازم نہ آئے گا۔

(۴) ضرور ہے مگر جبکہ ضرار ہونا یقیناً ثابت ہو۔ دو جماعتوں میں رنجش ہوئی اور ایک جماعت دوسری کی

مسجد میں بخوف فتنہ آنا نہ چاہے اور مسجد میں نماز پڑھنا ضرور، لہذا وہ اپنی مسجد بنائے تو اسے مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے، مسجد ضرار اسی صورت میں ہوگی کہ اس سے مقصود مسجد کو ضرر دینا اور جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا ہو، نیت امر باطن ہے محض قیاسات وقرائن کا لحاظ کرکے ایسی سخت بات کا حکم نہیں دے سکتے خصوصًا اس حالت میں جبکہ وہ جدا مسجد بنانا نہیں چاہتے بلکہ جو مسجد پہلے موجود تھی اس کا احیاء چاہتے ہیں۔

(۵) ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، جبکہ صورت واقعہ یہ ہو جو سائل نے ذکر کی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) اگر امر مذکور ثابت ہو تو اس میں کسی طرح مدد دینا جائز نہیں۔

(۷) یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے ذبح بقر کوئی جرم نہیں، نہ اس پر اجرت لینا ممنوع، تو اس وجہ سے امامت میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔

(۸) نماز جمعہ کے شرائط سے ایک شرط یہ ہے کہ خود سلطان اسلام پڑھائے یا اس کا نائب یا اس کا ماذون اور جہاں یہ نہ ہوں وہاں بضرورت مسلمانوں کا کسی کو امام مقرر کرلینا معتبر رکھا ہے ایسی بستی میں جبکہ جمعہ قائم ہے اور ایک امام مقرر کردہ مسلمین موجود ہے تو بلاوجہ شرعی چند شخصوں کا دوسرے کو امام جمعہ مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا اور وہاں نماز جمعہ ادا نہ ہوسکے گی۔

(۹) شر پیدا کرنا کسی کو کسی کے مقابل جائز نہیں اور دینی معظم کی بلاوجہ شرعی مخالفت اور پر شر ہے ہاں جو فقط دنیوی وجاہت رکھتا ہو اسے معزز اور اس کے مقابل اور مسلمانوں کو معمولی مسلمان کہنا یہ بھی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ سید کمال الدین احمد صاحب جعفری وکیل ہائیکورٹ الہ آباد ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

عیدگاہ یا مسجد میں وعظ یا چندہ اسلامی مذہبی کاموں کے لئے کرنا عام مسلمانوں کو جائز ہے اور متولی کو اس کے روکنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں کار خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے جبکہ شور وچپقلش نہ ہو خود احادیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے، مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جبکہ واعظ عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو، ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کرسکتا ہے، ہاں اگر چندہ امر شر کے لئے ہو اگرچہ اسے کیسے ہی امر خیر کہا جائے جیسے نیچریوں کے کالج یا وہابیوں کے مدرسہ کے لئے یا اس میں شور وغل ہو

یاواعظ بدمذہب یا بے علم یاروایات موضوع کا بیان کرنے والا ہو یالوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اس نے وعظ شروع کردیا کہ ان کی نماز میں خلل آتا ہو توایسی صورت میں متولی اور ہر مسلمان کو روک دینے کااختیار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۳: از موضع منصور پور متصل ڈاکخانہ قصبہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خاں ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دیوار شمال وجنوب کی ہے اس کی بنیاد سے ملا کر کسی قدر اونچائی مثل چبوترہ قائم کیا گیااور اس دیوار پر چھپّر رکھوا کر وہ جگہ نماز کے واسطے مخصوص کردی گئی چنانچہ جگہ مذکور پر بلاناغہ اذان ونماز ایک مدت سے ہورہی ہے یہاں تک کہ نماز جمعہ بھی ہوتی ہے منبر لکڑی کا برائے خطبہ جگہ معینہ پر موجود ہے، بایں صورت فرمائے کہ اس کو مسجد کیا جائے یا کیا؟

الجواب:

مالک زمین نے اگر کہا کہ میں نے اس کو مسجد کردیا اور اس میں نماز پڑھ لی گئی تو وہ مسجد ہو گئی اگرچہ اس میں عمارت اصلانہ ہو خالی ہو، یونہی اگر اس کے کلام سے مسجد کردینے پر دلالت پائی گئی مثلاً کہا میں نے یہ زمین مسلمانوں کی نماز کے لئے کردی کہ ہمیشہ اس میں نماز ہوا کرے جب بھی مسجد ہوجائیگی اور اگر ایک مدت خاص کی تحدید کی مثلاً سال دوسال نماز پڑھنے کے لئے دیتا ہوں تو مسجد نہ ہوگی، اور اگر زبان سے لفظ نہ ہمیشہ کا کہانہ کسی وقت محدود کا تو دل میں اگر نیت ہمیشہ کی ہے مسجد ہو گئی ورنہ نہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة، فهذا علی ثلثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلٰوة فیها ابدا نصا بان قال صلوا فیها ابدا، اوامرهم بالصلٰوة مطلقا ونوی الابد، ففی هٰذین الوجهین صارت الساحة مسجدا لومات لایورث عنه،	ایک شخص کی خالی زمین پڑی ہوئی تھی جس میں کوئی عمارت نہیں اس نے لوگوں کو اس زمین میں باجماعت نماز پڑھنے کو کہا تو اس کی تین صورتیں ہیں (پہلی یہ کہ) اس نے امر نماز کی تابید کی تصریح کی ہو بایں طور کہ یوں کہا ہو کہ تم اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو، یا (دوسری صورت یہ کہ) اس نے انہیں مطلقاً نماز پڑھنے کو کہا اور نیت ہمیشگی کی کرلی ان دونوں صورتوں میں وہ زمین مسجد ہو گئی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری نہ ہوگی اور (تیسری

واما ان وقت الامر بالیوم اوالشهر او السنة ففی هذا الوجه لایصیر الساحة مسجد الومات یورث عنه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صورت یہ ہے کہ) اگر اس نے امر نماز کو دن، مہینے یا سال سے مقید کیا تو اس صورت میں وہ زمین مسجد نہ ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ عبدالرحیم وکریم احمد صاحبان متولیان مسجد مچھلی بازار کانپور ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ مسجد مچھلی بازار کانپور فنڈ میں تین عنوانوں سے آیا ہے:

(۱) کچھ توامداد مجروحین ومقتولین کے لئے۔

(۲) کچھ مقدمہ مسجد کے لئے۔

(۳) کچھ حفاظت اور تعمیر حصہ منہدمہ مسجد کی غرض سے۔

اب بعد ختم ہوجانے مقدمہ کے اس کا صحیح مصرف از روئے شرع شریف کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امداد مجروحین ومقتولین مقدمہ ختم ہونے سے ختم نہیں ہوجاتی، امداد مقتولین سے ان کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد مراد ہے اور وہ ہنوز باقی ہیں، مقدمہ اگر ختم ہوا تو ماخوذین کا نہ مسجد کا کہ اس کا جو فیصلہ مولوی صاحب کنندہ نے کیا محض باطل وخلاف شرع ہے مسلمانوں کو اس پر سکوت جائز نہیں، فرض ہے کہ اپنے تحفظ حقوق مذہبی کے لئے گورنمنٹ سے جائز چارہ جوئی کو انتہا تک پہنچائیں۔ اس کے مصارف میں یہ روپیہ اٹھائیں اس کا روشن بیان "**ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری**" میں ہے جو اصل رسالہ چھپ گیا اور زمیندار میں بھی شائع ہوچکا اور اس کا ذیل زیر طبع ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵



رسالہ

ابانۃ عـــہ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری ۱۳۳۱ھ

(عبدالباری کی مصالحت میں چھپی ہوئی (خرابی) کا اظہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۸۵: از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس موید الاسلام ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ________ گورنمنٹ کے حکام

عـــہ: مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوٰی، جس کا سوال لکھنؤ فرنگی محل سے آیا اور دارالافتاء نے جواب دیا اور بکمال وضوح ثابت کیا کہ مولوی صاحب نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق دیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے، اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے، ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دربارہ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اور اپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ ہوگا "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" کا بھی اس میں رد بلیغ ہے۔

نوٹ: علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے "**قامع الواھیات من جامع الجزئیات** ۱۳۳۱ھ" کے نام سے اس پر ایک عربی تذییل تحریر فرمائی ہے جو کہ مولوی صاحب فیصلہ کنندہ کی اس چھ ورقی عربی تحریر بنام "جامع جزئیات فقہ" جو اس نے اس فیصلہ کو مطابق شرع بنانے میں تحریر فرمائی تھی کے رد میں ہے اعلیحضرت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اس رسالہ میں پچاس دلائل قاہرہ پیش کئے جبکہ علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے مزید دو سو ۲۰۰ دلائل پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ فیصلہ مطابق شرع نہیں ہے اور نہ ہی مسجد توڑ کر راستہ بنالینا روا ہے۔

کابیان ہے کہ جزء متنازعہ مسجد کانپور خارج از مسجد ہے اور اس کو بعض ٹرسٹیان نے ہم کو دے دیا تھا،اس بناء پر انہوں نے اس کو منہدم کر دیا،اس کے چند دنوں کے بعد بغیر اجازت چند لوگوں نے اس زمین پر جس کو میونسپلٹی نے اپنے قبضہ میں کرلیا تھا تعمیر کرنا شروع کیا اس وجہ سے پولیس نے روکا اور فیما بین لڑائی ہوگئی کچھ مسلمان قتل کئے گئے کچھ مسلمان جن میں بے قصور بھی ہیں قید کئے گئے گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل سے باور کرادیا کہ وہ کسی طرح قیدیوں کو نہ چھوڑے گی اور اس زمین کو جس پر میونسپلٹی نے قبضہ کرلیا ہے مسلمانوں کو واپس نہ دے گی،بعد چندے اس نے مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا اپنے ملکی فوائد کے اعتبار سے اس امر کی خواہش کی کہ تصفیہ ایسا ہو جائے کہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس زمین پر چھتا پاٹ کے مسجد میں شامل کر دیا جائے اس کو چند معتبر حضرات کے روبرو اس نے پیش کیا ایک عالم نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ زمین جس کو اکثر مسلمان جزء مسجد کہتے ہیں محفوظ مسجد کے کام میں رہ جائے ایک مخلص کی صورت یہ نکالی کہ ادھر ہی مسجد کا دروازہ کر دیا جائے وہ زمین اس دروازہ مسجد کے کام آئے گورنمنٹ کے ممبران متعینہ نے اس امر کو نہیں مانا کہ زمین پر قبضہ مسلمانوں کا ہو بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں،بعد ردوقدح کے اس عالم کی رائے سے یہ طے پایا کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلایا جائے حق آسائش حقیقۃً مسلمانوں کو حاصل ہے،اگر ظلماً یا تشدداً گورنمنٹ عام اجازت گزر کی دے تو ہم اس کی وجہ سے قطع مصالحت نہ کریں گے بلکہ صورت بنا اس کی میونسپلٹی کے سپرد کر دیا جائے جس میں بہ غلبہ آراقوی امید ہے کہ موافق قوانین اسلام تصفیہ ہو جائے،وائسرائے نے بھی تاکید کردی کہ بننے کے وقت مسلمانوں کی خوشی اور ان کے قواعد کا لحاظ کیا جائے۔سوال طلب یہ امر ہے کہ جس عالم نے بدیں تفصیل مصالحت کی ممانعت نہیں کی اور منازعت کو قطع کر دیا وہ خاطی ہے یا مصیب،اور مسلمانوں کو آئین امن عام کے اندر رہ کے استحقاق کی چارہ جوئی کرنی چاہئے اس عالم کی رائے ہے یا جوش وہنگامہ دکھانا اور خلل اندازی امن عامہ کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو امر دوم کی کوشش کرے وہ حق پر ہے یا جو امر اول کے طرز کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھے۔**بینوا توجروا۔**

جواب از دار الافتاء

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ بتایا کہ:

(۱) مصالحت کیا کی۔

(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔
(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔
(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکہ طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے، آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردوقدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔
(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک ثابت نہ کی جائے مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔
(۶) سردست کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کرلئے۔
(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا وہ بطور خود گیا تھا۔
جب تک ان سب باتوں کی تفصیل معلوم نہ ہو ایک نہایت مجمل گول بات کا جواب کیا دیا جائے۔ ہاں اتنا امر واضح وروشن ہے کہ فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[1] (فتنہ وفساد قتل سے بھی سخت ہے۔ت) اور فرماتا ہے: "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ"[2] (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ت) نہ یہی کسی طرح روا ہے کہ کسی حکم مخالف شرع کو بلاجبر واکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کریں یا اس میں دشواری ڈالیں اور آئندہ کے لیے بھی اسے نظیر بنائیں بلکہ حدود سلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلام ہونا ظاہر کریں اور ورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلا کر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں جو اس طریق پر چلے مصیب ہے اور جو ان دو طریقوں میں سے کسی پر چلے وہ خاطی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: بار دوم از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی صاحب موصوف سوم ذی الحجہ ١٣٣١ھ

مولٰنا المعظم دام بالمجد والکرم والسلام علیکم، استفتا موصول ہوا مشکور فرمایا، گو ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگاہی ہوگئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا جائے ان کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں امید کہ اب جواب شافی عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے تحریر فرمایا جائے۔

امور مستفسرہ مع تصریح

س(١) مصالحت کیا کی؟

ج(١) عالم نے مصالحت یہ کی کہ گورنمنٹ مقدمات اٹھالے اور کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، مسجد کی زمین پر گورنمنٹ اپنی ملکیت ثابت نہ کرے مسلمانوں کو اس پر قبضہ دلادے اگر جبرًا گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو وہ حاکم ہے خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا اور موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق دربارہ ہنگامہ کانپور مسلمان کچھ نہ کرینگے۔

س(٢) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔

ج(٢) گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مسلمانوں کے اوپر جو مقدمات ہیں گورنمنٹ کی طرف سے اور مسلمانوں کو جو گورنمنٹ سے دعاوی ہیں ان کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہوجائے تاکہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے بدظنی اور مسلمانوں کو گورنمنٹ سے بے اعتباری نہ ہو اور بے چینی دفع ہو۔

س(٣) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔

ج(٣) گورنمنٹ نے لحاظ مراحم خسروانہ یا باعتبار فوائد ملکی خود خواہش تصفیہ کی کی نہ کہ قیدیوں کو بلامقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا کہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں اور مسجد کی

زمین پر بعینہ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں، گورنمنٹ سے اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی ومنازعت تھی جس کو کہ عالم مذکور نے قطع کردیا۔

س(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکر طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردوقدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔

ج(۴) گورنمنٹ کے متعینہ ممبروں نے ابتداءً مسجد کی زمین پر کسی قسم کا قبضہ دینے سے انکار کیا عالم کی انتہائی جدوجہد سے اس نے کہا کہ ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً وعرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں یہ عالم کا متخیلہ نہیں بلکہ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔

س(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک نہ ثابت کی جائے ایک مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔

ج(۵) زمین کی ملکیت جو گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی اس کے بارے میں صرف عالم کا تخیلہ نہ تھا بلکہ ممبر متعینہ سے اس نے صاف صاف کہہ دیا اور کہلوالیا تھا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہوتی اس واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں بلکہ مشیر قانونی نے بھی یہی کہا کہ ہماری ملک غصب سے چلی نہیں گئی کہ ہم اپنی ملک کے ثابت کرنے کو کہیں بلکہ ہم اسی قدر چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اپنے لئے ملک ثابت نہ کرے چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

س(۶) "سردست" کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کئے۔

ج(۶) سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شراکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی خواہش پوری نہ کردے بلکہ ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا اس وقت جس قدر عالمگیر جوش ملک میں ہے اور اس سے اندیشہ فریقین کے لئے مشکلات کا ہے وہ دفع کردیا ہے، اور ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتے ہیں ورنہ ہم کو اس میں بھی کوئی عذر نہ ہوتا۔

س(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا یا وہ بطور خود

گیا تھا۔

ج(۷) عالم مذکور کو عام مسلمانوں نے طلب نہیں کیا تھا، نہ وہ از خود گیا تھا بلکہ مقدمہ کے کارکنوں نے باصرار عالم مذکور کو خود بلایا تھا اور ممبر متعینہ نے اس سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی جس کے اثنا میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ صورت اختیار کرنا چاہئے مگر ممبر متعینہ نے کہا کہ ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس نہ جمع کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو اور ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹہ کی مہلت ہے چنانچہ اس عالم نے بعد سخت گفتگو کے مشورہ دیا کہ ملک سے سروکار نہ رہنا چاہئے قبضہ مسلمانوں کا ثابت کردیا جائے حق مرور اگر مشترک ہو تو ہم اس کی وجہ سے اس وقت منازعت باقی رکھنا نہیں چاہتے اپنے قیدی چھڑائے لیتے ہیں اور اشتراک مرور کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے اور حسب قواعد میونسپلٹی بنوایا جائے تاکہ ہم اس سے بہترین تدبیر اپنے تحفظ جزء مسجد کی کراسکیں جس کی کامل توقع ہے، ان سب امور کا تصفیہ ممبر متعینہ سے کردیا گیا جو ایک مجمع میں مسلمانوں کے ہوا اور ان سب باتوں کی تصدیق وہ عالم کراسکتا ہے اس نے کسی حکم مخالف شرع کو بلاجبر واکراہ خود امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ جس کو جمہور علما ناجائز کہتے تھے اس کو اس نے بھی ناجائز قرار دیا اور صاف ظاہر کردیا کہ برابر اس کی چارہ جوئی جائز طور پر کی جائے گی کسی قسم کی دشواری نہیں پیدا کی کیونکہ بے قاعدہ حرکات کو کوئی نہیں روک سکتا اور باقاعدہ احکام اسلامیہ کی چارہ جائی ہر وقت ہوسکتی ہے دیوانی کے مقدمات ہر طرح کے دائر کئے جاسکتے ہیں اور آئندہ کے لئے نظیر تو درکنار ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے خود حسب تصریح ممبر متعینہ اس متنازعہ فیہ حصہ کا بھی مسلمانوں کے موافق ہونا متوقع ہے اس عالم کی رائے ہے کہ یہ قبضہ وحق مشترک مرور قابل اطمینان نہیں بلکہ حدود وسلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلامیہ ہونا ظاہر کریں اور گورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلاکر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں اس صورت میں عالم مصیب ہے یا نہیں، امید ہے، برتقدیر صدق مستفتی جواب صاف عطا فرمایا جائے۔

جواب از دار الافتاء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب استفسارات باعث مشکوری ہے طرح وجرح منظور نہیں بلکہ انکشاف حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے، لاسیما اہل علم، جوابات نہ توکافی ہیں نہ مفید براءت اگرچہ مجھ سے صرف برتقدیر صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصب افتا کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورت مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہوسکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام ورفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالٰی غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ"[1]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

بلکہ حقیقۃً حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اُنصر اخاك ظالما او مظلوما قالوا یارسول اللہ وکیف ذٰلك قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یك ظالما فاردده عن ظلمه وان یك مظلوما فانصره[2]، رواہ الدارمی	اپنے بھائی کی مدد کر و چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم یہ کیسے۔ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو اور مظلوم ہونے کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الاکراہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۷، صحیح مسلم، سنن الدارمی باب ۴۰ انصر اخاک الخ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۰، مختصر تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج دار الفکر بیروت ۷/ ۵۹، تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۱

وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صورت میں اس کی مدد کرو۔اسے دارمی اور ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ مراسم قدیمہ نہ ہوگا اور زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ ہمارے قدیمی دوست عالم نے اسی معاملہ پر ایک تقریر کی ابتداء میں (جو روزانہ زمیندار ۲۱ ذی الحجہ میں چھپی) یوں داد حق جوئی دی کہ "میں ان لوگوں کا دل سے اور خدا کی قسم دل سے مشکور ہوتا ہوں جو میرے عیوب مجھ سے خواہ لوگوں سے کہہ کر میرے اوپر مربیانہ شفقت کا احسان رکھتے ہیں، یہ لوگ میرے محسن ہیں" جب بیان عیوب اور وہ بھی ابتداءً اس درجہ موجب شکر گزاری ہے تو بیان مسئلہ شرعیہ میں اظہار حق اور وہ بھی بعد سوال مراسم قدیمہ میں کیا خلل انداز ہوسکتا ہے۔ **وباللہ التوفیق۔**

جواب استفسار اول پر نظر

(۱) [ف: قبضہ زمین کی بحث] اس سوال کے جواب میں کہ عالم نے مصالحت کیا کی، تین باتوں پر صلح ہونی بتائی گئی ازانجملہ اصل معاملہ کی نسبت یہ ہے کہ مسجد کی زمین پر گورنمنٹ مسلمانوں کو قبضہ دلادے کسی بات پر مصالحت ہونا فریقین میں اس کا طے ہوکر قرار پانا ہے، اگر یہ امر قرار پاتا تو اسی کے مطابق وقوع میں آتا مگر ایسا نہ ہوا جو اب ایڈریس میں گورنمنٹ کے لفظ جو روزانہ ہمدرد ۱۶/اکتوبر میں چھپے صاف یہ ہیں: میں اس امر کو کچھ بھی وقیع اور اہم خیال نہیں کرتا کہ وہ زمین جس پر وہ دالان تعمیر ہوگا کس کے قبضہ میں رہے گی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(یہ تفاوت دیکھ کہ راستہ کہاں ہے اور تو کہاں)

(۲) ہاں اس پر چھتا بنا کر چھت پر قبضہ اور زمین کو سڑک کردینا ٹھہرا ہے کیا چھت اور زمین دو مترادف لفظ ہیں یا چھت کا قبضہ زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے، علو و سفل کے مسائل جو عام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں ملحوظ نظر رہیں جواب ایڈریس مذکور میں ہے کامل غور کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ آٹھ فٹ بلند ایک چھتا اور اس پر دالان تعمیر کردیا جائے نیچے ایک سڑک نکل آئے جس سے عمارت میں مداخلت نہ ہو۔

(۳) عالم نے اس مصالحت میں زمین پر قبضہ مسلمانان سے صرف مسلمانوں کا خالص قبضہ مراد لیا یا قبضہ عام خلائق کے ضمن میں عامہ کے ساتھ انہیں بھی ایک حق دیا جانا، بر تقدیر دوم یہ درخواست کتنی بیمعنے تھی

زمین سڑک میں ڈال لینے پر بھی عام کے ساتھ مسلمانوں کو حق مرور رہتا گورنمنٹ نے کس دن کہا تھا کہ یہ سڑک خاص کفار کے لئے بنے گی کوئی مسلمان اس پر نہ چل سکے گا۔ بر تقدیر اول کون ساخاص قبضہ مسلمانوں کو ملنا ٹھہرا کہ جبکہ جواب ایڈریس مذکور کے صاف لفظ یہ ہیں: یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک استعمال کرنے کے مجاز ہوں۔

(۴) قبضہ زمین کا حال جواب استفسار میں خود ہی کھول دیا کہ قبضہ دلادے کے بعد متصلاً کہا اگر جبراً گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔ صاف کھل گیا کہ قبضہ ہوا پر ٹھہرا ہے زمین مرور مشترک کے لئے چھوڑی ہے جسے دوسرے لفظوں میں شارع عام یا سڑک کہئے اس کا مطالبہ دور آئندہ پر اٹھار کھنا بتایا ہے حالانکہ یہی یہاں اہم مسئلہ بلکہ تمام اصل معاملہ تھا اسی کو نظر انداز کرنا اور عالم کی مصالحت سمجھنا کس قدر عجیب ہے مصالحت رفع نزاع ہے نہ کہ اصل مبناء و منشاء نزاع مہمل و معطل اور دور آیندہ کی امید موہوم پر محول نہ ایقائے نزاع ہے نہ قطع ورفع۔ ہاں اگر اس کے معنی یہ تھے کہ عالم نے مسجد سے دست برداری دی جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی وغیرہ نے اس کارروائی سے سمجھا اور پسند کیا تو ضرور قطع نزاع ہوئی اگرچہ باز دعوی دینا شرعاً مفہوم صلح میں آنا دشوار ہو خیر ایں ہم بر علم۔ مگر بعد کے الفاظ کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے اس تاویل کو بھی نہیں چلنے دیتے تو اسے مصالحت مشہور کرنا مسلمانوں اور گورنمنٹ دونوں کو غلط بات باور کرانا ہوا۔

(۵) [ف: مصالحت خلاف حکم اسلام پر کی اور گورنمنٹ پر بھی بدگمانی کی] جب عالم کو اعتراف ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہو سکتا گورنمنٹ بر سر مصالحت و دلجوئی تھی نہ بر سر ضد و جبر و تعدی، اس وقت کیوں نہ دکھایا گیا کہ یہ طریقہ خلاف احکام اسلامیہ ہے اس میں مذہبی دست اندازی ہے جس سے گورنمنٹ ہمیشہ دور رہنا چاہتی ہے، طے ہوتا تو اس وقت بسہولت ہوتا، نہ ہوتا تو عالم بری الذمہ تھا، نہ یہ کہ اس وقت اصل معاملہ پس پشت ڈال کر بالائی باتوں پر صلح کرلیں اور اصل میں یہ دشواریاں ڈالیں کہ تم لوگ صلح کرکے پھرتے ہو تم نائب سلطنت کے فیصلہ سے اور ایسے بے بہا فیصلہ سے اب سرتابی کرتے ہو، تم شکریہ کے جلسے اور روشنیاں کرکے پھر شکایت و منازعت پر اترتے ہو، نادر شاہی زمانہ گزر چکا تھا کہ چہلی کا سا بم در کنار اینٹ پھینکنے پر بے شمار سر اڑ جاتے، مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی نہ کہ بم چلے اور کار گر پڑے اور بے تحقیق کسی سے مواخذہ نہ ہو، آج حفظ حقوق مذہبی کا اس سے بہتر کیا موقع تھا، یہاں دلی کمزوری سے کام لینا موجودہ آزمودہ گورنمنٹ کو

خواہی نخواہی نادر شاہی ضد اور ہٹ کا پتلا سمجھ کر ایسی عظیم حرمت دینی کو پامالی کے لئے چھوڑ دینا کیونکر صواب ہو سکتا ہے۔

(۶) تمام دنیاوی سلطنتوں کا قاعدہ کہ اپنے قانون کی رو سے جس فعل کو جرم بغاوت سمجھیں اسے سب سے زیادہ سنگین بلکہ ناقابل معافی جانتی ہیں ان کے یہاں انتہائی رسوخ والاوہ ہے کہ جسے انہوں نے باغی سمجھ کر اسیر کیا ہو اس کی رہائی کی سفارش کرسکے نہ کہ ان جبروتی شرائط کے ساتھ کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، معافی مانگنی کیسی، خود یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، یہ تو شائد شخصی سلطنتوں میں صرف محبوب خاص سلطان کی مجال ہو جو ایاز و محمود کی نسبت رکھے اگر ایسا درجہ اختصاص حاصل ہوا تھا تو اسے حفظ حرمت اسلام میں صرف کرنا تھا جس پر باقی اور متفرع ہوئے تھے نہ کہ قیدیوں کے بارے میں یہ فضول وزائد شرائط اور خاص حرمت دینی سے اغماض کیا، یہ۔

ہرچہ شاہ آں کہ او گوید حیف باشد کہ جز نکو گوید
(بادشاہ جس شخص کی بات مانتا ہے اگر وہ اچھی بات کے علاوہ کہے تو ظلم ہے)

کا مصداق نہ ہوگا۔

(۷) [ف: معاملہ میں پیچیدگیاں ڈال دی گئیں] اس اغماض نے اصل مقصد میں جو پیچیدگیاں دشواریاں پیدا کیں ان کی شرح طول چاہتی ہے ادنٰی بات یہ ہے کہ قوم کے قلوب اس پر مطمئن ہوگئے تو سرے سے دعوی ہی گیا، چارہ جوئی کون کرے اخباروں میں بکثرت مضامین اسپر اطمینان کے شائع ہوئے، ازاں جملہ نواب مشتاق حسین صاحب امروہی کی بسیط تحریر کہ روہیل کھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی جس میں وہ عالم موصوف ہی کی ایک تحریر کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جناب کی اس تحریر کے بعد اس مسئلہ کے مذہبی پہلو کے تحفظ سے ہم کو بالکل مطمئن ہو جانا چاہئے، اسی کی ابتدا میں ہے مسلمان پبلک نے بھی اس فیصلہ کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر کیا۔ اس پر ایڈیٹر اخبار مذکور نے لکھا مولانا قبلہ نے اپنی تحریر میں نہایت اچھی طرح ثابت کردیا کہ مذہبی نقطہ خیال سے شرائط تصفیہ نہایت مناسب ہیں روزانہ زمیندار ۱۵/ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ نے لکھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسجد کے منہدم حصہ کا تصفیہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق ہوگیا ہے۔ نیز لکھا وہ مسلمانوں کے لئے بالکل قابل اطمینان ہے۔ روہیلکھنڈ گزٹ کے پرچہ مذکور نے سکرٹری و نائب سکرٹری مسلم لیگ مراد آباد کی ایک مراسلت میں نقل کیا متشرع علمائے اسلام نے فقہ پر کامل غور کرکے یہ فتوی دے دیا کہ شرعًا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر بالخصوص عالم مذکور کا اطمینان دلانا لکھ کر کہا پس علمائے کرام کے اطمینان کے بعد مذہبی پہلو سے تصفیہ پر نکتہ چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرنے کا کسی کو کوئی

حق نہیں۔ پھر نواب صاحب موصوف کی اسپیچ (SPEECH) سے نقل کیا ہمارے تمام اکابر قوم وعلمائے کرام اس پر اظہار مسرت کررہے ہیں۔ اس قسم کے مضامین اگر جمع کئے جائیں ورقوں میں آئیں تمام اقطار ہند میں شہروں شہروں جو جو ریز ولیوشن (RESOLUTION) اظہار مسرت واطمینان کے پاس ہوئے روشنیاں ہوئیں ان کے بیانوں سے اخباروں کے کالم گونج رہے ہیں ان تمام واقعات کو اس سے کس قدر تناقض ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔

(۸) جب عالم کا قول وہ ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے، اور اس عالم ہی کے اعتماد پر افراد قوم اسے بالکل بمطابق احکام اسلام سمجھ لئے اور وہ الفاظ شائع کررہے ہیں جن کا خفیف نمونہ گزرا تو عالم کا اس پر سکوت، معلوم نہیں کیا معنی رکھتا ہے۔

(۹) اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ الفاظ ہیں جو خود عالم کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں تقریر مذکور نواب صاحب امروہی میں ہے: ۱۹/اکتوبر کو جو تار جناب ممدوح نے خود میرے نام ارسال کیا ہے اس میں تصفیہ کانپور کی بابت حسب ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں: میں معاملات کانپور کے تصفیہ کو پسند کرتا ہوں۔ تقریر مذکور اراکین مسلم لیگ مراد آباد میں عالم مذکور کی نسبت ہے: حضرت مولانا قبلہ نے اس فیصلہ سے اطمینان بذریعہ اخبارات پبلک کو دلایا ہے۔ فیصلہ کو خلاف احکام اسلامیہ جاننا اور پھر اسے پسند کرنا اس پر اطمینان دلانا کیونکر جمع ہوا، اور اطمینان دلانا اور وہ بیان کہ اس پر اطمینان نہ ہوگا کس قدر متخالف ہیں۔

(۱۰) اوروں کی نقل ونسبت کو نہ دیکھئے، خود عالم کی تقریر جس کا عنوان یہ ہے: "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جو ہمدرد ۱۹/اکتوبر اور زمیندار ۲۱ ذی القعدہ میں شائع ہوئی اس میں فرمایا ہے: یہ مجلس سرور ہے ہم کو نہایت مسرت سے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دل جمعی نصیب ہوئی اسی میں ہے: اول کے تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ اسی میں ہے: ہمارے حسب دلخواہ مصالحت کرالی۔ اسی میں ہے: کل کا واقعہ نہایت مسرت خیز ہے اور اسلامی تاریخ کے زریں ایام سے کل کا روز ہے۔ اسی میں ہے: ہر طرح اسلام عـــہ کا احترام قائم رکھا۔

للہ انصاف عوام ان لفظوں کو سن کر کیوں نہ اطمینان کریں اور وہ بیانات وواقعات کہ نمبر ۴ میں گزرے کیوں نہ صادر ہوں اور وہ وعدہ بے اطمینانی کہ حسب بیان سائل نفس مصالحت میں تھا کیوں نہ نسیًا منسیًا ہو، گورنمنٹ نہ تو مسلمان ہے

عـــہ: پھر خدا جانے کون سی بات خلاف احکام اسلامیہ ہوئی ۱۲

نہ اسلامی شرع کی عالم، جب عالم خود ہی خلاف اسلامیہ کہہ کر پھر اسے حسب دلخواہ وموجب دلجمعی واطمینان ونہایت مسرت خیز اور اسلامی تاریخ کازریں دن کہے تو گورنمنٹ کا کیا قصور اور عوام پر کیاالزام۔

(۱۱) ان تمام صاف الفاظ سے گزر کیجئے تو عالم مذکور کا تار۱۶/اکتوبر جو ہمدرد و دبدبہ سکندری ۲۰/اکتوبر وغیرہ میں شائع ہوا، اس میں اولا فرما کر کہ یہ بات اگرچہ قابل تعریف نہیں ہے۔اخیر میں یہی فرمایا ہے کہ یہ تصفیہ اصلی مفہوم کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔جب عالم کے نزدیک فیصلہ خلاف احکام اسلامیہ ہے تو احکام اسلامیہ سے بڑھ کر اور کون سا اصلی مفہوم ہے جس کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔

(۱۲) بااین ہمہ عالم مذکور نے تحریر جمیع جزئیات میں کوئی دقیقہ دورازکار اس سعی بے سود کا اٹھانہ رکھا کہ اس کارروائی کو جیسے بنے کشاں کشاں مطابق احکام اسلامیہ کر دکھائیں، بہر حال تصویر کے دونوں رخ تاریک ہیں نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے فضل وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

[ف: روایت امام محمد مطابق مذہب جمہور ہے] خط کہ اس سوال کے ساتھ یہاں بھیجا اس میں روایت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے اور یہ کہ اس عالم نے بضرورت اپنی رائے میں اسی کو اختیار کیا ہے گو بخیال تحفظ مساجد ہمیشہ اتباع جمہور رہا ہے یہ سخت غلط فہمی ہے یہاں روایت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر گز خلاف جمہور نہیں وہ وہی فرمارہے ہیں جو جمہور ائمہ نے فرمایا ہے انکی روایت میں ایک حرف بھی قول جمہور سے زائد نہیں۔نہ ہر گز اس روایت خواہ کسی قول کسی روایت کا یہ مطلب ہے نہ ہو سکتا ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا روا ہے، یہ تمام ائمہ کے اجماع سے حرام قطعی و مناقض ارشاد خدا ہے، روایات ائمہ در کنار اقوال مشائخ مذہب بھی نظر توفیق میں یہاں مختلف نہیں ہر ایک اپنے محمل پر صحیح وبجا ہے اور بالفرض اختلاف ہے تو نہایت خفیف جو قطعی تحفظ کلی ہر حصہ مسجد پر اجماع کے بعد صرف ایک زائد بات میں ہوا ہے جس سے حفظ جملہ اراضی مساجد پر معاذاللہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہم بتوفیق اللہ تعالٰی ان مباحث جلیلہ کو ایک مستقل فتوے میں رنگ ایضاح دیں گے۔

[ف: فقاہت کے کیا معنی ہیں] فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ ووجوہ تکلم وطرق تفاہم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر واحتیاط وتجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ وتمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق ومفہوم وصریح ومحتمل وقول بعض وجمہور ومرسل ومعلل ووزن الفاظ مفتیین وسیر مراتب

ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا و سلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسدین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کانام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کاکام ہے، اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القافرماتا ہے:

"وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ "[1]۔	اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو، اور اسے نہیں پاتا مگر بڑے نصیب والا۔ (ت)

صدہا مسائل میں اضطراب شدید نظر آتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبرا جاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتا اور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کر راہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جو ایک سچا سانچا ہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کر اصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے، **الحمد للہ** فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی **وللّٰہ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللّٰہ وما توفیقی الا باللّٰہ، وصلی اللّٰہ تعالٰی علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمد للّٰہ رب العٰلمین۔**

(۱۳) [ف: اس مصالحت کی تین نظیریں] کیا کوئی ہندو روا رکھے گا کہ اس کا شوالہ توڑ کر سڑک کر دیا جائے جس پر عام مسلمانوں اور گوشت کے ٹکڑے لے کر قصاب گزرا کریں اور اس پر ایک چھجا یا چھتا بنے وہ ہندوؤں کے قبضے میں رہے کیا وہ اسے زمین شوالہ پر اپنا قبضہ سمجھے گا کیا وہ اس کارروائی کو حسب دلخواہ موجب اطمینان اور اس دن کو نہایت مسرت خیز اور ہندو دھرم کی تاریخ کا زریں دن اور ہر طرح اس کا احترام قائم رکھنا کہے گا، لیکن ایک اسلامی عالم نے مسجد کے ساتھ یہ کارروائی کی اور اس کی نسبت ان تمام الفاظ سے مدح سرائی کی **فاعتبروا یااولی الابصار۔**

(۱۴) کیا اگر شوالہ کے ساتھ مسلمان ایسا کرتے تو گورنمنٹ ان پر مداخلت مذہبی اور توہین مذہب کا جرم قائم نہ کرتی ضرور کرتی، کیا گورنمنٹ اپنے لئے مذہبی دست اندازی و توہین مذہب جائز رکھتی ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

ہر گز نہیں، مگر جب اسلامی عالم ہی اسے نہایت مسرت خیز اور زریں دن اور احترام اسلام کا پورا قیام کہے تو گورنمنٹ کی کیا خطا ہے۔

(۵) کیا اگر عالم کے مکان سکونت کے ساتھ یہ طریقہ برتا جائے کہ مکان کھود کر مسلمان یاہندو سڑک یا دنگل بنالیں اور اس پر چھت پاٹ کر ہوادار جھروکے عالم کے بسنے کو دیں تو عالم ان ہندو یا مسلمانوں پر نالشی نہ ہوگا کیا وہ اسے زمین مکان پر اپنا قبضہ قائم رہنا سمجھے گا کیا وہ اسے اپنے حق میں دست اندازی وتعدی نہ کہے گا۔ **فاعتبروا یاولی الابصار۔**

(۱۶) امور مصالحت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے۔ لیکن اس مصالحت کے بعد جو ایڈریس پیش ہوا اس کے لفظ یہ ہیں: ہم ان لوگوں کی کارروائی کو ملامت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جنہوں نے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اگر قانون کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم نہیں تو اور کون ہے۔ پھر گورنمنٹ کا جواب روزانہ ہمدرد ۱۶/اکتوبر میں یہ ہے: اب میں ان لوگوں کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے ۳اگست کو بلوہ کا ارتکاب کیا۔ اسی میں ہے: گورنمنٹ کا فرض تھا کہ قیدیوں پر مقدمہ چلائے اور انہیں سزادے مگر وہ کافی سزا بھگت چکے ہیں۔ اسی میں ہے: میں ان لوگوں پر بھی رحم کرتا ہوں جنہوں نے بلوے کی اشتعالک دی اور اس طرح سے اس نقصان رسانی کے مرتکب ہوئے جواب تک ہوچکا ہے اور اس لئے کسی خاص سلوک کے مستحق نہیں رہے۔ تو ضرور مجرم وسزا وار سزا ٹھہر کر کافی سزا بھگت کر رحم کئے گئے نہ یہ کہ ان کو مجرم قرار ہی نہ دیا جائے۔

(۱۷) [ف: مصالحت مسجد سے دست برداری پر کی] امور مصالحت میں تیسری بات یہ ہے: گورنمنٹ مقدمات اٹھالے مسلمان مرور کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق کچھ نہ کریں گے۔ اس کا حاصل طرفین سے ترک مقدمات ہے مگر مسلمانوں کے لئے دعوی مسجد کا استثنا۔ یہاں دو قسم کے دعوے تھے: دعوی دیوانی دربارہ زمین مسجد کہ مسلمان کرتے دعوی فوجداری دربارہ بلوی کہ گورنمنٹ کی طرف سے دائر تھا۔ مسلمانوں کو دعوی دوم میں اپنی ہی جان چھڑانی پڑی تھی نہ کہ وہ الٹے اس میں مدعی بنتے، تو ادھر سے نہ تھا مگر دعوی مسجد، اور مصالحت میں ضرور طرفین سے ترک مقدمات قرار پایا تو حاصل مصالحت صرف اتنا نکلا کہ گورنمنٹ قیدیوں کو چھوڑدے مسلمان مسجد چھوڑتے ہیں، اس سے زیادہ محض الفاظ ہیں کہ یا تو مخیلہ سے باہر ہی نہ آئے یا زبان تک آکر نامقبول رہے، بہر حال ان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان پر مصالحت کی، ولہذا بعد کی عملی کارروائیاں اطمینان کے جوش اور خود عالم کی تقریریں جن کا

بیان اوپر گزرا سب استثنائے مذکور کی غلطی پر دلیل ہیں اس پر صلح ہوئی ہوتی تو اپنی مجلس مؤید الاسلام کا جلسہ خالص مسرت اور نہایت مسرت کا جلسہ نہ ہوتا بلکہ مسرت ماتم آمیز کا ایک آنکھ ہنستی تو ایک روتی یہ نہ کہا جاتا کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دلجمعی نصیب ہوئی۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ مسلمانو! فرع میں تمہاری فتح ہوئی اور اصل ہنوز باقی ہے اٹھو اور اس کے لئے انتہائی جائز کوششیں کرو۔

(۱۸) نیز اس کے غلط ہونے کی ایک کافی دلیل وہ ہے جو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفتاء سوم میں لکھا کہ گورنمنٹ نے قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑنا نہ چاہا بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں۔ دیکھئے اس میں استثناء نہیں۔

(۱۹) آگے گورنمنٹ کی دوسری شرط بتائی کہ مسلمان مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں۔ یہاں نفی استثنا ہو گئی اگر مسلمانوں کو دعوی زمین کی اجازت رہتی اور ضرور ممکن کہ وہ ڈگری پاتے تو بعینہٖ اسی طریقے کی عمارت بنانے سے کیوں ممنوع ہوتے اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ ایسی عمارت بنالو جس کی چھت سے کام لو اور زمین پر دعوی نہ کرو۔

(۲۰) [ف: گورنمنٹ نے اسلام کو فائدہ دینا چاہا مگر مصالحت والوں نے روک دیا] جواب ایڈریس میں ہے مجھے پورے طور پر بھروسا ہکہ مسئلہ مسجد کا جو حل میں نے کیا ہے اس سے ہندوستان کی تمام مسلمان آبادی مطمئن ہوجائے گی۔ گورنمنٹ کے یہ الفاظ اور صلح میں اس قرارداد کا بیان کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا۔ دونوں ملا کر دیکھئے صاف کھل جائے گا کہ وہ استثناء نہاں خانہ خیال ہی میں تھا، یا کہا اور منظور نہ ہوا، لاجرم تمام زوائد چھنٹ کر اصل بات نکل آئی جتنے پر عالم نے مصالحت ٹھہرائی کہ گورنمنٹ ہمارے آدمی چھوڑ دے ہم نے مسجد چھوڑدی یہ وہی دلی کمزوری اور دہلی کے بم کا تجربہ دیکھ کر بھی گورنمنٹ پر ضد اور جبر کی بدگمانی سے ناشئی ہوا حالانکہ یہ بالکل وسوسہ گورنمنٹ دونوں باتوں میں مسلمانوں کے صاف موافق تھی قیدیوں کی رہائی کے لئے جواب ایڈریس کے وہ لفظ دیکھئے: میں خاص شملہ سے اس غرض سے آیا ہوں تاکہ آپ کے واسطے پیغام امن لاؤں۔ آخر میں مکرر ہے: میں کانپور اسی لئے آیا ہوں تاکہ پیغام امن لاؤں۔ اور مسئلہ احترام مذہبی کے لئے وہ قیمتی الفاظ پڑھئے: میرے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ جو یقین میں نے کونسل کے اجلاس میں اس بارے میں دلائے ہیں کہ رعایا کے مذہبی عقائد کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کو دہراؤں اس لئے کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک واقعی بات ہے۔ یہ لفظ تو عام آزادی مذہبی کے متعلق تھے اور خاص مسئلہ مساجد کے متعلق سنئے: ممکن ہے کہ سڑکوں ریل نہروں کی تعمیر مذہبی عمارتوں کے ساتھ ٹکرائے لیکن آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ گورنمنٹ

کافی توجہ سے تمام مطالبات پر غور کرے گی اور ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ اس طور حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ایسی صورت میں صرف امر اول سے فائدہ لینا اور امر دوم کہ وہی اصل مرام وخاص مسئلہ احترام اسلام تھا،یوں چھوڑ دینا کیونکر صواب ہوسکتاہے،نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔

جواب استفسار دوم پر نظر

(۲۱) استفسار تو یہ تھا کہ جس امر پر صلح ہوئی وہ کس کی تجویز تھا،اس کا یہ جواب کیا ہوا کہ گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مقدمات اور دعاوی کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہوجائے،کس نے پوچھا تھا کہ خواہش صلح کدھر سے ہوئی اس سمجھوتے ہی کو پوچھا تھا کہ کس کی رائے کا ایجاد تھا اس کا کچھ جواب نہ ہوا۔

(۲۲) [ف: فیصلہ کانپور پر ایک نظر کارد بلیغ] سائل فاضل نے اگرچہ جواب استفسار نہ دیا مگر خود عالم کی تقریر کہ بعنوان "فیصلہ کانپور پر ایک نظر" ہمدرد وغیرہ میں چھپی وہ اس کے جواب کی کفیل ہے اس میں صاف اعتراف ہے کہ چھتا بنا کر اس پر قبضہ ملنے اور زمین پر سڑک چلنے کی تجویز خود عالم نے اپنی طرف سے پیش کی وہی منظور ہوئی اس تجویز کا حال اوپر معلوم ہوچکا،اور یہ بھی کہ خود عالم کو اس کا خلاف احکام اسلامیہ ہونا مسلم ہے مگر عالم کی تقریر مذکور اس تجویز کی حالت اور بھی واضح کرتی ہے۔

[ف: عالم کی پہلی تدبیر نامنظور شدہ اور اس کا صریح باطل وخلاف شرع ہونا] تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم نے پہلے تو یہ تدبیر نکالی کہ اس زمین کو مسجد کا ممر بنادیں اور اس کے لئے مسجد کا دروازہ اس طرف نکالیں کہ اصل ممر مسلمانوں کے لئے ہو پھر ضمنًا کوئی دوسرا بھی اس طرف سے اس طرف گزر جائے تو ہم اس کو مانع نہیں ضرورت کے وقت اجازت ہوسکتی ہے بشرطیکہ احترام اس جز کا مثل احترام دیگر اجزائے مسجد کے قائم رہے،اور غالبًا اسی تحفظ واحترام کے لئے یہ چاہاتھا کہ اس حصہ زمین کو سڑک سے مرتفع بنایا جائے یعنی تاکہ پیدل کے سوا اوروں کا گزر نہ ہو۔اس تدبیر میں عالم کی نظر اس مسئلہ پر تھی کہ راستہ جب پیدل پر تنگی کرے تو بضرورت مسجد میں ہوکر لوگ ادھر گزر سکتے ہیں یوں کہ مسجد بحال خود برقرار رہے اس میں کوئی فرق اصلًا نہ آئے ولہٰذا شرط ہے کہ یہ مسجد میں ہوکر نکل جانے والے جنب وحائض ونفسانہ ہوں نہ اس میں جانور لیجائیں کہ مسجد میں ان کا جانا اور ان کا لے جانا حرام ہے۔

[ف: مسئلہ ممر فی المسجد کی جلیل تحقیق اور یہ کہ وہ سلطنت اسلامیہ کے ساتھ خاص ہے] **اقول:**

یہ گزر اصالۃً مسلمانوں کے لئے ہے کہ مسجدوں سے کافروں کو کیا علاقہ،

الاتری الی تعلیلھم بانھما للمسلمین[1] کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔	ان کا یہ علت بیان کرنا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتبر کتب میں ہے (ت)

مگر جبکہ راستہ پیدل تنگ ہے اور گزر کی حاجت کافر کو بھی ہے اور کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے تو بالتبع ضمناً اسے بھی منع نہ کریں گے۔

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدًا وھذا معنی قول العلماء حتی الکافر[2] فظھر الجواب عما اعتراض بہ العلامۃ الطحطاوی علی جعلہ غایۃ[3] وللہ الحمد ولا حاجۃ الی ما اجاب بہ العلامۃ الشامی وللہ الحمد وظھر الجواب عما ظن العلامۃ شیخی زادہ فی مجمع الانھر من التعارض بین تعلیلیھم بان کلیھما للمسلمین و بین قولھم حتی الکافر[4] وللہ الحمد۔	کئی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں اور علماء کے قول (حتی الکافر) حتی کہ کافر، کا یہی معنی ہے تو علامہ طحطاوی نے اس کو غایت قرار دے کر جو اعتراض کیا ہے، اس سے اس کا جواب ظاہر ہوگیا، للہ الحمد، اور علامہ شامی نے جو جواب دیا اس کی بھی حاجت نہ رہی، وللہ الحمد، نیز اس سے علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں اپنے خیال سے فقہاء کرام کی تعلیل کہ دونوں مسلمانوں کے لئے، اور فقہاء کرام کے قول "حتی الکافر" میں جو تعارض سمجھا اس کا جواب بھی ظاہر ہوگیا، وللہ الحمد (ت)

مسئلہ تو یہاں تک بجا و صحیح یا کم از کم ایک قول پر ٹھیک تھا مگر موقع سے اسے متعلق سمجھنے میں ایک دو نہیں بکثرت خطائیں ہوئیں جن میں تین خود عالم کے تین لفظوں سے ظاہر و مبین (۱) ضمناً (۲) احترام (۳) ضرورت ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت ہوتی تو **اولاً:** کفار کا گزر ہر گز ضمناً نہ ہوتا بلکہ اصالۃً جس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور وہ نہ صرف اس عالم کے اقرار بلکہ یقیناً مراد علماء کے خلاف ہے، زمانہ ائمہ میں مساجد تو مساجد دارالاسلام کی سڑک یا افتادہ زمین ہی پر چلنے والا کافر نہ ہوتا مگر ذمی کہ مطیع اسلام ہے یا مستامن کہ سلطان اسلام سے پناہ لے کر داخل ہوا، اور یہ دونوں تابع اسلام ہیں آخر نہ دیکھا کہ انہیں عبارات میں علماء نے مساجد کی طرح مطلق راستوں کو بھی مسلمانوں کے لئے بتایا کہ اور ہیں تو ضمنی و تابع ہیں۔

---

[1] درمختار، کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[3] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوقف دارالمعرفہ بیروت ۱/ ۵۴۳

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الوقف فصل اذبنی مسجداً داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۴۸

ثانیًا: یہاں احترام ناممکن تھا جنب وحائض کی ممانعت پر اصلاً اختیار نہ ہوتا خصوصًا کفار کو اجازت ہو کر،اور اس ممانعت کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنا محض ظلم ہے، صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلّف بالفروع ہیں۔**قال اللہ تعالٰی**:

"یَتَسَآءَلُوْنَ ۙ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ۙ﴿۴۱﴾ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۙ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۙ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾"[1]	پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی، وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے(ت)

اور بالفرض وہ مکلّف بالفروع نہ سہی ہم تو مکلّف ہیں بحال جنابت وحیض مسجد میں جانا ضرور بیت اللہ کی بیحرمتی اور دربار ملک الملوک عزوجلالہ کی بے ادبی ہے تو ہمیں کیونکر رواہوا کہ ایسی شنیع تجویز خود پیش کریں اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرائیں، جانور تو بالاجماع مکلّف نہیں، کیا مسلمان کو رواہے کہ کتے یا سوئر بلکہ ناسمجھ بچے یا مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھے اور چپکا بیٹھا رہے کہ وہ تو مکلّف ہی نہیں حاشا حفظ مسجد پر یہ تو مکلّف ہے اور ترک منع اس کا گناہ ہے کہ بے ادبی مسجد پر راضی ہوا یا کم از کم ساکت رہا، حدیث میں ارشاد ہوا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم[2] رواہ ابن ماجۃ وعبدالرزاق عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔(اسے ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے تو مساجد کو بیحرمتی یقینی کے لئے خود پیش کرنا کس درجہ جرم شنیع وخبیث ہے۔

ثالثًا: اس میں جانوروں کا نہ جانا بھی ہرگز نہ ہوتا اگرچہ کہہ دیا جاتا کہ یہ پیدل کے لئے ہے، معہود معروف یہ ہے کہ پختہ سڑک جسے گولا کہتے ہیں اصالۃً صرف بگھیوں ٹمٹموں کے لئے بنتی ہے اور اس کے پہلوؤں پر جو راہ پیادوں کے لئے چھوڑی جاتی ہے بیل گاڑیوں، چھکڑوں، گائے بیلوں، گدھوں

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۰تا۴۶

[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۵

کے لئے وہی ہوتی ہے، ولہذا ان میں سے جو چیز سڑک پر چل رہی ہے اور کوئی بگھی آجائے تو ان سب کو اسی پیادہ کی راہ میں ہٹنا ہوتا ہے ان کا استحقاق اسی میں سمجھا جاتا ہے اور معروف مثل مشروط ہے تو پیدل کے لئے کہنے کے یہ معنی ہیں کہ گھوڑا گاڑی کے سوا سب کے لئے ہے، آخر نہ دیکھا کہ جب آپ نے اس زمین کو سڑک سے کچھ مرتفع رکھنا چاہا یہ منظور نہ ہوا کہ اس میں گاڑیوں کی ممانعت تھی اور چھت آٹھ فٹ بلند ٹھہری کہ پیادہ کی حاجت سے بہت زائد ہے، لطف یہ کہ آپ اب بھی اسے زیر مسئلہ مذکورہ لانا چاہتے ہیں **فاعتبروا یاولی الابصار**۔

رابعًا: بفرض غلط اگر ممانعت ہوتی تو سواریوں کے لئے مگر گائے، بکری، بھیڑ کے گلے کوڑے اینٹوں کے گدھے نہ سوار ہیں نہ سواری، یہ قطعًا پیادہ ہی میں شامل رہتے۔

خامسًا: یہ بھی نہ سہی پیادہ گوروں اور جنٹلمینوں کے کتوں کا استثناء کیونکر ممکن تھا وہ تو ضرور پیادہ ہیں اور یہ ان کے دم کے ساتھ۔

سادسًا: جانے دو بھنگنیں کہ ٹوکرے لئے نکلتی ہیں وہ تو ہر طرح پیادہ آدمی ہیں ان کی ممانعت کس گھر سے آتی، تو آفتاب سے زیادہ روشن کہ یہ مسئلہ صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے جہاں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں اور جہاں ہر طرح ہم احترام مساجد قائم رکھنے پر قادر ہیں غیر اسلامی عملداری میں اس کا اجرا خود اصل مسئلہ کا ابطال اور مسجدوں کی صریح بیحرمتی وابتذال ہے۔

سابعًا: یہاں ایک نکتہ جلیلہ دقیقہ اور ہے جس پر مطلع نہیں ہوتے مگر اہل توفیق "**وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ**" [1] (اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ت) وہ یہ کہ مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے اور اس کا استحقاق اور۔ صورت مذکورہ علماء میں حکم جواز ہے نہ حکم استحقاق کہ مساجد تو جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزہ ہیں، **قال اللہ تعالٰی "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"** [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ت) تو حکم صرف سلطنت اسلامیہ میں چل سکتا ہے غیر اسلامی سلطنت میں جو ممر بنایا جائیگا ضرور اس میں کفار خصوصًا حکام کا مرور بطور دعوی واستحقاق ہوگا اور یہ قطعی ابطال مسجدیت وہتک حرمت اسلام وخلاف کلام ذی الجلال والاکرام ہے اگرچہ بفرض محال ہر طرح کا احترام قائم ہی رہے تو سلطنت غیر اسلامیہ کے لئے یہ مسئلہ قرار دینا صریح جہل وظلم عظیم ہے، انہیں سات وجوہ پر نظر فرمانے سے واضح ہوسکتا ہے کہ "مِن، الٰی، فی، علٰی،" کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں فقاہت چیزے دیگر ست۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عطافرمانے والا مالک عطانہ فرمائے)

ثامناً: [ف: ضرورت کی بحث] رہی ضرورت تنگی، اس کا حال ظاہر ہے کہ پیدل تو پیدل گاڑیوں کے لئے وسیع سڑک موجود ہے، علماء نے یہاں یہی ضرورت تحریر فرمائی ہے اور یہی حکم جواز فی نفسہ کا کفیل ہے، ضرورت اکراہ شرعی نہ یہاں متحقق نہ اس میں یہ صورت صادق، اس سے جواز شے فی نفسہ نہیں ہوتا رفع اثم ہوتا ہے، وہ بھی صرف مکرہ سے، وہ بھی صرف وقت اکراہ، وہ بھی صرف اتنی بات پر جس پر اکراہ ہوا، اگر بعض اوہام الٹے چلے تو ان شاء اللہ الکریم اس وقت ان مباحث جلیلہ کی تفصیل کردی جائے گی جس سے روشن ہوگا کہ یہاں ادعائے ضرورت اکراہ کیسا جہل شدید تھا، بالجملہ یہ تدبیر بھی محض باطل و ناصواب تھی اور اتنا خود عالم کو اسی تقریر میں اقرار ہے کہ نہایت تنزل اور بقول ضعیف اور مخلص کے طور پر صورت مجوزہ ہے بہر حال وہ بھی ممبروں نے منظور نہ کی اس وقت عالم نے یہ دوسری تجویز نکالی جس پر تصفیہ ہوا کہ چھتا مسجد اور زمین سڑک۔ تقریر مذکور میں ہے: اس گفتگو میں تمام وقت صرف ہوگیا مصالحت کی امید منقطع ہوگئی اسوقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں کہ ہم بنائیں۔ اس کے بعد ایک فقرہ دھوکا دینے والا ہے کہ اور زمین بھی دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں حسب قواعد میونسپلٹی جو تمام عمارات کے واسطے عام ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ زمین ہم کو واپس مل جائے ہم اس پر پہلی سی عمارت بنالیں، اس سے آسان تر کہ تدبیر اول میں تھا وہ تو ممبر نے مانا نہیں اس کے بعد اس کے کہنے کی کیا گنجائش ہوتی ہے اور کہا جاتا تو مانا کیوں جاتا اور یہ وہ کہا گیا جو مانا گیا کہ اس کی نسبت تقریر مذکور میں ہے: غرضیکہ تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ پھر باریابی گورنمنٹ اور ہار پہنانے کا ذکر کرکے کہا: اس کے بعد موافق تجویز دی روزہ تینوں مقاصد ہمارے حاصل ہوئے۔ یعنی جواب ایڈریس ان کے مطابق ملا تو زمین دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں، کے وہ معنی ہیں جو جواب ایڈریس میں ہے کہ متولیوں کو ایک چھتادار محراب بنالینی چاہئے اور ان عمارات کے نیچے بھی ایک گزرگاہ تعمیر کرلینی چاہئے جو میونسپل بورڈ کی مجوزہ تجاویز کے عین مطابق ہے۔ غرض تجویز پیش کردہ عالم کا یہ حاصل تھا کہ ہم کو ایک چھتا بنالینے دیا جائے جو مسجد ٹھہر کر ہمارے قبضہ میں رہے اور اس کے نیچے سڑک چلے اور یہ سعادت بھی ہمیں کو بخشی جائے کہ زمین مسجد پر یہ سڑک ہم ہی تعمیر کریں جو بعینہٖ تجویز چونگی ہے۔

[ف: تجویز دوم کی شناعتیں] اس تجویز کا حال مجوز کا قال بتارہا ہے، تدبیر اول کہ نامنظور رہوئی اسے نہایت تنزل بتایا تھا اور نہایت کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا تو یہ تجویز کہ اس سے بدرجہا گری ہوئی ہے کسی تنزل پر بھی دائرہ حکم شرعی میں نہیں آسکتی بلکہ حکم کی صریح تبدیل ناقابل تاویل ہے،

تدبیر اول کو بقول ضعیف کہا تھا تو اس کے لئے کوئی ضعیف روایت بھی نہیں محض باطل وایجاد بندہ ہے تدبیر اول کو مخلص کے طور پر کہا تھا تو یہ مخلص بھی نہیں بلکہ مجلس ہے یعنی مسجد کو ہتک حرمت کے لئے پھنسانا۔اور تقریر میں اقرار ہے کہ میں نے یہ صورت پیش کی۔ یہاں ہمارے استفسار دوم کا جواب کھلا،ایسی باطل وحرام وہتک اسلام صورت اگر ادھر سے پیش ہوتی اور عالم جبر واکراہ تام اسے تسلیم کرلیتا تو شرعًا سخت کبیرہ عظیمہ شدیدہ کا مرتکب تھا نہ کہ خود اپنی تجویز سے ایسی صورت نکالنا اور اسے پیش کرنا اس پر منظوری لینا اس کی شناعت کا کیا اندازہ ہو،**نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۳) پھر یہ نہیں کہ عالم نے اس وقت کم علمی یا نافہمی سے اس صورت کا باطل وخلاف شرع ہونا نہ سمجھا نادانی سے اس وقت مجوز ہو بیٹھا نہیں نہیں بلکہ اس وقت بھی حکم شرعی معلوم تھا تقریر مذکور میں اس تجویز کے پیش کرنے سے پہلے کا بیان ہے کہ مسجد کے دیکھنے اور وہاں کے احوال سننے سے تسلیم کرلینا پڑا کہ جزو متنازعہ جزو مسجد ہے اس کے بعد مجھے مخلص نکالنا بہت دشوار ہو گیا میں ہرگز کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کو کسی جزو مسجد کو کسی دوسرے مصرف میں لانا جائز ہے تو دیدہ ودانستہ ارتکاب ہوا۔

(۲۴) پھر یہی نہیں کہ اسے صرف ابتدائی درجہ کا حرام جانا ہو بلکہ وہیں تصریح ہے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس جزو کو اصل مسئلہ سے زیادہ اس کے طرز انہدام نے اہم کردیا اور یہ واقعہ ہائلہ ۳/اگست نے تو احترام اسلام کا سوال پیدا کردیا اور شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہا۔ یارب یہاں تک جان کر پھر ہتک اسلام کی آپ تجویز پیش کرنے کو کیا سمجھا چاہئے **فانا للہ وانا الیہ راجعون** اس قول عالم کے معنی یہ ہیں کہ ہتک حرمت مسجد ضرور ہتک شعار اسلام ہے خصوصًا بحکومت کہ اس کا ہتک حرمت اسلام ہونا خود ہی واضح تر ہے جسے واقعہ ۳ اگست نے سب پر ظاہر کردیا۔اس عبارت عالم کا یہ مطلب ہے ورنہ اگر عالم کے نزدیک اصل معاملہ میں ہتک حرمت اسلام نہ تھی تو واقعہ ۳/اگست کہ محض بربنائے قانون شکنی تھا اسے ہتک حرمت اسلام نہ کردیتا۔خانہ جنگی وغیرہ میں کتنے مسلمان ماخوذ وسزایاب ہوتے ہیں اسے کوئی ہتک حرمت اسلام نہیں سمجھتا کہ اصل معاملہ حرمت اسلام کا نہ تھا۔عالم کا یہ قول یادرکھنا چاہئے کہ خود اس کے منہ اس کی کارروائی کا حاصل کھلتا ہے**نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۵) پھر یہ نہیں کہ عالم اس وقت حالت اکراہ میں ہو کہ "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[1] (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ت) سے فائدہ لے سکے وہ ابھی ابھی تدبیر اول پیش کرکے زیادہ کے لئے صاف جواب دے چکا تھا تقریر مذکور میں ہے: میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ احکام مذہبی میں کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

کچھ دخل نہیں دے سکتا حقیقۃً جس طرح وہ حصہ لیا گیا ہے اسی طرح واپس کیا جائے نہایت تنزل صورت مجوزہ ہے اگر اس پر بھی رضامندی نہیں ہوتی پھر حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا ہوں۔ عالم کی اس تقریر کو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفسار ہفتم میں یوں بیان کیا: گفتگو کے اثناء میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ کرنا چاہئے۔ یہ تمام کلمات حق تھے انہیں کہہ کر پھر حق سے ایسے شدید ناحق کی طرف عدول کیوں ہوا ممبر اگر نہ مانتے اتنے ہی پر ختم کرنا فرض تھا، نہ عالم پر الزام رہتا نہ معاملہ میں یہ سخت پیچ پڑتا، مگر مشیت آڑے آئی اور عالم سے جو نہ ہونا تھا ہوا، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

(۲۶) پھر اس سے بھی اشد ظلم یہ کہ اس حرام شرع کو حسب دلخواہ اور نہایت مسرت خیز وموجب اطمینان ودلجمعی مسلمانان اور مسئلہ شرعیہ کی صورت سے بھی بہتر اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہا گیا اور خود شعار اسلام کا ہتک بتا کر بقائے احترام اسلام کہا یہ باتیں بہت سخت تر ہیں **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۷) پھر اس کا یہ شدید ضرر قاصر نہ رہا بلکہ عام عوام مسلمین تک متعدی ہوا انہوں نے اس عالم ہی کے بھروسے حرام کو حلال، ماتم کو مسرت، ہتک حرمت اسلام کو اسلام کا احترام سمجھا۔

(۲۸) ان وجوہ نے معاملہ کی گتھی بہت کری کردی اور اس نرے زبانی بیان کو کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع کو شاں رہیں گے، کہ محض برائے گفتن تھا حرف غلط کردیا مریض جب مرض کو شفا سمجھے پھر ہوس علاج جنون ہے۔

(۲۹) پھر اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے نظیر ہوگیا اسلامی عالم جسے قومی لیڈر اور گویا تمام مسلمانان ہند کا وکیل سمجھا گیا اس کی ایجاد کی ہوئی تجویز اس کی پیش کی ہوئی تجویز، پھر گورنر جنرل کی منظور، پھر تمام اسلامی حلقوں میں اس پر اظہار مسرت وخوشی، پھر عالم کا اسے اسلامی تاریخ میں زریں دن اور بقائے احترام اسلام اور موجب دلجمعی واطمینان ونہایت مسرت خیز کہنا اسے پتھر کی لکیر کرگیا، مسجدوں کا سڑکوں، ریلوں، نہروں سے تصادم نہ کوئی نئی بات نہ کبھی منتہی جیسا کہ خود جواب ایڈریس میں مذکور ہے مگر اس پر کتنے اطمینان بخش وہ الفاظ گورنمنٹ تھے کہ گورنمنٹ ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ کو اس طور پر حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ عالم اور عوام کی ان کارروائیوں نے انہیں کتنے ہی برے معنی کی طرف پھیر دیا، انہوں نے چیخ وپکار اور جلسوں روشنیوں کی بھرمار سے بتادیا کہ یہ صورت

ہمارے لئے نہایت قابل اطمینان ہے جب تصادم ہو مسجدیں توڑ کر ہوا پر کر دو اور نیچے سڑکیں ریلیں نہریں دوڑادو، بس مسئلہ اس طور پر حل ہو جائے گا جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہے، کیا عالم اور عوام کو کوئی منہ رہا ہے کہ اس وقت کچھ شکایت کریں یا چارہ جوئی کا نام لیں، کیا ان سے نہ کہا جائے گا کہ عقل کے ناخن لو یہ وہی تو نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان واحترام اسلام اور اسلامی تاریخ کا زریں دن ہے جسے تم آپ پیش کرکے منظور کراچکے ہو۔

(۳۰) پھر نری نظیر ہی نہیں بلکہ جو قانون معابد بنتا بتایا جاتا ہے اس کے لئے کافی مادہ ہے احترام مساجد کو یہی دفعہ بس ہو گی کہ ان کا زمین پر رکھنا کچھ ادب نہیں بلکہ چھتوں پر اٹھا کر سروں سے اونچی کر دی جائیں اور اصل مسجد یعنی زمین پر جو چاہیں بنائیں عالم وعوام اس اپنی ہی پیش کردہ پسندیدہ دفعہ کا دفع کہاں سے لائیں گے،افسوس کہ یہ شدید ہتک اسلام خود فرزندان اسلام کے ہاتھوں ہو **انا للہ وانا الیہ رٰجعون**، یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ جو بہلاوے دئے جاتے ہیں کہ ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے حسب تصریح ممبر اس متنازع فیہ حصے کا بھی مسلمانوں کو موافق ہونا متوقع ہے،اور فیصلہ پر ایک نظر میں یہ تاکیدی حکم سنا جانا بتایا کہ اس کی تعمیر میں احکام اسلامیہ کے احترام کو ہر طرح مد نظر رکھنا چاہئے۔سب روغن قاز کی بھی وقعت نہیں رکھتے،مانا کہ قانون ضرور بنے،مانا کہ تاکیدی حکم بیشک ہوا مگر احترام کے معنی تو آپ نے بتادئے کہ ہم اسے احترام اسلام کہتے ہیں جسے خود اپنے منہ سے ہتک حرمت اسلام کہہ چکے ہیں، بس اسی پر قانون بنوالیجئے اور اسی کی نسبت تاکیدی حکم تصور کیجئے ع

خویشتن کردہ راعلاج مخواہ
(اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں)

یارب ! معنی خود الٹے ٹھہرانا اور خالی لفظ پر عوام کو بہلانا کس لئے۔

(۳۱) [عذر بدتراز گناہ کے رد] طرفہ تر عذر بدتراز گناہ سنئے، تقریر مذکور میں ہے: میں نے اسلئے اس کو اپنی صورت مجوزہ (یعنی تدبیر اول نامنظور) سے بھی بہتر خیال کیا کہ قواعد میونسپلٹی سے ممکن ہے کہ ہم کو بہتر موقع اس کے حاصل کرلینے کا ہو۔ایسے حرام وہتک اسلام کو اپنے منہ پیش کرکے منظور کرانا اور اس امید موہوم کو کہ ممکن ہے میونسپلٹی ہمیں واپس دے اس کے ارتکاب کی نہ صرف تجویز بلکہ تحسین کا موجب ٹھہرانا عجیب فہم بلکہ تازہ شرعیت ہے۔کیا جیسا کہ کہا جاتا اور مراسلات کا مرید وغیرہ میں بیان ہوا ہے، یہ میونسپلٹی وہ نہیں جس نے کثرت رائے کا بھی خیال نہ کیا اور مسجد کے خلاف ہی فیصلہ دیا۔

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[1]۔	مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا (ت)

خاص گورنمنٹ، کون گورنمنٹ، وہ وہ جس نے کہا میں تمہارے لئے پیام امن لایا ہوں وہ وہ جس نے کہا مذہبی باتوں کے متعلق وہی پالیسی ہے اس میں کوئی تغیر نہیں، وہ وہ جس نے کہا حقوق مساجد کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائیگا اور سب مسلمانوں کے اطمینان کے قابل فیصلہ کیا جائے گا اسے چھوڑ کر میونسپلٹی کی رحمت پر بھروسا کرنا وہاں اپنے منہ حرمت اسلامیہ کو پامالی کے لئے خود پیش کرنا اور اس کے ازالہ کی امید چونگی سے رکھنا کس درجہ بد قسمتی ہے۔

(۳۲) میونسپلٹی اگر موافق بھی ہوتی تو فیصلہ خاص گورنمنٹ کے بعد اس سے نقض کی امید کتنی غلط امید ہے۔

(۳۳) بفرض غلط اگر میونسپلٹی آپ کو لکھ بھی دے کہ ہاں یہ زمین خاص مسجد کی ہے چونگی کا اس پر کچھ دعوی نہیں تو کیا وہ اس حکم حتمی گورنمنٹ کو بھی منسوخ کردے گی کہ یہ ضرور ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں اور جب یہ برقرار رہا تو وہ کیا ہے جسے آپ میونسپلٹی سے خاص کرلیں گے جس کے سبب اس اپنے اقرار اشد حرام وہتک اسلام کو زائل کرلیں گے۔

(۳۴) بفرض باطل یہ بھی ممکن سہی تو ایک امید موہوم کے لئے، جس کا نہ وقوع معلوم نہ سال دس سال مدت معلوم، اس وقت ایسا حرام وہتک اسلام کو ہتک کے لئے خود پیش کرنا کس شریعت نے جائز کیا ہے۔

(۳۵) موہوم ہونے کی یہ حالت ہے کہ خود بھی اس کے حصول پر اطمینان نہیں تقریر میں عبارت مذکورہ کے متصل ہے اگر نہ ملا تو ہم مجبور ہیں ویسا ہی تصور کرینگے جیسا کہ اس وقت دہلی کی جامع مسجد میں انگریزوں کو جوتا پہنے آنے سے روک نہیں سکتے مجبور کس نے کیا، آپ تجویز نکالو، آپ پیش کرو، آپ منظور کراؤ، آپ خوشیاں مناؤ، اور پھر مجبور کے مجبور۔ انگریزوں کا جوتا پہنے پھرنا اگر وہاں کے مسلمانوں کی خوشی سے ہے تو ان پر بھی الزام ہے اگرچہ آپ پر اشد ہے کہ کہاں نادرًا گاہے ماہے کسی انگریز کا آنا اور کہاں یہ شبانہ روز کی پامالی، گوبر لید متالی، اور اگر مسلمانوں نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ آپ کی تو خود کردہ ہے اس کا اس پر قیاس کیسا!

(۳۶) سب جانے دیجئے امید و موہوم و مظنون سب سے گزر کر بفرض محال میونسپلٹی سے اس کا استحصال

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب لایلدغ المؤمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۵، سنن الدارمی باب لایلدغ المومن من جحر مرتین نشر السنة ملتان ۲/ ۲۲۷

اور مرور واستعمال کا بالکلیہ زوال سب قطعی و یقینی ٹھہرا لیجئے پھر الزام کیا دفع ہوا، کیا کوئی گناہ حلال ہوسکتا ہے جبکہ ایک زمانہ کے بعد اس کا زوال یقینی ہو، یوں تو شراب وزنا بھی حلال ہوجائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے نہ وہ مستقر نہ یہ مستمر، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ یہ ہے وہ تقریر "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جس پر عوام کو وہ کچھ وثوق وہ کچھ ناز ہے **واستغفر اللہ العظیم**۔

الحمدللہ دو استفسار پیشین کے جواب میں یہی چھتیس نظریں کافی ووافی ہیں جن میں اس فیصلہ پر ایک نظر پر بھی پندرہ نظریں ہوگئیں، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسئلہ وفیصلہ کے پہلوؤں پر کافی روشنی پڑ گئی جس کے بعد عاقل کو امتیاز حق وباطل کے لئے ان **شاء اللہ العظیم** زیادہ کی حاجت نہ رہی جواب باقی استفسارات کا حال بھی یہیں سے کھل گیا لہٰذا ان پر بالاجمال دو چار لفظ لکھ کر کلام تمام کریں **وباللہ التوفیق**۔

متعلق جواب استفسار سوم

اس کے فقرے فقرے کا رد اوپر گزر چکا، گورنمنٹ نے خود خواہش تصفیہ کی، بہت اچھا کیا، مگر تصفیہ میں یہ تجویز جو خود عالم کے اقرار سے حرام اور بلاشبہہ ہتک حرمت اسلام ہے، عالم نے آپ ہی پیش کی بہت برا کیا، پھر اسے نہایت مسرت خیز وزریں روز وغیرہ وغیرہ کہا اور سخت برا کیا۔

(۳۷) [اس تجویز نے کیا دیا اور کیا لیا اس کا موازنہ] نہ کہ قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا، جواب ایڈریس میں کسی مقابلہ کا اشارہ تک نہیں، لکھنو کے ایک انگریزی اخبار میں ہے کہ بلا شرط چھوڑا گیا، ممکن ہے کہ باہم خفیہ گفتگو میں ذکر شرط آیا ہو، اب سوال یہ ہے وہ شرط کیا تھی اور جزا کے ساتھ ہم قیمت تھی یا بہت گراں، ہمارے سائل فاضل کا بیان ہے کہ بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں، یعنی زمین مسجد سے دست بردار ہوجائیں (دیکھو ہمارے بیانات میں نمبر ۱۷تا۲۰) اور مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں یعنی جس سے وہ مسجد کے لئے محفوظ رہے اور سڑک کے کام میں نہ آسکے ورنہ عمارت کی کسی ہیأت معینہ سے بحث کے کوئی معنی نہیں تو حاصل شرط مسجد کی مسجدیت کا ابطال اور اس کی زمین کا سڑک میں استعمال اور اس کی حرمت کا اسقاط وابتذال تھا، اسی کی پابندی سے عالم نے یہ اخیر ناشدنی تجویز نکالی جو منظور ہو کر نظیر ہوگئی اور جس نے ہمیشہ کے لئے تمام مساجد ہند کی حرمت بیچ ڈالی۔ اب اس کا اور جزا یعنی رہائی ملزمان کا موازنہ کر لیجئے خاص اشخاص کی قید ضرر خاص تھا اور وہ بھی جسمانی اور وہ بھی منقطع اور مساجد کی بیحرمتی وابطال مسجدیت اور اس کے خود پیش کرنے پھر منظور کرانے، پھر اس پر اظہار رضا ومسرت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نظیر بننا کتنا سخت ضرر عام تھا اور وہ بھی دینی اور وہ بھی مستمر، اسی کو عالم نے خود کہا تھا

کہ شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو شبہہ نہ رہا، ایک مسجد کا ضرر ضرر عام ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، نہ کسی خاص کی، اور ضرر عام ضرر خاص سے اقوی، اسی پر مبنی ہے فتح القدیر و بحر الرائق و درر و غرر و تنویر الابصار و در مختار وغیرہا معتمدات اسفار کا مسئلہ کہ **مسجد ضاق وبجنبه ارض لرجل** [1] **الخ** (جب مسجد تنگ ہو جائے اور اس کے پہلو میں ایک شخص کی زمین ہو۔ت) جب صرف نمازیوں پر جگہ کی تنگی ایسا ضرر مہم سمجھی گئی تو مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعار اسلام کا وہ ہتک وابتذال اور پھر نہ ایک مسجد کے بلکہ قاعدہ مستمرہ مساجد کیلئے کس درجہ اشد واشنع ضرر عام مسلمین وضرر نفس اسلام ودین ہے عقل ونقل وعرف وشرع کا قاعدہ تو وہ تھا کہ ضرر عام سے بچنے کو ضرر خاص کا تحمل کرتے ہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام [2]۔	عام ضرر سے بچنے کے لئے خاص ضرر کو اپنایا جاسکتا ہے۔ت)

یہاں چند روزہ خفیف ضرر خاص چند اشخاص سے بچنے کو اتنا عظیم ضرر عام واضرار اسلام مستمر ومدام گوارا کیا، اب سوا اس کے کیا کہئے کہ "**یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۲۶﴾**" [3] (کسی طرح میری قوم جانتی۔ت)

(۳۸) عموم وخصوص ضرر سے قطع نظر آخر اتنا تو عالم کو بھی اقرار ہے کہ اس میں ہتک حرمت اسلام ہے پھر کون سی شریعت ہے کہ بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کے لئے مسجدیں بھینٹ چڑھانا اور ان کی حرمتیں پامال کرانا اور اس پامالی کو نظیر مستمر بنانا حلال ہے، زید کا باپ بیمار تھا اور بھائی کو زکام، ایک بڑا ڈاکٹر جس کے ہاتھ میں اللہ عزوجل نے ان بیماریوں کا یقینی علاج رکھا تھا دور سے اسے سن کر آیا، اور آیا بھی کیسا، یہ کہتا آیا میں تمہارے لئے پیام شفا لایا ہوں اور خاص تصریحًا برادر وپدر دونوں کا نام لے کر کہا کہ اسے بھی دوا دوں گا اور اس کا بھی خاص توجہ سے پورا اطمینان بخش معالجہ کروں گا، بااینہمہ زید نے اپنے وہم خواہ کسی کمپوڈر کے کہنے سے یہ خیال دل میں پکا لیا کہ باپ جب تک زندہ ہے بھائی کو دوا نہ دی جائیگی، لہذا بھائی کا زکام جانے کے لئے باپ کو قتل کر دیا، ایسی صورت کو کیا کہیں گے، یا نہ سہی یہی فرض کرلیجئے کہ ڈاکٹر نے وہ کچھ کہہ کر خود بھائی کے علاج کو باپ کی موت پر مشروط کر دیا، کیا اس صورت میں بھائی کا

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۵، بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵، الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعۃ احمد کامل ۲/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول تنبیہ یحتمل ضرر الخاص لاجل دفع ضرر العام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۱

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۲۶

زکام کھونے کو باپ کا قتل روا ہے۔

(۳۹) استفسار یہ نہ تھا کہ ملزم شرط پر چھوٹے یا بلا شرط، جس کا یہ جواب دیا گیا، بلکہ سوال یہ تھا کہ ان کی آزادی کے بعد اور کیا منازعت رہ گئی تھی جسے عالم نے قطع کیا اور کیونکر قطع کی، یہاں بھی بعض اصحاب نے استفسارات کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان کی حکمت سمجھ میں نہ آئی کس کس غرض سے یہ امور دریافت کئے ہیں ہمارے استفسار دوم کی حکمت اوپر معلوم ہوچکی، اس سوم کا فائدہ یہ تھا کہ یہاں دو ہی نزاعیں تھیں، گورنمنٹ کا ملزموں پر دعوی، مسلمانوں کو زمین پر دعوی۔ گورنمنٹ نے عالم سے مصالحت کی، مصالحت یک طرفہ تو تھی نہیں اور رہائی ملزمان کوئی فعل مشترک نہ تھا کہ فریقین نے کیا، اور طرفین سے قطع نزاع متحقق ہوا، وہ تو تنہا فعل گورنمنٹ تھا کہ خود ہی وہ اسے بجالائی اور اپنی طرف سے قطع نزاع کی، اس کے بعد دوسری نزاع کیا تھی کہ ادھر سے قطع کی گئی، لاجرم اس کا جواب یہی تھا کہ گورنمنٹ نے قیدی چھوڑے مسلمانوں نے مسجد چھوڑی، ولہٰذا سائل فاضل نے استفسار دوم کی طرح سوم کے جواب سے بھی پہلو تہی کی اور وہ زائد بات لکھ کر اس گول مبہم پر قناعت فرمائی کہ گورنمنٹ اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی و منازعت تھی جس کو عالم نے قطع کردیا۔ سوال تھا منازعت کیا تھی کیونکر قطع کی؟ جواب ہوا کہ تھی اور قطع کی غرض یہاں کے بعض اصحاب فائدہ استفسارات نہ سمجھیں مگر سائل فاضل نے خوب سمجھا اور اپنی احتیاط کا حق ادا کیا۔

متعلق جواب استفسار چہارم

قبضہ کی کافی بحث اوپر گزری کہ زمین پر قبضہ دینا نہ ٹھہرا بلکہ ہوا پر۔

(۴۰) [زعم حصول قبضہ کارد] رہا ممبروں کا کہنا ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً وعرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں، شرعاً راستہ پر چھجا نکالنے چھتا پاٹنے کا ہر شخص کو اختیار ہے اگر کوچہ غیر نافذہ ہو تو سب اہل کوچہ کی اجازت سے، اور شارع عام ہو تو سلطان کی اجازت سے بلکہ بلااجازت سلطان بھی نکالنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ مزاحمت کے بعد تار دینا واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد احداث الظلة فی سکة غیر نافذة یعتبر فیه الاذن من اهل السکة وهل یباح احداث الظلة علی طریق العامة ذکر الطحاوی انه یباح ولایاثم قبل ان یخاصمه	اگر کوئی بند گلی میں چھتہ بنانا چاہے تو گلی والوں کی اجازت معتبر ہوگی، اور کیا شارع عام پر کوئی چھتہ بنا سکتا ہے، تو امام طحاوی نے مباح کہا ہے اور اس وقت تک گنہگار نہ ہوگا جب تک کوئی مخاصمت نہ کرے اور مخاصمت کے

احد وبعد المخاصمة لایباح الاحداث والانتفاع ویأثم بترك الظلة كذا فی الفصول العمادیة، ولیس لاحد من اھل الدرب الذی ھو غیر نافذ ان یشرع كنیفا ولامیزابا باذن جمیع اھل الدرب اضر ذلك بھم اولم یضر ھكذا فی الخلاصة[1]۔	بعد نہ بنانا مباح ہوگا اور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگا اور اس کو باقی رکھنے سے گنہگار ہوگا، جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے، اور کسی کو تنگ بند گلی میں کوڑا ڈالنا اور پر نالہ لگانا گلی والوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں خواہ گلی والوں کو ضرر ہو یا نہ ہو، خلاصہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور غالبًا انگریزی قانون میں بھی چونگی اجازت سے ایسا ہو سکتا ہے اسے کوئی عاقل راہ یا سڑک کی زمین پر قبضہ نہ کہے گا اور دور کیوں جائیے لکھنو میں بام نشینان بازار کی کثرت سنی جاتی ہے شرعًا عرفًا قانونًا کسی طرح وہ دکانوں پر قابض نہیں۔

(۴۱) جواب ایڈریس کا وہ جملہ کہ میں اس کو کچھ وقیع والم نہیں خیال کرتا کہ زمین کس کے قبضہ میں رہے گی، اس کے سمجھنے میں بہت غلطی کی گئی بحث قبضہ وقیع نہیں یعنی فضول ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبضہ کسی خاص کا ہو، اس سے ہمیں غرض نہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم کسی خاص قبضہ کو ہرگز روانہ رکھیں گے، لہذا اس کی بحث فضول ہے، وہ بات کہ اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں معنی اول بتاتی ہے حالانکہ مراد قطعًا معنی ثانی میں ہے کہ اس کے متصل ہی، جواب ایڈریس میں ہے مگر یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں یعنی قبضہ عام ہونا ضروری ہے خصوصیت کی بحث لایعنی ہے، تو ذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ یا کھلی غلطی ہے۔ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے یعنی اور میں نے مان لیا کہ سالبہ مرادف موجبہ ہے ایسا قبضہ عالم صاحب یا کوئی مسلمان ممبر صاحب اپنے گھر کے لئے بھی گوارا کریں گے یا یہ خاص اللہ عزجلالہ کے گھر کے لئے ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔ جی نہیں بلکہ خود اپنی زبان سے قبضہ کا قضیہ طے کردیا کہ چھت ہماری اور مسجد کی زمین پر سڑک جاری، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الجنایات الباب الحادی عشر فی جنایۃ الحائط نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰

متعلق جواب استفسار پنجم

(۴۲) [مصالحت اس پر کی کہ مسجد مسجد کیا بلکہ وقف بھی نہ ٹھہرے] عالم کی پیش کردہ دوسری تجویز جس پر فیصلہ ہوا تقریر مذکور عالم میں صرف ان لفظوں سے ہے: اس وقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں الخ، اس میں کہیں کسی کی ملک نہ ہونے کا تذکرہ نہیں مگر سائل نے اسے ان لفظوں سے بیان کیا تھا کہ بعد رد وقدح عالم کی رائے سے طے پایا ہے کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی ثابت نہ کی جائے کیوں کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلایا جائے، اس پر یہ استفسار پنجم تھا کہ یہ کسی کی ملک ثابت نہ ہونے کی قرار داد صرف عالم کے متخیلہ میں رہا یا باتفاق فریقین طے ہوا اس کا یہ جواب ہے کہ زمین کی ملکیت گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی ممبر سے عالم نے صاف کہہ دیا اور کہلوالیا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی اور اسی واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں۔ اس جواب میں بہت خلط مبحث ہے۔ ملک کا اطلاق دو۲ معنی پر آتا ہے اول اختصاص مانع کہ ابتداءً اس کے لئے قدرت تصرف شرعی ثابت کرے اور اس کے غیر کو بے اس کی اجازت کے تصرف سے مانع ہو جیسے زید کا مکان زید کی ملک ہے، فتح القدیر میں ہے:

الملك هو قدرة يثبتها الشارع ابتداء على التصرف فخرج نحو الوكيل[1]۔	ملکیت وہ قدرت ہے جسے شارع نے تصرف کے لئے ابتداءً ثابت کیا ہو تو وکیل جیسے تصرف خارج ہوگئے (ت)

اشباہ میں ہے:

وعرفه في الحاوي القدسي بانه الاختصاص الحاجز[2]۔	اور حاوی قدسی نے اس کی تعریف یوں کی ہے وہ اختصاص جو دوسرے کی مداخلت سے مانع ہو۔ (ت)

بایںمعنی تمام اوقاف علی الصحیح المفتی بہ اور خصوصاً مساجد باجماع امت اللہ عزوجل کے سوا کسی کی ملک نہیں، **قال الله تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"**[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ ت) دوم۲ بمعنی قدرت تصرف شرعی، عنایہ میں ہے: **الملك هو القدرة على**

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

التصرف فی المحل شرعاً[1] (ملکیت، یہ محل تصرف شرعی کی قدرت ہے۔ت) بایں معنی متولی کو مالک او قاف کہہ سکتے ہیں۔ خزانۃ المفتین وفتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[2]۔	اگر پہلے محدود رقبہ کا دعوی اپنے لئے کیا پھر وقف ہونے کا دعوی کیا تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر وقف کا دعوی تولیت کی بناء پر کیا تو پھر اس کے دونوں دعووں میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کیونکہ عادتًا وقف متولی کی طرف تصرف اور منازعت میں منسوب ہوتا ہے (ت)

یہ دونوں معنی خود اسی جواب استفسار میں موجود، اول کہا: ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی۔ اس کے متصل ہی اپنے مشیر قانونی کا قول نقل کیا کہ ہماری ملک غصب سے نہیں چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہر گز کسی وقت اس حصہ مسجد میں اپنی ملک بمعنی اول کی مدعی نہ ہوئی اس پر یہ کبھی نہ کہا گیا کہ یہ گورنمنٹی زمین ہے تم نے اسے مسجد کرلیا تھا اب گورنمنٹ اسے واپس لیتی ہے بلکہ دعوی اگر تھا تو اختیار تصرف کا اس کی نفی امر طے شدہ میں نہ ہر گز عالم نے کی نہ ممبر سے کہلوائی نہ صاف ناصاف بلکہ صاف صاف اس کے اثبات پر فیصلہ ہوا کہ یہ امر ضروری ہے کہ عام پبلک الخ۔

(۴۳) ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کا پتا شرع مطہر میں بھی ہے۔ واقعات حسامیہ وخزانۃ المفتین وفتاوی ہندیہ میں ہے:

لایمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح[3]۔	مسجد کو ہبہ کرنے سے تملیک کی تصحیح ممکن نہیں جبکہ اس طریقہ سے مسجد کے لئے ملکیت کا اثبات صحیح ہے (ت)

تو یہ طے کرنا ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے یہ طے کرنا ہے اسے مسجد کی شے نہ مانا جائے

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

[2] فتاوی ہندیة کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

[3] فتاوی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

اور اب یہ کہنا ضرور صحیح ہے کہ چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

متعلق جواب استفسار ششم

(۴۴) یہاں "سردست" کے معنی جس حکمت کے لئے دریافت کئے تھے وہ کارگر ہوئی بتانا پڑا کہ سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شرکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے، یعنی اس وقت ہماری یا مسجد کی ملک ثابت ہوجائے گی فی الحال کسی کی نہ رکھو تو صاف کھل گیا کہ ملک سے وہی معنی مراد لئے جو اصطلاح قانون ہے یا معنی دوم بہر حال مطلب یہ ہوا کہ فی الحال زمین مسجد کو وقف نہ ٹھہرایا جائے آئندہ ہم کوشش کرینگے کہ وقف قرار پائے ایک اسلامی عالم کہ الٰہی گھر کی حمایت کو چلا ہو اس کے لئے اس سے زیادہ شنیع بات اور کیا ہوگی کہ اپنے منہ سے مسجد درکنار سرے سے فی الحال اسے وقف ہی نہ ٹھہرانے کی تجویز پیش کرے۔ رہی آئندہ کی کوشش اس کا مفصل حال اوپر گزرا کہ یہ محض نہاں خانہ خیال میں رہا یا کہا اور منظور نہ ہوا اس کا قرارداد ہرگز نہ ہوا اور جو کچھ برائے گفتن تھا تصفیہ ہوتے ہی اسے خود ہی منسوخ و ممسوح کردیا اور اس کا خیال تک مسلمانوں کے دلوں سے چھیل ڈالنے کا پورا ذمہ لیا**فاعتبروا یااولی الابصار** ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا۔ جی مسئلہ تو ابھی طے ہو گیا اور وہی قانون کے لئے مادہ ہوگیا دیکھو نمبر ۲۶ تا ۳۰ ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتے یعنی مسجد کو مسجد بالائے طاق وقف بھی نہیں مان سکتے۔ یہ ہے جو عالم نے طے کیا ہے۔ **فانا للہ وانا الیہ راجعون**۔

متعلق جواب استفسار ہفتم

(۴۵) [یہ مصالحت ایک شخصی کارروائی ہے اور اس کے روشن ثبوت] یہاں تک بعض استفساروں کے منشا کو سائل فاضل نے سمجھ لیا اور جواب سے اعراض یا ابہام کی طرف عدول کیا جیسے استفسار دوم وسوم اور باقی میں جواب صحیح کی راہ ہی نہ تھی ان میں طریق اعتذار لیا اور بن نہ پڑا۔ اس ہفتم میں بظاہر منشاء سوال خیال میں نہ آیا، منشا یہ تھا کہ عالم نے جس بات پر فیصلہ کیا قطعًا اسی کے اقرار سے خلاف احکام وہتک حرمت اسلام ہے۔ اب الزام کے لئے تین صورتیں ہیں: ایک معافی وہ صورت جبر واکراہ شرعی ہے، یہ استفسار کی شق اول تھی کہ عالم کو گورنمنٹ نے حکمًا مجبور کیا۔ دوم اشترک کہ الزام تام ہے مگر نہ صرف عالم بلکہ عام مسلمانان ذی تعلق پر جبکہ انہوں نے اس کارروائی کے لئے عالم کو وکیل بنا کر بھیجا ہو یہ دوسری شق تھی کہ یا

مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا اور اس میں عالم کا نفع یہ تھا کہ اگرچہ کبیرہ شدیدہ واقع ہوا مگر اوروں کو عالم پر سخت شنیع ملامتیں کرنے کا (جن کی شکایت اس سوال کے ساتھ خط میں آئی) موقع نہ ہوگا کہ وہ خود بھی اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ سوم عالم و من معہ کا انفراد اور اضرار اسلام میں استبداد، یہ تیسری شق تھی کہ یا وہ بطور خود گیا، اس کے جواب میں دو شق اخیر کی صراحةً اور اول کی ضمناً نفی کی کہ عالم کو عام مسلمانوں نے طلب نہ کیا نہ وہ از خود گیا بلکہ مقدمہ کانپور کے کارکنوں نے باصرار بلایا، یہاں سے ظاہر کہ وہ کارکن عام مسلمانوں کے صحیح نائب مناب نہ تھے ورنہ ان کا بلانا عام مسلمانوں کا طلب کرنا کیوں نہ ہوتا اور جب ایسے نہ تھے اور معاملہ عام مسلمانوں کا تھا نہ کہ تنہا ان خاص کا، تو خاص کے بلائے پر جانا عام کا قائم مقام کیونکر کردے گا، تو مآل وہی ہوا کہ خود گیا۔

(۴۶) بالفرض وہ کارکن عام مسلمین کے صحیح قائم مقام تھے یا خود عام مسلمانوں نے عالم کو بھیجا تو کیا انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اصل معاملہ پر پانی پھیر دینا فیصلہ پر ایک نظر میں مسلمانوں سے گفتگو اور عالموں سے مشورہ تک تو صرف تدبیر اول تھی بھیجنے والوں نے اسی کے لئے بھیجا تھا جب ممبر نے اسے نامنظور کیا عالم کی وکالت ختم ہوچکی، اسے اپنی رائے سے ایسی تدبیر حرام وخلاف احکام وہتک اسلام نکالنے اور اسے مسلمانوں کے سر ڈالنے کا کیا اختیار تھا، لاجرم اشتراک ہرگز نہیں بلکہ اضرار اسلام میں استبداد ہے پھر ملامت مسلمانان کی شکایت کیوں ؎

تنکی المحب وتشکو وھی ظالمۃ　　　کالقوس تصمی الرمایا وھی مرنان

(محب کو ہلاک کرتی ہے اور شکایت کرتی ہے حالانکہ خود ظالم ہے کمان کی طرح کہ تیر ہلاک کریں اور یہ جنبش دے)

(۴۷) عالم نے خود ممبر سے یہ کہہ کر کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں الخ اور تقریر عالم میں ہے احکام مذہبی میں کچھ نہیں دخل دے سکتا اگر رضامندی نہیں ہوتی حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، اپنی وکالت کو ختم کردیا تھا، پھر خودرائی کا اسے کیا اختیار تھا اس کا عذر یہ بتایا ہے کہ مگر ممبر متعینہ نے کہا ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس جمع نہ کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو۔ **الحمدللہ** ظاہر ہوگیا کہ اب یہاں سے عام مسلمانوں کا وکیل نہ تھا بلکہ فریق ثانی کا جس نے اس پر اعتماد کیا، تو اس کی یہ کارروائی ہرگز مسلمانوں کی نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک وکیل گورنمنٹ بلکہ ایک وکیل ممبر کی کارروائی ہے جس کا اثر صرف ممبر کی ذات تک محدود ہے۔

(۴۸) علماء سے مشورہ نہ لینے کو ممبر کے سر رکھا جاتا ہے مگر فیصلہ پر ایک نظر کی تقریر تو صاف کہہ رہی ہے کہ عالم خود ہی اس سے باز رہا اور بالقصد اس سے انحراف اور اپنی رائے پر توکل کیا تقریر مذکور میں ہے

میں نے چاہاکہ عام طور پر علما سے مشورہ لوں مگر مجھے اخفائے راز کی ذمہ داری اس سے مانع ہوئی اپناذاتی خانگی معاملہ ہوتا تو ایک بات تھی عام مسلمانوں کا معاملہ اور انہیں سے اخفاء گورنمنٹ کا اگر کوئی راز تھا تو کیا ضرور تھا کہ گورنمنٹ کا نام لیا جاتا اس کا کوئی خفیہ ارادہ ظاہر کیا جاتا در بارہ مسئلہ علماء سے استشارہ کہ فلاں صورت کا کیا حکم ہے کون سا افشائے راز تھا شرعی مسئلہ اور خاص حرمت اسلام سے متعلق اور عام مسلمانوں سے اس کا تعلق اور راز کی کوٹھری میں بند۔ بحمداللہ یہ توصاف ہوگیا کہ ایک شخص کی شخصی کارروائی ہے جس میں نہ عام مسلمان شریک نہ علماء کو خبر، ایسی کارروائی جس قابل ہے ظاہر ہے۔

(۴۹) آگے ممبر کا قول لکھا ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹے کی مہلت ہے یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ جلدی کی اور مہلت نہ دی اور گھبرالیا اس لئے ہم نے مسجد نہ ایک مسجد بلکہ ہندوستان کی سب مسجدیں نذر کردیں، اس عذر کی خوبی ظاہر ہے نزاع میں فریق ثانی سب کچھ کرتا ہے گھبرالینے پر گھبراجانا کیوں ہوا مہلت کے جواب میں کیوں نہ انہیں سے مشورہ لینے کے لئے کافی مہلت ملنا ضرور ہے ورنہ گورنمنٹ کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر دیکھا تو ہوتا کہ آشتی خواہ گورنمنٹ کیا کہتی، حرمت اسلام کیسی برقرار رہتی، حفظ حقوق مذہب میں گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی کیا کچھ نفع پہنچاتی، وہ امن جس کا پیام ہی لے کر گورنمنٹ کا آنا ہوا تھا کیسا کچھ مبارک رنگ دکھاتی، اسی لئے تو حدیث میں ارشاد ہوا:

التأنی من الرحمٰن والعجلة من الشیطان[1] ۔ والعیاذ باللہ العزیز المستعان۔	تاخیر رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے، اللہ تعالٰی غالب مددگار کی پناہ۔ (ت)

اس کے بعد جو کچھ کہا گیا اس کے فقرے فقرے کا رد اوپر آگیا **وباللہ التوفیق۔**

(۵۰) غرض الزامات شرعیہ قطعیہ یقینا قائم ہیں اور بشدت قائم، کبائر شدیدہ عدیدہ کے ارتکاب قطعًا لازم ہیں اور بقوت لازم۔ اس سب پر ظلم بر ظلم برات کی فکر وکاوش اور اس کارروائی ہتک حرمت اسلام کو صحیح وصواب بنانے کی کوشش ہے حاشا حق طلبی کی یہ راہ نہیں ؎

دانم نرسی بکعبہ اے پشت براہ　　کیں راہ کہ تو میروی بہ انگلستان ست

(اے مسافر مجھے معلوم ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ انگلستان کا ہے)

نسأل اللہ العفو والعافیة۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی التأنی امین کمپنی دہلی ۲ /۲۲، کنز العمال حدیث ۵۶۷۵ موسسة الرسالہ بیروت ۳ /۱۰۱

بلکہ سبیل نجات اس میں منحصر کہ

اولاً: عالم اور جو جو مسلم اس کارروائی میں شریک تھے سب اس شنیع وسخت فظیع کبیرہ خمیر صدہا حرام وہتک حرمت اسلام سے بصدق دل توبہ کریں رب المساجد جل جلالہ کے حضور خاک مذلت پر ناک رگڑیں، اپنے سروں پر خال اڑائیں، سر برہنہ بادل گریاں وچشم بریاں اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر دست ضراعت پھیلائیں اور ہر ایک کہے: اللّٰھم انی اتوب الیك منھا لاارجع الیھا ابدا الٰھی! میں ان تمام حرکات شنیعہ سے تیری طرف توبہ کرتا ہوں اب ایسا نہ کروں گا۔

ثانیاً: بکثرت اخباروں اشتہاروں میں صاف صاف بلا تاویل اپنے جرائم کا اعتراف اور اپنی توبہ اور اس کارروائی کی شناعت کی خوب اشاعت کریں کہ جس طرح عالم کے اعتماد پر عوام میں اسکی خوبی کا دند (شور) ہند کے گوشہ گوشہ میں مچا یوں ہی بچہ بچہ کے کان تک عالم کی توبہ اور اس کی شناعت کا اعلان پہنچے، حدیث میں ارشاد ہوا:

اذاعملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسرو العلانیۃ بالعلانیۃ[1]۔رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی الشعب بسند حسن جید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	جب تو برائی کرے تو اسی وقت توبہ کر، مخفی کی مخفی اور علانیہ کی علانیہ۔اس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن جید سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔(ت)

ثالثاً: گورنمنٹ کو جو ایسا عظیم مسئلہ غلط باور کرایا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے مسجدوں کو سخت خطرہ کا سامنا ہے اپنی تمام ہستی ساری حیثیت پوری کوشش ہمگین طاقت اس کے رفع میں صرف کریں اور شرعی دلائل، فقہی مسائل، ائمہ کے ارشاد، علماء کے فتاوٰی بیش از بیش جمع کرکے یقین دلاویں کہ وہ کارروائی جو پہلے ہم نے بتائی محض باطل وحرام وہتک حرمت اسلام تھی کسی مسجد کی کوئی زمین ہرگز ہرگز راستہ، سڑک، ریل نہر غرض کسی دوسرے کام کے لئے نہیں کی جاسکتی، مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے۔

[1] الزہد لامام احمد بن حنبل دارالدیان التراث القاہرۃ ص ۳۵

چھت اس کا بدل نہیں ہوسکتی نہ ہرگز کسی دوسری زمین یا دس لاکھ روپے گز قیمت خواہ کسی شے سے اس کا بدلنا روا ہوسکے، اگر ایسا نہ کیا تو یہ مسجد اور اس کے سوا جب کبھی کسی مسجد کو عالم اور اس کے ساتھی مسلمانوں کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچے گا ہمیشہ ہمیشہ تا بقائے دنیا اس کی ایک ایک بیحرمتی کا روزانہ گناہ عظیم ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہوا کرے گا اللہ کی پناہ اس حالت سے کہ قبر میں ہڈیاں بھی نہ رہیں اور ہر ہر لمحہ پر،

"مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (ت)

کا وبال عظیم دنیا سے قبر اور قبر سے حشر تک پیچھا نہ چھوڑے، اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہمیں اس کام کے لئے آدمی نہیں ملتے جیسا کہ یہاں خط میں لکھ کر بھیجا کام آپ کا بگاڑا ہوا ہے آپ پر اس کی تلافی فرض ہے اگرچہ کوئی ساتھ نہ دے، بگاڑنے کو آپ تھے بنانے کو کوئی اور آئے، اس وقت کا استبداد کہ نہ علماء سے پوچھا نہ مسلمانوں سے کہنا اب بھی کام لایئے اور اپنی عاقبت بنایئے اور خدمت کعبہ کی الٹی بانگی مٹا کر سیدھی دکھایئے، راہ یہ ہے اور توفیق اللہ عزوجل کی طرف سے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اس میں اپنی ذلت نہ سمجھئے اللہ عزوجل کے نزدیک عزت کہ اس کی طرف رجوع لائے اس کے گھر کی بیحرمتی کرانے سے باز آئے، وہ فرماتا ہے: "لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾" [2] (اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ ت) مسلمانوں کے نزدیک عزت کہ ان کے دین پر تعدی چھوڑی حفظ حقوق مذہب کی طرف باگ موڑی، گورنمنٹ کے نزدیک عزت کہ ایسی عظیم حرمت اسلام کی پامالی جو اس کی نامبدل پالیسی کے بالکل خلاف اس کے مستمر وعدوں کے بالکل مناقض، سات کروڑ رعایا کا دل دکھانے والی روش برطانیہ کو مذہبی دست اندازی کا عیب لگانے والی تھی اٹھادی اور جو بات غلط باور کرائی تھی حق وانصاف سے بدلوادی، **والامر بید اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ** (معاملہ اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔ ت) میں ان صاحبوں خصوصًا اپنے قدیمی دوست عالم کو اللہ عزجلالہ کی پناہ دیتا ہوں اس سے کہ انہیں بات کی پچ الٹی راہ دکھائے **معاذ اللہ** "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" [3] (اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ت) کی شامت آڑے آئے، اور اگر خدانا کردہ ایسا ہو تو علماء پر فرض ہے کہ اس کارروائی کا خلاف شرع ومضر اسلام ہونا دلائل ساطعہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

واضح کریں اوہام خلاف کا رد بالغ فرمائیں، اسلامی اخباروں پر فرض ہے کہ ان تحریرات علماء کو نہایت کثرت واہتمام سے شائع کریں، ایک ایک گوشہ میں ان کی آواز پہنچائیں، اسلامی انجمنوں پر فرض ہے کہ ان کی تائید میں جلسے کریں بکثرت ریزولیوشن پاس کریں گورنمنٹ کو ان کی اطلاعیں دیں، مسلمان امراء وحکام واہل وجاہت پر فرض ہے کہ گورنمنٹ کو اس طرف پے در پے توجہ دلائیں، مسلمان قانون پیشہ پر فرض ہے کہ اس کے استغاثے منتہی کو پہنچائیں غرض ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے منصب کے لائق اس میں سعی جمیل بجالائیں، اور بے تکان اتھک جائز کوششیں کرکے اپنی مساجد کو بے حرمتی سے بچائیں، ایسا کروگے تو ضرور حضرت عزت عزجلالہ سے ان شاء اللہ القدیر المستعان کامیاب ہوگے دنیا میں سرخرو آخرت میں مثاب ہوگے کہ وہ فرماتا ہے:

"وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾"[1] "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾"[2]	اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔(ت)

والحمد للہ رب العٰلمین، وصلی اللہ وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولٰنا وملجأنا وماوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم، کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم



مسئلہ ١٨٦: مسئولہ مولوی نور احمد صاحب ہزاروی از کانپور مدرسۃ البنات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلّہ پر تنگ ہے اور اس کے گرداگرد جگہ نہیں مل سکتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کرسکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں وگرنہ دوسری بھی بمشکل تمام نہیں

[1] القرآن الکریم ٣٠/ ٤٧

[2] القرآن الکریم ٩/ ١٢٠ و ١١/ ١١٥ و ١٢/ ٩٠

ہو سکتی، کیااس صورت میں اہل محلّہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلّہ میں پہلی مسجد کے سامان سے اور زوائد روپیہ لگا کر بنا سکتے ہیں یانہ؟ اگر بنا سکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جائے؟ مدلل و مبرہن طور پر تحریر و بیان فرمایا جائے۔

الجواب: مسجد جب تک مسجد ہے قرآن عظیم کی نص قطعی، ہمارے ائمہ کرام کے اجماع سے اسے ویران کرنا سخت حرام و کبیرہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۱۱۴)"[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو ان میں جانا ہی نہ پہنچتا تھا مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

ہمارے ائمہ کرام نے بلاخلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو بحکم سلطان بے اس کی مرضی کے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے کمانص علیہ فی البزازیۃ والفتح والبحر والدروغیرہا (جیسا کہ اس پر بزازیہ، فتح، بحر اور درو غیرہ میں نص فرمائی گئی۔ت) اگر تنگی کی وجہ سے یہ مسجد ویران کرکے دوسری جگہ بنالینا جائز ہوتا تو جبر ہر گز حلال نہ ہوتا اور وہ صورت کہ سوال میں فرض کی گئی اس کی بنا خود ہی متزلزل ہے جب وہ دوسری مسجد اس سے بڑی بنا سکتے ہیں اگرچہ اس میں اس کے عملے سے بھی مدد لینا چاہتے ہیں تو مہربانی فرما کر بڑی نہیں ایک چھوٹی مسجد دوسری بنالیں کہ دونوں مسجدیں مل کر حاجت پوری کردیں، کس نے واجب کیا ہے کہ سب ایک ہی مسجد میں نماز پڑھیں، غرض جو اللہ سے ڈرے اور اس کی حرمتوں کی تعظیم کرے اللہ اس کے لئے آسانی کی راہ نکال دیتا ہے اور جو بے پروائی کرے تو اللہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے،

"وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (۲)"[2]	جو اللہ تعالٰی سے ڈرے تو وہ اس کے لئے راہ بنادیتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

"وَمَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۴﴾ " [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو منہ پھیرے تو اللہ تعالٰی ہی بے نیاز اور ستودہ صفات ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ١٨٧تا١٨٩: مسئولہ قاضی سید احمد علی مدنی مہتمم مدرسہ اسلامیہ از بمبئی بھنڈی بازار ٢ربیع الاول ١٣٣٢ھ

(١) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ ایک درگاہ شریف کے قریب ایک مسجد واقع ہے، مسجد کے متولی صاحب نے درگاہ شریف کی زمین جبراً دبالی،اس کو شامل مسجد کرنا چاہتے ہیں، متولی درگاہ نے روکا کہ شرع شریف میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، مگر نہیں مانتے، سوایسا کرنا جائز ہے؟

(٢) کیاایسی جبراً مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا درست ہے اور کیااس میں نماز درست ہوگی حالانکہ متولی صاحب درگاہ برابر معترض ہوا کئے ہیں۔

(٣) کیا ایسے متولی مسجد جو خلاف شرع زمین غصب کرکے اس پر مسجد بنادے تو وہ عندالشرع قابل تدارک و گنہگار ہیں یانہیں؟جواب صحیح ازروئے کتب فقہ صاف بخشا جائے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ لکھاکہ متولی اس زمین کو مسجد میں کس وجہ سے شامل کرنا چاہتے ہیں،آیا مسجد نمازیوں پر تنگ ہوئی ہے یہ ضرورت لاحق ہوئی ہے یا کچھ اور۔نہ یہ لکھا کہ وہ زمین درگاہ پر وقف ہے یا نہیں،اور ہے تو کس طرح وقف ہے جسے وقف صحیح شرعی کہاجاسکے گا یا نہیں،نہ یہ لکھاکہ اس زمین کے شامل مسجد کرلینے سے درگاہ میں کیا نقصان ہوگا،اگر مسجد نے تنگی نہ کی تو متولیوں کواس زمین کے لینے کا کوئی اختیار نہیں وہ غاصب ہوں گے اور اتنے پارہ زمین پر نماز ناجائز ہوگی،اور اگر مسجد تنگ ہوگئی ہے اور اس کے اپنے متعلقات کی زمینوں سے بڑھانے کی گنجائش نہیں،تو اگر وہ زمین درگاہ وقف صحیح شرعی نہیں یا اسکے لینے سے درگاہ کو ضرر نہیں پہنچتا تو بقیمت لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ١٩٠تا١٩٣: مسئولہ مولوی صابر علی صاحب از مدرسہ رفاہ المسلمین فرنگی محل لکھنؤ ٤ربیع الاول شریف ١٣٣٢ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں،ایک مسجد قدیم کسی شیعہ کی تھی

[1] القرآن الکریم ٥٧/ ٢٤

مگر کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، اسی حالت ویرانی میں چند قدم کے فاصلے پر ایک سنی نے دوسری مسجد بنوائی اور اس نئی سنی کی مسجد میں مسلمان سنی نماز پنج وقتہ پڑھنے لگے اس کے پانچ چھ برس کے بعد پرانی شیعہ کی مسجد کو ایک شخص نے ایک سنی کے ہاتھ فروخت کرڈالا تو اس سنی نے اس کی مرمت وغیرہ کراکے پنج وقتہ اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کردئے۔ اس کو بھی پانچ چھ برس کا عرصہ گزرگیا اب اس سنی مشتری مذکور نے اپنا ایک مکان مسجد کے مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کردیا ہے اور مسجد مذکور میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتا ہے، اور مسجد مذکور میں بہت سی زمین ایسی پڑی ہے جس پر جوتا پہن کے چلتے ہیں تو اس زمین پر مدرسہ کیلئے کمروں کے بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے تو ایسی صورت میں حسب ذیل سوالات کے جوابات مرحمت ہوں:

اول: یہ دونوں مسجدیں حکم مسجد میں ہیں یانہ؟ اور مسلمانوں کو دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ثواب مسجد حاصل ہوگا یانہ؟ اور اگر نہ حاصل ہوگا تو پھر اس مسجد کو کس کام میں لاسکتے ہیں؟

دوم: طلبہ مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد کے اندر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یانہ؟

سوم: احاطہ مسجد کے اندر جو زمین صحن مسجد کے علاوہ جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں اس پر مدرسہ کے روپیہ سے کوئی کمرہ وغیرہ طلبہ کی تعلیم کے لئے یا دفتر مدرسہ کے لئے یا طلبہ کے رہنے کے لئے بنانا جائز اور اس میں ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز ہے یانہ؟

چہارم: مشتری مسجد کی یہ بھی تجویز ہے کہ مسجد کے اندر سے جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں ایک راستہ مدرسہ کے اندر جانے کا نکالا جائے کہ طلبہ وملازمین مدرسہ کو مدرسہ میں جانا آسان ہوجائے ورنہ چکر کھاکے گلیوں میں سے جانا ہوگا تو آیا یہ جائز ہے یانہیں؟ جواب جلد اور مدلل فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مسجد کہ سنی نے بنوائی تھی بلاشبہ مسجد ہے اور اس کا رکھنا فرض ہے اور اس میں نماز کا ثواب وہی ہے جو مسجد میں نماز کا ثواب ہے، روافض زمانہ مرتد ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالرفضہ میں بیان کی ہے۔ت) تو وہ مسجد بنانے کے اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ" (**الٰی قولہ تعالٰی**) "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا مشرکوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالٰی کی مساجد تعمیر کریں اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک کہ) بیشک اللہ تعالٰی کی مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی

الاٰخِرِ"[1]۔الاٰیۃ	اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔(ت)

خصوصًا بعد موت کے مرتد کے سب اوقاف باطل ہوجاتے ہیں کمافی الدرالمختار وغیرہ (جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت) تو وہ مسجد کہ سنی نے خریدی اسے مرمت وغیرہ کراکے اگر اس خیال سے نماز کے لئے دیاکہ یہ پہلے سے مسجد ہے تو وہ خیال باطل تھا اور وہ مسجد بدستور ایک مکان ہے جس میں ان تمام تصرفات مذکورہ فی السوال کا اختیار ہے، اور اگر سنی نے خرید کراز سرنو اپنی طرف سے اسے مسجد کردیا یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد نہیں میں اسے مسجد کرتاہوں، نہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد تھی اسے کار مسجد کے لئے چھوڑتاہوں، اس صورت میں اگر شرائے صحیح سے سنی کے لئے اس کی ملک ثابت ہوگئی تھی تو یہ بھی مسجد ہوگئی مگر یہ بہت بعید ہے اس کے لئے صرف ایک صورت ہے کہ غالبًا وہ واقع نہ ہوئی ہوگی، وہ صورت یہ کہ زمین جسے رافضی نے مسجد کیا اس کے زمانہ اسلام کی ملک تھی، اس کے بعد اس نے رفض اختیار کیا، یہ مسجد بنائی اور مرگیا اور اس کے قریب و بعید وارثوں میں کوئی شخص سنی مسلمان ہے کہ وہی اس کے کسب اسلام کا وارث ہوکر اس مکان کا مالک ہے اور اس نے اس سنی کے ہاتھ بیچ ڈالا تو یہ شراء صحیح ہوا اور یہ سنی اس مکان کا مالک ہوگیا اور اب جو اس نے اسے اپنی طرف سے مسجد کیا مسجد ہوگئی، اس صورت بعیدہ پر وہ تصرفات مذکورہ سب ناجائز ہوں گے فانہ لایجوز تغییر الوقف عما ھولہ (کہ وقف اپنی اصلی حالت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ت) مگر طلبہ کا پڑھنا جائز جبکہ اطفال نہ ہوں اور نماز کے وقت نماز کی جگہ نہ گھیریں نہ ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش ہو اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ وہ مکان اس کے زمانہ رفض ہی کی ملک تھا تو یہ بیع جس شخص نے کی ہرگز مثبت ملک مشتری نہیں کہ بائع خود ہی مالک نہ تھا مرتد کے زمانہ ارتداد کی ملک اسکی موت کے بعد فیئ للمسلمین ہوجاتی ہے اس کے کسی وارث کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ اس کا بیٹا ہو مسلم ہو خواہ اسی کی طرح مرتد یا اور قسم کا کافر، تو جب شراء صحیح نہ ہوا تو اس سنی کا اسے مسجد کرنا صحیح نہ ہوا بلکہ وہ بدستور ایک زمین عام مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کی مرضی سے اس میں مسلمین کی منفعت کے تصرفات کرسکتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

المرتد اذاقتل او مات او لحق بدار الحرب فما اکتسبه فی حال اسلامه هو میراث لورثة المسلمین اماما اکتسبه فی حالة الردة یکون	مرتد جب قتل ہوجائے یا مرجائے یا دارالحرب سے ملحق ہوجائے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان وارثوں کو بطور میراث ملے گا اور جو کچھ بحالت ارتداد کمایا وہ مال غنیمت ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸،۱۷

فیئایوضع فی بیت المال[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو بیت المال میں رکھا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۵: از علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) ایک مسجد ہے جو زمین سے ۳ گز اونچی ہے اور اونچائی ٹھوس ہے اور صحن مسجد کا کل چوڑائی میں ۱۳فٹ ہے جس میں ۵فٹ چوڑائی میں زینہ اور جوتیوں کی جگہ سقاوا اور غسل خانہ ہے اور ۸ فٹ جگہ میں نماز ہوتی ہے،اس مسجد میں کنواں نہیں ہے،سقّہ سقاوے میں پانی باجرت ڈالتا ہے،اور نہ کوئی آمدنی مسجد کی ہے جو تیل وغیرہ میں صرف ہو،اس مسجد سے ۴۷ قدم کے فاصلہ پر ایک اور مسجد ہے اس کے دس قدم پر ایک کنواں ہے گویا اس مسجد سے ۸۴ قدم پر ہوا۔زید کہتا ہے کہ صحن مسجد جو ٹھوس ہے اس کو شہید کافی کرکے اس میں دو دکانیں نکالی جائیں اس کی چھت صحن مسجد ہو جائے گا،اور وہ تیل بتی کو اس کی آمدنی کافی ہوگی۔عمرو کہتا ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ صحن مسجد تحت الثریٰ تک حکم مسجد رکھتا ہے،اگر دکانیں سابق سے بنائی جاتیں تو درست تھیں،عمرو کی رائے ہے کہ ۵فٹ جگہ جس میں زینہ وغیرہ ہے اس میں کنواں وزینہ وغیرہ بن سکتا ہے اور ایک چھوٹی دکان بھی نکل آئے گی اور صحن بھی برقرار رہے گا اس میں مردہ کو زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ نمازیوں کو پانی کی تکلیف جاتی رہے گی۔کیا حکم شریعت ہے اور کیا کرنا چاہئے؟

(۲) کنواں بننے کی حالت میں زمین سے ۴ گز اونچا ہو کر مسجد میں ملے گا،زید کہتا ہے کہ زمین پر بھی ایک کھڑکی رکھی جائے جس سے عوام پانی بھریں اور مسجد کو اوپر سے پانی ملے۔عمرو کہتا ہے کہ اوپر ہی رکھنا چاہئے کیونکہ نیچے کھڑکی رکھنے سے ہندو بھی پانی بھریں گے شاید ہندو کا پانی بھرنا ناجائز ہو۔شریعت کا کیا حکم ہے اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب:

دکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے،اگر پہلے سے ہوتیں حرج نہ تھا اب نہیں بن سکتیں،

کما نص علیه فی النوازل والتجنیس والخانیة و المحیط السرخسی وتھذیب الواقعات والاسعاف و البحر والنھر والھندیة وغیرھا۔	جیسا کہ اس پر نوازل،تجنیس،خانیہ،محیط سرخسی تہذیب الواقعات،اسعاف،بحر،نہر اور ہندیہ وغیرہ میں نص فرمائی گئی(ت)

۸۴ قدم کا فاصلہ کچھ ایسا دور نہیں،اگر بغیر کنویں کے کارروائی چل سکے یونہی چلنے دیں اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الفرائض نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

نہ چل سکے اور اس کی وجہ سے ویرانی مسجد کا احتمال قوی ہو تو اس پانچ فٹ میں ایک کنارہ کو کنواں بنالیں۔

(۲) نیچے کھڑکی نہ رکھیں کہ مسجد کے کنویں میں ہندو کی شرکت سخت معیوب ہے ان کی نجاست سے کنویں کی طہارت ہمیشہ معرض خطر شدید میں رہے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شیر پور ڈاکخانہ خاص تحصیل پورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ ظہیر الدین **۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹے موضع میں ایک مسجد قدامت سے تھی اور عرصہ دس بارہ سال سے ایک دوسری مسجد اور تیار ہو گئی اور اب دونوں مسجدیں چھپّر پوش اور بوسیدہ حالت میں ہیں اب مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ بجائے دو مسجدوں کے ایک مسجد پختہ چندہ سے تعمیر کرائی جائے اور ایک مدرسہ کے واسطے دے دی جائے۔ اس کی بابت شرع کیا حکم دیتی ہے؟ اور سرمایہ بہت قلیل ہے جس سے دونوں مسجدیں تیار نہیں ہو سکتی ہیں، لہٰذا آپ بموجب شرع احکام صادر فرمائے۔

الجواب:

مسجدوں کا پختہ کرنا فرض نہیں، اور ان کا آباد رکھنا فرض ہے، مسجد نہ مدرسہ کو دی جاسکتی ہے نہ دوسرے کام میں صرف ہو سکتی ہے، یہ سب ناجائز وحرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم (ت)**

مسئلہ ۱۹۷: **۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ:**

علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کا فرش اور لکڑیاں جو خراب ہو جاتی ہیں سو مسجد کے اور کسی کام میں تصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آخر کیا کرنا چاہئے؟ تحریر فرما کر مشرف فرمائیں۔ **فقط**

الجواب:

فرش جو خراب ہو جائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا وہ اس کا مالک ہو جائے گا جو چاہے کرے اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

لگادے اور مسجد کی لکڑیاں یعنی چوکھٹ، کواڑ، کڑی، تختہ، یہ بیچ کر خاص عمارت مسجد کے کام میں صرف ہو۔ لوٹے، رسی چراغ، بتی، فرش چٹائی کے کام میں نہیں لگاسکتے، پھر ان چیزوں کی بیع کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ۔ اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۸ تا ۲۰۱: مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب از بانٹوہ کاٹھیاوار ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ:

(۱) ایک شخص مرگیا اور اپنی عورت اور ایک لڑکی اور باقی وارث چھوڑے اور اس متوفی کی عورت نے وارثوں کے حق کو تلف کرکے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جس زمین پر اس نے مسجد تعمیر کرائی ہے وہ زمین نیز وراثت میں داخل ہے تو اس میں نماز پڑھنا اور اس کو مسجد کہنا شرعاً درست ہے یا نہ؟

(۲) اور اگر اب بعضے وارث انہیں میں سے اپنے حق کو معاف کردیں اور بعضے نہ کریں تو نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہوجائے گا یا نہ؟

(۳) اور اگر وہ وارث جانتے ہیں کہ اب جو پیسہ تھا وہ مسجد میں خرچ ہوگیا اب ہمیں ملنے والا نہیں ہے اور لوگوں کی شرم سے معاف کردیں تو درست ہے؟

(۴) اور اگر شرع حکم دے کہ نماز اس میں درست نہیں ہے تو اس میں رہنا گھر بناکر یا کرایہ وغیرہ پر دینا درست ہوگا؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے سرفراز کریں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں باجماع مسلمین وہ ہرگز مسجد نہیں بلکہ ایک زمین ہے بدستور اپنے مالکوں کی ملک پر باقی، کہ جب یہ عورت تنہا اس کی مالک نہیں جیسا کہ بیان سائل ہے تو وہ ساری زمین اس کے وقف کئے سے وقف نہیں ہوسکتی، لان شرط الوقف الملك[1] كما فی الهندية وغيرها (کیونکہ شرط وقف یہ ہے کہ وہ واقف کی ملک ہو جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) نہ یہ ممکن کہ اس میں سے اس کے حصہ کو مسجد ٹھہرادیں باقی ملک دیگر ورثہ سمجھیں کہ جب وہ غیر منقسم ہے تو اس کا حصہ متعین نہیں اور مسجد بالاجماع مشاع نہیں ہوسکتی۔

لان من شرطه انقطاع حقوق العباد عن جميع جوانبه فضلا عن نفسه[2] كما فی الهداية وغيرها۔	کیونکہ شرائط وقف میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی تمام جوانب حقوق العباد سے منقطع ہو چہ جائیکہ خود وقف جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۲-۳۵۳

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۶۲۵

قال تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ" [1]۔	نے فرمایا کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں (ت)

ہاں اگر باقی ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور سب بالاتفاق اس وقت مسجدیت کو جائز کردیں تو اب جائز ہوجائے گی اور کسی کی شرم سے ایسا کرنا مانع صحت نہ ہوگا فان الحیاء لیس باکراہ (کیونکہ حیاء جبر واکراہ نہیں ہے۔ت) جب تک ایسا نہ کریں کہ وہ ایک مکان ہے کہ مالکوں کو اس میں رہنا بسنا کرایہ پر دینا سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲تا۲۰۳:

کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں:

(۱) زید نے (مسلمان کہلائے جانے کی حالت میں) کچھ قطعہ زمین صحن مسجد اپنے مکان کی بنا میں دبالیا، بعض لوگ مانع آئے مگر نہ مانا، ایسی صورت میں زید کے ساتھ کیا معاملہ شرعًا کیا جائے اور متولیان مسجد ودیگر اہل اسلام کو مواخذہ کا حق حاصل ہے یانہیں؟ اگر ہے تو ان پر یہ حق واجب، اور ضروری ہے جس کے ترک سے عاصی ہوں گے یا کیا؟ یازید بعوض زمین مغصوبہ بہ زر نقد بطور جرمانہ ادا کرے تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ دریں صورت زید مواخذہ عنداللہ سے بری ہوسکتا ہے؟

(۲) جو شخص ربوخوار معلن ہے زکوٰۃ بھی نہیں دیتا اس کا کیا حکم اور اس سے مخالطت ومرابطت ومواکلت مکروہ ہے کہ نہیں؟ للہ مصرح اور عامۃ الفہم عبارت میں جواب ارشاد فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

اس صورت میں زید سخت گناہ کبیرہ وظلم شدید کا مرتکب اور اس آیہ کریمہ کی وعید کا مستوجب ہے:

"وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۱۴)" [2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں سعی کرے، انہیں روانہ تھا کہ اس میں قدم رکھیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مسجد کا ہر ٹکڑا مسجد ہے تو جتنا پارہ زمین اس نے دبالیا اسے نماز سے روکا اور اس کی ویرانی میں

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ساعی ہوا اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کا استحقاق لیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں فرمایا ہے کہ "جو بالشت بھر زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن اتنا حصہ زمین کے ساتوں طبقے توڑ کر اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے [1]"۔ ہر مسلمان خصوصًا متولیان مسجد کو اس پر حق مواخذہ حاصل ہے اور فرض ہے کہ ہر جائز چارہ جوئی اس سے زمین نکال کر شامل مسجد کرنے کے لئے حد کو پہنچائیں، جو باوصف قدرت اس سے باز رہے گا شریک عذاب ہوگا تاحد قدرت ہر گز حلال نہیں کہ اس سے کچھ روپیہ اس کے عوض لے کر چھوڑ دیں کہ یہ مسجد کا بیچنا ہوگا اور مسجد کی بیع باطل وحرام و ناممکن ہے **قال اللہ** "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ" [2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مساجد اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) اگر وہ لاکھ روپے ہر گز کے بدلے دے جب بھی لینا حرام ہے، نہ ہر گز زید کسی طرح عنداللہ مواخذہ سے بری ہوگا جب تک زمین مسجد مسجد کو واپس نہ دے۔ زید اگر ایسا نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول، سلام کلام، نشست برخاست قطع کردیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر قوم ظالمین کے ساتھ مت بیٹھ (ت)

یونہی ربوخوار معلن بھی اسی آیہ کریمہ کے حکم میں داخل ہے، تفسیر احمدی میں ہے: **والقعود مع کلھم ممتنع** [4] (ان سب کے ساتھ مجلس کرنا ممنوع ہے۔ت) اس سے بھی قطع علاقہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: مرسلہ حاجی سیٹھ یوسف بن ابراہیم بمقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار ۷ ۲ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ چہار شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ بعض لوگوں نے مسجد بڑھانے یا پرانی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لئے مسلمان جماعت کو روپے دئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طور چاہیں مسجد میں خرچ کریں ـــــــ مگر فی الحال مسجد میں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ روپے امانۃً پڑے ہیں، اب مذکورہ روپیہ بیوپار کی کمپنی میں ڈال کر ان کا نفع بڑھا دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ مگر

[1] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] التفسیرات الاحمدیۃ تحت ۶/ ۶۸ مطبع کریمی بمبئی انڈیا ص ۳۸۸

یہاں کی کمپنیوں میں لین دین سود کا ہوتا ہے تو ان کا کیا حکم ہے؟ اگر اس طور وہ روپیہ بڑھ نہ سکتا ہو تو اور کوئی طریقہ ان روپوں کے بڑھنے کا ہے اور بڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اسی طرح سے جماعت کسی امین شخص کے پاس امانت رہنے دے اور امانت رکھنے میں چوری ہونے کا خوف ہے کہ مبادا مسجد کے روپے ضائع ہو جائیں تو ان روپوں کا مکان خرید کرکے اس کے کرایہ سے نفع اٹھایا جائے اور وقت ضرورت روپیہ وہ مکان فروخت کیا جائے، مگر ان میں جماعت والوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ کرنی چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ اس طور کیا جائے تو ان کا حکم کیا ہے، وہ برائے مہربانی مفصل طور سے ارقام فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی ملک پر رہتے ہیں ان سے اجازت لی جائے، جو جائز بات وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے، **وبیان المسئلۃ وتحقیقھا فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (اس مسئلے کا بیان اور تحقیق ہمارے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں ہے۔ت) ایسی کمپنی میں کہ سود کا لین دین کرتی ہو شامل کرکے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں، **فلیس لاحد ان یحل ماحرم اللہ** (کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۶: مرسلہ محمد صابر مدرس مدرسہ دارالعلوم قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ ۱۸ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ کئی سو برس سے آباد ہے وہاں کے مسلمانوں کی مردم شماری فی الحال تقریبًا آٹھ ہزار ہے اور وہاں مسجدیں تخمینًا اسی کے قریب آباد ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مساجد ہیں، وہاں کے کل مسلمان بجز چند شیعہ کے ابتدا سے حنفی المذہب متفق الخیال متحد العقائد والمسائل باہم شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے تھے ان میں کسی قسم کا مذہبی جنگ وجدال وتخالف نہ تھا مگر تقریبًا تیس بتیس برس سے چند لوگ (غالبًا فی الحال ان کی تعداد دوڈھائی سو ہوگی) منکر مذہب، غیر مقلد ہوگئے اور باہم سخت منافرت ومخالفت پیدا ہوگئی حتی کہ بارہا فوجداری اور عدالت کی نوبت پہنچ گئی، غیر مقلدین نے اپنی عیدگاہ اور جامع مسجد نئی بنوالی تھیں مگر بعض بعض ایسی ہی مسجدیں ہیں جن میں دونوں فریق نماز پڑھتے ہیں ایسی مسجدوں پر اکثر مذہبی جھگڑے ہوجایا کرتے ہیں چنانچہ ان دنوں موجودہ ۱۳۳۳ھ ۱۳ محرم کو ایک مسجد میں دونوں فریق جمع ہوگئے اور اسی میں مار پیٹ لٹھم لٹھا گھوسم گھوسا کر بیٹھے بلکہ ان کے ذریعہ سے دو فوجداریاں اور بھی ہوگئیں جس سے قصبہ میں ہلچل مچ گئی، پولیس اگر روک تھام نہ کرتی تو نہیں معلوم کیا ہوجاتا آئے دن کی مذہبی فوجداری سے دونوں فریق تنگ آگئے، اب فریقین اس امر پر راضی ہیں کہ باہم صلح کرکے جھگڑے کو

مٹادیں، چنانچہ برضامندی فریقین چند اشخاص حکم مقرر کئے گئے ہیں اور باتفاق فریقین اقرار نامہ ثالثی میں مضمون لکھا گیا ہے کہ ثالثان حسب شریعت و قانون ودیانتداری جو فیصلہ کردیں گے ہم فریقین کو منظور رہے، اب علمائے حقانی سے یہ استفسار ہے:

(۱) چونکہ تیسوں برس کے تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس قصبہ میں جب دونوں فریق ایک نزاعی مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں تو اکثر مذہبی شر وفساد کربیٹھتے ہیں اگر اس شر وفساد و فتنہ وپرخاش کے مٹانے کے لئے ثالثین دونوں کو الگ کردیں اور فریقین کے لئے خاص خاص مسجدیں نامزد کریں تو کیا یہ فیصلہ خلاف شریعت ہوگا؟

(۲) اگر کسی نمازی کے ذریعہ سے حفظ امن میں خلل واقع ہوتا ہو اور شر وفساد کا اندیشہ ہو یا عام نمازیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو بغرض حفظ امن وانسداد شر وفساد جماعت سے روک دینا کیا شرع کے خلاف ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جو مساجد غیر مقلدوں کی بنائی ہوئی ہیں ان کے نامزد کردی جائیں مگر جو مساجد اہل سنت کی بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی مسجد غیر مقلدوں کے لئے خاص کردینا اور اہلسنت کو ان سے ممنوع کرنا شرعاً محض ظلم وحرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے۔ (ت)

جبکہ وہ مسجدیں اہلسنت کی ہیں اور ان کی بنائی ہوئی ہیں تو ان پر قبضہ چاہنا اور اس کے لئے فتنہ اٹھانا غیر مقلدوں کا فساد ہوگا اور کوئی مجبور نہیں ہوسکتا کہ دوسرے کے شورش بے جاکے سبب اپنے حق سے دست بردار ہو فتنہ غیر مقلدوں کا انسداد اگر یوں نہ ہوسکتا ہو تو کچہریاں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اسی واسطے رکھی گئی ہیں کہ فتنہ والوں کا دست تعدی کوتاہ کریں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنے دیں جو شخص یہ رائے یا فتوی دے کہ دفع فتنہ کے لئے اپنی مسجد چھوڑ دو۔ کل اگر غیر مقلدین اور مفسدین ان کی جائداد اموال متاع مکانوں پر قبضہ چاہیں، اور نہ دیجئے تو فساد اٹھائیں کیا دفع فتنہ کو وہ لوگ اپنے گھر بار مال متاع اسباب جائداد سے دستبردار ہوجائیں گے ہرگز نہیں، تو وجہ کیا ہے کہ یہ آنکھوں میں دنیا کی قدر ہے دل میں دنیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کی محبت ہے جگر میں دنیا کا درد ہے وہاں دفع فتنہ کو یہ تدبیر نہ سوجھے گی نہ آیات دفع فساد کے یہ معنی ذہن میں آئیں گے اور نہ دین کی قدر نہ محبت نہ درد، لہٰذا گھاس کی طرح کتر دیں گے کہ میاں ہاں اپنی مسجدیں چھوڑ دو اپنے دینی حقوق سے دست بردار ہو جاؤ کسی طرح جھگڑا تو مٹے حالانکہ اوروں کے فتنہ فساد پر اگر اپنی جائداد مکانات، مال، اسباب چھوڑ دو تو صرف دنیوی نقصان ہے اور یہاں علاوہ اپنی دینی حق تلفی کے اس آیہ کریمہ کی وعید شدید میں داخل ہونا اور حرام کا ارتکاب اور بحکم قرآن عظیم استحقاق رسوائی وخواری وعذاب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[1] والعیاذ باللہ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

(۲) ہاں شرعاً حکم ہے کہ ایسے لوگ مسجد سے باز رکھے جائیں،

قال اللہ تعالٰی "أُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں مساجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے مگر ڈرتے ہوئے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یمنع منہ کل مؤذو لو بلسانہ[3]۔	ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائیگا اگرچہ وہ ایذا زبان سے پہنچائیں (ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث فلا یقرب مصلانا (وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئیں۔ت) پھر ردالمحتار میں ہے:

والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وھو اصل فی نفی کل من یتاذی بہ[4]۔	اس حدیث کے ساتھ وہ شخص بھی ملحق ہے جو زبان سے لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے اور حضرت عمر فاروق نے اسی پر فتوٰی دیا اور یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

مگر طرفہ تحفظ کا لحاظ ضروری ہے اگر خود منع کرنے میں اندیشہ فساد ہو چارہ جوئی کرکے بند کرادیں، **وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ نثار احمد زمیندار ساکن موضع پال نگر ڈاکخانہ امریہ ضلع پیلی بھیت ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں، ایک موضع جس میں پانچ چار گھر مسلمانوں کے اور پندرہ بیس گھر اہل ہنود کے ہیں، اور قدیم الایام سے ایک مسجد تعمیر خام خس پوش موجود ہے، کسی وقت میں یہ مسجد مسلمانوں کی آبادی کے اندر واقع تھی اور اس کے گردونواح میں مسلمان آباد تھے، رفتہ رفتہ تغیر وتبدل ہوتے ہوتے مسلمانوں کی آبادی اس مقام سے ہٹتی گئی اب صورت یہ ہے کہ مسجد کے گردونواح کوئی مسلمان کا گھر نہیں ہے اور وہ مسجد بالکل مسلمانوں کی آبادی سے ایک جانب ہنود کی آبادی کے ساتھ متصل ہے اور ہمیشہ خراب وخستہ اور ویران پڑی رہتی ہے اور عرصہ دس بیس سال سے نہ وہ آباد ہوئی اور نہ آبادی کی امید ہے، اب بفضلہ تعالٰی اہل اسلام میں سے ایک شخص کو خداوند تعالٰی نے توفیق عطا فرمائی ہے وہ مسجد پختہ بنانا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ مسجد پختہ اسی مسجد قدیم کی تعمیر کی جائے کہ جو ایک مدت دراز سے غیر آباد اور نہ آئندہ آبادی کی امید ہے، یا یہ کہ اس کو کسی طرح محفوظ محدود کرکے دوسری جگہ مسلمانوں کی آبادی کے درمیان میں مسجد پختہ تعمیر کی جائے کہ جس سے اس مسجد پختہ جدید میں نمازیوں کا پہنچنا بھی آسان ہو اور مسجد آباد رہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حتی الامکان مسجد کا آباد کرنا فرض ہے اور ویران کرنا حرام۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[1]	اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

ہندوستان کی آبادی کا قاعدہ یہ ہے شہر ہو یا گاؤں کہ مکانات قریب قریب ہوتے ہیں، بیس پچیس گھر کا گاؤں اتنے فاصلہ کی آبادی نہ رکھے گا کہ مسلمانوں کو مسجد قدیم تک جانا دشوار ہو، تو جو صاحب پختہ بنانا چاہتے ہیں اسی کو پختہ کریں اور آباد کریں جدا مسجد بنانے میں نفل کا ثواب پائیں گے اور اس مسجد کے آباد کرنے میں فرض کا ثواب

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

نفل کے ثواب کو فرض کے ثواب سے کچھ نسبت نہیں ہو سکتی،بڑے گاؤں میں جو لوگ رہتے آبادی میں ہیں اور ان کی کاشت کے نمبر گاؤں کے دھری پر ہیں روزانہ جوتتے،کاٹنے،کے لئے دو دو میل جاتے آتے ہیں اپنے رب کے فرض ادا کرنے کو دس قدم آگے جانا کیا دشواری ہے،اصل حکم یہ ہے،اگر عمل اس پر واقعی ناممکن ہو تو وجوہ دشواری سے مفصل اطلاع دیں اگر معقول ہوئیں تو چارہ کار بتایا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۸،۲۰۹: مسئولہ حاجی محمد رمضان وابراہیم پیر زادہ وغیرہما انصاری سکنہائے قصبہ پالی مارواڑ کیریہ محلّہ ناڈی ۴ذو القعدۃ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ پالی مارواڑ محلّہ ناڈی میں فقیر ٹونڈے شاہ نے اپنے مکان میں ایک چھوٹی سے مسجد خاص اپنے ہی واسطے نماز پڑھنے کے لئے بنوالی اور تازیست خود اسی میں وہ نماز پڑھتا رہا عام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔جب ٹونڈے شاہ لاوارث مر گیا تو اس مکان کا قبالہ یعنی پٹہ سرکار راج مارواڑی نے بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کر دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ ٹونڈے شاہ تو،نااولاد گیا لہٰذا اس کے مکان کا پٹہ یعنی قبالہ حاجی اعظم شاہ صاحب کے نام کر دیا گیا ہے۔سو اب اس مکان پر قابض اور متصرف حاجی اعظم شاہ کی اولاد رہے گی کسی دوسرے کا کوئی حق اور ملکیت اس مکان پر نہیں ہے،چنانچہ تخمیناً سو برس عرصہ ہوا آج تک اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم اس مکان پر قابض اور متصرف ہے،تھوڑا عرصہ ہوا کہ چند اشخاص ناحق شناس نے عدالت میں مسجد کو اپنے قبضہ وتصرف میں لانے کی غرض سے دعوی کیا مگر بروئے پٹہ سرکار کے عدالت نے حق اور ملکیت اس مکان اور مسجد پر اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم ہی کا بدستور قدیم قائم رکھا،اب وہی اشخاص مذکورین اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم کو تنگ کرتے ہیں کہ یا تو مسجد کو چھوڑ دو اور نہیں تو تم کو اسلام سے خارج کرادیں گے۔لہٰذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس مسجد کو اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم سے جبراً لے لی جائے تو اس مسجد میں نماز عندالشرع صحیح ودرست ہوگی یا کیا؟

دوم اگر اولاد حاجی اعظم صاحب مرحوم مسجد کو نہ چھوڑیں تو مخالفین ان کو اسلام سے خارج بحکم شرع شریف کر سکتے ہیں یا کیا؟

اور یہ امر بھی واضح رہے کہ مسجد متنازعہ عام مسلمانوں پر وقف نہ ہونے کی وجہ سے سرکار راج مارواڑ نے اس کا پٹہ بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کر دیا ہے،اور جو مسجدیں کہ عام مسلمانوں پر وقف کی گئی ہیں ان کا یہ سرکار راج مارواڑ بصیغہ لاوارث نہیں کرتی ہیں،لہٰذا امیدوار کہ اس صورت میں جو امر حق ہو ارشاد فرمائیں اور عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہوں،**فقط**۔

الجواب:

اس سوال میں چند باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے:

(۱) وہ مسجد مکان کے اندر کس حیثیت سے ہے؟

(۲) مسجد تک راستہ مکان کی زمین مملوک میں ہے یا کس طرح ہے؟

(۳) ٹونڈے شاہ کے وقت میں اور بھی لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے یا تنہا وہ پڑھتے تھے اگر اور لوگ بھی پڑھتے تھے تو کون اس محلّہ کے یا عام راہ گیر یا کیا؟

(۴) اس مسجد کی ہیأت کیا ہے، اس میں محراب، منبر، برجیاں، منارے وغیرہ ہیں یا نہیں؟ بہتر ہو کہ اس مسجد اور مکان کا شارع عام تک پورا مفصل واضح نقشہ بنا کر بھیجئے۔

(۵) اس کا کیا ثبوت ہے کہ ٹونڈے شاہ نے وہ مسجد خاص اپنے لئے بنائی اور کسی کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی؟

ان باتوں کا مفصل جواب اسی ورق کی پشت پر مع نقشہ لکھ کر یہ ورق واپس کیجئے تو جواب دیا جائے ان شاء اللہ **تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: مسئولہ یعقوب علی نقشبندی قادری مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ دھنیہ اسٹیشن مالوسانہ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یعنی مسجد میں تیل خرچ سے زائد قریب تیس آثار کے جو عرصہ سے جمع ہے اس تیل کو فروخت کرکے قیمت اس کی اخراجات مسجد میں لائی جائے یا یہ کہ اس کو محتاجوں میں تقسیم کیا جائے؟

الجواب: اگر مسجد کے لئے روزانہ تیل دوسری جگہ سے آتا ہے مسجد کو خریدنا نہیں ہوتا جس کے باعث یہ تیل مسجد میں کام آنے کی امید نہیں یا اس کی حفاظت میں وقت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اسے متولی واکثر متدین اہل محلّہ امانت یا دیانت واعلان کے ساتھ بیچ کر اخراجات مسجد میں صرف کردیں، محتاجوں میں تقسیم کرنا جائز نہیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۱ تا ۲۱۲:　　بروز سہ شنبہ　　۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

اولاً: ایک مسجد کے ایک پہلو میں فرش صحن کے نیچے دکانات کے آثار تھے، مگر ان کی چھت کی بلندی

صحن مسجد کی عام سطح سے کہیں ممتاز نہیں تھی یعنی دکانات کی چھت اور مسجد کا بقیہ صحن سب ایک سطح مستوی تھی اور یہ کل رقبہ ایک فصیل سے محاط تھا، اس فصیل کے اندر اندر کل اراضی مسجد اور مصلی تھی اب وہ دکانات دوبارہ تعمیر ہوئیں، فصل گرادی گئی، صحن مسجد کا وہ جز جو دکانات کی چھت بنا ہوا تھا دکانات میں ڈال دیا گیا، اور وہ اتنی اونچی پائی گئیں کہ بقیہ صحن سے ایک قد آدم سے زیادہ بلند ہیں۔ اس چھت کے پرنالے مکانات کے پچھیت پر یعنی صحن مسجد میں اتارے گئے اور صحن مسجد کے کنارے پر پچھیت کی جڑ میں ایک عرض محدود کردیا گیا جس پر وہ پرنالے گرتے ہیں اور اس نالے میں بھی لوگ وضو کرنے لگے، اس چھت سے ملحق ایک بالاخانہ اور چھت کل کو ایک مکان کی حیثیت سے کرایہ پر اٹھا دیا گیا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو، سوال یہ ہے کہ اب یہ چھت مسجد کے حکم میں ہے یا خارج از مسجد؟ اور اس پر ایسے تصرفات جائز ہیں یا نہیں جو مسجد پر ناجائز ہوتے ہیں، مثلاً بود وباش رکھنا نجاست ڈالنا وغیرہ اور مذکورہ بالا پرنالے اور نالی قابل قائم رکھنے کے ہیں یا نہیں؟

ثانیاً: ایک مسجد کے صحن کا ایک جز مصلی کاٹ کر موڑ پر سے محدود کردیا گیا بدیں غرض کہ نمازی اس جگہ جوتا اتارا کریں، یہ تصرف اور اس جگہ جوتے اتارنا جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالاخانہ حجرہ کا صحن و گزرگاہ کردینا دوسرا حرام، اور اسے کرایہ پر اٹھا دینا تیسرا حرام، اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑ لیا محدود کردینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔ غرض یہ افعال حرام در حرام حرام در حرام ہیں۔ فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کرکے مسجد مثل سابق کردیں۔ در مختار میں ہے:

لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم اراده البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیه فاذاکان هذافی الواقف فکیف لغیره فیجب هدمه ولو علی جدار المسجدولایجوز اخذالاجرةمنه ولاان	اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ، تو جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر

بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی حصہ کو ذریعہ آمدن یا رہائش گاہ بنانا جائز نہیں، بزازیہ (ت)	یجعل شیئامنه مستغلا ولا سکنی بزازیة[1]۔

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کردیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل ومردود وحرام ہے،او قاف میں تبدیل و تغیر کی اجازت نہیں **لایجوز تغییر الوقف عن هیأته**[2] (وقت کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ت) مسجد کے بجمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے **قال الله تعالٰی** "**وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ**"[3] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فوراً فوراً اس ظلم کی منڈیر کو دور کرکے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ سعید الرحمٰن ناظم اتحاد و منتظم کمیٹی جامع مسجد پیلی بھیت ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ

کیا حکم ہے شریعت غرا کا مسائل مندرجہ ذیل میں، جواب شافی سے مطمئن و معزز فرمایا جائے:

(۱) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا، کسی معذور، بیوہ یا کسی مسجد یا خاص اسی مسجد کی ضروریات کے لئے کسی قومی یا مذہبی ضرورت کے لئے چندہ وخیرات مسجد میں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو مکان و زمین وغیرہ کہ وقف ہے یعنی کسی مسجد ومدرسہ کی ضروریات کے لئے وقف کی گئی ہے مرور ایام یا کسی اور وجہ سے اس میں ایسا تغیر واقع ہوگیا ہے کہ اس کو رکھنے میں فی الجملہ نقصان ہے اس کو اس نیت سے کہ آئندہ اور نقصان ہوگا فروخت کرکے اس کی قیمت اس مسجد ومدرسہ میں داخل کرنا یا بجائے اس کے اس سے زیادہ نفع کی کوئی چیز اس مسجد ومدرسہ کے لئے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ نیز مستعمل وبیکار چیزیں نیلام کرنا یا فروخت کرنا کیسا ہے؟

(۳) مقامی حالت کا اندازہ کرکے کسی مسجد وغیرہ کے انتظام ونگہداشت کے لئے چند مسلمانوں کو منتخب کرکے دوسرے لوگوں کو جو اس انتظام کے لئے مخصوص نہیں کئے گئے ہیں روکنا کہ وہ بطور خود مسجد میں دست اندازی نہ کریں جس سے مقررہ انتظام میں ابتری وبرہمی پیدا ہونے کا خیال ہے یا بغیر امتیاز کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹
[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰
[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ہر شخص کو وعظ کہنے کی اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علماء نے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہئے کہ ستر پیسے اللہ تعالٰی کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لئے مانگایا مسجد خواہ کسی اور ضرورت دینی کے لئے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔

(۲) وقف کو بیع کی اجازت نہیں ہوسکتی جب تک واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، فی الجملہ نقصان یا آئندہ اس کا احتمال اس کی اجازت کا کفیل نہیں ہوسکتا، مسجد کی مستعمل چیزیں مثلاً چٹائیاں، دریاں، لوٹے صرف مستعمل ہونے کی وجہ سے بیچنے کے کوئی معنی نہیں، اور ایسی اشیاء میں سے جو بیکار ہوجائے وہ دینے والے کی طرف واپس ہوجاتی ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

(۳) بغیر امتیار وعظ کی اجازت دینا جائز نہیں اور روکنا واجب ہے، ان کا انتظام اگر صحیح ومطابق شرع وموافق مصالح مسجد ہو تو دوسروں کو اس میں دست اندازی کی وجہ نہیں اور وہ روکے جاسکتے ہیں اور اگر ان کا انتظام خلاف شرع ہو تو ہر مسلمان اس میں دست اندازی کرسکتا ہے اور اس کے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: آہود ملک مارواڑ متصل ایرپتوار پیر محمد امیر الدین روز یک شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

پیش امام میں کون کون صفت ہونی چاہئے؟ آیا کہ مسجد کا تیل وہ گھڑے وروٹی وغیرہ فروخت کرنا جب ان لڑکوں سے مار پیٹ کر روٹی منگانا وہ روکھی لائیں تو ان کو مارنا اور جمعے کے روز بھی لڑکوں کو اسی واسط بلوانا کہ میری ریاض کی روٹیوں میں فرق نہ پڑ جائے اور مسافر بھوکا رہے تو رہے مگر روٹی شکر وہاں نافروخت ہوئے تو دوسری موضع جاکر فروخت کرنا اور پانی کے گھڑے جو مسجد میں وضو کے واسطے موہلے والے لے کر آئیں تو امام اپنے مکان پر پانی پہنچادے وضو والے تکلیف اٹھاتے اور مسافر وغیرہ سب تکلیف اٹھاتے تو ایسے امام کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہی ساتھ والے ہو کر یہ بات کرے تو جائز ہے؟

الجواب:

امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت، غیر فاسق معلن، عالم احکام نماز وطہارت ہونا چاہئے جس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلّت ونفرت پیدا ہو، مسجد کے گھڑے اپنے لئے فروخت کرنا حرام ہے اور مسجد کا تیل اگر دینے والوں کی اجازت ہو کہ جو خرچ سے بچے اسے

امام یا مؤذن یا مسجد کا خادم لے لیا کرے تو وہ بچا ہوا جمع کرکے بیچنا جائز ہے، مسجد کی روٹی دینے والے نے جسے دی تھی اگر بطور تملیک دی تھی تو اس کو بیچنے کا اختیار ہے اور اگر بطور اباحت دی جیسے کھانا سامنے لاکر رکھتے ہیں کہ جتنا پیٹ میں آئے کھالو اسے صرف کھانا جائز ہے بیچنا یا دوسرے کو دینا حرام۔ جبراً روٹی منگانا حرام ہے مگر جب کہ وہی نوکری کی اجرت قرار پائی ہو، اور اس کے لئے لڑکوں کو مارنا جائز نہیں مگر جب کہ وہی اس واجب شدہ روٹی کے لانے میں قصور کرتے ہوں اور مارنا ہاتھ سے ہو نہ کہ لکڑی سے، اور تین بار سے زائد نہ ہو، اور منہ پر نہ ہو۔ اور جمعہ کو بھی روٹی منگا سکتا ہے جب کہ وہ اجرت میں ٹھہری ہو۔ اور روٹی کہ اس کی ملک ہوجائے اسے اس کے بیچنے کا اختیار ہے خواہ وہاں بیچے یا دوسری جگہ۔ جو پانی مسجد میں وضو کے لئے رکھا گیا اسے اپنے گھر لے جانا جائز نہیں اگرچہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور تکلیف ہو تو دوہرا حرام۔ جو باتیں ان میں ناجائز بتائی گئی ہیں جو امام ان کا ارتکاب کرے اور باز نہ آئے اسے امام نہ رکھنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۹: ابوتراب محمد اسمٰعیل موضع پنچم سینگ ڈاکخانہ جعفر گنج، چہار شنبہ ۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں کہ چار کنارہ پر چار مساجد مدت بیس بائیس برس سے جاری ہیں اور ہر مسجد میں تخمیناً بیس یا پچیس آدمی نماز جمعہ کی پڑھتے چلے آئے ہیں اور ان چار مساجد میں سے ایک قدیم ہے لیکن وہ بھی موضع کے ایک کنارہ پر واقع ہے اب کوئی عالم صاحب بنظر ہدایت واصلاح دین ودنیا ورضائے خدا ورسول اہل موضع کو بلا کر کہے کہ بحسب حدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتبعو السواد الاعظم ویداللہ فوق الجماعۃ[1]۔	سواد اعظم کی پیروی کرو اور اللہ تعالٰی کا دست رحمت جماعت پر ہوتا ہے (ت)

ان چاروں جماعت کو اکٹھا کرکے نماز جمعہ کی بطور اکمل واشرف ادا کیا کرو۔ اہل موضع بالاتفاق بایں شرط اس بات میں راضی ہوئے کہ گاؤں کے بیچا بیچ میں جامع مسجد ہو، بعدہ مسجد قدیم والے کچھ پس وپیش کرنے لگے کہ یہاں سب کیوں نہیں آتے مسجد قدیم کو کس طرح توڑوں ما بقے تین مساجد والے بوجہ حرج مسافت وبعد مسجد قدیم کے اسمیں راضی نہیں۔ اس سوال میں یہ تین باتیں ضرورت طلب ہیں:

(۱) اول، عالم صاحب مذکورۃ الصدر کو ان چاروں مسجدوں کے ٹین وستونوں کو اکھیڑ کے موضع کے بیچ میں ایک مسجد جامع بناکر چاروں جماعت کو لے کے اس مسجد جامع میں نماز جمعہ کی پڑھنی جائز ہے

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵و۱۱۶

یا نہیں، اور وہ عالم اس امر میں مستحق ثواب ہوگا یا عذاب؟

(۲) دوم، ان چاروں مسجدوں کا متروکہ بیٹ یعنی جاگیوں کا کیا حکم؟

(۳) سوم، مسجد قدیم والے کا عذر مذکورہ مکتوبہ از روئے شرع شریف و دین منیف مسموع یا غیر مسموع مستحسن یا غیر مستحسن؟

بینوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے گاؤں کے لفظ سے تعبیر کیا، اگر وہ واقع میں گاؤں ہے شہر یا قصبہ نہیں جب تو سرے سے مبنائے سوال باطل ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور اگر گاؤں سے بستی مراد ہے اور وہ بستی کم از کم قصبہ ہے، جب یہ حرام ہے کہ اور مسجدوں کو برباد کرکے جامع مسجد بنائی جائے، نہ ان مسجدوں کے ٹین وستون اس کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولا نقل مالہ الی مسجد اٰخر [1]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ ان مسجدوں کی زمینوں کا کسی دوسرے تصرف میں لانا حلال ہو سکتا ہے، جو ایسا کرے گا سخت ظالم و مستحق سخت عذاب ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

اور جب کہ بعد مسافت کی وجہ سے حرج ہے تو لوگ مجبور نہیں کئے جاسکتے کہ جمعہ ایک ہی جگہ پڑھیں کہ مذہب صحیح معتمد مفتی بہ میں شہر میں تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۰: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ انوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید و فروخت تجارت کر سکتے ہیں، مسجد کے جمع مال افزود کے لئے؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

الجواب:

تجارت میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین و خائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۱: از برٹس کائنامرارا پترس ہال وپچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں عالم ہوں اور مجرد مسجد ہونے کے ایک مکان میں پنجوقتی نماز اور عید کی نماز اور جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے، اور حال یہ ہے کہ اس مکان کے مالک نے عام اجازت دے دی ہے کہ جس کی خوشی ہو وہ آکر نماز پڑھے جمعہ اور عید اور پنجوقتی کی، آیا اس مکان کو پھر اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں، فقط۔

الجواب:

اگر اس نے اس مکان کو نماز کے لئے وقف کر دیا تو وہ مسجد ہی ہے اسے اس میں رہنا جائز نہیں تمام آداب مسجد لازم ہیں اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں ہے اور اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا، تو اس میں نماز جائز ضرور ہے اگرچہ جمعہ وعیدین کی کہ ان کے لئے بھی مسجد شرط نہیں مگر بلاعذر شرعی عیدین میں ترک سنت اور فرائض میں ترک واجب ہے، یہ کہنا کہ میں عالم ہوں اگر کسی وقت کسی ضرورت و مصلحت شرعی کے سبب ہے تو حرج نہیں، قال سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیه: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۝" [1] (بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ت) اور اگر بلاضرورت ہے تو جہل اور خود نمائی ہے خودستائی کے لئے ہے تو سخت گناہ ہے قال اللہ تعالٰی "فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی پاکیزگی مت بیان کرو۔ت) حدیث میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲: از مدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس مسئولہ امان اللہ مدرس یکشنبہ ۲۵صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زید نے چند مسلمانوں سے کچھ روپیہ بطور چندہ مجتمع کیا یہ کہہ کر کہ اس روپیہ سے زمین مسجد بنانے کو خرید

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۴۳۳

کی جائیگی، اس نیت سے لوگوں نے چندہ دیا اور اس روپیہ سے چندہ کے ایک زمین خریدی گئی، وقت بنائے مسجد قطب نماوغیرہ سے سمت قبلہ درست کرنے میں منجملہ زمین خرید شدہ چند ہاتھ زمین بسبب کجی کے احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی مسجد بہمہ وجوہ تیار ہوگئی اس میں جمعہ جماعت جاری ہے لیکن کسی مسلمان نے نہ زبانی اب تک ایسا کہا کہ یہ سب زمین خرید شدہ ہم نے وقف کی نہ ایسی تحریر کسی منتظم مسجد یا چندہ دہندگان کیطرف سے ہوئی، ایسے حال میں علمائے دین سے سوال ہے کہ وہ زمین احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی ہے زمین مسجد سمجھی جائے گی اور اس کا حکم مسجد کا ہوگا یا فقط زمین موقوفہ کہی جائے گی حکم مسجد میں نہ ہوگی، اور بہر حال اس زمین کا بیع وشراء یا اس میں تصرف مالکانہ کرنا جائز ہوگا یا ممنوع وناجائز؟ منتظم مسجد نے اس زمین کو خارج مسجد سمجھ کر ہمسایہ کے ایک مسلمان سے کچھ روپیہ لے کر اس کو دے دی اور اس روپیہ کو مسجد کے متعلق خرچ کیا اور اس مسلمان نے اس زمین سے زینہ اپنے مکان کی چھت کا بنایا اس سے عام مسلمان ناراض ہیں کہ زمین مسجد یا زمین وقف میں کیوں ایسا تصرف کیا گیا، اب اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ آیا وہ زینہ تڑوا کر زمین واپس لے لی جائے یا اس کے عوض میں جو روپیہ وہ مسلمان دے چکا ہے اس سے وہ زمین اس کی مملوکہ ہوئی؟ زینہ تڑوانے اور زمین واپس لینے کا حق شرعاً مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان بلانالش کرنے کے عدالت حاکم وقت میں زینہ توڑنا اور زمین واپس دینا نہ چاہے تو مصارف نالش ذمہ منتظم ہوگا جس نے روپیہ لے کر زینہ بنانے کی اجازت دی ہے یا عام مسلمانان کے ذریعہ وہ خرچ ہوگا۔ ہر شش سوال کا جواب عام فہم مفصل ہو دلائل ونقل عبارت مستندات درکار ہے۔ بدون اس کے تشفی عام مسلمانان وصورت رفع نزاع متصور نہیں، **فقط**

الجواب:

اگر چندہ دینے والے سب یا ان کا وکیل ماذون بعد خریداری زمین یہ کہہ دیتا کہ اس زمین کو مسجد کیا تو وہ کل مسجد ہوجاتی اور اس میں سے کسی جزو کی بیع یا کوئی تصرف مالکانہ مطلقاً حرام ہوتا لیکن ظاہراً یہاں ایسا واقع نہ ہوا بلکہ زمین خریدی گئی کہ اس میں مسجد بنائی جائے گی اور بنانے میں تصحیح سمت کے سبب ایک حصہ چھوٹ گیا، جس قدر بنی وہی مسجد سمجھی گئی اور اس میں نماز جاری ہوئی، حصہ متروکہ کو اگر چندہ دہندوں یا ان کے وکیل ماذون نے وقف علی المسجد کردیا تو اب بھی اس کی بیع ناجائز ہوئی مگر سوال سے اس صورت کا وقوع بھی ظاہر نہیں ہوتا، صرف اتنا ہوا کہ وہ چندہ دے کر اس روپے اور زمین سے بے تعلق ہوگئے اور یہ ملک سے خارج ہونے کا موجب جب تک وقف شرع نہ پایا جائے یہ بیع اور اس روپے کا مسجد میں صرف کرنا اگر اجازت مالکان سے تھا یا بعد وقوع انہوں نے اجازت دے دی تو دونوں تصرف صحیح ہوگئے، اور اگر مشتری کی خریداری اور زینہ بنالینے کو ایک کافی زمانہ گزرا اور مالکوں نے تعرض نہ کیا تو یہ بھی

اجازت سمجھی جائے گی، فقط، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳ تا ۲۲۵: از مقام قاضی کیری ڈاکخانہ نویسی ضلع بھاگلپور بمکان شیخ شمس الدین صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز شنبہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد خام تخمیناً بیس ۲۰ برس سے تھی بمشورہ مسلمان موضع پختہ بنانے کی رائے ہوئی، جس وقت نیو دیوار کھودی گئی قبر نکلی، دریافت کرنے سے جو ضعیف موضع تھے معلوم ہوا ان سے کہ ہم نے اپنے والد وغیرہ سے سنا ہے کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے، اکثر مکانوں میں بھی قبر نکلتی ہے، نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد کسی صرف میں آسکتی ہے یا پرتی میدان رہے گا، میدان رہنے میں ممکن ہے زمیندار کسی کو دے دے پھر اس کی حفاظت کی کیا صورت کی جائے؟

(۲) اس موضع کا مالک ایک کافر راجہ ہے وہ حتی الامکان دوسری جگہ مسجد بنانے سے مانع ہوگا اور یہاں رعیت کو اختیار بیع وفروخت ہے راجہ کچھ نہیں کرسکتا ہے صرف مالگزاری کا مستحق ہے اگر خلاف مرضی راجہ دوسری جگہ مسجد بنائی جائے تو مالگزاری جو مقرر ہے نہیں چھوڑے گا، پس اس صورت میں جبکہ مالگزاری برابر زمیندار لیتا رہا حکم میں مسجد کے ہوگا یا نہیں؟ بصورت عدم جواز جو مسجد اس طرح بنی ہو کیا حکم ہے، منہدم کردیں یا کیا کریں؟

(۳) جب کہ کل موضع قبرستان پر آباد ہے تو جو لوگ نماز گھر میں پڑھیں جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ خبر کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے بہت بعید و شنیع امر کی خبر، اور خود اپنے مخبروں کی بے اعتباری ورد شہادت پر دلیل روشن ہے، جن اشخاص نے ایسا بیان کیا اگر بے نمازی ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا فسق ورد شہادت درکار، اور اگر نمازی ہیں تو قبروں پر نماز حرام ہے، یہ حرام خصوصاً علی الدوام کرکے بھی فاسق ومردود الشہادۃ ہوئے بلکہ سب بستی قبروں پر آباد ہے تو مقابر پر چلنا پھرنا، سونا، بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا کس نے حلال کیا۔ دانستہ مدام ان کے ارتکاب سے بھی فسق ظاہر، بہر حال خبر مردود ونا مسموع ہے بلکہ بالفرض اگر یہ لوگ ان محرمات کے ارتکاب سے خود محفوظ بھی ہوتے تو اور مسلمان کو ان میں مبتلا دیکھ کر مدتوں یہ شہادت ادا نہ کرنا اور اب بتانا یہ خود کیا فسق کے لئے کافی نہیں۔ اشباہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشہادۃ فی	بغیر طلب اداء شہادت واجب ہے اگر وہ شہادت

حقوق اللہ تعالٰی و متی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد[1]۔	حقوق اللہ سے متعلق ہو اور شاہد حسبہ نے بلاعذر شہادت میں تاخیر کی تو وہ فاسق ہوگا اور اس کی گواہی مردود ہوگی (حسبہ وہ ہے جس سے ثواب آخرت کی توقع ہو)۔(ت)

غرض ان کے کہنے پر کچھ نظر نہ کی جائے، مسجد بنائی جائے اور اگر قبریں نکلیں تو وہ ضرور مسجد ہے اور اس میں نماز جائز اور اس کی حفاظت واجب۔ قبر جو نکلی ہے اور اس پر نماز نہ پڑھیں، نہ اس کی طرف پڑھیں، اس کے برابر آگے داہنے بائیں پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ اگر قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کی قربت سے نماز میں اور برکت آئے گی،

کما فی اللمعات و مجمع البحار و کثیر من الاسفار وقد بیناہ فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ لمعات، مجمع البحار اور متعدد کتب جلیلہ میں ہے اور تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیلاً بیان کردیا ہے۔ (ت)

قبر کے شرقی جانب آدھ گز بلند ایک اینٹ کا سترہ قائم رکھیں پھر اس طرف بھی نماز جائز ہوجائیگی، اور اگر ان لوگوں کا اس مسجد کی نسبت بیان صحیح نکلے کہ جابجا قبور برآمد ہوں تو وہ بیشک مسجد نہیں۔

فان الوقف لایوقف اخری ولایحل اتخاذ القبور مساجد ولاتباح الصلوۃ علیھا۔	وقف کو دوبارہ وقف نہیں کیا جاسکتا اور قبور کو مسجدیں بنانا حلال نہیں اور نہ ہی قبور پر نماز پڑھنا مباح ہے (ت)

اس صورت میں دوسری جگہ مسجد بنانی لازم، اور راجہ اگر مالگزاری نہ چھوڑے تو اس سے مسجد میں کچھ خلل نہ آئے گا فان غایتہ الظلم والظلم لایبطل الحق (کیونکہ نتیجۃً یہ ظلم ہے اور ظلم حق کو باطل نہیں کرتا۔ت) اور پچھلی صورت میں پہلی عمارت کہ حقیقۃً مسجد نہیں ضرور منہدم کردی جائے کہ بوجہ قبور اس میں نماز جائز نہیں اور صورت مسجد باقی رہے گی تو ناواقف کو دھوکا دے گی وہ اس میں نماز پڑھے گا نماز بھی خراب ہوگی اور قبور پر چڑھنے سے ان کی بھی بے حرمتی ہوگی۔ یہ دو سوالوں کا جواب ہوا۔ تیسرے کی بنا اس پر ہے کہ وہ کل موضع قبرستان پر آباد مان لیا جائے اور ہم اوپر ثابت کرچکے کہ یہ خبر مدفوع و نامسموع ہے۔ اگر تسلیم کی جائے تو نہ صرف نماز وہاں چلنا پھرنا، رہنا، بسنا، پاخانہ، پیشاب سب حرام ہوجائے گا کما بیناہ فی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں بیان کرچکے ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

مسئلہ ۲۲۶: ازڈھاکہ محلّہ مولوی بازار کوٹھی نمبر ۱۱ مسئولہ برکات احمد سوداگر ۱/ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندر اس مسئلہ کے، مسجد پختہ چندہ جمع کرکے بنانا کیسا ہے اور چندہ دینے والوں کو اس کا اجر کیا ملے گا؟ والسلام سنت اسلام۔

الجواب:

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من بنی للہ مسجدا زاد فی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[1] زاد فی روایۃ من درویاقوت[2]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اگرچہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے گھونسلے کے برابر، اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل تیار فرمائے گا۔

اور اس میں ہر وہ شخص جو کسی قدر چندہ سے شریک ہوا، داخل ہے۔ ساری مسجد بنانے پر یہ ثواب موقوف نہیں۔ مدینہ طیبہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنائی، پھر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں زیادت فرمائی، پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اس کی تعمیر میں افزائش فرمائی، اس پر یہی حدیث روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۷: روز شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان خس پوش پیش مسجد وملکیت مسجد واقع ہے اس کو توڑ کر اراضی مسجد میں شامل کرلیا جائے اور امورات نیک مثل نماز جنازہ وغیرہ کے واسطے محدود کردیا جائے، دوسرے ہر شخص کو وقت آمدورفت مسجد کواڑ دروازہ مسجد بھیڑ کر آنا جانا چاہئے یا نہیں؟ پس صورت مسئولہ میں حکم شرع شریف کا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے اگر خلاف شرط واقف نہ ہو، مسجد کے کواڑ کبھی نہ بھیڑے جائیں گے بعد فراغت نماز عشاء جبکہ کسی کے آنے کی امید نہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۱، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للہ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عبدالرب مراجھلیا احاطہ امریا ضلع پیلی بھیت ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

گرد مسجد کس قدر زمین جنت ہے پیائش مہرے گر تین فٹ والے کی لکھی جائے، فقط۔

الجواب:

مسجد کی نسبت ایک حدیث روایت کی جاتی ہے روز قیامت تمام مساجد کی زمین جمع کرکے داخل جنت کی جائے گی،

تذھب الارضون کلھا یوم القٰیمۃ الاالمساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض[1] قال الشراح ای فتصیر بقعۃ فی الجنۃ[2]۔	قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہوجائینگی سوائے مساجد کی زمینوں کے کہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملادیا جائے گا یعنی اکٹھا کردیا جائے گا۔ شارحین حدیث نے فرمایا کہ وہ جنت کا حصہ بنادی جائیں گی۔(ت)

اور یہ تو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

اذامررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ یارسول اللہ قال المساجد قیل وما الرتع قال سبحٰن اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر[3]۔ رواہ الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریوں پر گزرو تو ان میں چرو ان کا میوہ کھاؤ، عرض کی گئی یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کی گئی وہ چرنا کیا ہے؟ فرمایا یہ کہنا "سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر" (اس کو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مگر یہ حدیث محتمل تاویل ہے اور پہلی روایت میں سخت تعلیل ہے اور مسجد کے قریب اصلاً کسی حصہ کا جنت سے ہونا وارد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: مرسلہ سید محمد حسین علی قاضی سید پور علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ اورنگہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پرانی ہے اور اس کو

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۲۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۵/ ۱۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت مذکورہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۴۴۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸۹

بنانے کے لئے اس کا پرانا سامان لکڑی وغیرہ نکلا کچھ سامان تو اس میں لگ گیا اور کچھ سامان لکڑی بچ رہے اب اس کو کس کام میں لانا چاہئے اور اس میں بہت سی لکڑی ایسی ہے کہ وہ جلانے کے سوا اور کچھ کام میں نہیں آسکتی ہے سو اس لکڑی کا جلانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اور باقی جو کہ اچھی لکڑی ہے اس کو دوسرے شخص معتبر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب تحریر فرمائے گا۔

الجواب:

مسجد کا عملہ جو بچ رہے اگر کسی دوسرے وقت مسجد کے کام میں آنے کا ہو اور رکھنے سے بگڑے نہیں تو محفوظ رکھیں ورنہ بیع کردیں اور اس کے دام مسجد کی عمارت ہی میں لگائیں لوٹے، بوریہ، تیل بتی وغیرہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ یہ سب کام متولی اور دیانت دار اہل محلّہ کی زیر نگرانی ہو۔ بیع کسی ادب والے مسلمان کے ہاتھ ہو کہ وہ اسے کسی بے جا یا ناپاک جگہ نہ لگائے۔ لکڑی کہ جلنے کے سوا کسی کام کی نہ رہی سقایہ مسجد کے صرف میں لائیں اور اگر بیع کردیں تو خریدنے والا بھی اسکو جلاسکتا ہے مگر اپلے کی معیت سے بچائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: مرسلہ اسمٰعیل خاں کارندہ موضع ریونڈہ ڈاکخانہ مونڈہ تحصیل وضلع مرادآباد ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص گانے بجانے کاکام کرتا ہے اور فونو گراف باجا بھرنے پر بھی اجرت تنخواہ پاتا ہے اور کوئی ہندو جو زمیندار بھی ہے اور سود وغیرہ کی آمدنی بھی اس کو ہوتی ہے ایسے ایسے دونوں قسم کے اشخاص کے روپیہ سے مسجد کا وضوخانہ بنانا یا مسجد پر کلس چڑھانا شرعیہ قاعدہ سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو مال بعینہٖ حرام ہو وہ ان کاموں کے لئے لینا بھی حرام ہے، اور جس کی نسبت یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص مال حرام ہے اس کے لینے میں مضائقہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱تا۲۳۳: از راندیر ضلع سورت مسئولہ محمد اعظم ناخدا بروز شنبہ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

ماقولکم اندریں صورت کہ مسجد کے نقد روپے پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ جمع یعنی موجود تھے اور اسی روپے سے مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے یعنی اہل محلّہ نے ٹھہراؤ یعنی مقرر کیا ہوا تھا مگر نصف کام ہو کر روپے تمام ہوگئے لہذا مسجد کی آمد کے لئے جو ملکیت واقف نے وقف کی ہوئی ہوں اس کی آمد سے دوسری ملکیت زیادہ کی ہوں یعنی آمد سے دوسری ملکیت خرید کی ہو ان کو متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ کی صلاح سے فروخت کرکے مسجد کو تمام کردے یا بستی کے مسلمانوں کو بھی کمیٹی کرکے صلاح لے اور حاکم وقت کی منظوری درکار ہے کہ نہیں. بروقت نہ ہونے قاضی کے، اور واقف کی کوئی شرط یا لکھان ایسا نہیں ہے جسے کوئی بیچ سکے۔

دیگر سوال: مسجد کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہ ہو اور مسجد کے خرچ واخراجات سے آمد بہت زائد ہو تو کیا متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر کے مدرسہ اس فاضل آمدنی سے کھول سکتا ہے کہ نہیں؟ یا مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر یا اہل بستی کے مسلمانوں کی کمیٹی کرکے ان کی رائے لے کر کے مدرسہ کھولے اور حاکم وقف کے حکم کی منظوری ملانا ضروری ہے کہ نہیں؟ کیونکہ واقف کی نیت فقط یہ تھی کہ میرے وقف شدہ ملکیت کی آمدنی مسجد میں خرچ ہو اور کوئی دلیل نہیں کہ مدرسہ کھولیں تو اس وقت میں حاکم وقت کی منظوری کی ضرورت ہوگی کہ نہیں. بروقت نہ ہونے قاضی شرع کے، **فقط۔**

سوال سوم: بنابرازیں زائد آمدنی اس مسجد کی سے دوسری مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں **فقط۔**

الجواب:

(۱) وہ کہ واقف نے مسجد پر وقف کیا ہے اسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ متولی، نہ اہل محلّہ، نہ حاکم، نہ کوئی، ہاں اس کی آمدنی سے جو جائداد متولی نے وقف کے لئے خریدی وہ مسجد کے لئے بیع ہوسکتی ہے۔ متولی اور اہل محلّہ اور سنی دیندار عالم اور دیانتدار مسلمانوں کے مشورہ سے جس میں غبن اور تغلب کا احتمال نہ رہے۔

(۲) جب کہ واقف نے صرف مسجد کے لئے وقف کیا تو وہ مسجد ہی میں صرف ہوگا اس سے مدرسہ نہیں کھول سکتے، نہ خود، نہ باجازت حاکم۔

(۳) نہیں کر سکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۴: مرسلہ محمد ابراہیم ڈاک خانہ کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

مسجد کے پرانے اسباب یعنی خام اور ٹین اور بانس وغیرہ اپنے گھر کے کاروبار میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگا سکے تو کس کام اور کس طور لگایا جائے؟

الجواب:

ستون اور ٹین کہ مثل سقف تھا اور بانس کہ سقف میں تھے اسی طرح کڑیاں اور اینٹیں، غرض جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجت مسجد سے زائد ہوجائیں اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ رہے تو متولی و متدین اہل محلّہ کی اجتماعی رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارت مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہوسکتی، خریدنے والا انہیں اپنے صرف میں لاسکتا ہے مگر بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵ تا ۲۴۱: از رائل ہوٹل لکھنؤ حبیب اللہ خاں بروز شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص حافظ کسی مسجد میں واسطے امامت وحفاظت کے مقرر ہو وہ مسلمانان اہل محلّہ سے جو مسجد میں نماز کو آئیں ان سے ایسی کج خلقی کا برتاؤ کرے جس کی وجہ سے مسجد میں آنا ترک کردیں اور جماعت میں خلل پڑ جائے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) وہ شخص حافظ جو امام ومحافظ مسجد کا ہو اور مسجد میں پنجگانہ اذان نہ خود کہے نہ کہلوائے، نہ روازنہ صفائی مسجد کی کرے، اور دوسرے نمازیوں کو جو صفائی مسجد میں کریں ان کو مسجد کی خدمت کرنے سے منع کرے اور یہ کہے کہ مسجد کی خدمت کرکے کیا مسجد میں قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس مسجد میں ہم جو چاہیں کریں تم لوگ کچھ نہیں کرسکتے ہو۔ اس پر کیا حکم ہے؟

(۳) جو شخص حافظ امام مسجد ہو اس حق سے مسجد کے درخت اور گملے جو عرصہ دراز سے مسجد کی زیبائش ورونق کے واسطے لگائے ہوئے ہوں اٹھا کر اور اکھاڑ کر اپنے گھر کو لے جائے اور اپنا قبضہ ہر چیز پر جو مسجد میں ہو اس پر ظاہر کرے اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) وہ حافظ جو امام مسجد ہو اور مسجد میں جو بمبا پانی کا نمازیوں کے آرام اور خرچ مسجد کے واسطے لگا ہوا ہو اس کو اکھڑوادے اور منع کرنے سے نہ مانے اور دوسرے مسلمان کو جو مسجد میں بمبا لگوانا چاہیں ان کو منع کرے اور نہ لگانے دے اور نمازیوں کی تکلیف پیش نظر رکھے اس پر کیا حکم ہے؟

(۵) مسجد میں مٹی کا تیل ٹین کی ڈبیہ میں جلائے جس سے مسجد میں بدبو اور سیاہی ہو اور چھت سیاہ ہوجائے اس پر کیا حکم ہے؟

(۶) موسم گرما میں نمازی صحن مسجد میں نماز پڑھنے کو چٹائی بچھانے کی خواہش کریں اور محافظ مسجد چٹائی حجرہ میں بند کردے بچھانے کو نہ دے اور نمازی باہم چندہ کرکے بخیال رفع تکلیف وآسائش نمازیوں کے چٹائی منگا کر بچھانا چاہیں تو ان کو نہ بچھانے دے اور کہے کہ جو کوئی اس مسجد میں چٹائی رکھے گا تو ہم اس چٹائی کو باہر مسجد کے پھینک دیں گے جس کی خوشی ہو اندر مسجد کے یا صحن مسجد میں بحالت موجودہ خواہ گرد اہو یا کچھ ہو نماز پڑھے یا نہ پڑھے اپنی چٹائی نہیں بچھا سکتا ہے، کیا مسجد میں چٹائی بچھا کر مسجد پر نمازی اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں جن کے بزرگوں کی مسجد بنوائی ہوئی ہے ان کی طرف سے ہم مقرر ہیں ہم چاہیں چٹائی مسجد میں ڈالیں یا نہ ڈالیں دوسروں کو ڈالنے کا اختیار ومجاز نہیں ہے، اس پر کیا حکم ہے۔؟

(۷) جو حافظ امام مسجد ہو اور اس طرح کا عمل مذکورہ بالا کرے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور

جماعت میں خلل پڑے اور ان کی وجہ سے مسجد میں آنا چھوڑ دیں اور وہ شخص مسجد کو اپنا مقبوضہ خیال کرے وہ شخص امام رہنے کے قابل ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو خطاب کرنا چاہئے؟ اور اس پر حد شرع کیا ہے؟ **فقط۔**

الجواب:

(۱) اس صورت میں وہ گنہگار و مستحق عذاب ہے کج خلقی وغیرہ تو بڑی بات ہے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسجد میں ایک بار نماز عشاء کی قرأت طویل کی وہ ایک مقتدی کو ناگوار ہوئی، اس کا حال حضور میں عرض کیا گیا اس پر ایسا غضب فرمایا کہ ایسی شان جلال کم دیکھی گئی تھی اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

افتان انت یامعاذ، افتان انت یا معاذ، افتان انت یا معاذ[1]۔	اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو۔

(۲) اذان سنت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے اور بغیر اس کے جماعت مکروہ، یہاں تک کہ اگر امام مسجد آہستہ اذان کہلوا کر جماعت پڑھ جائے وہ جماعت اولٰی نہ ہوگی، بعد کو جو لوگ آئیں انہیں حکم کہ اعلان کے ساتھ اذان کہیں اور پھر از سر نو جماعت کریں، اس کا تارک اور لوگوں کو اس سے منع کرنے والا صریح گمراہ و فاسق ہے، یونہی مسجد کی تنظیف کا بھی شرع میں حکم ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے:

امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان تنظف وتطیب[2]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گھروں میں مساجد بنانے اور انہیں پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا ہے(ت)

جو نہ خود کرے اور نہ اوروں کو کرنے دے مسجد کا بدخواہ ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۲، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب القراۃ فی العشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن نسائی کتاب الامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۳، سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۱۵

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۶

(۳) مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے اور ان کا اکھاڑ ناجائز مگر اس کے لگائے ہوئے نہیں تو اپنے گھر لے جانے کا کوئی معنی نہیں۔ قبضہ اگر مسجد کی اشیاء پر متولیانہ ظاہر کرے تو حرج نہیں جبکہ متولی ہو اور مالکانہ ہو تو حرام۔

(۴) مسجد ہی کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ فنائے مسجد یعنی اس کے متعلق زمین اس کا بلاوجہ شرعی زائل کرنا اور نمازیوں کو تکلیف پہنچانا شرعاً ممنوع ہے، دوسرے یہ کہ عین مسجد میں اگر قبل تمام مسجدیت واقف نے لگایا تو باقی رکھا جائے گا اور اس کا ازالہ بھی ممنوع ہے اور اگر بعد تمام مسجدیت بانی نے خواہ اور کسی نے لگایا تو وہ لگانا حرام اور اکھاڑ دینا واجب۔

(۵) یہ حرام ہے اور اس کا ازالہ فرض، اور کرنے والا مسجد کا بدخواہ، اور دربارہ الٰہی کے ساتھ گستاخ۔

(۶) اس پر استحقاق لعنت ہے اور وہ خود ہی مسجد پر قبضہ مالکانہ کرنا چاہتا ہے دوسروں پر جھوٹا الزام رکھتا ہے۔

(۷) شنائع مذکورہ کے مرتکب فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی منع، اور پڑھ لی تو پھیرنا واجب، اور مسجد پر سے اس قبضہ ظالمانہ کا اٹھادینا لازم، اور شرعاً وہ ہر اس تعزیر کا مستحق ہے جو سلطان اسلام تجویز فرماتا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: مسئولہ سیٹھ آدم جی برادر دولت اعلیٰحضرت یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) مسجد میں چراغ تمام شب جلانا چاہئے یا یا جہاں تک نمازیوں کی آمد ورفت ہو وہاں تک؟

(۲) محراب مسجد کو یا دیوار قبلہ نقش ونگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

(۱) وہاں کے عرف معہود پر عمل کیا جائے جہاں شب بھر روشن رہتا ہے جیسے مساجد طیبہ، مدینہ ومکہ معظّمہ وبیت المقدس وہاں شب بھر روشن رکھنا چاہئے ورنہ نصف شب کے قریب تک۔

(۲) مکروہ ہے کہ باعث شغل قلب نمازیان ہے مگر واقف نے کیا ہو تو ویسا ہی کیا جائے گا اور اس میں نیت تعظیم مسجد ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از وزیرآباد ضلع گوجرانوالا مسجد شیخ لعل نور عالم امام مسجد یکشنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

بخدمت حامی سنت، قامع بدعت، عالم اہلسنت وجماعت، مرجع علمائے وفضلاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ۔

ہماری مسجد بسبب کہنہ ہونے کے شہید کراکر از سر نو تعمیر کرائی جارہی ہے، بعض اصحاب کا خیال ہے

کہ نیچے دکانیں اور اوپر مسجد تعمیر ہو، تاکہ دکانوں کا کرایہ مسجد کے مصالح و مصارف پر وقتاً فوقتاً خرچ ہوتا رہے، اور بعض اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کا احاطہ تحت الثرٰی سے عرش معلٰی تک قابل احترام ہے دکانیں بنانے میں احترام نہیں رہتا کیونکہ مسجد کا گرداگرد ابھی قابل احترام ہے۔ہاں اگر ابتداء بناء میں دکانیں بنائی جاتیں تو جائز تھا جیسا کہ لاہور میں مسجد وزیر خاں اور سنہری مسجد۔ مجوزین کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد کے اوپر امام کے لئے بالاخانہ جائز ہے، اور مسجد کا احترام جیسا کہ نیچے کے حصہ کا ویسا ہی اوپر کا، جب بالاخانہ بنانے سے احترام میں فرق نہیں آتا تو دکانیں بنانے میں کیا حرج ہے، حالانکہ فائدہ ہے۔ نیز مسجد تنگ ہو تو راہ کا کچھ حصہ اس میں ملالینا اور راہ تنگ ہو تو مسجد کا کچھ حصہ راہ میں ملادینا جائز ہے، جب ضرورت کے وقت بلالحاظ احترام ایسا تغیر و تبدل جائز ہے تو دکانیں بنانے میں بھی چونکہ مسجد کے مصلحت کی ضرورت ہے کیوں جائز نہیں ہے اور عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟اور آج کل ضلع گوجرانوالا میں ایک مسجد شہید کراکر نیچے دکانیں بنائی گئی ہیں اکثر علماء نے فتوی جواز کا دے دیا ہے حتی کہ فیصلہ عدالت حکام میں بطور نظیر رکھا گیا ہے، اور فتوی جواز عندالعلماء مسلم ہوچکا ہے۔ غیر مقلدین جواز کے قائل ہیں مگر ہمارا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ کتابوں میں عدم جواز ہی دیکھا ہوا ہے البتہ تذبذب و تشتت ہوگیا ہے۔ لہٰذا خدمت میں گذارش ہے کہ خدا کے واسطے مطابق کتاب وسنت اس مسئلہ کی تحقیق فرماکر جلد مرحمت فرمائیں تاکہ اس جھگڑے سے ہمیں نجات ملے، جواز یا عدم جواز جو حق ہو دلائل قاطعہ سے مدلل فرماکر جلد روانہ فرمائیں کیونکہ عمارت رکی ہوئی ہے اور دیر ہونے میں حرج ہوتا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دکانیں قطعی حرام اور وہ بالاخانہ بھی قطعی حرام، ہاں وقت بنائے مسجد قبل تمام مسجدیت نیچے مسجد کے لئے دکانیں یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بانی بنائے اور اس کے بعد اسے مسجد کرے تو جائز ہے اور اگر مسجد بناکر بنانا چاہے اگرچہ مسجد کی دیوار کا صرف اسارا اس میں لے اور کہے میری پہلے سے یہ نیت تھی ہرگز قبول نہ کریں گے اور اس عمارت کو ڈھادیں گے۔ درمختار میں ہے:

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان هذا فی الواقف	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے لئے حجرہ بنادیا تو حرج نہیں کیونکہ وہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ (تاتارخانیہ)

فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولان یجعل شیئا منہ مستغلا ولاسکنی بزازیۃ۔[1]	جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو کسی اور کو یہ اختیار کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ صرف دیوار مسجد پر وہ استوار کی گئی ہو، اس کی اجرت لینا یا مسجد کا کوئی حصہ کرایہ کے لئے یا رہائش کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں (بزازیہ) (ت)

وقت ضرورت راہ کا حصہ مسجد میں ملالینے کے یہ معنی نہیں کہ راہ بدستور راہ ہے اور اسے مسجد کرلیا جائے جس سے مخالف احترام لازم آئے بلکہ اس پارہ راہ کو جب مسجد میں شامل کرلیا جائے گا وہ تمام احکام مسجد میں ہوجائے گا اور اسے گزرگاہ بنانا ناجائز ہوگا اور مسجد کو بایں معنی راہ بنانا کہ وہ مسجدیت سے خارج اور اس کا احترام ساقط اور راہ میں شامل ہوجائے ہرگز جائز نہیں۔ مسئلہ کہ بعض کتب میں لکھا ہے اس کے معنٰی اور ہیں جس کی تفصیل و تحقیق دیکھنی ہو تو فقیر کا فتاوٰی یا ردالمحتار کا حاشیہ یارسالہ مطبوعہ "قامع الواہیات لجامع الجزئیات" ملاحظہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵: ازراجپوتانہ ریاست کوٹہ مدرسہ انجمن اسلامیہ یوسف خاں مہتمم　شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معاملہ کہ یہاں پر قریب تین سوگز کے آبادی مسلمانوں کی ہے اور یہاں کی جامع مسجد میں علاوہ نماز جمعہ کے پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے اس میں مسافر لوگ باہر کے نمازی وغیر نمازی آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور دن رات وہاں پر رہتے سوتے ہیں، یہ عمل قریب عرصہ تین چار سال سے جاری ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ حالت خواب میں انسان کو اپنے جسم کا خیال نہیں رہ سکتا، ایسے میں اگر احتلام بھی ہوجاتا ہو تو کیا عجب ہے اس کے دفع کے لئے بہت سے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی حتی کہ ایسا عمل کرنے میں ان کے دیکھا دیکھی قصبہ کے مسلمانان بھی پورے طور پر عادی ہوگئے ہیں، ایسی حالت دیکھنے پر منع جو کیا گیا تو جواب ملا کہ بڑے بڑے شہروں میں یہ عمل ہوتا ہے اگر منع ہوتا تو وہاں پر لوگ ایسا نہ کرتے ہم نہیں مان سکتے جب تک کہ ہم کو کسی کتاب سے یا حدیث صحیح سے اس کے عدم جواز کے بارہ میں صاف طور آگاہ نہیں کردیا جائے، علاوہ ازیں ایک حافظ صاحب نابینا ٹونگ کے رہنے والے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ صبح سے چار بجے تک حالت خواب میں رہتے ہیں، کبھی پیر قبلہ کی اور کبھی اوتر کی جانب رہتے ہیں۔ گاہ بگاہ نماز جمعہ تک کے بھی ہاتھ نہیں آتے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

اور یہ صاحب طلبہ خورد سالہ کو جن کو اپنے پیروں کے ناپاکی سے بچانے کا خیال تک نہیں رہتا، جامع مسجد ہی میں درس دیتے ہیں، اور طلبہ صبح سے لے کر چار بجے تک وہاں پر ہی حاضر رہتے ہیں ان منع کیا گیا کہ آپ سمجھدار ہیں یہاں کا سونا اور بچوں کو اس جگہ تعلیم دینا بند کریں کیونکہ ان کے پیر ناپاکی میں آلودرہتے ہیں اور سونا مدرسہ اسلامیہ یا جس صاحب کے مکان پر رہتے ہیں یا جہاں پر علاوہ مسجد کے آپ پسند فرمائیں اختیار کریں جس سے نہایت غصہ میں آکر جواب دہ ہوئے کہ ہم نہیں مان سکتے تمہارا جو جی چاہے کرو، ایسی شکل میں ہمارے واسطے مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟ اب قصبہ میں یہ مرض مسلمانوں میں دیکھا دیکھی زیادہ ترقی پر ہے، مسجد میں بخوبی رہتے ہیں، ایسی صور تہائے مذکورہ بالا میں ہمارے مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ بحوالہ حدیث صحیح کے نہایت شرح سے دیا جائے، **فقط۔**

الجواب:

صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

کرہ النوم فیہ الالمعتکف [1] الخ واستثنی بعضھم الغریب ولاحاجۃ الیہ لانہ یقدر علی ان ینوی الاعتکاف ویذکر اللہ تعالٰی قدر ماتیسر ثم یفعل ما یشاء [2]۔	مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں الخ بعض نے مسافر کو اس حکم سے مستثنٰی کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اعتکاف کی نیت کرکے حسب استطاعت اللہ تعالٰی کا ذکر کرے اور پھر جو چاہے کرے (ت)

مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے، حدیث میں ہے:

جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم [3]۔	اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔ (ت)

خصوصًا اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ اب کار دنیا ہوگیا اور دنیا کی بات کے لئے مسجد میں جانا حرام ہے نہ کہ طویل کار کے لئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الصلٰوۃ باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مسئلہ ۲۴۶: از شہر مظفر پور محلّہ کلیانی حکیم ظہور الحق شنبہ ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک محلّہ میں شہر کے ایک مسجد پختہ مدت دراز سے قائم ہے اور کوئی معتبر شخص نہیں کہتا ہے کہ یہ مسجد زرحلال یا حرام سے کس طرح روپیہ سے بنی ہے اور بنانے والا کون ہے۔ مگر بعض اشخاص غیر معتبر کہتے ہیں کہ یہ مسجد ایک عورت کی بنوائی ہوئی ہے جس نے ایک ملازم سرکاری سے عقد کیا تھااور بعد عقد کے ظروف گلی کے بیچنے کا پیشہ کرتی تھی اور اپنی ظروف فروشی کے حلال روپیہ سے اس نے یہ مسجد بنوائی ہے چنانچہ قبر اس عورت کی صحن مسجد کے دالان میں موجود ہے اب مرمت وغیرہ مسجد مذکورہ کی مسلمانان محلّہ کے خرچ واہتمام سے ہوتی ہے اور برابر نماز پنجگانہ جماعت سے اس میں ہوتی ہے اور ایک شخص بمشورہ مسلمانان محلّہ ان دنوں اس کا متولی ہے اور اذان دیتا ہے اور نمازیں پڑھاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد ہماری نانی کی بنوائی ہوئی ہے مگر عندالناس یہ شخص شریف النسب نہیں ہے، پس اس صورت میں اس مسجد کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یانہیں؟اور نمازیں اس میں جائز ہوں گی یانہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

مسجد ضرور مسجد ہے اور اس میں نمازیں بے شک جائز اور بنانے والے کا شریف النسب نہ ہونا اگر ثابت بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بانی کی شرافت نسب کوئی شرط مسجد نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ"[1] الاٰیۃ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔(ت)

اور جب زر حرام سے ہونا معلوم نہیں تو شبہ ووہم کو دخل دینا بے معنی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ذخیرہ سے ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں جب تک ہمیں کسی معین شیئ کے حرام ہونے کا یقین نہ ہوجائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**(ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی فی الھدایا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۲۴۷ تا ۲۵۰: از بریلی بازار صندل خاں مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان صورتوں میں کہ :

(۱) دو شخصوں نے ایک چاہ ومسجد بخیال آرام وآسائش ادائے نماز اپنی کے تعمیر کرائی اور وقف نہ کی، نیز دیگر مکانات بھی اس میں پہلے بنانے والے کے ملحق مسجد واقع تھے اور اب بھی ہیں، بنانے والے کے ورثاء ہمیشہ سے یکے بعد دیگرے انتظام مسجد کرتے چلے آنے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں مگر اس میں دیگر اشخاص نماز ادا کرنے لگے، اب چند اہل محلّہ ان مکانات وغیرہ کو متعلق مسجد خیال کرکے اس کی آمدنی اپنی رائے سے صرف وخرد برد کرنا چاہتے ہیں اور وارثان ہر دو اشخاص جن کے مورثوں نے مسجد و چاہ تعمیر کراکر وقف نہ کی وہ ان کے خرد برد سے آمدنی کو باز رکھنا چاہتے ہیں پس عندالشرع ایسے شخص غیر تعلقدار اپنی رائے سے آمدنی مسجد صرف وخرد برد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ انتظام کس کی رائے سے ہونا چاہئے اور کس کی رائے سے نہ ہونا مناسب ہے، آیا غیر شخص کی رائے یا ان مورثوں کے ورثاء کے ہاتھ سے جنہوں نے مسجد وچاہ تعمیر کرایا ہے، اور اب بھی حسب ضرورت خرچ مسجد و امام وغیرہ ہی کرتے ہیں، صورت بالا میں مسجد بلاایماء بنوانے والے کے وقف سمجھی جائیگی یا نہیں اور بلاایماء بنوانے والے کے یا اس کے ورثاء کے غیر اشخاص کے ادائے نماز میں کوئی سقم واقع ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی شخص امام مسجد مثلاً طالب علم یا دیگر اہل محلّہ سے مسجد میں اگر جھگڑا کرے اور تحکمانہ برتاؤ کرے ایسی باتیں کرے جس میں کہ تمام اہل محلّہ وامام مسجد نالاں ہوکر مسجد میں آنا ترک کردیں تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے دیا جائے یا نہیں؟ باوجود مدد کرنے زر نقد وروٹی وغیرہ کے، اس پر اور اس کے ہم خیال وغیرہ پر کیا حکم شرع ہے؟

(۳) کانٹا ولوٹا ورسی وغیرہ سامان مسجد سوائے اپنے یا اپنے میل کے اشخاص کے کسی دوسرے شخص کو دینا پسند نہ کرے، اواگر لیں تو جھگڑا کرے تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

(۴) عالم پانی بھرنے والوں کو جو چاہ مسجد میں بھریں برا کہے اور روکے برخلاف اپنے میل کے اشخاص کے، تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

الجواب:

(۱) مسجد اگر صورت مسجد پر بنائی اور راستہ اس کا شارع عام تک جدا کردیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بلاشبہ وہ مسجد ہوگئی اور اس کا یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہ کی قابل قبول نہیں، یونہی اگر کنواں بناکر متعلق مسجد کردیا اس میں نماز وارثان بانی کی محتاج اجازت نہیں، ہاں اگر بہ ثبوت شرعی ثابت ہو کہ بانی نے کہا تھا یہ مسجد میں اپنے لئے بناتا ہوں وقف نہیں کرتا، یا اس کا راستہ اسی کی ملک میں ہو کر ہو

اور اس نے مسجد کے لئے راہ جدانہ کی تو وہ مسجد نہ ہوئی اگرچہ صورت اخیرہ میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو وقف کیا،یوں اس میں نماز مسجد کا ثواب نہیں،نہ بے اجازت مالکان دوسرا پڑھ سکتا ہے،رہے دیگر املاک متصل مسجد ثبوت شرعی سے ان کا مسجد پر وقف ہونا درکار ہے بے اس کے کوئی ان میں تصرف نہیں کرسکتا وہ وارثوں کی ملک ہے ان کو اختیار ہے۔

(۲) جو شخص ناحق فتنہ اٹھاتا ہو اور اس کے سبب لوگ مسجد میں آنا ترک کردیں اسے مسجد سے روکنا جائز ہے جبکہ باعث اثارت فتنہ نہ ہو،درمختار میں ہے:

ویمنع منه کل موذ ولو بلسانه[1]۔	مسجد سے ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبانی ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر وہ کسی امر ضروری حق کی طرف بلاتا ہو اور لوگ اپنی جہالت کے سبب سے اس سے ناراض ہوں تو وبال انہیں پر ہے نہ کہ اس پر۔

(۳) مال وقف پر کوئی اپنا قبضہ نہیں کرسکتا،اگر ایسا کرے اور نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے انتفاع نہ کرنے دے تو وہ بھی موذی اور قابل اخراج۔

(۴) کنویں پر سے کسی مسلمان کے روکنے کا کسی کو حق نہیں،جب تک کوئی خاص وجہ شرعی نہ ہو اور جو ایسا فساد کرتا ہو بطرز مناسب اس کا انسداد واجب ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۳: ازالہ آباد مدرسہ سبحانیہ محمد نصیر الدین محلّہ سرائے گڈھا   پنجشنبہ ۲۳ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی لب سڑک تھی اس میں ایک درجہ پچھم جانب گنبد دار تھا اور مسجد کے پورب ودکھن جانب دکانات ہیں جن کی چھت مسجد کے فرش صحن سے،اب مسجد ہذا کی ازسر نو تعمیر اس طور پر کی گئی کہ پچھم کی جانب بجائے ایک درجے قائم کئے گئے اور دکانات کی بھی چھت پر عمارت بنائی گئی جس کے ہر چہار طرف بڑے بڑے دروازے جواب بنائے گئے اور مسجد کی کرسی بھی اتنی بلند کی گئی کہ دکانوں کی چھت فرش مسجد سے برابر ہوگئی صرف چھ انگشت بمقدار درسہ دکانات کی چھت سے فرش مسجد اونچی ہے مسجد ہی کی طرف سے اس چھت پر آمد ورفت ہے،رمضان المبارک کے جمعوں میں اس قدر لوگوں کی کثرت ہوتی تھی کہ لوگ مسجد میں نہیں سماتے تھے سڑکوں پر صف قائم کرنے کی نوبت آتی تھی۔اس ضرورت سے مسجد دو منزلہ بنائی گئی،مسجد کے اندر کے درجہ چھت پر ایک درجہ گنبدی بنایا گیا

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اور اس برابر آگے کا درجہ اور تمام صحن مع عمارت بالائے سقف دکانات پاٹ دیا گیا گویا کہ نیچے اوپر دو مسجدیں ہوگئیں نیچے کی مسجد مع صحن و اپنے حوالی کے پٹی ہوئی ہوگئی اور اوپر ایک درجہ پٹا ہوا گنبدی اور اس کے ساتھ بہت بڑا صحن کھلا ہوا نکل آیا اور اوپر کے درجہ کے سامنے جو صحن ہے وہ محاذات مسجد سے دکھن جانب بڑھا ہوا ہے کیونکہ دکانات کی چھت کی عمارت کی سقف بھی شامل کرلی گئی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کی مسجد کا جو صحن بغرض وسعت دکھن کی طرف بالائے سقف دکانات بڑھا ہوا ہے وہ مسجد ہے یا نہیں؟

[2] **دوم:** یہ کہ دکانات مذکورہ کی چھت پر یا اس کے بالائے عمارت کے سقف پر معتکف جاسکتا ہے یا نہیں؟

[3] **سوم:** یہ کہ اوپر کے مسجد پر صحن میں جب امام محراب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دکھن کی جانب صف بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں امام کچھ ہٹ کر دکھن کی جانب کھڑا ہوتا ہے کہ دونوں جانب صف برابر رہے یا خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور مقتدیوں کو زائد حصہ میں دکھن کی جانب کھڑے ہونے سے روکے اور اپنے پیچھے دونوں طرف صف برابر قائم کرنے کا حکم دے کیونکہ امام کے پیچھے دور تک بہت جگہ باقی رہتی ہے، فقط

الجواب:

اگر وہ دکانیں متعلق مسجد اور اس پر وقف ہیں اور مسلمانوں نے ان کی سقف کو داخل کرلیا تو وہ سقف بھی مسجد ہوگئی،

ولایضر کون الحوانیت تحتہ لکونہا وقفا علیہ وجاز اخذ ملك الناس کرھا بالقیمة عند ضیق المسجد فکیف بماھو وقف علیہ [1] کما فی ردالمحتار۔	مسجد کے نیچے دکانوں کا ہونا مضر نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف ہیں، اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کی مملوکہ جگہ قیمت کے بدلے جبراً لے کر مسجد میں توسیع کرنا جائز ہے تو جو مسجد پر وقف ہو اس کو شامل مسجد کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

ان دکانوں کی چھت پر اور ان کی بالائی عمارت کی سقف پر معتکف جاسکتا ہے،

لانہا کانت من فناء المسجد ولا طریق فاصل بینہما فکیف وقد صارت من المسجد۔	کیونکہ وہ فناء مسجد ہے اور درمیان میں کوئی راستہ جدائی ڈالنے والا نہیں اور کیسے ناجائز ہوگا جبکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہوگیا ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰ و ۳۸۴

اگرامام محراب کے سامنے کھڑا ہو اور اپنے توسط کے لئے صف پوری نہ کرنے دے تو گناہ و ناجائز ہے۔

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من وصل صفا وصلہ اللّٰہ ومن قطع صفا قطعہ اللّٰہ[1]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو صفوں کو ملائے اللہ تعالٰی اس کو وصل عطا فرماتا ہے اور جو صفوں کو قطع کرے اللہ تعالٰی اس کو منقطع فرماتا ہے (ت)

اور خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور صف پوری ہو کر ایک جانب بڑھ جائے تو مکروہ اور خلاف سنت ہے

لقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم توسطوا الامام[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ امام درمیان میں ہو۔ (ت)

بلکہ یہ چاہئے کہ صف پوری کی جائے اور صف کا جہاں وسط ہو امام محراب چھوڑ کر وہاں کھڑا ہو اس بیرونی حصہ کے لئے یہی جگہ محراب ہے نص علیہ فی ردالمحتار التفصیل فی فتاوٰنا (ردالمحتار میں (علامہ شامی) نے اس پر نص فرمائی اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) مگر یہ معلوم رہے کہ مسجد کی چھت پر بلاضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب کہ نیچے کا درجہ بھر گیا اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلاضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں کما نص علیہ فی الفتاوٰی عالمگیریۃ (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم دوشنبہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک مسجد میں خلاف تہذیب و ناشائستہ حرکات کرتے ہوئے مثلاً کسی وقت اس میں لڑے، گالی گلوچ تک نوبت پہنچی اور بہت شور وشغب کیا، کسی وقت مسخرہ پن کیا، ایک نے دوسرے کا تہبند کھول دیا، بعض وقت کسی کی مقعد میں انگلی کردی، کبھی مؤذن کی آواز پر ہنسے قہقہے اڑائے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک شخص نے ناصحانہ حیثیت سے محض نصیحت اور سمجھانے کے طور کہا کہ بھائیو! مسجد خانہ خدا ہے اس کے اندر تم کو یہ افعال جائز نہیں ہیں، اور غور کرو کہ مسجد کی حرمت اور تعظیم ہم پر اور تم پر اور ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری اور فرض ہے، تو ان لوگوں نے اس کی بات کو نصیحت اور خیر خواہی نہ سمجھ کر تعصب اور نفسانیت تصور کرکے خلاف منشاء ناصح کے جواب دیا، اس پر ناصح مذکور نے کہا کہ

[1] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۹، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف دار صادر بیروت ۳/ ۱۰۴

مسجد نماز اور ذکر خدا کے لئے گئی ہے بیہودہ باتوں کے لئے نہیں ہے۔ مسخرہ پن کرنا چاہتے ہو تو دوسری مسجد تلاش کرو۔اس بات پر اکڑ گئے کہ تم نے مسجد پر مالکانہ دعوی کیا اور ہم کو مسجد سے نکال دیا اور اب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں اور مسجد اول کی ویرانی اور جماعت کم ہوجانے کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا باوجود تخریب مسجد اول اور تقلیل جماعت ان کو مسجد ثانی بنانا جائز ہے؟ یا دوسری مسجد ضرار کہلائے گی؟ **فقط۔**

الجواب:

اگر یہ واقعی اسی طرح ہے اور ان کی نیت فاسد ہے تو ضرور دوسری مسجد بنانے کی ان کی اجازت نہیں، بوجہ فساد نیت وہ مسجد حکم ضرار میں ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۵۶: مرسلہ عبدالغنی، حاجی کریم بخش صاحب از مقام کمپ ڈیسہ علاقہ ریاست پالن پور ۸ صفر ۱۳۳۵ھ

حضرات علمائے دین کی خدمت میں مسائل شرعی دریافت طلب پیش ہیں:

مسئلہ اول: قدیمی جامع مسجد کو ترک کرکے دوسری مسجد کو مسجد جامع قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور قدیمی جامع مسجد ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی نسبت یہ اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ میں خود بخود منہدم ہوجائے کیونکہ اس کے دو جانب برساتی نالے فراخ ہوتے جاتے ہیں اور مسلمان اس قدر مقدرت نہیں رکھتے کہ نالوں کو پٹوا کر مسجد کو محفوظ کرسکیں اور اس کے علاوہ ان نالوں کو سوائے سرکار انگریزی کے دوسرے شخص کو بند کرانے کا مجاز بھی نہیں، اور جس مسجد کو مسجد جامع قرار دینا چاہتے ہیں وہ جامع مسجد سے محکم اور فراخ بھی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد کو جامع قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کسی ایسے ہندو یا انگریز حاکم کا روپیہ جو اسلام کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

(۱) جائز ہے، اور اس مسجد اول کی محافظت تاحد قدرت فرض ہے۔

(۲) ایسی ضرورت کی حالت میں جیسی اوپر مذکور ہوئی کہ مسجد شہید ہوجائیگی اور مسلمانوں میں طاقت نہیں جائز ہے **لان الضرورات تبیح المحظورات**[1] (کیونکہ مجبوریاں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

مسئلہ ۲۵۷: ازکالاکر ضلع پرتاب گڈھ ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان نے ایک مسجد کی بناایسی جگہ ڈالی ہے جہاں کبھی مسجد نہ تھی اور وہاں کے ہنود باشندے مسجد کے بننے کو روکتے، لیکن زید مسلمان نے اپنی خوشامد سے مسجد کی بنیاد قائم کردی لیکن اسی مقام کا عمرو خود اس امر کی کوشش اہلکاروں زمینداروں سے کی اور ملازم زمیندار کو اس موقع پر لاحاضر کیا کہ اس مسجد کی بنیاد میرے گھر کی طرف چھ انگل بڑھی ہوئی ہے، اس مسجد کی دیوار چھ انگل ادھر بنانی چاہئے لیکن باقی مسجد زید نے اپنی خوشی سے اور خوشامد کے باعث اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور جب عمرو مسلمان اپنے مقصد کو نہ پہنچا تو ایک ہندو کو ورغلا کر اس امر پر آمادہ کیا کہ مسجد کی دیوار تیرے مکان کی دیوار کی طرف بڑھا کر اٹھائی جارہی ہے تو روک دے ورنہ تجھ کو اس مسجد کی دیوار کی وجہ سے نقصان ہوگا لیکن زید مسلمان نے اپنی چالاکی سے بمقابلہ ہندو اور عمرو مسلمان قائم ہی کردی اور عمرو مسلمان کی کچھ نہ چلی، ایسے شخص کے ساتھ ازروئے حکم خدا اور رسول کیا برتاؤ رکھا جائے اور اس کے یہاں کا کھانا پینا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے نہ بتایا کہ واقع زید نے چھ انگل ملک عمرو زمین میں شامل کرکے اسے مسجد کرنا چاہا ہے یا واقع میں ایسا نہیں اور عمرو کا دعوٰی جھوٹا ہے اگر فی الواقع صورت اولٰی ہے تو مسجد مسجد نہیں، اور عمرو نے جو کچھ برتاؤ برتے اس صورت میں اس پر الزام نہیں اور ایسا تو بلاشبہ عمرو بدخواہ مسجد اور سخت سے سخت ظالموں میں ہے،

قال اللہ تعالٰی عزوجل: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اس حالت میں اس کے ساتھ کھانا پینا، میل جول نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۵۸: مرسلہ محمد حسن فاروقی ضلع پورنیہ ڈاکخانہ اسلام پور بھوجاگاؤں ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد زمانہ دراز سے قائم تھی جس کو زید نے توڑ کر جگہ سابق سے دوسری جگہ پر یعنی دس بارہ ہاتھ یاایک رسی کے فاصلہ پر بنادی ہے اور اس مسجد کی جو لکڑی پرانی ہوگئی تھی اسکو اپنا کھانا پکانے میں جلادی ہے تو کیا مسجد ایک جگہ سے توڑ کر دوسری جگہ بنادینااور اس کی لکڑی کو اپنے تصرف میں لانا درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جس جگہ پر وہ مسجد پہلی قائم تھی بعد توڑ دینے مسجد کے وہ جگہ جہاں پر وہ مسجد تھی ویسا ہی خالی پڑی رہے یا کہ اگر کوئی چیز پیدا ہو تو بوئی جائے۔

الجواب:

یہ فعل کہ زید نے کیاحرام محض ہے، مسجد نہ توڑی جاسکتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، نہ اس کی لکڑی وغیرہ کوئی چیز اپنے مصرف میں لائی جاسکتی ہے،

قال الله تعالٰی: "وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ اِلَّا خَآئِفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولانقل مالہ الی مسجد اٰخر[2]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ اس میں کچھ بونا یااور کوئی تصرف کسی طرح حلال ہوسکے بلکہ زید پر فرض ہے کہ اسے بدستور پہلی طرح بنادے۔

فان الضمان فی بناء الوقف باعادتہ	عمارت وقف میں ضمان یہ ہے کہ اس کو پہلے کی طرح

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

کما کان بخلاف سائر الابنیة[1] کما فی الدر وغیرہ۔	دوبارہ بنائے بخلاف دیگر عمارات کے ضمان کے، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے (ت)

یہ دوسری مسجد جو اس نے بنائی اگر اپنی زمین میں بنائی اور اسے مسجد کردیا تو یہ بھی مسجد ہوگئی اس کا بھی باقی رکھنا فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ سعادت خاں نابینا مسجد ندی قصبہ مہد پور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

مسجد کے احاطہ کے اندر درختوں میں سے یا مسجد کی ملک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلاادائے قیمت کھانا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلاادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہوں ان سے تمتع کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۰: مرسلہ محمد نصیر الحق امام مسجد مالدہ محلّہ بی بی گاؤں ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قدیم جامع مسجد نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ میں اضافہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ایک قطعہ زمین اسی مسجد کی ملحق ایک مسلمان زمیندار کا تھا اور اس کو زمیندار نے ایک شخص کے ساتھ مدامی بندوبست کچھ خزانہ معینہ پر کردیا تھا خزانہ باقی رہنے کی وجہ سے زمیندار نے نالش کرکے اس زمین کو نیلام کرایا، اس کو ایک مسلمان نے خرید لیا، اور اس خریدار نے ایک حصہ اس زمین کا وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کردیا، کیا وہ حصہ ملحقہ مسجد کے حکم میں ہوا یا نہیں؟ یہاں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوا حالانکہ خریدار اس زمین پر ہر قسم کے تصرف کرنے کا مجاز ہے، زمیندار کو بجز زر خزانہ معینہ کے نہ تو حق انتزاع رکھا ہے نہ اپنی حقیت زمینداری کے باعث اس زمین پر کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے، اگر زمیندار اسی قطعہ زمین میں مسجد یا کنواں یا مسافرخانہ بلامرضی خریدار کے بنانا چاہے تو بالکل نہیں بناسکتا اور خریدار کو یہ سارے حقوق حاصل ہیں، ایسی صورت میں جو حکم شرع شریف ہو بحوالہ کتب وعبارت تحریر کیا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ وقف صحیح اور وہ قطعہ مسجد ہوگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷، ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ بیروت ۵/ ۱۱۵

الصحیح الصحة ای اذاکانت الارض محتکرۃ کما علمت، وعن ھذا قال فی انفع الوسائل انه لوبنی فی الارض الموقوفة المستاجرۃ مسجدا انه یجوز، قال واذاجاز فعلی من یکون حکرہ، والظاھر انه یکون علی المستاجر مادامت المدۃ باقیة، فاذاانقضت ینبغی ان یکون من بیت مال الخراج واخواته ومصالح المسلمین [1] اھ فاذا کان ھذافی ارض مستاجرۃ وما جعل مسجدا غیربناء مجرد فماظنك بارض مشتراۃ وقد جعلت ھی مسجدا فالحکر اذا لم یمنع ثم فھھنا بالاولٰی۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	صحیح حکم صحت ہی ہے جبکہ زمین محتکرہ ہو (یعنی وہ زمین موقوف جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالانہ مقرر ہو گئی ہو) جیسا کہ تو جان چکا ہے اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر اجرت پر لی ہوئی زمین موقوف میں کسی نے مسجد بنادی تو جائز ہے اور جب جائز ہو گئی تو حکر کس پر ہوگی اور ظاہر یہ ہے کہ جب تک مدت اجارہ باقی ہے مستاجر پر ہوگی اور اختتام مدت کے بعد خراج وغیرہ مصالح مسلمین کے لئے بنائے ہوئے بیت المال پر ہوگی اھ تو جب یہ حکم مستاجرہ زمین کا ہے اور اس میں بنائی گئی مسجد عمارت کے علاوہ کچھ نہیں تو خریدی ہوئی زمین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے درانحالیکہ اسے مسجد بنادیا گیا ہو تو حکر جب وہاں مانع نہیں تو یہاں بدرجہ اولٰی مانع نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۱تا۲۶۲: مرسلہ حافظ عبدالستار صاحب مچھلی بازار کانپور ۱۲جمادی الاول ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کانپور کی ایک مسجد میں پاخانہ متعلق مسجد واقع ہے اور ایک کمرہ متعلق مسجد ہے اس کی نالیاں پانی بہنے کی اور پاخانہ کی سنڈ اس کمانے کا راستہ سرکاری گلی میں جانب پچھم ہمیشہ سے جاری تھا، میونسپل بورڈ نے جانب پچھم اور دکھن کے مکانات توسیع سڑک کے لئے لے کر راستہ بطور سڑک بنالیا اور وہ گلی جانب پچھم کی کالعدم کردی اور مسجد کے پچھم کی بقایا زمین بعد نکالے جانے سڑک کے فروخت کردی، اب میونسپل بورڈ متولی مسجد کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر جگہ جانب پچھم پاخانہ سنڈاس کمانے کو اور نالیاں جاری رکھنے کو درکار ہے جانب دکھن میونسپل بورڈ دیتا ہے، متولی مسجد سنڈاس کارخ دوسری طرف پھیرے اور نالیاں بھی اس طرف سے جاری رکھی جائیں، اگر متولی کے پاس روپیہ مسجد کانہ موجود ہو تو صرف رضامندی دے دی جائے تاکہ میونسپل بورڈ اپنے صرفہ سے نالیاں اور سنڈاس بنادے اور کسی قسم کا حرج مسجد کانہ ہونے پائے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

(۱) کیا متولی شرع کے مطابق ایسی رضامندی دے سکتا ہے کہ سرکار کی طرف سے بنائی جائے۔
(۲) کیا پچھم کی طرف سے جو نالیاں یا سنڈاس کمانے کا دروازہ ہے اس کے بدلے جانب دکھن سرکاری زمین لے کر مسجد کی آمدنی سے متولی اس کو درست کراسکتا ہے اگر مسجد کی آمدنی نہیں صرف کر سکتا ہے تو چندہ کرکے اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے زمین وقف میں کوئی تبدیل نہیں، صرف رخ پھیرنا ہے اور کمانے کا راستہ اور پانی کا نکاس پہلے بھی زمین وقف میں تھا اس تبدیل کا جواز جائے تامل نہیں، مگر مسجد کی آمدنی مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے اور یہ کام مصالح شارع عام کے لئے ہے مصلحت مسجد اس سے متعلق نہیں، لہٰذا آمدنی مسجد اس میں صرف نہیں ہو سکتی۔ چندہ کا اختیار ہے اور اس میں حرج نہیں کہ میونسپلٹی کی سڑکوں کے مصالح اس سے متعلق ہیں اپنے صرف سے بنادے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: مرسلہ منشی ابراہیم صاحب قصبہ گودھرہ ضلع پنچ محل مدرسہ فیض عام ۱۶ جمادی الاٰخر ۱۳۳۵ھ

حضرت مولانا ومقتدانا مولوی احمد رضاخان صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک فتوی تصحیح کے لئے دو سوال جواب کے لئے خدمت والا میں بھیجے تھے ان کا جواب نہیں ملا، معلوم نہیں کہ یہ مرسلہ خطوط جناب تک پہنچے یا نہیں، صاحب تفسیر بیان القرآن نے "**وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا**"[1] کے تحت میں مسئلہ کرکے یہ لکھا ہے کہ بعض علمائے کہا جو فخر وریا سے مسجد بنائی جائے اس مسجد کو مسجد کہنا نہ چاہئے ان بعض علماء پر مجھ کو کلام ہے، بعض علماء سے مراد کشاف ومدارک واحمدی وغیرہ ہیں، اور اسی بناء پر یہ جواب لکھا گیا ہے جو مرسلہ خدمت والا ہے صاحب بیان کا اعتراض درست ہے یا نہیں؟ کیا صاحب کشاف وغیرہ کے قول پر انکے قول کو ترجیح دی جائے گی؟ جواب کا منتظر ہوں، مرسلہ سوال وجواب میں حضور کی کیا رائے ہے تحریر فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک محلّہ کی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے ایک امام مقرر تھا بعض لوگوں نے بعض وجوہ سے اس کو برطرف کیا، بعض لوگوں کو امام قدیم کا برطرف کرنا ناگوار معلوم ہوا، ہر چند اس فریق نے یہ چاہا کہ امام قدیم کو قائم رکھا جائے، لیکن فریق اول نے جنہوں نے امام قدیم کو برطرف کیا تھا نہ مانا، بناء بریں جھگڑے نے ترقی پکڑی یہاں تک کہ فریق اول نے جھگڑے کے اندیشہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

کی وجہ سے مسجد کے دروازہ پر پولیس کو لاکے بٹھادیا تاکہ کسی قسم کا فتنہ نہ ہونے پائے۔فریق ثانی نے پولیس کے خوف کے مارے اس وقت نماز وہاں نہ پڑھی، دیگر مساجد میں پڑھی، اور بعد میں بھی وہ کچھ عرصہ تک دیگر مساجد میں پڑھتے رہے اس لئے کہ یہ فریق جدید امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے، آخر کار ایک قدیم مسجد جو کہ ویران پڑی ہوئی تھی (اس میں کبھی کبھی نماز باجماعت ہوئی ہے) اور یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ جس میں سوسواسوآدمی نماز پڑھ سکیں غرضیکہ مسجد مذکور کو آباد کیااور کچھ دنوں کے بعد اس مسجد کی قدیم بناء کو گراکر اور کچھ زمین گرد سے لے کر کچھ وسعت کے ساتھ تیار کی، اب اول فریق یہ کہتا ہے کہ مسجد مذکور ملک غیر میں بنی ہے اور حسد سے بنی ہے اس وجہ سے یہ مسجد ضرار ہے۔اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد وقف ہے، پس کیا یہ مسجد ضرار ہو سکتی ہے؟اور اس کی بناء کو کھود کر پھینک دیا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت سوال ملاحظہ ہوئی، اس مسجد کو ضرار سے علاقہ ہونے کے کیا معنی، انہوں نے مسجد کا احداث بھی تو نہ کیا بلکہ مسجد قدیم کا احیاء کیا ہے اور مسجد قدیم **معاذاللہ** ویران ہو جائے حتی الوسع اس کا احیاء فرض ہے، کہاں فرض اور کہاں ضرار، اور اگر بالفرض نئی مسجد بناتے جب بھی اسے ضرار سے کوئی تعلق نہ ہوتا کہ مسجد اللہ ہی کے لئے بنائی اور نماز ہی پڑھنی مقصود ہے نہ کہ دوسری مسجد کو نقصان پہنچانا، اور جماعت المسلمین میں تفرقہ ڈالنا، اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے، جو شخص بنام مسجد کوئی عمارت تیار کرے جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا وتفاخر کی نیت ہو تو وہ بیشک مسجد نہیں ہو سکتی کہ مسجد وقف ہے اور اس کا قربت مقصودہ کے لئے ہونا ضرور، اور ریا وتفاخر قربت الی اللہ نہیں بلکہ بعد عن اللہ ہیں، امام نسفی صاحب مدارک نے ایسی ہی مسجد کو حکم ضرار میں فرمایا ہے، اور اگر مسجد بنائی اللہ ہی کے لئے اور وہی مقصود ہے اگرچہ اس کے ساتھ ریا وتفاخر کا خیال آگیا تو وہ ضرور مسجد ہے اگرچہ اس کے ثواب میں کمی ہو یا نہ ملے۔صاحب بیان القرآن کا شبہ اسی صورت پر محمول ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ آیا مسجد کی دیواریں ہمسایوں کے ساتھ مشترک کرنا شرعًا جائز ہے (الف) نصف لاگت دیواروں کی ہمسائے لگائیں اور نصف لاگت مسجد کا خرچ ہو (ب) کل لاگت مسجد ہو۔مسجد قدیمی کی دیواروں پر ہمسایہ کی شہتیر رکھی ہوئی تھی اور (الف) اور نشانات اشتراک نہ تھے (ب) اور نشانات اشتراک تھے۔کہنہ مسجد کو مسجد کی لاگت پر گرایا گیا اور مسجد کے

روپوں کا امین وہی ہمسایہ تھا جس کے شہتیر مسجد کی دیواروں پر تھے۔اس نے مسجد کی لاگت سے کل دیواریں اسی طرح بنوائیں جس سے بداہۃً اشتراک معلوم ہوتا ہے یعنی اپنی طرف جالی اور الماریاں حسب مرضی خود بلارضامندی دیگر مصلیان کے رکھوالئے، کیا یہ فعل لہابیہ کا شرعًا جائز ہے۔ بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا ان دیواروں پر ہمسایہ مذکور بالاخانہ ہائے تیار کرسکتا ہے اور بطور ملکیت خود ان دیواروں کو استعمال کرسکتا ہے، بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا بقول لھابیہ نصف دیوار اس کی ہے نصف دیوار کی تختہ زمین چھوڑ کراز سر نو دیواریں واحد ملکیت مسجد بلااشتراک تحریر چڑھانا جائز ہے یا ضروری ہے کیا ایسے مشترک دیوار والی مسجد پر "**الوقف لایملک**" صادق آتا ہے اور ایسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ثواب جو مسجد میں ادا کرنے پر وارد ہوتا ہے ملتا ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوق عباد سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں بھی ملک عبد باقی ہے تو مسجد نہ ہوگی۔ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب، او فوقه بیت وجعل باب المسجدا الی الطریق وعزله عن ملکه، فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانهالم یخلص لله تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقابه[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان ہے اور مسجد کا دروازہ اس نے بڑے راستہ کی طرف کردیا اور اس کو اپنی ملک سے الگ کردیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوئی اس سے حق عبد متعلق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وکذٰلك ان اتخذ وسط دار مسجدا واذن للناس بالدخول فیه، یعنی	کسی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دے دی

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] الھدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴

له ان يبيعه ويورث عنه لان المسجد مالايكون لاحدفيه حق المنع(الى ان قال)فلم يصر مسجدا لانه ابقى الطريق لنفسه فلم يخلص لله تعالٰی [1]۔	اگر تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مذکور ہوا یعنی اسے فروخت کر سکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی کیونکہ مسجد وہ ہوتی ہے جس سے روکنے کا حق کسی کو نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) پس) چونکہ اس نے راستہ اپنے لئے باقی رکھا ہے لہٰذا وہ مسجد نہ ہوئی اسلئے کہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہ ہوئی۔ (ت)

پس اگر اس مسجد کی دیواریں واقع میں مشترک ہیں ان میں کچھ حصہ عبد کا بھی ہے تو وہ مسجد سرے سے مسجد ہی نہیں، نہ اسمیں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب، وہ بانی کی ملک ایک مکان ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے اور مرجائے تو ترکہ میں تقسیم ہوگا **کما مرعن الهداية** (جیسا کہ ہدایہ سے گزرا۔ ت) اور اگر واقع میں مشترک نہیں، اس متولی نے غاصبانہ اشتراک کر رکھا ہے تو فرض ہے کہ اسے تولیت سے خارج کردیں اور وہ نشانات جو اس نے اپنے اشتراک کی علامت بنائے ہیں سب مٹادیں اور شہتیر وغیرہ جو کچھ اس کا مسجد کی دیوار پر رکھا ہے سب گرادیں، اور جتنے برسوں رکھا رہا اتنے کا کرایہ دیوار مسجد کا اس سے وصول کریں، اور اب اگر کوئی عمارت دیوار مسجد پر بنانا چاہے نہ بنانے دیں، اور اگر بنالی ہو بجبر حکومت فورًا منہدم کرادیں۔ درمختار میں ہے:

وبنى فوقه بيتا للامام لايضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدية ثم ارادالبناء منع ولو قال عنيت ذٰلك لم يصدق تاتارخانية. فاذاكان هذافى الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد [2]۔	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن جب مسجد تام ہوگئی اب وہ حجرہ بنانا چاہے تو اس کو نہیں بنانے دیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ شروع سے میرا ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کیجائیگی (تاتارخانیہ) جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر بنایا گیا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فى البحر لايوضع الجذع على جدار المسجد	بحر میں ہے مسجد کی دیوار پر لکڑی نہیں رکھی جائیگی

[1] الهداية كتاب الوقف المكتبة العربيه کراچی ۲/ ۶۲۵

[2] درمختار كتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

وان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانه لایحل ولودفع الاجر [1]۔	اگرچہ وہ اوقاف مسجد میں سے ہو اھ میں کہتاہوں اس سے مسجد کے بعض پڑوسیوں کے اس فعل کا حکم معلوم ہوگیا جو وہ دیوار مسجد پر کڑیاں رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے حلال نہیں اگرچہ وہ اس کی اجرت دیں۔(ت)

مسئلہ ۲۶۵: از گونڈل کاٹھیاوار مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل رضوی ۸ صفر ۱۳۳۶ھ

ایک مسجد میں قریب ایک صدی سے فرش پتھر کا بچھا ہوا تھا جس کو اب لوگوں نے نکال کر دوسرا فرش بچھایا ہے، اب اس نکلے ہوئے فرش کے پتھر کو کسی اور کام میں لاسکتے ہیں یانہیں؟ یا کوئی اور مسجد کے کسی کام میں استعمال کرسکتے ہیں یانہیں؟ اگر اس پتھر کی ضرورت کسی اور مسجد میں بھی نہ ہو اور ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے جگہ کی بھی تنگی ہو یا ان کو سنبھال رکھنے میں اور اخراجات ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت اس مسجد کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

انہیں فروخت کرکے وہ قیمت خاص اسی مسجد کے خاص عمارت میں صرف کی جائے، تیل بتی وغیرہ میں نہیں اور اس وقت مسجد کو عمارت کی حاجت نہ ہو تو اس کی آئندہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶ تا ۲۷۱: از رنگون مغل اسٹریٹ پوسٹ بکس ۲۴۲ مال کمپنی مرسلہ سید فضل اللہ ولد سید غلام رسول صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک قصبہ میں مثلاً تین مسجد آباد ہیں اور نماز جمعہ وعیدین مسجد جامع میں ادا ہوتی ہیں اور اس جامع مسجد میں تمام ضروری اشیاء مثلاً فرش، دری، چٹائی، جھومر، قنادیل، لیمپ وغیرہ اہل قصبہ چندہ فراہم کرکے خاص مسجد کے لئے خرید کر جمع رکھتے ہیں اور اسی قصبہ کے بعض تجار دوسرے ملک سے مسجد کے لئے بھیجتے رہتے ہیں اور بھیجنے والوں کے حسب منشاء وہ چیز خرید کرکے مسجد میں رکھ دی جاتی ہے یا بعض وقت خاص مال مسجد سے مذکورہ بالا چیزیں خرید کی جاتی ہیں اور یہ کل چیزیں مسجد جامع ہی میں رہتی ہیں اور بوقت ضرورت رمضان المبارک وشب قدر وشبہائے متبرکہ میں استعمال ہوتا ہے اور فرش چٹائی وغیرہ کا عیدین میں اسی مسجد میں کام آتا ہے اور جملہ اسباب اسی جگہ پر رہتا ہے، نہ کرایہ پر دینے کے لئے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

ہے کیونکہ چندہ دینے اور لینے والوں نے خاص اس جامع مسجد ہی میں اشیائے مذکورہ کے لئے چندہ دیا ہے پس جس کو جو میسر آیا بلا قید وشرط وبلا تصریح دے دیا، اب اہل قصبہ یا اور کوئی جس نے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو خود اپنے کسی کام یا کسی تقریب میں مثلاً وعظ، مولود یا شادی وغیرہ میں مسجد کی کوئی شے مثل بتی، لیمپ وفرش، دری، چٹائی وغیرہ اپنے کام میں برتنے کے لئے کرایہ سے یا بے کرایہ سے لے جائے تو یہ مسجد کی چیزوں کا دوسری جگہ میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس قصبہ میں ۲۵ سال قبل عید اضحیٰ عیدگاہ میں ہوا کرتی تھی اس وقت تمام فرش ومنبر وغیرہ تمام حاجت کی چیزیں ریاست سچین سے نواب صاحب کی طرف سے آیا کرتی تھیں اور اختتام نماز پر وہ وہ کل چیزیں واپس ہمراہ لے جایا کرتے، امسال جدید عیدگاہ قائم ہوجانے سے عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جامع مسجد کی چٹائی وغیرہ لاکر بچھائی گئی، بعد نماز ختم جو چیز یہاں کی تھی وہاں بلا نقص پہنچادی گئی تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسجد کے متصل مسجد ہی کی زمین ہے اس میں کوئی آدمی خود فائدہ اٹھانے کی غرض سے درخت لگائے اور جب وہ بڑے ہوں اور پھل پھول سے بارآور ہوں تو اس وقت یہ درخت زمین کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت میں داخل ہوں گے یا لگانے والے کے، یا مسجد کا، اور مسجد کی زمین میں اس طرح درخت لگادینے کا غیر کو حق حاصل ہے؟

(۴) مسجد کے متصل مسجد کا بوسیدہ مکان یا حجرہ ہے اس پر کوئی شخص کم یا زیادہ اپنا روپیہ لگا کر کوئی تعمیر کرے اور بلا کرایہ اپنے تصرف اور قبضہ میں لائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس مسجد جامع کے لئے امام ہے مگر اوقات کی پابندی سے آکر نماز نہیں پڑھاتے کبھی وقت بے وقت آجاتے ہیں، اور اکثر اور لوگ نماز پڑھادیتے ہیں، اس لئے امام سے مسجد کی آبادی بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نہ ہونے سے مسجد کی زیادہ آبادی کی امید ہے، چونکہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے مخارج صاف اور تلفظ سامع کی سمجھ میں نہیں آتے۔ امام صاحب غریب خود عاجز محض ہیں اور دیندار متقی بھی نہیں۔ علاوہ اس کے مسجد بھی غریب ہے اور ضروری تعمیر کی محتاج ہے اس لئے مسجد کے مال سے امام صاحب کو تنخواہ دینے پر بھی لوگ راضی نہیں مگر مجبوراً، اور رعایت امام صاحب کے بزرگوں کی قدر کی وجہ سے چون وچرا سے عاجز ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو غریب مسجد سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، تمام بچے ننگے پیر آتے جاتے ہیں، اس صورت میں بچوں کو تعلیم دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

استعمال مذکور حرام ہے، چندہ دہندہ کرے یا کوئی، مال وقف خود واقف کو حرام ہے کہ اپنے صرف لائے، یہاں تک کہ اگر نفس وقف غیر اہلی میں اس نے شرط کرلی ہو کہ اپنی حیات تک میں اپنے صرف میں لاسکوں گا، تو شرط باطل ہے اور تصرف حرام، فتاوٰی خلاصہ جلد دوم ص ۵۷۰:

رجل جعل فرسه للسبيل على ان يمسكه مادام حياان امسكه للجهاد له ذلك لانه لولم يشترط كان له ذلك لان لجاعل السبيل ان يجاهد عليه وان اراده ان ينتفع به غير ذلك لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل[1]۔	ایک شخص نے اپنا گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک وہ زندہ ہے گھوڑے کو اپنے پاس روکے رکھے گا، اگر تو اس نے جہاد کے لئے روکا ہے تو جائز ہے کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرتا تب بھی اسے یہ حق تھا اس لئے اس گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنے والا بھی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرے، اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ جہاد کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرے گا تو اس کو یہ اختیار نہیں، تاہم گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنا صحیح ہوگیا۔(ت)

بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ بتی وقف نہ کی ہو خود اپنی ملک ہو، شرع مطہر نے عقد اجارہ اس لئے رکھا ہے کہ شیئ باقی رہے اور مستاجر اس کو برت کر ختم اجارہ پر واپس دے، نہ اس لئے کہ خود اس شیئ کو خرچ وفنا کرے، اور ظاہر ہے کہ بتی جب کام میں لائی جائے گی خود اس کے اجزا فنا ہوں گے، ایسا اجارہ حرام وباطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار رحمہما اللہ تعالٰی جلد دوم ص ۱۰۷:

الاجارة المذكورة باطلة غير منتعقدة لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارة اذا وقعت على اتلاف الاعيان قصدا لاتنعقد ولاتفيد شيئا من احكام الاجارة[2]۔	اجارہ مذکورہ باطل ہے منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اجارت جب قصداً اصل کے اتلاف پر واقع ہو منعقد نہیں ہوتا اور نہ ہی احکام اجارہ میں سے کسی حکم کا فائدہ دیتا ہے(ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث فی صحۃ الوقف مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

باقی چیزیں مثلاً لیمپ، فرش، دری، چٹائی، اور یونہی بتی بھی، اگر اس سے مراد خالی شمعدان ہو اگرچہ اپنی ذات میں قابل اجارہ ہیں، مملوک ہوں تو مالک اجارہ پر دے سکتا ہے کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہوں تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے لئے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف:

فروع قولهم شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[1]۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح واجب العمل ہے (ت)

ولہذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا اقتال مخالفین کے لئے وقف ہوا ہو اسے کرایہ پر چلانا ممنوع و ناجائز ہے، ہاں اگر مسجد کو حاجت ہو مثلاً مرمت کی ضرورت ہے اور روپیہ نہیں تو بمجبوری اس کا مال اسباب اتنے دنوں کرایہ پر دے سکتے ہیں جس میں وہ ضرورت رفع ہو جائے، جب ضرورت نہ رہے پھر ناجائز ہو جائے گا۔ خلاصہ جلد ۲ ص ۴۷۵:

ولا یؤاجر فرس السبیل الا اذا احتیج الی النفقه فیؤاجر بقدر ماینفق وهذه المسألة دلیل علی ان المسجد اذا احتاج الی النفقة تؤجر قطعة منه بقدر ماینفق علیه[2]۔	فی سبیل اللہ وقف شدہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا ہاں اگر اس کے اخراجات کے لئے مجبوری ہو تو اتنے وقت کے لئے دیا جاسکتا ہے جس سے اخراجات پورے ہوسکیں اور یہ مسئلہ دلیل ہے اس پر کہ اگر اخراجات مسجد کے سلسلہ میں حاجت ہو تو ان اخراجات ضروریہ کی فراہمی کے لئے وقف کا کوئی حصہ کچھ وقت کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (ت)

(۲) یہ فعل ناجائز وگناہ ہے، ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں بھی عاریۃً دینا جائز نہیں، نہ کہ عیدگاہ میں کہ اتصال صف کے سوا اور احکام میں وہ مسجد ہی نہیں، ولہذا جنب کو اس میں جانا منع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ جلد پنجم ص ۱۲۲:

یجوز للقیم شراء المصلیات للصلاۃ علیها ولایجوز اعارتها لمسجد اٰخر[3] (ملخصًا)۔	مسجد کے ناظم کو مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے تاکہ ان پر نماز پڑھی جائے اور انہیں عاریۃً دوسری مسجد کے لئے دینا جائز نہیں (ت)

---

[1] درمختار فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[3] فتاوی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲۔

درمختار علٰی ہامش ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد اول ص ۶۸۷

المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسۃ [1] ۔	جنازگاہ اور عیدگاہ جواز اقتداء کے حکم میں مسجد ہے اگرچہ صفوں میں فاصلہ ہو یہ حکم لوگوں کی سہولت کے لئے ہے دیگر احکام میں وہ مثل مسجد نہیں، اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے نہایۃ لہذا اس میں جنبی شخص اور حیض ونفاس والی عورتوں کا داخل ہونا حلال ہے جیسا کہ فناء مسجد، خانقاہ اور مدرسہ کا حکم ہے (ت)

(۳) مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے، **والواقف لایملک**، پھر اگر یہ مال اس نے مسجد کے مال سے لگایا تو مسجد کا ہے اور اپنے مال سے لگایا اور یہ متولی ہے تو مسجد کا ہے مگر یہ کہ لگاتے وقت لوگوں کو گواہ کرلیا ہو کہ یہ میں اپنے لئے لگاتا ہوں، اور اگر غیر متولی ہے تو خود اس کا ہے مگر یہ کہ اقرار کرے کہ میں نے مسجد کے لئے لگایا، اب جس صورت میں پیڑ لگانے والے کا ٹھہرے اگر اس کے اکھیڑنے میں زمین وقف کا نقصان نہیں جبراً اکھڑوادیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق** [2] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) اور اگر اس میں زمین وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی ملک کرلیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اکھیڑ کر بیچنے میں کم ہوجائے گی یا جدا کرکے بیچنے میں دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئیگی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔ فتاوٰی خلاصہ جلد ۲ ص ۴۷۰:

فی الحاوی سئل ابو القاسم عمن غرس الوقف من مالہ ومات قال ان غرس من غلۃ للوقف فھو للوقف وان لم یذکر شیئا فان غرس بمالہ ان ذکر انہ غرس للوقف فھو	حاوی میں ہے کہ ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنے مال سے وقف زمین میں درخت بوئے اور پھر مرگیا تو ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر وقف کی آمدنی سے بوئے ہیں تب تو وقف کے لئے ہیں اگرچہ کسی شیئ کا ذکر نہ کیا ہو اور اگر اپنے مال سے

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعہ باب من احیا ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

لہ وان لم یذکر شیئاً فھو عنہ میراث[1]۔	بوئے اور ذکر کیا کہ یہ وقف کیلئے ہے تو وقف کیلئے ہیں اور اگر کسی شے کا ذکر نہیں کیا تو وہ اس کی میراث ہے۔(ت)

ایضاً جلد مذکور ص ۵۷۳:

المتولی اذا بنی فی عرصۃ الوقف ان کان من مال الوقف یکون للوقف وکذا من مال نفسہ لکن بنی للوقف فان بنی لنفسہ ان اشھد کان لہ ذٰلک وان بنی ولم یذکر شیئاً کان للوقف بخلاف الاجنبی[2]۔	متولی نے مال وقف سے جب وقف زمین کے میدان میں عمارت بنادی تو وہ وقف کے لئے ہوگی یونہی اگر اس نے اپنے مال سے وقف کیلئے عمارت بنائی تب بھی وقف کے لئے ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لئے بنائی اور اس پر گواہ کرلئے تو یہ عمارت اس کی ذات کے لئے ہوگی، اور اگر عمارت بنائی مگر کسی شے کا ذکر نہ کیا تو عمارت وقف کے لئے ہوگی بخلاف اجنبی شخص کے۔(ت)

عقود الدریہ جلد اول ص ۱۶۵:

حیث کان غرس عمرو المذکور لنفسہ بلااذن الناظر فللناظر علی الوقف تکلیفہ قلعہ ان لم یضرفان اضر یتملکہ الناظر باقل القیمتین للوقف منزوعا وغیر منزوع بمال الوقف[3]۔	اگر عمرو مذکور نے اپنی ذات کے لئے بغیر اذن متولی درخت لگائے تو متولی کو اختیار ہے کہ وہ اسے اکھاڑنے پر مجبور کرے جبکہ وقف کو ضرر نہ ہو اور اگر اکھاڑنا وقف کے لیے ضرر رساں ہے تو متولی دو قیمتوں میں سے اقل قیمت کے بدلے مال وقف سے وقف کیلئے ان درختوں کا مالک بن جائے گا، دو قیمتوں سے مراد زمین میں لگے ہوئے درختوں کی قیمت اور اکھاڑے ہوئے درختوں کی قیمت ہے۔(ت)

(۴) حرام ہے، اور جتنے دنوں اس نے اپنے تصرف میں رکھا اتنے دنوں کا کرایہ جو حصہ وقف کا نرخ بازار سے ہوا اتنا تاوان اس پر لازم ہوگا کہ وقف کے لئے ادا کرے اور اپنا روپیہ لگا کر جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا وہ وقف کا مفت قرار پائے گا۔ اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۳

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۹

اکھیڑنا وقف کو مضر نہیں جتنا اس نے زیادہ کیا اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا وہ اپنا عملہ اٹھا کر لے جائے اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے وہ دیوار ویسی ہی بنادے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو، بنی ہوئی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے کہ اگر یہ عملہ اکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا، اتنی قیمت مال مسجد سے اسے دیں گے، اگر فی الحال اس درخت یا اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلق مسجد یا دیگر اسباب مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کرینگے اس کے لئے اگر برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے، یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ٹھہرے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کرلئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی ملک وقف ہے اور یہ جو ہم نے قیمت لگانے میں اکھڑے ہوئے عملہ کا لحاظ کرنا کہا اس بنا پر ہے کہ غالباً بعد انہدام عملہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر حالت موجودہ ہی قیمت حالت ہدم سے کم ہو تو یہی کم لازم آئیگی۔ عقود الدریہ جلد اول ص ۱۵۶:

اذا ثبت کونہ وقفا وجبت الاجرۃ لہ فی تلک المدۃ لان منافع الوقف مضمونۃ علی المفتی بہ[1]۔	جب اس کا وقف ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی اجرت واجب ہے کیونکہ مفتی بہ قول کے مطابق منافع وقف پر ضمان لازم ہوتا ہے(ت)

اشباہ والنظائر مع الغمز صفحہ ۳۰۰:

من ھدم حائط غیرہ یضمن نقصانھا ولایؤمر بعمارتھا الافی حائط المسجد کما فی کراھۃ الخانیۃ[2]۔	جس نے غیر کی دیوار گرادی اس کے نقصان کا ضامن ہوگا مگر اس کی تعمیر کا حکم اس کو نہیں دیا جائے گا سوائے دیوار مسجد (کہ اس کی تعمیر کا حکم دیا جائیگا) جیسا کہ خانیہ میں کتاب الکراہۃ میں ہے(ت)

ردالمحتار جلد پنجم ص ۱۷۶:

فی شرح البیری اما الوقف فقد قال فی الذخیرۃ اذا غصب الدار	شرح بیری میں ہے لیکن وقف تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے وقف شدہ گھر

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷

الموقوفة فهدم بناء الدار للقيم ان يضمنه قيمه البناء اذا لم يقدر الغاصب على ردها ويضمن قيمة البناء مبنيا،لان الغصب وردهكذااه ومقتضاه انه اذاامكنه ردالبناء كماكان وجب ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف،ولذاقال البيرى فيما سبق وهذا فى غيرالوقف وفى فتاوى قارى الهداية استاجر دارا وقفا فهدمها وجعلها طاحونا،الزم بهدمه واعادته الى الصفة الاولىٰ اھ فظهران لافرق بين المسجد وغيره من الوقف بخلاف الملك اھ مختصرا[1]۔	غصب کیااور اس کی دیوار گرادی تو ناظر وقف کو اختیار ہے کہ وہ اس کو عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرائے اگر غاصب اس کی تعمیر پر قادر نہ ہو اور تعمیر شدہ عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرایا جائے گا کیونکہ غصب اسی پر واقع ہوااھ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب غاصب سابقہ حالت پر عمارت بنانے پر قادر ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور اس حکم میں مسجد اور دوسرے وقف میں کوئی فرق نہیں اسی واسطے بیری نے ما قبل میں کہا کہ یہ غیر وقف کا حکم ہے، فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے وقفی گھر کرایہ پر لیااور اس کو گرا کر آٹا پیسنے کی چکی بنالی تو اس پر لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ چکی کو گرا کر مکان کو پہلی حالت پر لوٹائے اھ تو ظاہر ہوا کہ اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا چاہے وقف بصورت مسجد ہو یا غیر مسجد بخلاف ملک کے اھ اختصارًا (ت)

عقود الدریہ جلد ا ص ۱۵۹:

غصب ارض وقف وزاد فيها زيادة من عند نفسه وان كانت شيئا ليس بمال ولاله حكم المال تو خذمنه بلاشيئ،ان كانت مالا قائما نحوالغراس والبناء امر القاضى الغاصب برفعه وقلعه،الااذاكان يضر بالوقف فانه يمنع عنه لواراد ان يفعل ويضمن	کسی نے وقف کا احاطہ غصب کرکے اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کردیا، اگر تو وہ اضافہ مال یا حکم مال کے قبیلہ سے نہیں تو بلا عوض اس سے واپس لیا جائے گا اور اگر وہ اضافہ ایسا مال ہے جو زمین کے ساتھ قائم ہے جیسے درخت اور عمارت تو قاضی غاصب کو حکم دے گا کہ وہ اس کو اکھاڑے جبکہ اکھاڑنے سے وقف کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو پھر اس کو کھاڑنے سے روکا

[1] ردالمحتار کتاب الغصب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۵

القیم اوالقاضی قیمۃ ذٰلك من غلۃ الواقف ان کانت والا یؤاجر الوقف ویؤتی من اجرتہ عمادیۃ[1] ومثلہ فی الفصولین من ۱۳	جائیگا اگر وہ اکھاڑنے کا ارادہ کرے، اور متولی یا قاضی اس اضافے کی قیمت کے ضامن ہوں گے اگر وقف کی کوئی آمدنی ہے تو اس سے ضمان دیں گے ورنہ وقف کو کرایہ پر دے کر اس کی اجرت سے ضمان ادا کرینگے، عمادیہ۔ اور اسی کی مثل فصولین میں ہے (ت)

(۵) جبکہ امام التزام امامت نہیں کرتا کبھی وقت بے وقت آجاتا ہے اور حرف بھی صاف مسموع نہیں ہوتے، اور مسائل کا بیان ہے کہ وہ دیندار متقی بھی نہیں، تو نہ خدمت پوری کرتا ہے نہ خدمت کے مناسب ہے، ضرور مستحق معزولی ہے، بلکہ دوامر اخیر اگر نہ بھی ہوتے تو صرف پہلی بات اسے تنخواہ مقرر لینا اور مال مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے،

درمختار کتاب الوقف فروع فصل نہر الفائق سے:

فیجب علیہ خدمۃ وظیفۃ اوترکھا لمن یعمل والا اثم[2]۔	اپنے وظیفہ کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے یا اس شخص کے لئے چھوڑ دے جو یہ خدمت کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کرکے اوقات حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے، اس پر فرض ہے کہ واپس دے، اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے۔ فتاوٰی خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۷۳:

سئل فی رجل بیدہ وظیفۃ امامۃ علی مسجد کل یوم بعثمانی وقد تناول جمیع المعلوم من قیم الوقف والحال انہ کان امر فی بعض الاوقات دون بعض فھل لایستحق المعلوم الابمقدار ماباشر والباقی یرجع علیہ بہ ویکون موفر الجھۃ الوقف اجاب الذی تحصل من کلام البحر ان مقتضی کلام الخصاف انہ لایستحق الابمقدار	ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے ہاتھ میں کسی مسجد کی امامت کا وظیفہ تھا بحساب ایک عثمانی (روپیہ) یومیہ، اور اس نے متولی سے تمام تنخواہ اکٹھی وصول کرلی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات امامت کراتا رہا اور بعض اوقات غیر حاضر رہتا تو کیا وہ صرف انہی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے جن میں اس نے امامت کرائی اور باقی دنوں کی تنخواہ متولی اس سے واپس لے گا اور اس طرح وہ جہت وقف کا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا، تو جواب دیا کہ کلام بحر سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خصاف کے کلام کا تقاضا

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۳۔۱۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

ماباشر، وبه صرح ابن وهبان فی المسافر للحج اوصلة الرحم حیث قال لاینعزل ولایستحق المعلوم مدة سفره مع انها فرضان[1]۔	یہی ہے کہ جن دنوں کی امامت اس نے کرائی صرف انہی دنوں کی اجرت کا مستحق ہے۔ ابن وھبان نے اسی کی تصریح فرمائی، حج یا صلہ رحمی کے لئے سفر میں جہاں انہوں نے فرمایا کہ وہ معزول نہ ہوگا اور نہ مدت سفر کی تنخواہ کا مستحق ہوگا باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں (ت)

بلکہ انصافاً وہ متولی یا مہتمم کہ اس حالت پر اسے پوری تنخواہ دیتا رہا وہ بھی مستحق عزل ہے کہ بلا استحقاق دینے سے مال مسجد پر متعدی ہے۔

(۲) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوامساجد کم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[2]۔ رواه ابن ماجة عن واثلة بن الاسقع وعبدالرزاق فی مصنفه بسند امثل منه عن معاذ بن جبل رضی الله عنهما۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور مجنونوں اور آوازیں بلند کرنے سے محفوظ رکھو۔ (اس کو ابن ماجہ نے بروایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس سے زیادہ بہتر سند کے ساتھ امام عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انہیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ۔ اشباہ مع الغمز صفحہ ۳۸۰ و در مختار اواخر مکروھات الصلٰوۃ:

یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسهم والافیکره[3]۔	اگر بچوں اور پاگلوں کے مسجد کو نجس کرنے کا گمان غالب ہو تو انہیں مسجد میں داخل کرنا حرام ورنہ مکروہ ہے۔ (ت)

یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز، نامہذب ہوں غل مچائیں، بے حرمتی کریں، مسجد میں نہ آنے دئے جائیں، درمختار محل مذکور:

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[3] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

يحرم فيه السوال ويكره الاعطاء و انشاد ضالة وشعر الامافيه ذكر ورفع صوت بذكر الالمتفقهة ويمنع منه كل مؤذولو بلسانه[1]۔	مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو مسجد میں دینا مکروہ ہے، اور اسی طرح گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا۔ اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں ذکر نہ ہو، اور فقہ کی تعلیم و تعلم کے علاوہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اور کل ایذا دینے والے کو مسجد سے منع کیا جائیگا اگرچہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر ایسے نہ ہوں تو انہیں مسجد میں غیر اوقات نماز میں پڑھانا مضائقہ نہیں رکھتا جب کہ معلم بلا تنخواہ محض لوجہ اللہ پڑھاتا ہو ورنہ ہر گز جائز نہیں اگرچہ جوان اور بوڑھے ہی پڑھیں کہ اب یہ اور پیشوں کی طرح دنیا کمانا ہے اور مسجد میں اس کی اجازت نہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۵ ص ۱۲۲:

لوجلس المعلم فی المسجد والوراق يكتب فان كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلاباس به لانه قربة وان كان بالاجرة يكره الاان تقع لهما الضرورة كذافی محيط السرخسی[2]۔	اگر معلم مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے اور کاتب مسجد میں بیٹھ کر لکھتا ہے اگر تو معلم ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے اور کاتب اپنے لئے لکھتا ہے نہ کہ اجرت پر تو حرج نہیں کیونکہ یہ قربت وعبادت ہے، اور اگر اجرت کے لئے ہے تو بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے، امام سرخسی کی محیط میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر صفحہ ۳۸۱:

تكره الصناعة فيه من خياطة وكتابة باجر وتعليم صبيان باجر لا بغيره الالحفظ المسجد فی رواية[3]۔	مسجد میں سلائی یا کتابت کا پیشہ اجرت پر کرنا اور اجرت لے کر بچوں کو پڑھانا مکروہ ہے جبکہ بلااجرت ہو تو حرج نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حفاظت مسجد کیلئے بغیر اجرت پر بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے (ت)

غمزالعیون ص ۳۸۱:

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴۔۹۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

فی الفتح معلم الصبیان القراٰن کالکاتب ان باجر لایجوز وحسبۃ لاباس بہ انتھی،وفی شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی لایجوز تعلیم الصبیان القراٰن فی المسجد للمروی جنبوامجانینکم وصبیانکم مساجدکم انتھی وھو صریح فی عدم الجواز سواء کان باجر اولا اھ[1] **اقول**: والتوفیق مااشرنا الیہ ان لو کانوا غیرماٰمونین علی المسجد لم یجز مطلقًا و الاجاز حسبۃً لاباجر والدلیل علیہ استدلالہ بالحدیث وقد قرنوافیہ بالمجانین فالمراد فی الحدیث من لا یعقل اولایؤمن علیہ وفی فرع التمرتاشی غیر المأمونین خاصۃ اذمن لایعقل لایعلم۔ واللہ سبحٰنہ اعلم۔	قرآن کی تعلیم دینے والا کاتب کی طرح ہے اگر اجرت پر ہو تو ناجائز اور نیت ثواب سے ہو تو جائز ہے انتہی، تمرتاشی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم قرآن جائز نہیں کیونکہ مروی ہے کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو انتہی، یہ عدم جواز میں صریح ہے چاہے اجرت پر ہو یا بلا اجرت اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) کہ تطبیق جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ ہے کہ اگر مسجد (کی طہارت واحترام) کے سلسلہ میں ان پر بھروسا نہیں تو مطلقًا ناجائز ہے ورنہ بنیت اجر وثواب جائز اور اجرت پر ناجائز ہے اور اس پر دلیل اس حدیث سے استدلال ہے کہ اس میں بچوں کے ذکر کے ساتھ پاگلوں کا ذکر ہے لہٰذا حدیث میں بچوں سے مراد وہ ہیں جو بے عقل ہو یا ان پر (آداب مسجد کے سلسلہ میں) بھروسا نہ کیا جاسکتا ہو۔ فرع تمرتاشی میں بطور خاص غیر مامون (بے بھروسا) کا ذکر ہے (نہ کہ بے عقل کا) کیونکہ جسے عقل نہیں وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد تحصیل حسن پور مرسلہ اشرف علی خاں ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کے سپرد مسجد کی روشنی کا اہتمام ہے اور اس کو دوسرا شخص تیل کے لئے صرف دیتا ہے اب پہلے شخص نے جس کو روپیہ صرفہ کے لئے دیا جاتا ہے اس نے روشنی میں کمی کرکے یا زیادہ صرفہ لے کر اور کم صرف کیا اور کچھ دام بچا کر وہ اپنے ذاتی صرفہ میں لایا، اور اب وہ شخص جو اپنے صرفہ میں لایا ہے اس مقام سے چلا آیا اور دوسرے مقام پر موجود ہے اب اس کا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ بچایا تھا اور صرف کیا وہ ادا کردوں اور میرا یہ گناہ معاف ہوجائے تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے آیا وہ اسی مسجد میں اسی تیل کو

[1] غمز العیون البصائر الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

روشنی کے کام دے یا وہ دوسری مسجد میں جہاں وہ اب موجود ہے وہاں پر کسی مسجد شکستہ یا قلعی وغیرہ کیلئے دے دے جس سے اس کا گناہ معاف ہو۔

الجواب:

اس پر توبہ فرض ہے اور تاوان ادا کرنا فرض ہے جتنے دام اپنے صرف میں لایا تھا اگر یہ اس مسجد کا متولی تھا تو اسی مسجد کے تیل بتی میں صرف کرے دوسری مسجد میں صرف کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا، اور اگر متولی نہ تھا تو جس نے اسے دام دئے تھے اسے واپس کرے کہ تمہارے دئے ہوئے داموں سے اتنا خرچ ہوا اور اتنا باقی رہا تھا کہ تمہیں دیتا ہوں،

لانه ان کان متولیاً فقد تم التسلیم والا بقی علی ملك المعطی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اگر وہ متولی ہے تو تسلیم تام ہو گئی ورنہ معطی کی ملک پر باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانس منڈی مرسلہ شمس الہدی ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت نے ایک مسجد تیار کرائی حالانکہ وہ اور اولاد سب اس کی سود ورشوت کھاتے ہیں اور قبل ان افعال ناجائز کے وہ مفلس تھے اور ۱۸، ۱۷ آدمی جو پرہیزگار ومتقی ہیں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مسجد حرام کے مال سے تیار کرائی گئی لیکن بانی مسجد اور اس کے دو چار متبع کہتے ہیں کہ حلال کے مال سے بنائی گئی، بنا بران صورتوں کے چند مسلمانوں نے اتفاق ہو کر دوسرے محلّہ میں ایک مسجد جدید بنائی ہے بناءً علیہ کہ اس میں نماز نہیں ہوگی، پس ان صورتوں میں کس میں نماز شرعاً ناجائز؟ اگر ناجائز تو کون سی ناجائز؟ اور کس میں شرعاً بہتر اولٰی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اس بارے میں صاحب مال کا قول شرعاً معتبر ہے، اگر وہ کہے یہ مال مجھے وراثۃً ملا تھا یا میں نے قرض لے کر لگایا تو مانا جائے گا، اور اس سے کوئی دلیل اس پر طلب نہ کی جائے گی کما نص علیه فی العالمگیریة وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) ان سترہ اٹھارہ کا کہنا اگر صرف اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کے پاس مال حرام ہے تو وہی لگایا ہوگا جب تو محض بے دلیل ہے ان کے پاس صرف مال حرام کب ہے، سائل سود کھانا بتاتا ہے سود بلاشبہ حرام ہے مگر اس کیلئے اصل درکار ہے اصل نہ ہوگی تو سود کاہے پر لے گا، سود کے حرام ہونے سے اصل کیوں حرام ہونے لگی، اور بالفرض ان کے پاس صرف مال حرام ہی ہو تو کیا یہ لوگ شہادت دیں گے کہ انکے سامنے ان لوگوں نے

اپنامال حرام بائعوں کو دکھایا اور ان سے کہا کہ ان روپوں کے عوض ہم کو اینٹ کڑی تختہ دے دو جب انہوں نے دی وہی زر حرام انہوں نے ثمن میں دے دیا اور اس طرح کا اینٹ کڑی تختہ خریدا ہوا مسجد میں لگایا یونہی مسجد کی زمین اپنا مال حرام بائع کو دکھا کر خاص اس کے عوض خریدی اور وہی ثمن میں دیا اور ایسی خریدی ہوئی زمین کو مسجد کیا، ان سترہ اٹھارہ میں ایک بھی ایسی شہادت نہ دے سکے گا اور جب اس طرح خریداری نہ ہو تو ان کا مال حرام سہی اینٹ کڑی تختہ زمین جو کچھ خریدا حلال تھا،

کما حققه فی الطریقة المحمدیة والحدیقة الندیة بل رجح فوق ذٰلك وقد بیناه فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں اس کی تحقیق (مصنف کتاب نے) فرمائی بلکہ اس کو ترجیح دی اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔(ت)

لہٰذا اس مسجد کاآباد کرنا مسلمانوں پر لازم، اور وہ دوسری مسجد جو اللہ عزوجل کے لئے بنائی وہ بھی مسجد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: از شہر مرسلہ حافظ چھٹن محلّہ ذخیرہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو کے مبلغ لعہ ۹ روپیہ سود ہے ایک مسلمان پر چاہئے ہیں مسلمان روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ ضامن طلب کرتا ہے ضامن بھی نادہند ہے کچھ مسلمانوں نے اس ہندو سے کہا کہ یہ روپیہ مسجد کے نام تو اگر کردے تو ہم وصول کرلیں گے، لہٰذا یہ روپیہ مسجد میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جبکہ اس میں سود بھی شامل ہے تو اتنا تو حرام قطعی ہے اور اگر پہلے یہ کچھ سود میں دے چکا ہو تو اتنا اصل میں مجرا ہونا لازم ہے جتنا باقی رہا اتنا اگر وہ ہندو اپنی خوشی سے کسی مسلمان کو دے اور اسے وصول کرنے کا اختیار دے تو اب وہ روپیہ اس مسلمان کا ہے اسے مسجد میں لگادینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کسی مسلمان کو نہ دے بلکہ یہی کہے کہ وہ وصول کرکے میری طرف سے مسجد میں لگادو تو نہ لیا جائے حدیث میں فرمایا: **انی نهیت عن زبد المشرکین**[1] (مجھے مشرکوں کی داد ودہش سے منع کردیا گیا ہے۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ١/ ١٩١

نیز فرمایا: انا لا نستعین بمشرک[1] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی صاحب قادری رضوی ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کنواں سر راہ ہے اس سے سب قوم پانی پیتی ہے، ہندو مسلمان۔ اور مسجد بھی قریب ہے، مسجد کے خرچ میں اسی کنویں کا پانی آتا ہے، اس وقت وہ کنواں مرمت کرنے کے لائق ہے، اگر ہندو اس کی مرمت کرائے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے بیان کیا کہ وہ کنواں مسجد کا نہیں، نہ وہاں کوئی آبادی ہے، مسافر لوگ مسجد میں نماز پڑھتے، کنواں راہ گیروں کے لئے ہے، ہندو اس کی مرمت کرانا چاہتا ہے کرائے، جبکہ وہ اس کی وجہ سے کوئی استحقاق اپنا ایسا نہ کرے کہ وضو و غسل میں مزاحم ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

فرق درمیان فضائل مسجد و مدارس کے کیا ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی کوئی مدرسہ تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا، نہ صدر اول میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا۔ ان کی مساجد ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں۔ ہاں تعلیم علم دین ضرور فرض ہے اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثت معلما[2]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ (ت)
وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسہم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

انالکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم[1]۔ وقال عزوجل "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ"[2]۔	تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت) اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (ت)

مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیم علم دین واجب ہے اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ تعمیر مسجد کی فضیلت بیشمار ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی للّٰہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[3] وفی روایۃ من درویاقوت[4]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔

مسئلہ ۲۷۷: از ویجیانگرم ضلع وزیگاپٹم مرسلہ حاجی علی محمد عثمان ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہاں کی جامع مسجد میں اندر کے طاقوں والے ستونوں پر یہ تاریخ لکھی ہے:

از حکم مہاراج عالی لقب محمد علی حاجی خوش لقب باحداث مسجد سعی نمود، کزاں مومناں راشدہ صد طرب بتاریخ اوگشت الہام حق، کہ واسجد بدرگاہ رب واقترب، ز لطف خداوند حی وصمن، محمد ابراہیم خوئے لقب بتعمیر مسجد چوں بنمود عزم، دوبارہ پئے قرب درگاہ رب۔ پے تاریخ آمد بگوش ۱۲۴۲ انگر حکم رب **واسجد واقترب**۔	مہاراج بلند لقب کے حکم سے اچھے لقب والے حاجی محمد علی نے مسجد بنانے کی کوشش کی جس سے مومنوں کو سیکڑوں خوشیاں حاصل ہوئیں، اس کی تاریخ کے بارے میں حق تعالٰی کی طرف سے یوں الہام ہوا کہ واسجد بدرگاہ واقترب (پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور قرب حاصل کر) زندہ و بے نیاز خداوند قدوس کی مہربانی سے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کی خاطر محمد ابراہیم خوئے لقب نے دوبارہ مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو اس کی تاریخ کے لئے یہ صدا کان میں آئی کہ نگر حکم رب **واسجد اقترب** (پروردگار کا یہ حکم دیکھ کر سجدہ کر اور قریب ہوجا)۔ (ت)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۹

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للّٰہ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ اس مسجد کی بنا حاجی محمد علی نے یہاں کے ہندو راجہ کے حکم سے کی اور حاجی محمد علی شیعہ مذہب کا تھا، بعد میں اس مسجد کو گرا کر دوسری مرتبہ اسی جگہ پر سنی مسلمانوں نے چندہ کرکے پھر نئے سرے سے تعمیر کی گئی جس چندہ میں زیادہ حصہ محمد ابراہیم خوئے لقب نے لیا جو شیعی مذہب کا ہے جس کا نام تاریخ میں لکھا ہے مگر اس مسجد میں شیعوں کا تصرف کسی قسم کا ہے نہ ان میں سے کوئی نماز کو آتا ہے، امام مؤذن کی تنخواہیں راجہ کے خزانہ سے ملتی ہیں جن سے مسجد کے چراغ بتی بھی ہوتی، اب ان کے احکام بیان فرمائیں کہ اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ مسجد مسجد جامع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟ ہندو راجہ کے پیسہ سے مسجد کے چراغ بتی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

نماز اس میں ہوسکتی ہے تو اصلا یہ محل اشتباہ نہیں۔ نماز ہر پاک جگہ ہوسکتی ہے جہاں کوئی ممانعت شرعی نہ اگرچہ کسی کا مکان یا افتادہ زمین ہو۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعلت لی الارض مسجدا و طھورا فاما رجل من امتی ادرکتہ الصلوۃ فلیصل[1]۔	میرے لئے زمین کو جائے نماز اور پاک کرنے والی بنایا گیا ہے لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو اس کو وہاں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ (ت)

اور جب وہ تقریبًا سو برس سے مسجد کہلاتی، مسجد سمجھی جاتی ہے اس میں جمعہ وجماعت واذان ہوتی ہے اس کے لئے امام ومؤذن مقرر ہیں تو اب اسے مسجد سمجھنے میں شبہ پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندو راجہ کے حکم سے بننا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کی مملوک زمین میں اسی کی ملک پر بنی ہے کہ مسجد نہ ہوسکے بلکہ غالب یہی ہے کہ شہر کی زمین پر جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا ہے اور والیان ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں جو چاہتے ہیں بنواتے ہیں ایسی زمین پر باجازت راجہ بنی، ملک کی غیر مملوکہ زمین اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے، بیت المال کی کہلاتی ہے، راجہ اس کا مالک نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: عادی الارض للہ ولرسولہ[2] (زمین اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملک ہوتی ہے۔ ت) اور رافضی کے اہتمام سے بننا بھی اس کے مسجد ہونے میں مخل نہیں، اگر اس کا رفض حد کفر تک

---

[1] صحیح البخاری کتاب التیمم ۱/ ۴۸ و کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] السنن الکبرٰی احیاء الموات دار صادر بیروت ۶/ ۱۴۳

نہ تھا جب توظاہر، ورنہ غایت یہ کہ اس کے مسجد کرنے سے مسجد نہ ہوئی، مگر جب مسلمانوں نے اسے مسجد قرار دیا اس میں نمازیں مسجد سمجھ کر پڑھیں مسجد ہوگئی،

فان الارض ان کانت لبیت المال فجاز جعلھم ایاھا مسجدا، والبناء ان کان من مال المسلمین فبھا او من مال المرتد فاذا مات علی ارتدادہ فصارفیئا للمسلمین او من خزانۃ الوالی فالخزانۃ لبیت المال علی ان ماکان لکافر غیر ذمی ولا مستأمن وحصل للمسلمین بغیر عذر ونقض عھد صار لھم علی ان بیدنا دلیلا ظاہرا یثبت بہ الوقف شرعا وھی الشھرۃ فدعوی خلافہ یردھا الاحتمال[1] کما بیناہ فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ۔	زمین جبکہ بیت المال کی ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ اسے مسجد بنادیں، اور تعمیر اگر مسلمانوں کے مال سے ہو تو فبہا، یا تعمیر مرتد کے مال سے ہوئی اس کے ارتداد پر مرنے کے بعد اس کا مال مسلمانوں کے لئے فے ہوگیا، یا والی کے خزانہ سے تعمیر ہوئی تو خزانہ بیت المال کا ہے، اس بنیاد پر غیر ذمی اور غیر مستامن کافر کا مال اگر بغیر دھوکا اور بدعہدی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو تو وہ انہیں کا ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے پاس جو دلیل ہے وہ ظاہر ہے جس سے شرعًا وقف ثابت ہو جاتا ہے اور وہ دلیل شہرت ہے پس اس کے خلاف دعوی کے احتمال کو رد کردیتا ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ بنا میں کسی شیعی کا چندہ میں زیادہ حصہ لینا اس معنی پر ہے کہ تحصیل چندہ میں زیادہ کوشش کی جب توظاہر، اور اگر اسی معنی پر ہو کہ زیادہ چندہ اس نے خود اپنے مال سے دیا تو مسجدیت ثابت ہو کر قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی،

الاتری ان لوانھدم مسجد فاعاد بنائہ کافر بمالہ لم یخرج عن المسجدیۃ وان لم یقبل بناء ہ لکونہ غیر اھل للوقف علی المسجد ھذااذالم یکن مرتدا اما ھو فیتوقف الامر علی ان یسلم فیصح کما فی رد المحتار عن البحر	کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی مسجد گر جائے اور اس کی عمارت کسی کافر نے دوبارہ اپنے مال سے بنادی تو وہ مسجدیت سے خارج نہ ہوئی اگرچہ کافر کا مسجد کو تعمیر کرنا مقبول نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف کا اہل نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ کافر غیر مرتد ہو، اور اگر مرتد ہو تو یہ معاملہ موقوف رہے گا حتی کہ وہ مسلمان ہو جائے تو صحیح ہو جائے گا جیسا کہ بحر سے ردالمحتار میں ہے،

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف المرتد والکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

اویموت علی ردته والعیاذ باللہ فیعود فیئًا للمسلمین۔	یا وہ حالت ارتداد پر مرجائے، اللہ تعالٰی کی پناہ تو اب یہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جائے گا(ت)

نامسلم کا عطیہ کہ اس کے اپنے مال سے ہو خصوصًا اپنے اسلامی کام میں نہ لانا چاہئے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی نھیت عن زبد المشرکین [1] رواہ ابوداؤد و الترمذی عن عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنه، وھو حدیث حسن صحیح۔	بیشک مجھے مشرکوں کے عطیہ سے منع کردیا گیا ہے۔(اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انی لااقبل ھدیة مشرک [2]۔ رواہ الطبرانی الکبیر عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	بیشک میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔(اسے طبرانی نے کبیر میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانقبل شیئًا من المشرکین [3] رواہ احمد والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بے شک ہم مشرکوں کی کوئی شے قبول نہیں کرتے۔(اسے احمد اور حاکم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانستعین بمشرک [4]۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	بیشک ہم مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔(اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۸، ۱۳۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۹/ ۷۰ و ۷۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۳

[4] سنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی المشرک یسھم له آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجه ابواب الجهاد باب ف الاستعانة بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

اور حدیثیں جواز واجازت میں بھی ہیں اور توفیق بتوفیق اللہ تعالٰی ہمارے فتوٰی میں ہے، مگر یہاں ضرور وہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے، اور خزانہ والی ملک کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جبکہ کسی مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو، **هذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۸: از پوکھر ایرارائے پور ضلع مظفر پور محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید سندی عالم ہے، مالدار ہے، پانچ سات ہزار روپے کی مالیت رکھتا ہے، چندہ یعنی مانگ کر مسجد بنواتا ہے۔ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے، امور خیر کے لئے چندہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مالدار پر واجب نہیں کہ ساری مسجد اپنے مال سے بنائے، امر خیر میں چندہ کی تحریک دلالت خیر ہے۔

ومن دل علی خیر فله مثل اجر فاعله[1]۔	جو کار خیر کی راہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کار خیر کرنے والے کو۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹ تا ۲۸۰: از اجمیر شریف درگار مقدس مرسلہ نذیر احمد خان صاحب رامپوری ۳ رمضان ۱۳۳۶ھ

ایک وقفی جاگیر چند منتظمان کے سپرد کی گئی جس میں ایک شاہی مسجد اور اس کی جائداد بھی شامل ہے، منتظمان وقف خاص نے جائداد مسجد کی کافی آمدنی مجموعی سرمایہ وقف میں جمع کیا اور علاوہ اس مسجد کے جس کے لئے یہ جائداد وقف تھی دوسرے ابواب وقف میں صرف کردیا اور اس مسجد کو ویران رکھا۔ امام مؤذن نماز اذان پنجگانہ کا انتظام کیا نہ پانی روشنی کا اہتمام، حتی کہ مسجد کی ضروری مرمت وصفائی تک نہیں کرائی جاتی۔

اول: ایک وقف کی آمدنی باوجود اس کی ضروریات موجود ہونے کے غیر آباد رکھ کر دوسرے ابواب میں صرف کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو صرف شدہ مال مسجد کو ابواب مصروف فیہا (خواہ وقفی ہی ہوں) سے واپس لے کر اس مسجد میں صرف کرانے کا مسلمان کو حق حاصل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۷

ہے یا نہیں؟

دوم: منتظمان وقف اس صورت میں شرعاً کسی تعزیر وسزا کے مستوجب ہیں اور واجب العزل ہیں یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی آمدنی دوسرے اوقاف میں صرف کرنا حرام ہے اگرچہ مسجد کو حاجت بھی نہ ہو نہ کہ بحال حاجت کہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ مال مسجد اگر بعینہٖ موجود ہو واپس لیا جائے اگرچہ دوسرے وقف یا مسجد دیگر میں ہو اور جو صرف ہوگیا ان کا تاوان منتظمین پر لازم ہے ان سے وصول کیا جائے اور ان کا معزول کرنا واجب ہے کہ وہ غاصب وخائن ہیں اگر صورت مذکورہ واقعیہ ہے۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين اورجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذٰلک[1]۔	واقف وجہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کے مشاہر میں کمی واقع ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی میں سے کچھ اس پر صرف کرے اور اگر ان دونوں یعنی واقف وجہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے الگ الگ دو مسجدیں بنوائیں یا ایک ہی شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا اور دونوں کے مصالح کے لئے الگ الگ اوقاف متعین کئے ہوں تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں۔ (ت)

اس میں ہے:

ينزع وجوبا بزازيه ولو الواقف درر فغيره بالاولى غير مأمون[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	متولی سے وجوبًا وقف واپس لیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہو (درر) لہذا غیر واقف اگر متولی ہو تو بدرجہ اولٰی اس سے وقف واپس لیا جائیگا درانحالیکہ وہ امین نہ ہو (بلکہ خائن ہو)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۲۸۱: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر اسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسلمان چاہتے ہیں کہ زمین ہندو زمیندار سے مول لے کر مسجد کے لئے وقف کریں مگر وہ زمیندار مسلمانوں کے ہاتھ نہیں بیچتا ہے، تواس صورت میں مسجد بنانے کے لئے کیا حکم ہے؟آیا کہ موروثی زمین پر مسجد بناکر نماز پڑھیں یا اپنے اپنے گھر نماز پڑھیں اور نماز جمعہ کے بابت کیا حکم ہے جب ہندوز میندار اپنی زمین نہ بیچے؟

الجواب:

ہندو اگر بیچتا نہیں اس سے کوئی مسلمان اپنے نام ہبہ کرالے پھر یہ مسلمان اسے مسجد کردے، موروثی ہونے سے زمین ملک مزارعاں نہیں ہوجاتی، اور وقف کرنے کے لئے ملک ضرور ہے، اگر وہ ہبہ نہ بھی کرے تو گھروں میں یاجہاں مناسب تر ہو نماز پڑھیں اور جمعہ بھی اگر وہ جگہ شہر یا فناء شہر ہو۔ گاؤں میں جمعہ خود ہی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲: ایک مسجد نہایت تنگ ہے کہ اس میں بیس آدمی سے زائد نمازی نماز نہیں پڑھ سکتے، یہاں کا زمیندار ہندو ہے وہ عرض وطول میں گھٹانے بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا ہے ایسی صورت میں مسجد کو بحیثیت دو منزلہ تعمیر کرکے اور نیچے اس کے دکانیں بناکر اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے یانہیں؟ اور اس کرایہ کو مسجد کی صرف میں لانے کا خیال ہے اور مسجد کو دکانوں کے اوپر بناسکتا ہے یانہیں؟ ایسی صورت میں اس وقت سجدہ گاہ نیچے ہے اور پھر دکانوں کے اوپر ہو اس کے واسطے جو حکم ہو مع حوالہ حدیث قوی و مستند کے دیا جائے۔

الجواب:

مسجد کو دکانیں کردینا حرام قطعی ہے، توسیع کے لئے یہ ہوسکتا ہے کہ دو منزلیں کردی جائیں وقت ضرورت بالاخانہ پر بھی نماز ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۴: از الہ آباد سرائے گڑھا دار الطلبہ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

سوال اول: ایک مسجد کے متعلق کچھ دکانیں ہیں اور مسجد کے وقف نامہ کا کچھ پتا نہیں ہے البتہ اس کی آمدنی متولی سابق اپنے و مسجد کے ضروری اخراجات میں صرف کرتے تھے ان کے زمانہ میں زیر باری بہت ہوگئی تھی تاہم رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن شریف ختم ہونے کے بعد شیرینی منگا کر تقسیم کرتے تھے اور ان سے پیشتر جو متولی تھے وہ علاوہ ان اخراجات کے رمضان شریف میں روزانہ افطاری بھی منگا کر نمازیوں کو تقسیم کرتے تھے

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کی آمدنی سے اب مٹھائی اور افطاری منگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الموفق والصواب

صورت مسئولہ میں ختم کی مٹھائی اور رمضان شریف میں افطاری منگانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد کی آمدنی کے متعلق پیشتر وقف نامہ کے شرائط کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہئے، اور اگر وقف نامہ موجود نہ ہو تو متولیان سابق کے تعامل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر تعامل کا بھی حال معلوم نہ ہو تو جو مسجد کے ضروری اخراجات شرعاً ثابت ہوں اس میں خرچ کرنا چاہئے، جیسا کہ شامی کتاب الوقف میں مذکور ہے:

وفی الخیریة ان کان للوقف کتاب دیوان القضاۃ المسمی فی عرفنا بالسجل وھو فی ایدیھم اتبع ما فیه استحسانا اذا تنازع اھله فیه، والا ینظر الی المعھود من حاله فیما سبق من الزمان من ان قوامه کیف کانوا یعملون وان لم یعلم الحال فیما سبق رجعنا الی المقیاس الشرعی وھوان من اثبت بالبرھان حقا حکم له به [1] اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم کتبه محمد عبدالکافی۔	فتاوی خیریہ میں ہے کہ اگر وقف کے لئے کوئی تحریر دفتر قضاۃ یعنی قاضی کے رجسٹر میں ہے جس کو ہمارے عرف میں سجل کہاجاتا ہے تو متولیان وقف میں اختلاف کی صورت میں استحساناً اس تحریر کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی ورنہ دیکھا جائے گا کہ زمانہ سابقہ سے اس وقف کاحال معہود و معروف کیا چلا آرہا ہے یعنی متولیان سابق کیسے کرتے تھے اگر یہ بھی معلوم نہ ہوسکے تو پھر ہم اس قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے کہ جس نے برہان سے حق ثابت کردیا اس کے لئے اس حق کا فیصلہ کردیا جائے گا اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھاہے۔(ت)

سوال دوم: ایک مسجد کے سابق متولی سید تھے، وہ بہت نیک وسادہ طبیعت تھے، ان کی سادگی سے کچھ لوگوں نے مسجد کو نقصانات پہنچادئے، ان وجہوں سے ان کی مسجد سے علیحدگی بھی ہوگئی، اب ان کی بے عنوانیوں کو پتھر پر کندہ کراکے مسجد میں نصب کرانا جس سے ان کو صدمہ روحی ہوگا جائز ہے یا نہیں؟ گوان کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ بجائے نام متولی سابق لکھا گیا ہے جن کو اس لقب کے ساتھ شہر کے لوگ جانتے ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

الجواب:

جب کہ سید صاحب کی علیحدگی ہوگئی اور ان کو مسجد سے کوئی تعلق نہ رہا تو ان کی برائیوں کا کندہ کرکے نصب کرنا نہ چاہئے اس لئے کہ جو کچھ ان سے غفلت ہوئی اس کو عوض ان کو مل چکا اب ہمیشہ کے لئے علانیہ پتھر پر ان کے بے عنوانیاں کندہ کراکے نصب کرانا جائز نہیں بلکہ یہ غیبت میں داخل ہے، جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے:

فی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع وکما تکون الغیبۃ باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل و بالتعریض وبالکتابۃ وبالحرکۃ وبالرمز وبغمز العین والاشارۃ بالید وکل مایفھم منہ المقصود فھو داخل فی الغیبۃ وھو حرام [1] الخ فقط واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتبہ محمد عبدالکافی۔	کتاب الحظر والاباحۃ میں بیع کے متعلق فصل کے تحت مذکور ہے کہ غیبت جس طرح صراحتًا زبان سے ہوتی ہے اسی طرح عمل، تعریض، تحریر، حرکت، رمز، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ شے جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا وہ غیبت میں داخل ہے اور غیبت حرام الخ فقط واللہ اعلم بالصواب، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھا ہے (ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔

(۱) ایک دو شخص کے کرنے سے تعامل ثابت نہیں ہوتا، اگر یہ معلوم ہو کہ قدیم سے یہ مصارف متولیان مسجد مال مسجد سے کرتے آئے اب بھی کئے جائیں گے ورنہ نہیں جبکہ اور کوئی ذریعہ ثبوت شرعی نہ ہو۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذاوجد شرط الواقف فلا سبیل الی مخالفتہ واذا فقد عمل بالاستفاضۃ والاستیمارات العادیۃ المستمرۃ من تقادم الزمان و	اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط موجود ہے تو اس کی مخالفت کی کوئی سبیل نہیں اور اگر یہ مفقود ہے تو پرانے زمانے سے اب تک اس وقف کے بارے میں جو معاملات مشہود تسلسل و

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

الی ھذا الوقت[1]۔	استمرار سے چلے آرہے ہیں ان پر عمل کیا جائیگا۔(ت)

ورنہ تمام مجہول الشرائط او قاف ہر متولی کے استعمال وتابع افعال ہوجائیں کہ ایک کے فعل سے تعامل ثابت اور سابق سے عدم ثبوت، ثبوت عدم نہیں۔ وھذا لایتفوہ بہ من لہ ادنی ترعرع من العامیۃ کما لایخفی (یہ ایسی بات ہے جو ادنٰی سوجھ بوجھ رکھنے والا ایک عام آدمی بھی نہیں کہہ سکتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

(۲) اگر ان باتوں میں ان کا قصور نہ تھا بلکہ اور لوگوں نے نقصان پہنچائے تو ان افعال کی ان کی طرف نسبت بہتان وافترا ہے اور اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ ہے اور وہ حرام ہے۔

قال تعالٰی "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک وہ لوگ جو مومنوں میں اشاعت فاحشہ چاہتے ہیں ان کیلئے دنیا وآخرت میں درد ناک عذاب ہے(ت)

اور اگر ان کا قصور تھا اور اس پر ان کی علیحدگی بھی ہوگئی اور اب ان بے اعتدالیوں کا پتھر پر کندہ کراکے نصب کرنا کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو اگرچہ اس حالت میں کہ وہ باتیں معروف ومشہور ہوچکی ہوں اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا ہے خصوصًا منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو ہاں بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتذکروا موتاکم الابخیر[3]۔	اپنے مردوں کا ذکر بھلائی کے سوامت کرو(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ماقدموا[4]۔	اپنے مردوں کو برانہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ اللعن دار الفکر بیروت ۷/ ۴۹۰، ۴۹۱

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب الجنائز، النھی عن سب الاموات، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

بایں ہمہ جب کہ بلا مصلحت شرعیہ ہے عبث ہے، اور عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اور اگر وہ افعال وقف میں خیانت واضرار تھے اور متولی کو پھر عود کی ہوس ہے اور اس کی قوت یا بعض کی حمایت سے عود کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا غرض اس کے نصب میں اس کا عزل ہے یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے،

نظیر مافی الحدیث اترعون عن ذکر الفاجر کی یعرفه الناس اذکرو الفاجر بما فیه ویحذره الناس[1]۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ فاجر کا رد کرنے سے باز رہتے ہو تاکہ لوگ اسے پہچانتے رہیں، فاجر کی فجور اور اس کی بری خصلتوں کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از موضع سیاکھ تھانہ چوکمہ تحصیل میرپور ریاست جموں مسئولہ محمد ابراہیم ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک قطعہ اراضی جو مسجد کے قریب واقع ہے آباء واجداد سے خادم آب مسجد اس کی کاشت کرتے ہیں اور ماحصل اس کا کھاتے ہیں اور خراج اس کا ادا کردیتے ہیں اگر خدمت ماء چھوڑدیں تو اہل دیہہ دوسرے خادم آب مسجد کو دیتے ہیں اسی طریق پر قبضہ اراضی مذکور کا بدلتا جاتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ آباواجداد اہل دیہہ نے کس طرح اراضی بالا کو مقرر کیا مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی وقف کیا یا بعدہ وقف کیا ہے یا بوجہ اعمال بطور خدمت مذکور دی گئی اور ملک خود باقی، اگر اب موجودہ اہل دیہہ اراضی مملوکہ مشترکہ سمجھ کر اس کے کئی گوشہ پر تعمیر مکان امام مسجد کرادیں اور یہ کہیں کہ یہ اراضی مشترکہ مملوکہ ہمارے آباواجداد کی ہے ہم کو اختیار ہے جو کریں خادم آب مسجد صرف مزدوری کا مالک ہے اس کی مزدوری نقد وغیرہ سے ادا کریں، بالاتفاق تعمیر مذکور کرادیں، آیا یہ عمارت اس قطعہ اراضی میں جائز ہے یا نہیں، چونکہ ہمارے ہاں لوگ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے شروط اور ارکان وقف سے واقف نہیں، پس یہ اراضی بالا کس امر پر محمول ہوگی، وقف سمجھی جائے گی یا مملوکہ اہل دیہہ متصور ہوگی یا کسی اور طریق پر محمول ہوگی ہر ایک قید قیود مد نظر فرما کر بالتعجیل جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں ہمارے لوگ اکثر جوابہائے سوال دیوبندیوں سے

[1] السنن الکبرٰی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰

منگواتے ہیں چونکہ یہ فقیروں کی جانب سے بعض مسائل اعتقادی عمل میں گراں خاطر ہیں اس واسطے حضرت کو تکلیف دی گئی۔

الجواب: اگر وہ زمین بنام وقف مشہور ہو تو بلا شبہ وقف ہے کہ وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ پتا نہ چلے کہ کب اور کس نے وقف کیا جیسے قدیم مساجد کہ بلاشبہ وقف ہیں اگرچہ نہیں بتا سکتے کہ کس نے کب بنائیں، درمختار میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بالشهرة[1] (ملخصًا)	وقف میں شہرت کی بنیاد پر شہادت مقبول ہے (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف عن الخانیة وتصح دعوی الوقف و الشهادة به من غیر بیان الواقف[2]۔	اسعاف میں خانیہ سے منقول ہے وقف میں دعوی اور شہادت بیان واقف کے بغیر بھی صحیح ہے۔(ت)

اور اگر بنام وقف مشہور نہ ہو نہ اور کسی ذریعہ شرعیہ سے اس کا وقف ہونا ثابت ہو اور یہ ثابت ہو کہ فلاں شخص کی ملک تھی اور یہ ثبوت گواہان عادل سے ہو تو وہ اس شخص کا ترکہ اور اس کے وارثوں کی ملک ہے جو چاہیں کریں، اور اگر اس کا بھی ثبوت نہ ہو تو جس طرح قدیم سے خادمان آب کے قبضے میں چلی آتی ہے یونہی رہے گی، اہل دیہہ بلا ثبوت شرعی اس پر دعوی ملک یا کوئی تصرف جدید نہیں کرسکتے۔ امام ثانی مذہب سیدنا ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

لیس للامام ان یخرج شیئا من ید احد الابحق ثابت معروف[3]۔	امام کو جائز نہیں کہ بغیر حق ثابت و معروف کے کسی کے قبضہ سے کوئی شے خارج کرے (ت)

بلکہ قدیم سے اس کا یونہی چلا آنا اور کسی کا دعوی ملک نہ کرنا حال کے لوگوں کے دعوی ملک کو ناقابل سماعت کرتا ہے۔ ردالمحتار مسائل شتی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] کتاب الخراج فصل فی الارض فی الصلح والعنوۃ مطبع بولاق مصر ص ۷۰

في الحامدية من الولوالجية رجل تصرف زمانا في ارض ورجل اخريرى الارض والتصرف ولم يدع ومات على ذلك لم تسمع بعد ذلك دعوى ولده فتترك على يد المتصرف[1]۔	حامدیہ میں بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ ایک شخص کچھ عرصہ ایک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اسے زمین میں تصرف کرتے دیکھتا رہا اور اس پر دعوی نہیں کیا پھر اسی حال میں مرگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعوی مسموع نہ ہوگا لہٰذا وہ زمین حسب سابق متصرف کے قبضے میں رہنے دینگے۔(ت)

اور جبکہ کسی کی ملک ثابت نہیں، نہ اب دعوی ملک سنا جائے اور متعلق مسجد ہونا قطعًا معلوم کہ اسی کے خادمان آب کے تصرف میں رہتی ہے اور وہ مسجد کے لئے اس کا خراج ادا کرتے ہیں تو مسجد پر وقف ہی سمجھی جائے گی اور یہ طریقہ کہ اجرت آب میں ان کو دی جاتی ہے کہ خراج دیں اور باقی محاصل اپنی مزدوری میں لیں حرام ہے کہ اجرت مجہولہ بلکہ غرر وخطر میں ہے اور مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب، کمانصوا علیه قاطبة فی غیر ما مقام (جیسا کہ علماء نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی۔ت) تو یہ تعامل قدیم یوں سمجھا جائے گا کہ واقف ہی نے زمین اسی شرط پر وقف کی کہ خادمان آب مسجد اس کی کاشت کریں اور محاصل کھائیں اور خراج مسجد کو دیں تو اس طریقے کی تبدیل کسی کے اختیار میں نہیں،

فان شرط الواقف کنص الشارع صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۶: از ریاست گوالیار محلّہ چوک بازار جامع مسجد مرسلہ عبدالغفور صاحب　　۳ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۳۱۹ھ میں شہر گوالیار میں یہیں کے شرفاء ذی علم اور معزز حضرات کی ایک انجمن قائم ہوئی گوالیار کی جامع مسجد نہایت شکستہ حالت میں بکفالت سرکار تھی۔ اراکین انجمن نے واگذاشت کرانے کی کوشش کی، ریاست نے بکمال رعایا پروری جامع مسجد مع دکانات اور اراکین انجمن کے سپرد فرمادی، اراکین انجمن نے علاوہ انتظام

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

جامع مسجد کے اور انتظام دینی خدمات کے بھی اپنے زمہ لئے ستائیس ہزار روپیہ جامع مسجد مذکور کی مرمت و تعمیر میں صرف کیا جس میں دس ہزار عطیہ ریاست ہے اراکین انجمن نے ایک امام مسمّٰی زید کو بمشاہرہ مبلغ ۱۰/ماہوار مقرر کیا مگر زید نے اپنے فرائض منصبی یعنی نماز وغیرہ کی پابندی نہیں کی، علاوہ عدم پابندی نماز وغیرہ کے اور بہت سی بے عنوانیاں ظاہر ہوئیں جس پر اراکین انجمن نے بہت فہمائش کے بعد زید کو کئی برس کا عرصہ ہوا برخاست کردیا اور دوسرے امام صاحب کو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مقرر کیا۔

اول یہ ہے کہ ازروئے شرع شریف ایسے امام کو جیسا کہ زید تھا اور جس کو عہدہ امامت پر اراکین انجمن نے مقرر کیا تھا برخاست کرنے کا اختیار اراکین انجمن کو تھا یا نہیں؟ اور ایسی صورت جب کہ کل انتظام جامع مسجد کا اراکین انجمن کے اختیار میں سترہ اٹھارہ برس سے ہے، اراکین انجمن جس کو چاہیں امام بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ منصب امامت ایک دائمی اور موروثی عہدہ ہے اور باوجود عدم پابندی نماز اور بہت سی بے عنوانیاں کے امام کسی حال میں معزول نہیں ہوسکتا، کیا درحقیقت شرعًا منصب امامت کوئی دائمی اور موروثی عہدہ ہے، زید یہ بھی کبھی کبھی کہتا ہے کہ عوام الناس سے مشورہ میری معزولی کے وقت میں نہیں لیا گیا لہٰذا میں معزول نہیں ہوا، کیا شرعًا اس کی معزولی کے لئے عوام الناس کا مشورہ ضروری تھا اور کیا بغیر عوام الناس کے مشورہ کے انجمن انتظامیہ جامع مسجد جو عرصہ سے جامع مسجد کی متولی اور منتظم ہے اور جس نے بغیر مشورہ عوام الناس کے زید کو دس روپیہ ماہوار پر امام مقرر کیا تھا اس کو معزول نہیں کرسکتی۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

امامت میں میراث جاری نہیں ورنہ امام متوفی کے بعد آٹھویں دن اس کی زوجہ امامت کرے، جو نماز کا پابند نہ ہو لائق امامت نہیں، اسے معزول کرنا واجب ہے، اگر معزول نہ کرتے گنہگار رہتے۔ تبین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعًا[1]۔	فاسق امام کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جب کہ لوگوں پر شرعًا اس کی توہین لازم ہے۔ (ت)

انجمن کو ایسے شخص کے معزول کرنے میں کسی سے کچھ مشورہ کی حاجت نہ تھی بلکہ بحالت مذکورہ اگر تمام عوام الناس اس کو بحال رکھنا چاہتے تو ان کا کہنا ماننا جائز نہ تھا اور معزول کرنا واجب تھا۔ رسول اللہ

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کی طاعت نہیں کی جائیگی۔ (ت)

زید کا یہ عذر عجیب ہے، انجمن کی کارروائی بے مشورہ عوام اس کے نزدیک صحیح ہے یا باطل؟ اگر صحیح ہے تو عذر کیا ہے اور اگر باطل ہے تو معزولی درکنار، اس کا تقرر ہی باطل تھا کہ وہ بھی انجمن نے بے مشورہ عوام کیا تھا اور جب تقرر باطل تھا تو جتنے دنوں مسجد کے مال سے ١٠/ ماہوار لیا واپس دے۔ اب کہے گا کہ وہ تقرر صحیح تھا تو یہ معزولی بھی کہ بوجہ شرع ہے صحیح ہوئی، ہاں بلاوجہ شرعی مقبول نہ ہوتی۔ بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

واستفید من عدم عزل الناظر بلاجنحة عدمها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اهلیة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ناظر کو بلاجرم معزول کرنے کے صحیح نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کسی وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو بلاجرم اور بغیر نااہلی کے معزول کرنا صحیح نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۷: ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سرکاری عہدہ ممبری کے ملنے کے لئے جو لوگوں کی کوشش پر موقوف ہے مسلمانوں سے کوشش کرانا چاہتا ہے کہ کوشش کنندگان یہ کہتے ہیں تم تعمیر مسجد میں اس قدر روپیہ دو برتقدیر ممبر ہوجانے کے۔ تو ہم لوگ تیار کوشش پر ہیں۔ یہ رقم جو حق الاجرت ہے مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اسے حق الاجرۃ کہنا صحیح نہیں کہ ممبر کردینا ان کا کام نہیں اور کوشش مجہول القدر ہے اور وقت معین نہ کیا تو یہ کسی طرح اجارہ جائزہ میں نہیں آسکتا، ہاں اگر یوں کرے کہ وہ ان کو مہینے پندرہ روز کے لئے بتعیین تنخواہ وتعین وقت مثلاً تم کو دس دن کے لئے ہر روز صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶، ۶۷، کنز العمال بحوالہ ق۔د۔ن عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۸۷۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

اتنے معاوضہ پر اگرچہ وہ دس ہزار روپے ہوں نوکر رکھا پھر وقت مقرر میں جو کام چاہے لے ازاں جملہ یہ کوشش تو اس صورت میں اجارہ صحیح ہوجائے گا **وقد افادھذہ الحیلۃ فی الخانیۃ والخلاصۃ وغیرہما** (تحقیق اس حیلہ کا افادہ خلاصہ اور خانیہ وغیرہ میں فرمایا ہے۔ت) مگر اس صورت میں وہ بات کہ بر تقدیر ممبر ہوجانے کے ہے حاصل نہ ہوگی بلکہ یہ تنخواہ واجب الادا ہوگی اگرچہ ممبری نہ ملے، اور اگر یہ شرط کرلیں کہ ممبری ملنے پر یہ تنخواہ دی جائے گی تو پھر اجارہ فاسد وحرام ہوجائے گا، معہذا جب کہ یہ روپیہ ان کا حق الاجرۃ ہوگا ان کی ملک ہوگا اگر مسجد میں نہ دیں ان پر الزام نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ مسجد کی کوئی اینٹ یا لوٹا کپڑے میں سی کر مثلاً دو ہزار کو اس کے ہاتھ متولی مسجد بیع کرے اور وہ قیمت اور چیز کسی امین کے پاس رکھ دی جائیں اور یہ لوگ کوشش کریں اگر ممبری ہوجائے امین وہ چیز ممبر کو دے دے اور وہ روپیہ مسجد میں اور اگر ممبری نہ ہو تو یہ طالب ممبری اس چیز کو کھول کر اب دیکھے اور بحکم خیار رویت بیع رد کردے امین وہ چیز مسجد کو دے دے اور قیمت اس شخص کو پھیر دے، اس میں یہ بھی ہوگیا کہ روپیہ بر تقدیر ممبری دیا جائے گا ورنہ نہیں، اور جب دیا جائے گا تو مسجد ہی کی ملک ہوگا، دوسرا اس میں تصرف نہ کرسکے گا مگر اس میں یہ خامی ہے کہ ممبری ہوجانے پر بھی اسے اختیار ہوگا کہ چیز دیکھ کر بیع رد کردے تو ممبری بھی ہوگئی اور روپیہ بھی دینا نہ آیا۔ اور اگر یوں ہو کہ طالب ممبری کہے میں اللہ کے لئے منت مانتا ہوں کہ اگر ممبر ہوگیا تو دو ہزار روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں دوں گا تو یہ بھی اس کے اختیار پر رہے گا کہ تعمیر مسجد کی نذر صحیح ولازم نہیں، بدائع ور دالمحتار میں ہے:

من شروطہ ان یکون قربۃ مقصودۃ فلا یصح النذر بالوضوء والاذان وبناء الرباطات والمساجد [1]۔	نذر کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ قربت مقصودہ ہو لہذا وضوء، اذان، خانقاہوں اور مسجدوں کی تعمیر کی نذر صحیح نہیں۔(ت)

اگر وہ یوں کہے کہ ممبری ملنے پر اسی دن دو ہزار فلاں مسجد کو دوں گا نہ دوں تو دس ہزار روپے فقرائے مسلمین کو دوں اگرچہ نذر مسجد لازم نہ ہوئی یہ نذر تو یقیناً نذر صحیح ہے اس کے خوف سے مسجد کو دو ہزار دے گا تو یہ بھی کافی نہیں کہ یہ نذر معنی میں قسم ہے، اگر مسجد کو روپیہ نہ دے تو اسے اختیار ہوگا کہ صرف قسم کا کفارہ دے دے اور بری الذمہ ہوگیا، در مختار میں ہے:

ان المعلق فیہ تفصیل فان علقہ	پھر نذر معلق میں تفصیل ہے اگر اس نے نذر کو

[1] ردالمحتار کتاب الایمان مطلب فی احکام النذر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۶۷

بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفی وجوبا ان وجد الشرط وان علقه بمالم یردہ کان زنیت بفلانة مثلا فحنث وفی بنذرہ اوکفر لیمینه علی المذھب لانه نذر بظاھر ویمین بمعناہ فیخیر ضرورة[1]۔	ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا غائب شخص آجائے (تو مجھ پر اتنا صدقہ لازم ہے) اس صورت میں اگر شرط پائی جائے تو نذر کو وجوبًا پورا کرے گا اور اگر ایسی شرط کے ساتھ نذر کو معلق کیا جس کا وہ ارادہ نہیں رکھتا مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے زنا کروں (تو مجھ پر صدقہ لازم ہے) پھر حانث ہوا تو چاہے تو نذر کو پورا کرے چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے کیونکہ یہ ظاہرًا نذر اور معنًا یمین ہے لہٰذا اس کو ازراہ ضرورت اختیار دیا جائیگا۔ (ت)

اور اس کے بدلے یوں کہلوائیں کہ نہ دوں تو میرا مکان اور جائداد مسجد مذکور پر وقف ہے، تو یہ بھی بیکار ہے کہ وقف کسی شرط پر معلق نہیں ہوسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالحظر[2]۔	وقف قریب الہلاک شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا (ت)

ہاں باندی غلام ہوتے تو یہ بندش پوری تھی کہ بشرط ممبری مثلاً ایک ہفتہ کے اندر اتنا روپیہ اگر فلاں مسجد کو نہ دوں تو میرے سب غلام وکنیز آزاد ہیں مگر یہاں باندی غلام کہاں، اور ایسی قسم طلاق کی نہ کھانی جائز نہ کھلانی جائز، اور حدیث میں ارشاد ہوا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف به الامنافق[3]۔	طلاق کی قسم نہیں کھاتا مسلمان، نہ اس کی قسم لے مگر منافق۔

بالجملہ ایسی صورت کہ ممبری نہ ہونے پر روپیہ نہ دینا ہو اور ہونے پر مجبورًا دینا پڑے اور وہ مسجد ہی کا حق ہو کوئی نظر نہیں آتی سوا اس کے کہ طالب ممبری وہ روپیہ کسی امین کو دے دے اور اسے وکیل کردے کہ اگر ممبری ہوجائے تو یہ روپیہ فلاں مسجد میں دے دینا۔ اب اگر ممبری نہ ہو تو وکیل اسے روپیہ واپس دے اور ہوجائے تو فورًا وہ روپیہ متولی مسجد کو دے دے قبل اس کے کہ موکل اسے معزول کرسکے اس صورت میں جب وکیل وہ روپیہ مسجد کو دے چکے گا موکل کو اس کی واپسی کا کچھ اختیار

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۴و۲۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ موسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

نہ رہے گا **فان الصدقة اذا تمت لزمت** (اس لئے کہ صدقہ جب تام ہوجائے تو لازم ہوجاتا ہے۔ت) ہاں بعد ممبری وکیل ابھی روپیہ مسجد کو نہ دینے پایا کہ موکل نے منع کردیا اور اس ممانعت کی اطلاع وکیل کو ہوگئی تو وکالت سے معزول ہوجائے گا اور مسجد میں نہ دے سکے گا اور اگر اس نے منع کیا اور وکیل کو ابھی اطلاع نہ ہوئی اور روپیہ مسجد کو دے دیا تو دینا صحیح ہے اور مؤکل واپس نہیں کرسکتا **لان الوکیل لاینعزل بالعزل مالم یعلمه** (کیونکہ وکیل معزول کردینے سے معزول نہیں ہوتا جب تک اسے علم نہ ہوجائے۔ت) لہٰذا بعد ممبری وکیل فورًا متولی کو دے دے یہ سب صورتیں شرعًا مجبور ہونے کے متعلق تھیں اور اگر اطمینان ہو تو عنداللہ وہ اتنے وعدہ ہی سے کہ ممبری ہوجائے تو اتنا روپیہ فلاں کو دوں گا دینے پر مجبور ہے کہ اللہ واحد قہار سے وعدہ کرکے پھرنا بہت سخت ہے اور اس پر شدید وعید، **قال تعالٰی**:

"فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ۝" [1]. **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	تو اس کے پیچھے اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔**واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۸۸: از شہر علیگڑھ مرسلہ محمد اسمٰعیل ومحمد یوسف سوداگران موتی مسجد ۱۰/رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ زمانہ سلف کی ایک مسجد جس کی کرسی اونچی ہے ایک محلّہ میں واقع ہے اس محلّہ میں متعدد آدمی نمازی ہیں اور وہ بھی ناداری کی وجہ سے مسجد کے کسی خرچ کے کفیل نہیں ہوسکتے ہیں، اس مسجد میں کنواں نہیں تھا کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کنارے سے کنواں بنوایا گیا ہے جو زینہ سے اور صحن کے میل میں ہے رائے یہ ہوئی کہ اس کا زینہ کنویں کی طرف کردیا جائے اور زینہ کے نیچے ایک آدھ گز زمین فرش میں سے لے لی جائے اس آدھ گز زمین میں دیوار اٹھا کر بنوادی جائے اور بجائے زینہ کے دکانیں بنوادی جائیں جن کا کرایہ مسجد کے خرچ میں صرف کیا جائے آدھ گز زمین فرش میں سے لینے کے لئے دیوار کاٹی جارہی تھی کہ بجائے مٹی کے راکھ نکل پڑی اور یکایک جو حصہ صحن کا چھوڑا تھا وہ بھی آن پڑا اس طرح سے کل کرسی صحن مسجد کی آن پڑی صرف اندرونی مسجد باقی ہے، اب یہ رائے ہے کہ صحن مسجد

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

میں ایک صف کی جگہ ٹھوس کرادی جائے اور باقی صحن میں دکانات بنوادی جائیں اور ان دکانات کا کرایہ مسجد کے صرف میں لایا جائے اور ان دکانات کی چھت ہموار کرکے بیرون صف مسجد کے ساتھ جو ٹھوس ہوگی ملادی جائے۔تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وجوہات مندرجہ بالا کے لحاظ سے جو دکانات کا تیار کرانا اور چھت کا ہموار کردینا اور بیرون صف سے ملادینا اس میں شرعًا تو کوئی امر مانع نہ ہوگا اور دکانات کی چھت جو ہموار ہو کر صحن مسجد ہوجائے گا اس میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی اس کے متعلق جو اتفاق علماء کا ہو قطعی طور پر مفصل بتایا جائے اور شرعی مسئلہ کے موافق مشورہ موجودہ صورت میں تعمیر مسجد کا دیا جائے۔

الجواب:

جو زمین مسجد ہوچکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیر مسجد کردینا اور اگرچہ متعلقات مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ت) پہلے جو ایک حصہ فرش کا زینہ میں شامل کرنا چاہا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فرش گرگیا اب فرش مسجد کو دکانیں کرنا چاہتے ہیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے، ان دکانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا، ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا حرام ہوگا، فنائے مسجد میں دکانیں کرنے کو تو علماء نے منع فرمایا نہ کہ **معاذاللہ** نفس مسجد میں۔بزازیہ اور درمختار میں ہے:

لایجوز ان یتخذ شیئ منه مستغلا[2]۔	مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ حاصل کرنے کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں۔(ت)

مبسوط السرخسی اور عالمگیریہ میں ہے:

قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لایجوز ذٰلك لانه یسقط حرمة المسجد لانه فناء المسجد له حکم المسجد[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی متولی فنائے مسجد میں دکانیں بنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ حرمت مسجد کو ساقط کردیتا ہے کیونکہ فنائے مسجد کا حکم وہی ہے جو خود مسجد کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۲۸۹: از سکندرہ راؤ ضلع علیگڈھ محلّہ نوخیل مرسلہ ایزد بخش ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدود جامع مسجد میں فرش مسجد سے ملحق ایک درجہ وضوخانہ کے نام سے جس کے بیرونی دروازہ عام راہ پر اور اندرونی در جن کے فرش مسجد پر نصب ہیں اور نالی واسطے خارج ہونے پانی وضو درمیان فرش مسجد وصحن وضوخانہ مسقف تعمیر ہے جس میں وقت بارش ودھوپ نمازی وضو کرتے ہیں اب ان کے در جو جانب فرش مسجد ہیں بند کرکے ایک ہندو وکیل کو جو پیشہ وکالت کرتا ہے واسطے کرنے وکالت کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام، بوجوہ حرام، اگرچہ مسلمان کو جائز کار دنیوی کے لئے کرایہ پر دیتے۔

عالمگیری میں ہے: **لایجوز تغییر الوقف عن هیأته**[1] (وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از پدارس پور ضلع بریلی ڈاکخانہ صدر کیمپ مرسلہ سنوخاں ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالے خاں اس کی اینٹ تخمیناً قریب چار ہزار کے تھیں اس کو ایک ڈگری دار نے قرق کرایا اور بجائے چار ہزار کے ڈھائی ہزار کا تخمینہ کیا گیا اور ان اینٹوں کو بضرورت مسجد نیلام میں خرید کیں اور خرید بنام سنو خاں کے لیں بعد خرید نیلام کے جب اس کا شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئیں اور آپس میں یہ مشورہ ہوگیا کہ اس کے اوپر کوئی دام نہ بڑھائے یہ واسطے مسجد کے خرید کی جائیں تو اب مسجد میں ڈھائی ہزار دینا چاہئے یا کل دی جائیں اور اگر ڈھائی ہزار دی گئیں مسجد میں تو باقی ڈیڑھ ہزار تخمیناً بچیں تو اس کا مالک کالے خاں ہے یا مسجد کی ہوئیں؟

الجواب:

جو باقی بچیں ان کا مالک تو یقیناً کالے خاں ہے اس کو دی جائیں، اور سائل نے بیان کیا کہ یہ نیلام ڈگری دار نے کرایا اور اس کا مطالبہ پورا بھی نہ ہوا نہ کہ کچھ بچتا اور کالے خان کو دیا جاتا اور وہ لیتا تو وہ ڈھائی ہزار بھی مسجد میں صرف کرنی جائز نہیں، ہاں اگر کالے خاں بخوشی مسجد کو ہبہ کردے تو جائز ہے چاہے یہ ڈیڑھ ہزار بھی ہبہ کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۲۹۱: از مقام فتح گڈھ ضلع فرخ آباد مرسلہ حسین خاں گھڑی ساز سابق متولی مسجد گولا ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کے متعلق کچھ دکانات ہیں مگر بوجہ ناکارہ حالت میں ہونے کے آمدنی ضروریات مسجد کے لئے کافی نہ تھی اس لئے ایک شخص اس نیت سے مدت مدید تک جدوجہد کرتا رہا کہ دکانات اچھی حالت میں ہوجائیں تو بصورت اضافہ آمدنی مسجد اپنے اخراجات کی خود کفالت کرسکے اس کی سعی و حسن نیت سے یہ نتیجہ ہوا کہ مسجد کی آمدنی بجائے چار پانچ ۱۶ روپیہ ماہانہ ہوگئی اور جملہ اخراجات مثل شکست وریخت و تنخواہ پیش امام نیز بماہ صیام انتظام روزہ کشائی جو ۴/روزانہ کے حساب سے رہا ختم کلام اللہ پر تقسیم شیرینی وروشنی عرصہ دس بارہ سال سے برابر عمل میں آتی رہی لیکن چند سال سے بعض علماء جو ایک ہی دارالعلم کے سرچشمہ سے سیراب ہیں اور ایک مدرسے سے تعلق رکھنے کے باعث رونق افروز بمقام ہذا ہیں اور اس مسجد سے اس وجہ سے واسطے رکھتے ہیں کہ کچھ رقم پیش امام کے نام سے مدرسہ کے لئے بطور امداد لی جاتی ہے اور فرائض امامت مدرسہ ہی کے کوئی نہ کوئی مولوی صاحب ہی ادا کرتے رہتے ہیں یہ حضرات آمدنی مسجد سے روزہ کشائی کرانا اور ختم قرآن پر تقسیم شیرینی وروشنی وغیرہ کرنا ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ گذشتہ چوتھے سال ختم قرآن مجید پر حسب طریق قدیم جب تقسیم شیرینی عمل میں نہ آئی جس کی بندش کی صورت ایسے طریقے پر کی گئی تھی جو شان عالم کے خلاف کیا بلکہ ایک دنیادار کے واسطے بھی موجب شرم تھی تو اہل اسلام میں اختلاف رونما ہو کر ایک فتنہ برپا ہونے کا احتمال ہوا، اگر مولوی صاحب علیحدہ نہ کردئے جاتے تو یقینا تباہ کن نتائج مرتب ہوتے امسال دوسرے مولوی صاحب نے آمدنی مسجد سے روزہ کشائی ناجائز قرار دے کر مغرب کے وقت مسجد کی رونق جو بوجہ کثرت نمازیاں ہوجایا کرتی تھی، اس میں اس قدر کمی پیدا کردی جو گزشتہ سال کی تعداد چالیس وپچاس کے بجائے آج کل دس بارہ ہوتی ہے کیونکہ ایک دوروز تک پابند صوم نمک کی ڈلی و پانی سے روزہ کشائی کرتے رہے بعدہ دیگر مسجد میں جہاں یہ اہتمام ہوتا ہے مکدر خاطر ہو کر چلے گئے، پس کیا امورات مرقومہ بالا آمدنی مسجد سے تکمیل کو پہنچانے جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

ایضاً

مسئلہ ۲۹۲: از فتح گڈھ کمپ ضلع فرخ آباد محلّہ منگت مرسلہ محمد ایوب و محمد یعقوب سوداگران پنجابی ۲۵/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مال موقوفہ یعنی دکانیں جن کی آمدنی مسجد کے

اخراجات کو کافی نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا اخراجات کے پورا کرنے کے واسطے مسلمان شہر سے چندہ وصول کرکے ایک شخص کی زیر نگرانی عمارت جدید بنائے سابقہ پر تیار ہوئی بفضلہٖ تعالٰی ان کی آمدنی اخراجات مسجد کو کافی ہوتے ہوئے قدرے پس انداز ہوتا رہا بایں سبب بعض جاہل اور ناخواندہ مہتمموں نے رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک شیرینی اور افطاری کا سامان اسی میں سے کیا اب اس مسجد کی تولیت اور اہتمام کا کام ایسے لوگوں کے سپرد ہوا جوان سے ذی علم ہیں چنانچہ ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان اپنے پاس سے کیا اور کر رہے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ اس رقم کو جو پس انداز ہوتی رہی ہے اس کو زمین افتادہ موقوفہ زیر مسجد میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا جائے اور اس آمدنی کو اس میں صرف کیا جائے چنانچہ آج کل میں تعمیر شروع ہونے والی ہے امسال بوجہ اغوائے شیطانی وہ شخص جس کے زیر نگرانی کچھ عرصہ تک یہ مسجد رہ چکی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری نگرانی کے زمانے میں توسیع آمدنی ہوئی ہے، لہٰذا مجھے حق حاصل ہے کہ ختم قرآن مجید کی شیرینی اور افطاری کا سامان اسی سے کروں، یہاں کی افطاری کی یہ صورت ہے کہ مختلف قسم کی مٹھائی اور مختلف قسم کی اشیاء نمکین جن کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں ہوتی اس میں شرکت کرنے والے نصف روزہ دار اور نصف بے روزہ، روزہ داروں میں فیصدی پچھتّر مرفہ الحال تو پچیس غریب اس صورت میں ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان مال موقوفہ سے اس صورت خاص میں بایں ہیئت کذائی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور متولیان اور مہتممان سابق بعد علیحدہ ہوجانے تولیت اور اہتمام کے مال موقوفہ میں مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دارالافتاء میں یہ سوال فریقین کی طرف سے آیا فریق اجازت خواہ ان مصارف کا آمدنی اوقاف مسجد سے ہونا ایک جگہ دس بارہ سال سے کہتا ہے دوسری جگہ طریق قدیم اور فریق منع طلب اسے محض احداث جدید اور فعل جہال کہتا ہے اور اس کے بدلے زمین موقوفہ مسجد میں مدرسہ بناکر فاضل آمدنی مسجد اس میں صرف کرنا چاہتا ہے، یہاں حکم شرعی یہ ہے کہ اوقاف میں پہلی نظر شرط واقف پر ہے یہ زمین ودکانیں اس نے جس غرض کے لئے مسجد پر وقف کی ہوں ان میں صرف کیا جائے گا اگرچہ وہ افطاری وشیرینی وروشنی ختم ہو اور اس کے سوا دوسری غرض میں اس کا صرف کرنا حرام حرام سخت حرام اگرچہ وہ بناء مدرسہ دینیہ ہو **فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[1] (واقف کی شرط ایسے ہی واجب العمل ہے جیسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص۔ت) حتی کہ اگر اس نے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

صرف تعمیر مسجد کے لئے وقف کی تو مرمت شکست و ریخت کے سوا مسجد کے لوٹے چٹائی میں بھی صرف نہیں کرسکتے افطاری وغیرہ درکنار، اور اگر مسجد کے مصارف رائجہ فی المساجد کے لئے وقف ہے تو بقدر معہود وشیرینی وروشنی ختم میں صرف جائز افطاری ومدرسہ میں ناجائز۔ نہ اسے تنخواہ مدرسین وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں کہ یہ اشیاء مصارف مسجد سے نہیں **ولایجوز احداث مرتبۃ فی الواقف فضلا عن الاجنبی البحت** (جب خود واقف کے لئے کسی نئی چیز کا احداث وقف میں جائز نہیں تو محض اجنبی شخص کیلئے کیسے ہوسکتا ہے۔ت) اور اگر اس نے ان چیزوں کی بھی صراحۃً اجازت شرائط وقف میں رکھی یا مصارف خیر کی تعمیم کردی یا یوں کہا کہ دیگر مصارف خیر حسب صوابدید متولی، تو ان میں بھی مطلقًا یا حسب صوابدید متولی صرف ہوسکے گا۔ غرض ہر طرح اس کے شرائط کا اتباع کیا جائے گا اور اگر شرائط معلوم نہیں تو اس کے متولیوں کا قدیم سے جو عملدرآمد رہا اس پر نظر ہوگی اگر ہمیشہ سے افطاری وشیرینی وروشنی ختم کل یا بعض میں صرف ہوتا رہا اس میں اب بھی ہوگا ورنہ اصلًا نہیں اور احداث مدرسہ بالکل ناجائز۔ فتاوٰی خیریہ وغیرہ معتمدات میں ہے:

ان کان للوقف کتاب فی دیوان القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع مافیہ استحسانا، والاینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون[1] (ملخصًا)	اگر خود وقف کے لئے کوئی تحریر دیوان القضاۃ میں موجود ہے تو متولیوں کو اس کے مندرجات کے مطابق عمل کرنا مستحسن ہے ورنہ قدیم سے حال وقف میں متولیوں کا جو عملدرآمد چلا آرہا ہے اس پر نظر ہوگی (ملخصًا)۔(ت)

قدیم سے ہونے کے یہ معنی کہ اس کا حدوث معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہے کہ یہ بلاشرط بعد کو حادث ہوا تو قدیم نہیں اگرچہ سو برس سے ہو اگرچہ نہ معلوم ہو کہ کب سے ہے، یہاں بحال عدم علم شرائط واقف زمین دکانیں اگر صورت حسب بیان فریق دوم ہے کہ چند سال سے بعض بے علموں نے افطاری وشیرینی وروشنی کا احداث کیا جسے حسب بیان فریق اول دس بارہ برس ہوئے تو ناجائز ہے اور مدرسہ بنانا اور اس میں صرف کرنا بھی حرام اور اگر بیان فریق اول کے یہ معنی کہ قدیم سے یہ مصارف ہوتے آئے بیچ میں بوقت قلّت آمدنی قطع ہوگئے تھے کہ بعد اضافہ دس بارہ سال سے پھر جاری ہوئے اور واقع اس کے مطابق ہو تو بلاشبہ اس سے افطاری وروشنی وشیرینی ختم جائز ہیں

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

اور افطاری میں غیر روزہ دار اگر روزہ دار بن کر شریک ہوتے ہیں متولیوں پر الزام نہیں۔ بہتیرے غنی فقیر بن کر بھیک مانگتے اور زکوۃ لیتے ہیں دینے والے کی زکوۃ ادا ہوجائے گی کہ ظاہر پر حکم ہے اور لینے والے کو حرام قطعی ہے یونہی یہاں ان غیر روزہ داروں کو اس کا کھانا حرام ہے۔ وقف کا مال مثل مال یتیم ہے جسے ناحق کھانے پر فرمایا:

" اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ-وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ ۞ "[1]	اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

ہاں متولی دانستہ غیر روزہ دار کو شریک کریں تو وہ بھی عاصی و مجرم وخائن و مستحق عزل ہیں۔ رہا اکثر یا کل مرفہ الحال ہونا اس میں کوئی حرج نہیں۔ افطاری مطلق روزہ دار کے لئے ہے اگرچہ غنی ہو جیسے سقایہ مسجد کا پانی ہر نمازی کے غسل و وضو کو ہے اگرچہ بادشاہ ہو۔ انتظامات متولیوں کے ہاتھ سے ہوں گے جبکہ وہ صالح ہوں۔ متولی معزول معزول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳: از شہر جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مرسلہ ملک محمد امین صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بازاری عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چٹائی وغیرہ اور روزہ افطار کرنے کے لئے دودھ وغیرہ بھیجے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر وہ کہے کہ قرض لے کر اس سے یہ چٹائی یا افطاری خریدی ہے جب تو اصلاً جائے سخن نہیں **کما افادہ فی العالمگیریۃ من الحظر** (جیسا کہ عالمگیریہ کے **باب الحظر والاباحۃ** میں اس کا افادہ فرمایا۔ ت) ورنہ زر حرام کے عوض خریدی ہوئی چیز میں خباثت جب آتی ہے کہ عقد ونقد دونوں زر حرام پر جمع ہوں کہ حرام روپیہ دکھا کر کہے اس کے عوض دے دے پھر قیمت میں وہی زر حرام دے، ایسا بہت کم ہوتا ہے، تو عام خریداریوں میں خبث آنا معلوم نہیں تو منع حکم نہیں۔ سیدنا امام محمد فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئاً حرام بعینہ[2]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

حکم یہ ہے پھر بھی ان کے یہاں کے کھانے اور افطاری سے بچنا انسب کے باعث طعن وفتح باب غیبت ہے نیز نظر عوام میں ان کے حرام کی خفت، اور یہ وجہ چٹائی وغیرہ کو بھی شامل، مگر جہاں بذریعہ حلال مثل قرض وغیرہ ہونا بتادیا جائے یا عرفاً معہود ہو جیسے بناء مسجد میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۴تا۲۹۶: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰/شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے مسجد کے خرچ کے لئے لکڑی اینٹ وغیرہ دی ہے اور کام کے وقت کوئی شیئ صرف میں نہیں آتی رکھے رکھے سے احتمال خراب ہوجانے کا ہے، ایسی صورت میں جس شخص نے کہ وہ شے دی تھی واپس لے سکتا ہے یا نہیں اور یا وہ شیئ فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد کے صرف میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کا مال جو فضول وبیکار جان کر فروخت کیا جائے، مسلمانوں کو خرید کرنا لازم ہے یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ مسجد کا کوئی مال خفیف ہو یا زیادہ اس کو قیمت یا بلا قیمت کسی صورت سے لینا نہیں چاہئے۔

(۳) مسجد کا روپیہ بمدامانت بغرض تعمیر وغیرہ کسی شخص کے پاس جمع ہو تو وقت ضرورت وہ شخص اپنے خرچ میں بطریق قرض لاسکتا ہے یا نہیں اگر خرچ کرلیا ہو اور پھر دے دیا ہو تو اس کو اب کیا کرنا چاہئے یعنی وہ قصوروار ہوا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) وہ شخص واپس نہیں لے سکتا جبکہ مسجد کے لئے مہتممان مسجد کو سپرد کرچکا ہو بلکہ وہ اشیاء حاجت مسجد کے لئے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں دقت ہو تو بیچ کر قیمت خاص تعمیر ومرمت مسجد کے لئے محفوظ رکھیں۔ تیل، بتی، لوٹے، چٹائی میں اسے صرف نہیں کرسکتا۔ اسعاف پھر بحر الرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبھم شیئ قالوا یصرف الفاضل فی بناءہ ولایصرف الی الدھن والحصیر ھذا اذا اسلموا الی المتولی لیبنی بہ المسجد والالایکون الفاضل لھم یصنعون بہ ماشاؤا۔[1]	اگر ایک قوم نے مسجد بنائی اور اس کی لکڑیوں میں سے کچھ بچ گئیں۔ مشائخ فرماتے ہیں ان کو مسجد کی تعمیر میں ہی صرف کیا جائے گا، مسجد کے لئے تیل اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے، یہ اس وقت ہے جب انہوں نے متولی کے سپرد کردیا ہو کہ وہ اس سے مسجد بنوائے اگر سپرد نہیں کیا تو وہ انہی کا ہے جو چاہیں اس کے ساتھ کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۴

(۲) مسجد کا مال کہ مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اور مہتممان مسجد جن کو اس کے بیچنے کی شرعًا اجازت ہے مسجد کے لئے بیچیں اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے،

فان اجازة البیع اجازة الشراء اذ لایتحقق البیع الابالشراء۔	اس لئے کہ اجازت بیع اجازت شراء ہے کیونکہ شراء کے بغیر بیع متحقق نہیں ہوسکتی (ت)

ہاں اسے بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے۔

(۳) مسجد خواہ غیر مسجد کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام و خیانت ہے توبہ واستغفار فرض ہے اور تاوان لازم پھر دے دینے سے تاوان ادا ہوگیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از جے پور مسئولہ محمد ہدایت علی خاں سید عبدالوکیل سید معشوق حسین صاحبان سکنائے شہر جے پور ۲۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو دکانیں لب سڑک بازار میں خرید کیں، دونوں کی درمیانی دیوار توڑ کر ایک کرلیا ان میں ایک منبر، ایک سقایہ بھی بنایا، ایک شخص مؤذن مقرر کردیا وہی امامت بھی کرتا رہا، سات برس سے زیادہ عرصہ تک پنجگانہ نماز باجماعت اذان واقامت سے ہوتی رہی، نمازیوں کی کثرت اور جگہ کی قلّت کے باعث زید نے پھر ان دکانوں کی پشت پر ایک اور زمین خرید کرکے اونچی کرسی کی جامع مسجد بنوائی اور ان دکانوں میں سے جامع مسجد میں جانے کے لئے زینہ نکالا، اس کے بعد راج سے حکم ہوا کہ ان دکانوں میں نماز نہ ہوا کرے اور ان دکانوں میں ہو کر زینہ نہ رہے جو زینہ پہلے سے بنا ہوا ہے اس میں سے بدستور راستہ مسجد کا رہے، اور دکانیں جیسی تھیں ویسی ہی تجارت کے کام کی کردی جائیں، جو شخص مؤذن وامام تھا وہ شہادت دیتا ہے کہ میں نے سات برس سے زیادہ عرصہ تک نماز باجماعت واقامت پڑھائی، پچیس تیس آدمی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں دکانوں میں مسجد سمجھ کر نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد مشہور تھی اور سات آٹھ آدمی یہ شہادت دیتے ہیں کہ زید نے اپنی حیات میں ہم سے ان دکانات کا وقف ہونا ظاہر کیا تھا اور راج کے کاغذات نقشہ آبادی شہر اور خسرہ میں بھی مسجد درج ہے اور دونوں دکانوں کی یکجائی پیمائش ایک نمبر درج ہے، پس ان حالات میں یہ دکانیں زید کی ملک قرار پائیں گی یا بوجہ مسجد ہونے کے وقف متعلقہ مسجد قرار دی جائیں گی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حاش للہ (اللہ تعالٰی کی پناہ) نہ وہ زید یا کسی مخلوق کی ملک نہ وہ وقف متعلق مسجد بلکہ خود

مسجد ہیں۔

اولاً: پچیس تیس شہادتوں سے ثابت کہ وہ مسجد مشہور تھی اور وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

تقبل فیه(ای فی الوقف)الشهادة بالشهرة لاثبات اصله[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی بنیاد پر دی گئی شہادت مقبول ہے(ت)

عامہ مساجد واوقاف کو مسجد ووقف ماننے کا ذریعہ یہی شہرت ہے اگر یہ کافی نہ ہو وہ سب باطل ہو جائیں، جامع الفصولین میں ہے:

تقبل فی الوقف الشهادة بسماع ولو صرحا به اذ الشاهد ربما یکون سنه عشرین سنة وتاریخ الوقف مائة سنة[2]۔	وقف میں سمعی شہادت مقبول ہے اگرچہ دونوں گواہوں نے اس کی صراحت کردی ہو (کہ وہ شہادت بالسمع دے رہے ہیں) بسااوقات گواہ بیس سال کا ہوتا ہے اور تاریخ وقف سو سال پرانی ہوتی ہے۔ (ت)

سات آٹھ شہادتیں واقف کے اقرار وقف کی ہیں اور دربارہ وقف یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اسے وقف کیا اور یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اس کے وقف کا اقرار کیا دونوں یکساں ہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

شهدا انه اقر انه وقف جمیع حصته وقفا یصیر جمیع حصته وقفا[3]۔	گواہی دی گئی کہ واقف نے اپنا تمام حصہ وقف کرنے کا اقرار کیا ہے تو اس کا تمام حصہ وقف ہو جائے گا۔ (ت)

اسی طرح ذخیرہ وظہیریہ وہندیہ وغیرہا میں ہے، اور سالہاسال تک اس میں منبر و مؤذن وامام وجماعت پنجگانہ جہت وقف یعنی مسجدیت کی تعیین کرتی ہے، بحرالرائق میں ہے:

بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلٰوة یصلون فیه بجماعة	متولی مسجد نے فنائے مسجد کی جانب میں نماز کیلئے ایک دکان بنائی لوگ اس میں ہمیشہ باجماعت

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

کل وقت فله حکم المسجد[1]۔	نماز پڑھتے ہیں تو وہ دکان حکم مسجد میں ہوگی (ت)

ثانیاً راج کے سمجھنے کو اس کے کاغذات میں مسجد درج ہونا ہی بس ہے۔ شرح الاشباہ محقق ہبۃ اللہ البعلی میں ہے:

لو وجد فی الدفاتران المکان الفلانی وقف علی المدرسة الفلانية مثلا یعمل به من غير بينة و بذٰلك يفتی مشايخ الاسلامی كما هو مصرح به فی بهجة عبدالله افندی وغيرها فليحفظ[2]۔	اگر رجسٹروں میں مندرج ہے کہ فلاں مکان فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو گواہوں کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا، اسی پر مشائخ اسلام نے فتوٰی دیا جیسا کہ عبداللہ آفندی کی بہجہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے، اس کو محفوظ کرلینا چاہئے۔ (ت)

اس پر وارثان زید خواہ کسی کو کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اسے دوبارہ دکان تجارت کردینا حرام حرام سخت حرام، اور مذہب اسلام میں دست اندازی ہے جسے راج وغیرہ کوئی روانہ رکھے گا۔ اس میں کسی کار دنیا کے لئے بیٹھنا یا اس کا کرایہ لینا دینا یا اس میں کوئی چیز بیچنا خریدنا یا بیچنے خریدنے کے لئے اس میں جانا سب حرام قطعی ہے۔ درمختار میں ہے:

لایجوز اخذ الاجرة منه ولاان یجعل شیئا منه مستغلا ولاسكنى، بزازية[3]۔	اس سے اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ یا رہائش کے لئے مقرر کیا جائے، بزازیہ (ت)

اسی میں ہے:

یحرم فیه السوال ویکره کل عقد الالمعتكف بشرطه والكلام المباح وقیده فی الظهيرية بان يجلس لاجله[4]۔	حرام ہے مسجد میں سوال کرنا، اور مکروہ ہے مسجد میں ہر عقد، مگر معتکف کو اس کی مشروط اجازت ہے۔ مسجد میں مباح کلام مکروہ ہے، اور ظہیریہ میں یہ قید لگائی کہ مسجد میں بیٹھا ہی کلام مباح کیلئے ہو تب مکروہ ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

[2] شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[4] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳ و ۹۴

ردالمحتار میں ہے:

قولہ کل عقد الظاھر ان المرادبہ عقد مبادلۃ.قولہ بشرطہ وھوان لایکون للتجارۃ[1]۔	ماتن کے قول "کل عقد" سے بظاہر مراد عقد مبادلہ ہے اور قول ماتن "بشرطہ" میں شرط سے مراد یہ ہے کہ معتکف کا عقد بیع وشراء بغرض تجارت نہ ہو(ت)

خود بانی نے کہ جامع مسجد بناکر اس مسجد کے ایک حصہ زمین میں اس کا زینہ بنایا یہ بھی ناجائز ہے کہ مسجد بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی متحمل نہیں۔واجب ہے کہ اسے بھی زائل کرکے اسے خاص مسجد ہی رکھیں۔درمختار میں ہے:

امالوتمت المسجدیۃ ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لایصدق تاتارخانیۃ.فاذاکان ھذافی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[2]۔	لیکن مسجدیت تام ہوگئی اب واقف اس پر(حجرہ امام) تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو روکا جائیگا،اگر وہ کہے کہ شروع سے میری نیت ایسا کرنے کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی تاتارخانیہ،جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو اسکی اجازت کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر ہو۔(ت)

مسلمانوں پر اسے باقی رکھنا اور تاحد قدرت ہر جائز طریقہ سے اسے مسجد رہنے میں پوری کوشش کرنا فرض قطعی ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ-اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ۬ؕ-لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۱۴)"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں ذکر الٰہی ہونے سے،اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے،انہیں روانہ تھا کہ ان میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے،ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔والعیاذ باللہ تعالٰی(اللہ تعالٰی کی پناہ) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۹۸: از شہر الہ آباد زیر مسجد جامع چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبو ساز ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی بنی ہوئی تھی اس کے متعلق خام دکانیں بھی تھیں جن کے کرایہ کی آمدنی تیس چالیس روپے ماہوار تھی وہ آمدنی متولی سابق جو کہ اس مسجد میں امامت بھی کرتے تھے ان کے خرچ میں اور موذن وتیل بتی وپانی وختم تراویح کی مٹھائی وغیرہ مصالح مسجد میں صرف ہوتی تھی چونکہ مسجد اور اس کی دکانیں بہت بوسیدہ ہوگئی تھیں، لہٰذا ایک صاحب نے بمشورہ اہالیان مسجد اپنے ذاتی روپے سے دکانیں پختہ کرائیں جس سے کرایہ قریب ڈیڑھ سو کے ہوگیا، اسی کرایہ سے وہ صاحب قسط وار اپنا روپیہ بھی وصول کرتے رہے اور مسجد بھی چندہ سے از سر نو تعمیر کرائی گئی اور انتظام مسجد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور متولی سابق علیحدہ کئے گئے جن لوگوں کی کوشش سے دکانیں پختہ کرائی گئیں ان لوگوں میں نمازی مسجد اور اہل محلّہ بھی شریک ہیں ان سب کے اور ممبران کمیٹی کے مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ وہ اخراجات جو سابق میں مسجد کی آمدنی سے ہوتے تھے بدستور قائم رہیں، اس کے علاوہ کچھ افطاری رمضان شریف میں نمازیوں کے واسطے بھی دی جائے، دس بارہ برس ہوئے کہ اس پہ عملدرآمد چلا آرہاہے، زید کہتاہے کہ جو اخراجات مصالح مسجد میں شامل ہیں وہ قائم رہنا چاہئے اور جو اخراجات مصالح مسجد میں نہیں ہیں، مثلاً شیرینی ختم تراویح افطاری رمضان شریف وہ جائز نہیں ہیں بند ہونا چاہئے۔ بکر کہتاہے کہ جن اوقاف کا وقف نامہ موجود نہ ہو اور وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں جیسے صورت مسئولہ میں، تو اس میں عملدرآمد سابق پر کاربند ہونا چاہئے، چونکہ شیرینی ختم قرآن شریف کی ہمیشہ متولیان سابق کے زمانے میں برابر آتی رہی لہٰذا اب بھی ویسا ہی آنا چاہئے اور بے تکلف جائز ہے، باقی رہا افطاری جو دس بارہ برس سے ممبران کمیٹی جو تمام مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے ان کی تجویز سے آنے لگی ہے گو کہ یہ ایک امر جدید ہے لیکن اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہوتا کیونکہ جیسے بانی اول کو اوقاف کے اخراجات کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں ویسے ہی بانیان ثانی کہ جس میں نمازی مسجد واہل محلّہ روپیہ خرچ کرنے والے سب شریک ہیں اور انہوں نے کوشش کرکے آمدنی بڑھائی اور مسجد از سر نو بنوائی تو اس کو بھی اپنی بڑھائی ہوئی آمدنی میں ضرور اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ہونا چاہئے کیونکہ اہل محلّہ ونمازیوں کے تصرفات بہت وسیع ہیں اور کمیٹی انہیں کی طرف سے قائم ہے تو کمیٹی کا فعل عین ان کا فعل ہے غرض اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ثانی کو بھی ہونا چاہئے بالخصوص ایسے موقع میں کہ باوجود ان سب اخراجات بالا کے پھر بھی آمدنی مسجد میں بچت ہوتی ہے، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب: جہاں شرط واقف معلوم نہ ہو عملدرآمد قدیم کا اعتبار ہے۔ خیریہ میں ہے:

ینظر الی المعھود من حاله فیما سبق من الزمان ان قوامه کیف کانوا یعملون[1]۔	دیکھا جائے گا کہ قدیم سے متولیوں کا عملدرآمد اس وقف کے بارے میں کیا چلاآرہا ہے (ت)

"قدیم" کے یہ معنی "جس کا حادث ہونا معلوم نہ ہو"۔ دس بارہ برس یا سو دو سو برس سے جو بات بعد واقف بے شرط واقف حادث ہوئی حادث ہی ہے، اس پر عمل ناجائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادۃ اخری[2]۔	وقف کو بغیر کسی زیادتی کے سابقہ حالت پر باقی رکھنا واجب ہے۔ (ت)

شیرینی قدیم اگر اسی معنی پر قدیم ہے کہ اس کا حادث ہونا معلوم نہیں، وہ اب بھی دی جائے گی اور افطاری کہ دس بارہ برس سے نوایجاد ہے نہ ہوسکے گی۔ مسجد از سر نو بنوانے والوں کو تو دکانات وقف سے کچھ تعلق نہیں کہ ان کو اس میں اختیار ہو، اور دکانیں پختہ کرنا اسی وقف کی پختگی ہے نہ کہ وقف جدید خصوصًا جبکہ وہ اپنا لگایا ہوا روپیہ وصول بھی کررہا ہے تو قرض دینے والا ہے نہ کہ واقف۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۹: از احمد آباد مرسلہ حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب　　۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم نے چندہ کرکے ہزار دو ہزار روپیہ جمع کئے ہیں اب اس کے بعد تدبیر یہ کی کہ اس مال سے کپڑا اسفید خریدتے ہیں اور اس کو ادھار نفع چڑھا کر بیچتے ہیں اور اس سے جو نفع پیدا ہوتا ہے اس کو بھی جمع کرتے جاتے ہیں اور مقصدان حضرات کا یہ ہے کہ یہ رقم چار پانچ ہزار روپیہ کی جمع ہوجائے اس سے مکان قریب مسجد کے خریدنا ہے اور مسجد کو بڑھانا ہے، اب اس مسجد کے چندہ سے اس قسم کی تجارت شرعًا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ روپیہ انہوں نے متولیان مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو ان کی ملک ہے، اس میں تصرف جائز کا انہیں اختیار ہے قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضی بائع ومشتری پر ہے،

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶
[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

قال تعالٰی " اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۰: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی فاروقی ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں درخت بہی بیلا، گلاب وغیرہ ہو اور بوجہ تعمیر ہونے حجرہ و غسل خانہ کے ان درختوں کو کاٹا جائے تو کوئی شخص ان درختوں کو کھود کر اپنے مکان میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ پیال یا لرسی موسم سرما میں جو مسجدوں میں ڈالی جائے اور بعد گزر جانے موسم سرما کے اس کو نکال کر پھینک دیتے ہیں تو جو شخص اس پیال یا لرسی یا چٹائی کہنہ قابل پھینک دینے کے ہو اس کو اپنے صرف میں مثل پانی گرم کرنے کے لاسکتا ہے یا نہیں؟ یہ کہ منڈیر یا فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں وہ مسجد کے حکم میں داخل ہے، کیا مثل مسجد کے بات وغیرہ کرنے کی وہاں بھی ممانعت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان درختوں کو مسجد سے واجبی ومناسب قیمت پر مول لے کر لگا سکتا ہے۔ پیال یا چٹائی بیکار شدہ کہ پھینک دی جائے لے کر صرف کرسکتا ہے۔ فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے معتکف بلا ضرورت اس پر جاسکتا ہے اس پر تھوکنے یا ناک صاف کرنے یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں، بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسا وہاں بھی نہ چاہئے اور بعض باتوں میں حکم مسجد نہیں اس پر اذان دیں گے اس پر بیٹھ وضو کرسکتے ہیں جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں، دنیا کی جائز قلیل بات جس میں چپقلش ہو نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا اس میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۱: ۲۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد نیاریاں شکستہ ہے چھت اس کی بالکل خارج ہے اور کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں اور بعض بعض خمیدہ ہوگئی ہیں، منارے جھری دے گئے ہیں، لہٰذا ہم اہل محلہ یہ بات چاہتے ہیں کہ از سر نو تعمیر کریں۔ اراضی مسجد کی افتادہ اتر و پچھم کی بڑھانا منظور ہے۔ چنانچہ کچھ روپیہ جمع ہے اور باقی جو روپیہ زائد صرف ہوگا چندہ جمع کرکے انجام دیں گے اس واسطے کہ موسم بارش میں نمازیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے موجودہ بنیاد کو نکال کر دوسری بنیاد قائم کریں۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

مسجد کی مرمت واجب ہے، بارش کی تکلیف کہ چھت ٹپکنے سے سائل نے بتائی اس سے دفع ہو جائے گی،اس قدر کے لئے اگر موجودہ روپیہ کافی نہ ہو چندہ کریں باقی اصل مسجد کی بنیادیں نکال کر شمال ومغرب کی زمین متعلق مسجد میں مسجد بڑھانے کے لیے جدید بنیادیں قائم کرنا اگر اس توسیع کی مسجد کو صحیح ضرورت ہے کریں ورنہ بے ضرورت بڑھانا اور مسلمانوں پر چندہ کا بار بلاوجہ بہت بڑھادینا کس لئے! ہر مسجد میں جمعہ وعیدین قائم کرنا کوئی شرعی ضرورت نہیں! فتح القدیر میں ہے:

انما امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری[1]۔	بیشک ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو بغیر کسی زیادتی کے حال سابق پر قائم رکھیں (ت)

مسئلہ ۳۰۲: ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کبیر محلّہ میں بوجہ ضعف اسلام وتسامح الناس قدرے گر پھوٹ گئی ہے اور بعد کو بعون خدا تعالٰی مرمت کاملہ کرادی گئی ہے اور پیش امام وغیرہ نیز بدستور مقرر کئے گئے ہیں اور صلٰوۃ خمسہ، جمعہ، اذان اس میں پڑھی جاتی ہے۔پس بوقت غیر آبادی وشکستگی مسجد مذکور بالاکے ایک مرد مسلم نے ایک مسجد صغیر عنقریب ومتصل اس کے چار گز کے فاصلہ پر بنائی تھی جو کہ اب تک آباد ہے اور اس میں بھی اذان صلٰوۃ بالفعل ہورہے ہیں، کیا اس شخص کو مسجد جدید بنانی عندالشرع جائز تھی یانہ؟اور اب اس کا گرانا جائز ہے یانہ؟

الجواب:

حاشا اس کا گرانا بھی جائز نہیں، دونوں کاآباد رکھنا واجب ہے،اسے مناسب یہ تھا کہ مسجد قدیم ہی کی تعمیر کرتا اور اتنے قریب دوسری مسجد نہ بناتا اب کہ بن گئی ہدم حلال نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۳: از موضع سرولی ڈاکخانہ کچا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی صف دوسری مسجد میں لاکر نماز فرض یا واجب پڑھی جائے تو ہوسکتی ہے یانہیں؟ جیسے کہ نماز الوداع میں اکثر صفوں کی ضرورت ہوتی ہے، توجس جگہ موضع میں دو مسجدیں ہوتی ہیں تو مسجد جامع میں دوسری مسجد کی صفیں لاکر نماز پڑھتے ہیں یا عید کی نماز پڑھی جائے تو ازروئے شرع شریف نماز دوسری مسجد کی صفوں پر ہوسکتی ہے یانہیں؟بینوا توجروا۔

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

الجواب:

ایک مسجد کی صفیں دوسری مسجد میں لے جانا ممنوع وناجائز ہے، نماز مکروہ وناقص ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: از بریلی مسئولہ مولوی میر احمد صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا پاخانہ پشت مسجد سے ملحق تھا اس کو بوجہ مسجد منہدم کرادیا اور کوئی عرصہ دو ماہ سے کچھ لوگ وہاں پر کوڑا وغیرہ ڈالنے لگے اب زید یہ چاہتا ہے کہ اس ملحق پشت مسجد زمین کی اپنی نشست گاہ بنوادے اور مسجد کے دوپر نالوں کا پانی اپنی چھت پر لے یا اس اراضی کو اپنی ڈیوڑھی بنالے اس صورت میں ایک پر نالہ اپنی ڈیوڑھی پر لے اور دوسرے پر نالے کا پانی باہر نکال دے، اور ساتھ ہی اس کے یہ واضح رہے کہ مسجد کا کوئی پشتہ نہیں اور نہ پشتہ اس جگہ ہے جہاں مسجد کے دوپر نالوں کا پانی گرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم شرع ہے؟ نشست گاہ یا ڈیوڑھی وغیرہ بننے سے مسجد کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور پانی مسجد کا کسی صورت میں روکا نہیں جاتا۔

الجواب:

مسجد کا پشتہ نہ ہو آبچک کے لئے زمین مسجد نے چھوڑی ہوگی، اسے اپنے تصرف میں لانا حرام ہے، ہاں اگر ثابت ہو کہ مسجد کی کوئی زمین نہ چھوٹی تھی صرف پانی بہانے کا اس کی زمین میں حق تھا تو یہ اس میں عمارت بناسکتا ہے جبکہ مسجد کا پانی نہ روکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۵: از الٰہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب آوردہ مولٰنا مولوی سید نذیر احمد صاحب ۱۸ جمادی اولٰی ۱۳۳۸ھ

سوال بعینہٖ مثل سوال ثانی ۲۹/ شوال ۱۳۳۷ھ مذکور باب **احکام المسجد۔**

الجواب:

اس سوال کا جواب جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ پھر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ پھر شوال ۱۳۳۷ھ میں تین بار یہاں سے جاچکا، اس بار اس کے ساتھ ایک اور تحریر طویل بایں خلاصہ ہے کہ اس سوال میں زید مستفتی نے اخفائے حق کیا، حقیقت امر یہ ہے کہ ان لوگوں نے دکانات مسجد کی چھت پر ایک مدرسہ بلا معاوضہ قائم کرلیا اور کمیٹی سے اس کی بقا کا اقرار نامہ لکھا لیا ہے، یہ حالت دیکھ کر تحفظ آئندہ کے لئے یہ پتھر لگایا گیا جس میں دکانات وحمام کے وقف علی المسجد ہونے کا تذکرہ ہے کہ آئندہ کوئی متولی سابق کی طرح ان دکانوں پر دعوٰی نہ کر بیٹھے۔ اعلان میں معلن کا نام ضرور ہے، گمنام اعلان ایسا نہیں ہوتا، لہٰذا بکر نے اپنا نام لکھا نہ بقصد ریاء نہ طلب دعا۔ یہ پتھر سجدہ کی جگہ سے دس فٹ بلند ہے تو نمازی کا سامنا

نہیں ہوگا اور اندر کے محراب پر نہیں بلکہ بیرونی محرابی دروں پر، وہی لوگ جن سے اندیشہ ہے اس پتھر کا انعدام چاہتے ہیں کہ اس کی بقاء میں تحفظ واستحکام وقف ہے انتہی ملخصًا۔

فریق ثانی کی طرف سے بھی سوال مع جواب آیا تھا کہ اس پتھر کا نصب جائز نہیں بلکہ غیبت میں داخل ہے اور اس کا جواب بھی رمضان مبارک عـــہ ۱۳۳۶ھ میں گیا کہ اگر وہ افعال متولی سابق سے صادر ہوئے اور اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں تو ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا، خصوصًا منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو، ہاں اس کا نصب کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لاتذکروا امواتکم الابخیر**[1] (اپنے مردوں کا تذکرہ سوائے بھلائی کے مت کرو۔ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قدافضوا الی ماقدموا[2]۔	اپنے مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

بایں ہمہ جبکہ بلا مصلحت شرعیہ عبث ہے عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اگر وقف میں خیانت واضرار کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے، یہ اس جواب کا خلاصہ ہے جو فریق ثانی کو یہاں سے گیا، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ محض بلا مصلحت ہو تو جدا کردیں اور مصلحت شرعیہ ہے تو قائم رکھیں، پھر اگر موضع نظر سے اتنا بلند ہو کہ جب تک نظر اوپر کو اٹھا کر نہ دیکھیں نظر نہ آئے کسی طرح نقش دیوار قبلہ کی کراہت میں نہیں آتا، یہ خود اس نمازی کا قصور ہے، اسے نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عـــہ: مندرجہ صفحہ ۴۷۲۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۰۔۹۱

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب النھی باب ماینھی عن سب الاموات نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ او لتخطفن ابصارھم[1]۔ رواہ مسلم۔	وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو وہ اپنی اس حرکت سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائے گی (اسے مسلم نے روایت کیا۔ ت)

اور اگر اتنا بلند نہیں تو ضرور موقع کراہت میں ہے اور اس میں اندرونی وبیرونی محراب کا تفرقہ نہیں مسجد کا درجہ مسقفہ وصحن دونوں مسجد ہیں اس حالت میں چاہئے کہ اس تحریر پر نمازوں کے اوقات میں غلاف ڈال دیں، ہم نے فتوٰی سابقہ میں سنن ابی داؤد کی حدیث نقل کی کہ دیوار غربی کعبہ معظمہ میں (اس) مینڈھے کے (جو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا) سینگ نصب تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خمرھما فانہ لاینبغی ان یکون فی قبلۃ البیت شیئ یلھی المصلی[2]۔	انہیں (سینگوں کو) ڈھانک دو کہ نمازی کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جسے سے دل بٹے۔

نام کا جواب بھی فتوٰی سابقہ میں تھا کہ ریاء کو حرام مگر بلاوجہ شرعی مسلمان پر قصد ریا کی بدگمانی بھی حرام، اور بنظر دعا ہے تو حرج نہیں، نہ کفایت اجمال منافی طلب خصوص۔ اور یہ مصلحت کہ اس تحریر میں بتائی ضرور قابل لحاظ ہے جبکہ اس کا نام وجہ اعتبار اعلان یا زیادت اعتبار ہو،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[3]۔	اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

دکانات مسجد پر اقامت مدرسہ کے بارے میں بھی سوال آیا اور مفصل جواب جاچکا ہے مگر فریق ثانی کے سوال میں یہ تھا کہ مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید وتفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے، اور ان شرائط پر اس کے قیام کا فیصلہ ہوا، اس تحریر تازہ میں یہ ہے کہ بلا استحقاق وبلا معاوضہ سقف وقف پر مدرسہ کرلیا ہے، ایسا ہے تو بلاشبہ حرام ہے اور منتظمین مسجد کی اس پر رضامندی مردود، اور اب تک کا کرایہ مدرسہ قائم کرنیوالوں پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱

[2] سنن ابو داؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۷، مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۶۸

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ پشاور کراچی ۱/ ۲

بحق مسجد لازم، **کما ھو منصوص علیہ فی عامۃ الکتب** (جیسا کہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۶: از بمبئی نشان پاڑا کراس روڈ بوساطت سید غوث پیران صاحب مرسلہ میمن آدم عبدالرحمٰن صاحب ۲ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک حنفی المذہب عورت نے انتقال کیا جس نے اپنی جائداد کے ساتھ ایک شوہر، دو بیٹیاں، ایک حقیقی بھائی اور ایک عم زاد بہن کا بیٹا چھوڑا اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ قبل از تقسیم ترکہ مرحومہ کی وفات کے دو سال بعد اس کے شوہر نے جائداد مذکورہ سے زمین کا ایک قطعہ مسجد بنانے کے لئے وقف کر دیا جس پر بتوسل جماعت مسجد تعمیر کی گئی اور پنجوقتہ نماز بھی قائم ہو گئی، لیکن بعض لوگ اس میں عدم جواز نماز کے قائل ہیں کہ وقف صحیح نہ ہوا۔ مرحومہ کا شوہر یہ کہتا ہے کہ مجھ سے مرحومہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مسجد کی عمارت کے لئے ایک قطعہ زمین وقف کرے اگر شرعًا یہ وقف صحیح نہ ہوگا تو میں اپنے حصہ رسدی سے اس وقف کو برقرار رکھوں گا۔ صورت مذکورہ میں وقف اول صحیح ہو کر نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں؟ برصورت عدم جواز اپنے حصہ میراث سے وقف کا برقرار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ترکہ متوفی حسب شرائط فرائض بارہ سہام ہو کر تین سہم شوہر، چار چار ہر دختر، ایک برادر کو ملے گا۔ عم زاد بہن کا بیٹا محروم ہے۔ اگر صحیح ہے کہ مورثہ نے یہ وصیت کی تھی اور یہ قطعہ (بعد ادائے دین اگر ذمہ مورثہ ہو) ثلث متروکہ سے زائد نہیں تو وقف صحیح و نافذ ہو گیا اور وہ قطعہ مسجد اور اس میں نماز مسجد میں نماز۔ یوہیں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو اور باقی ورثہ یعنی بیٹیاں اور بھائی سب عاقل بالغ اور سب اس وصیت کو قبول کیا اور جائز رکھا، جب بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اگر وصیت ثابت نہ ہو اور شوہر نے ایک قطعہ معینہ جس میں باقی ورثہ کے بھی حصے تھے تعمیر مسجد کے لئے وقف کر دیا اور باقی سب ورثہ نے بشرط عقل وبلوغ اسے جائز رکھا جب بھی یہی حکم ہے۔ ان سب صورتوں میں وہ مسجد ہو گیا،

وذٰلك لانه فی الاخیر فضولی فی حصصهم وقد صدر منه ماله مجیز حین صدوره وقد اجازوا فنفذ ولم یمنع الشیوع لعدمه عند اجتماعهم علی تجویزه	اور یہ اس لئے ہے کہ صورت اخیرہ میں وہ (شوہر) دیگر ورثاء کے حصص کو مسجد بنانے میں فضولی ہے اور یہ فعل اس سے اس حال میں صادر ہوا کہ صدور کے وقت اسکو جائز کرنے والا موجود ہے اور انہوں نے اس کی اجازت دے کر جائز کر دیا اور شیوع

قال فی ردالمحتار لوبینھما ارض وقفاھاودفعاھا معا الٰی قیم واحد جاز اتفاقا لان المانع من الجواز عند محمد ھو الشیوع وقت القبض لاوقت العقد ولم یوجد ھٰھنا[1]۔	یہاں مانع نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ تمام اس کے جائز رکھنے پر مجتمع ہوگئے تو شیوع رہا ہی نہیں، ردالمحتار میں ہے دو شخصوں کی اگر مشترکہ زمین ہو اور دونوں نے معًا اس زمین کو وقف کرکے ایک ہی متولی کے حوالے کردیا تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مانع جواز شیوع ہے جو وقت قبض ہو نہ کہ وقت عقد، اور یہاں وقت قبض شیوع نہیں پایا گیا (ت)

ہاں اگر کوئی وارث غیر عاقل یا نابالغ ہے یا ان بعض نے اس تصرف کو جائز نہ رکھا بے وصیت مطلقًا اور بحال وصیت جبکہ ثلث سے زائد ہو تو البتہ وہ مسجد مسجد نہیں اور اس سبب سے کہ اس میں ایسے کی ملک ہے جس کی اجازت نہیں یا جس کی اجازت شرعًا اجازت نہیں اس میں نماز ناجائز۔ یہ حکم بھی متفق علیہ ہے کہ مسجد میں شیوع بالاجماع ممنوع،

لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص ﷲتعالٰی ش عن النھر والفتح[2]۔	کیونکہ بقاء شرکت اللہ تعالٰی کے لئے شے کے خالص ہونے سے مانع ہے، ش نے نہر اور فتح سے واضح کیا۔ (ت)

ہاں اگر شوہر تقسیم صحیح شرعی کرائے اور یہ قطعہ اس کے حصہ میں آئے اس کے بعد اسے یہ مسجد کرے تو اب مسجد ہوجائے گا لزوال المانع (مانع ختم ہوجانے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۷: مسئولہ سید مصباح القیوم صاحب ساکن شہر رائے پور بیجناتھ پارہ مدرسہ اصلاح المسلمین صوبہ سی پی ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متعلق طہارت خانہ وغیرہ بنانے کی غرض سے مسجد کے روپیہ سے ایک قطعہ زمین کا مسجد سے علیحدہ مگر قریب میں خریدا کیونکہ زمین بہت ہے مسجد کی ضرورت کی چیزیں بن جانے پر بھی باقی رہ گئی اور مسجد کی کوئی منفعت مقصود نہیں اور اہلسنت نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے مکان کی ضرورت ہے تو کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ زمین مذکور پر مدرسہ تعمیر کرادیں اور قیمت زمین کی مدرسہ کی آمدنی سے لے کر مسجد میں داخل کیا جائے تو شرعًا یہ جائز ہے کہ نہیں اور درصورت

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳٦۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳٦۴

عدم جواز کوئی حیلہ اس کے جواز کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ وہ باقیماندہ حاجت مسجد سے زیادہ زمین (کہ سابق سے وقف نہ تھی بلکہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کے لئے خریدی تھی) مدرسہ کے لئے بیع بقیمت مناسب کرکے رثمن داخل مسجد کیا جائے جبکہ احتیاط وامانت کاملہ سے کام لیا جائے۔ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد اذااشتری بمال المسجد حانوتا اودارا ثم باعہا جاز اذاکانت لہ ولایۃ الشراء بناء علی ان ھذہ الداروالحانوت ھل تلتحق بالحوانیت الموقوفۃ علی المسجد معناہ ھل تصیر وقفا۔المختار انہ لا کذا فی المضمرات[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک مسجد کے متولی نے مسجد کے مال سے دکان یا گھر خریدا پھر بیچ دیا تو جائز ہے جبکہ اس کو خریدنے کی ولایت حاصل ہو، یہ مبنی ہے اس بات پر کہ کیا یہ دکان اور گھر مسجد پر وقف شدہ دکانوں سے ملحق ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ کیا یہ وقف ہو جائیگا، مختار یہ ہے کہ نہیں ہوگا۔ مضمرات میں ایسا ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۸: ۱۴ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محلّہ قاضی ٹولہ پرانا شہر میں ایک مسجد قاضی زادوں کی تعمیر کردہ ہے اس دروازہ پہاڑ رخ قدیمی ہے اور اس میں کچھ قبریں پختہ قاضی زادوں کے آباواجداد کی تھیں، اور ایک کنواں بنجاروں کا بنایا ہوا مسجد سے پہلے کا ہے جس سے سوائے نمازیاں اور کئی محلوں کو اس کے پانی سے نفع پہنچتا ہے، اس مسجد میں کئی قوم کے لوگ نماز پڑھتے ہیں قصائی، نداف۔ ان کے مکان بھی وہیں ہیں، قصابوں نے مسجد میں جو قبریں تھیں انہیں کھود کر بالکل نیست ونابود کردیا، درخت موسری کا جس کے سایہ سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا کاٹ ڈالا، گول درشمال کی جانب جس سے نمازیوں کو بارش سے آرام ملتا تھا بند کردیا، کنواں جس سے مخلوق کو نفع تھا اس کی ایک سیڑھی کا راستہ بند کردیا گیا گویا ایک رخ بالکل بند کردیا جس سے بہشتیوں کو از حد تکلیف ہے انہوں نے پانی بھرنا بند کردیا۔ دو دیواریں بناکر اس میں گھری لگادی ہے جس سے کچھ نفع نہیں۔ یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟ یہ کام اچھے کئے یا برے کئے۔ ندافوں میں سے ایک شخص نے کسی سے پوچھا یہ کنویں پر در و دیوار کیا ہیں، اس نے اپنی جہالت سے کہا کہ یہ میرا۔۔۔۔۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۷۔۱۸

بنایا ہے لوگوں کے تکلیف دینے کو، تو کیا یہ شخص کافر ہوگیا؟ حالانکہ ان دیواروں کو وہ مسجد نہیں سمجھتا ہے بلکہ یہ شرارت کی دیواریں سمجھتاہے کس سزا کا مستحق ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو مسلمان کی قبروں کا کھود ڈالنا ہرگز جائز نہ تھا اس سے وہ توہین مسلمین کی سزا کے مستحق ہیں، سزا یہاں کون دے سکتا ہے، اور اگر یہ قبریں اس لئے کھودیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھی جائے تو یہ نماز کو بھی خرابی میں ڈالنا ہے، قبور کی جگہ نماز جائز نہیں جب تک اندر تک کھود کر میت کے سب اجزاء نکال نہ دئے جائیں، اور مسلمان میت کے ساتھ ایسا کرنا حرام حرام سخت حرام۔ درخت جو قدیم سے تھا اس کے کاٹنے کی کوئی وجہ نہ تھی، بلاوجہ شرعی نمازیوں کو تکلیف دینا سخت بد ہے۔ شمالی دروازہ کہ قدیم سے تھا اور اس سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا، اس کے بند کرنے کا بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ کنوئیں کی ایسی روک جس سے پانی بھرنے والوں کو تکلیف ہو اور وہ بھرنا چھوڑ دیں ہرگز جائز نہیں، یہ سب برے کام ہوئے۔ اس نداف نے بیہودہ کہا، مگر ایسا اس کے سبب کافر نہیں ہوسکتا کہ اس میں مسجد کی کوئی توہین نہیں، نہ وہ دیواریں مسجد کی ہیں۔ اس کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ توبہ کرے بیہودہ بکا۔ آئندہ احتیاط کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۹: مسئولہ عظمت اللہ کوتوالی شہر بریلی شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک مسجد شریف قدیم ٹھوس تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کراکر مغرب کی جانب میں مسجد بنوائی اور قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجد جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد مسجد ہوجانے کے بعد دوسرے کام کے لئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہہ خانہ بدستور سابق بند کردیں اور اب کہ مسجد جدید کرچکے اس کے تہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کردینے سے پہلے دکانیں وقف مسجد کے لئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا، اب ہرگز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کرلیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۰: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مسئولہ شیخ انعام اللہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ امام باڑہ متصل زیارت شاہ صاحب کے ایک گوشہ میں واقع ہے اور گزشتہ زمانے کے شیعہ مذہب کے لوگ جو لکھنؤ کے پیرو تھے ان کی تعمیر کردہ ہے۔ لیکن اب مسجد مذکور اہلسنت کے قبضہ میں ہے اور کنویں مذکور سے ۳۳/۳۴ گز کے فاصلہ پر ہے، کنویں اور مسجد کے درمیان بوجہ کوڑے اور گھاس کیڑے وغیرہ کا احتمال رہتا ہے، اسی لئے مسجد مذکور آباد نہیں ہوتی، اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ مسجد مذکور کا ملبہ لب سڑک متصل کنواں اٹھالائیں اور یہاں مسجد تعمیر کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس مسجد کا بانی رافضی تبرائی روافض حال کا ہم عقیدہ تھا اور اسی مذہب پر مرا تو مسلمانوں کو جائز ہے کہ اس کا عملہ دوسری مسجد لے جائیں، نیز جائز ہے کہ اس مسجد کی زمین کو بیچ کر جدید مسجد میں لگائیں۔

فی الدرالمختار لو وقف المرتد فقتل اومات اوارتد المسلم بطل وقفه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر مرتد نے وقف کیا پھر قتل کردیا گیا یا مر گیا یا مسلمان مرتد ہوگیا تو اس کا وقف باطل ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۱: مسئولہ حافظ عبدالمجید از ضلع مرادآباد قصبہ بچھرایوں محلّہ چودھریاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے باپ جناب قبلہ وکعبہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے ۲جولائی ۱۸۹۹ء کو اپنی حقیت موضع کھادگوجر پرگنہ سانپور ضلع مرادآباد تعدادی مواضع چار بسوہ کو اور میرے بھائی حاجی عبداللطیف خان صاحب اور مجھ حافظ عبدالمجید خاں نے اپنی حقیت سواسوا بسوہ موضع کافور پور وچک کافور پور پرگنہ بانسٹہ ضلع بجنور کو بنابر صرف مسجد وچاہ وپیاؤ وقف کردیا مگر وہ جگہ جہاں مسجد وکنواں تیار کرانے کا خیال تھا وہ جگہ آبادی قصبہ بچھرایوں سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر جنگل میں جانب مشرق اور مسجد لب سڑک سے جو آبادی میں بنی ہوئی ہے دو سو گز کے فاصلہ پر ہے بعد وقف ہوجانے کے جو میری غیبت میں تکمیل ہوا تھا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس جگہ مسجد کا بنانا کارآمد نہیں ہے کیونکہ اس موقع پر بوجہ نہ ہونے آبادی کے آباد نہیں رہ سکتی مگر یہ خیال جناب والد بزرگوں صاحب سے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

ظاہر نہ کرسکا تھا کہ میرٹھ اپنی ملازمت پر تشریف لے گئے وہاں سے ان کا والا نامہ صادر ہوا کہ فورًا مسجد کی تعمیر کرو میں نے بخوف ان کی ناراضی کے اپنا خیال تو ظاہر نہ کیا مگر بموجب ارشاد تعمیل یہ کردیا کہ دیہات سے چار ہیگاری جمع کرکے مسجد کی نیو معین بنیاد کندہ کرائی اور زمین برابر نیو چنوادی چونکہ موسم برسات آنے والا تھا والد بزرگوار قبلہ کو بطور عریضہ یہ عرض کیا کہ بنیاد بھروادی گئی اور تعمیر مسجد بعد برسات شروع کی جائے گی، اسکے بعد میں خود جناب والد صاحب قبلہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ مسجد تو بموجب ارشاد عالی بنادی جائے گی مگر اس کی آبادی کی کون سی صورت ہے، اول جناب والا وہاں پر اس کا زنانہ ومردانہ بنادیں اور میں وہاں محلّہ آباد کرلوں تب مسجد تیار ہونی چاہئے، انہوں نے اس بات کو بخوبی منظور فرمالیا، اس عرصہ میں ان کا انتقال ہوگیا مگر کنواں وپیاؤ تیار ہوگیا تھا اور بدستور جاری ہے نہ مکان تھا نہ وہ آباد ہوا۔ ہم دونوں بھائی آپس میں جدا ہوگئے اور اس وقف کا بعد جناب قبلہ کے میں متولی رہا۔ ایک مسجد درمیان آبادی منہدم ہوگئی تھی، میں نے اس روپیہ سے وہ مسجد از سر نو بنوائی، اور وہ بنیاد مسجد جو جنگل میں بیگاروں سے بھروادی تھی اکھڑوا کر اس کی اینٹیں بھی اس میں لگوا کر تیار کروادی، اب اس وقف کی رقم جمع ہے اور ایک مسجد محلّہ جو میرے مردانہ مکان کے پیش دروازہ ہے از حد مرمت طلب ہورہی ہے اور کوئی صاحب اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، میرا خیال ہے کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو میں اس مسجد کی اس روپیہ سے مرمت کرادوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مسجد جہاں جنگل میں پہلے بنیاد بھروادی تھی اور وہ اس وجہ سے کہ یہ کسی وقت کار آمد وآباد نہیں ہوسکتی اکھڑوا ڈالی گئی تھی، اس کا بنانا ضروری ہے یا اس مسجد کی مرمت کرادینا ضرور ہے؟

الجواب:

جبکہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہوسکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی، ان اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجدا فی مفازة حیث لایسکنها احد، وقل ما یمر به انسان لم یصر مسجد العدم الحاجة الی صیرورته مسجدا کذافی الغرائب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شخص نے جنگل میں مسجد بنادی جہاں کوئی بھی نہیں رہتا اور بہت کم ہی کسی انسان کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تو وہاں مسجد نہیں ہوئی کیونکہ اس کے مسجد ہونے کی ضرورت نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۰

مسئلہ ۳۱۲تا۳۱۳: از شہر محلّہ باغ احمد علی خاں مسئولہ منشی فتح محمد صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک مسجد اہل سنت وجماعت کی تعمیر ہورہی ہے اور اس کا چندہ جمع ہورہا ہے، اس مسجد میں کس کس مذہب کا پیسہ لگانا جائز ہے اور کس کس مذہب کا ناجائز؟

(۲) ایک مسجد رافضی کی تیار کی ہوئی ہے جو اس وقت ایک گوشہ میں ویران پڑی ہے اس میں اہلسنت وجماعت کی یہ رائے ہے کہ اس مسجد کو شہید کرکے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرائی جائے اس کی زمین کا پیسہ دوسری مسجد اہلسنت وجماعت میں لگایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس مسجد کا اب کوئی فساد کرنے والا نہیں۔

الجواب:

(۱) مسجد میں صرف اہلسنت کا پیسہ لیا جائے، کافروں یا مرتدوں کا ناپاک مال نہ لیا جائے۔

(۲) رافضی جو ایسا ہی مذہب رکھتا ہے جیسا کہ آج کل کے رافضیوں کا ہے اگر اس نے مسجد بنائی اور مرگیا تو اس کی مسجد کی زمین اور عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگاسکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۴: از حصار محمد عبدالرشید مدرسہ انجمن محاسن الاسلام احاطہ عبدالغفور خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دکان مرہونہ مسجد کے نام کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دکان کہ مسجد پر وقف کی گئی اور واقف نے شروط وقف میں اس کے بدلنے کی اجازت نہ لکھی وہ کسی طرح نہیں بک سکتی، مگر یہ کہ تباہ ویران ہوجائے اور کوئی صورت اس کی آبادی کی نہ رہے تو اسے بیچ کر دوسری جگہ دکان خرید کر متعلق مسجد کردے، یا دکان پر کسی ظالم کا قبضہ ہوگیا اور اسسے کسی طرح رہائی نہیں ہوسکتی مگر دام دینے پر راضی ہے تو لیں اور دوسری دکان اس کی جگہ قائم کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۵: از شہر کہنہ درگاہ شاہ دانا صاحب قدس سرہ مسئولہ رحمت علی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ دانا صاحب کا مزار شریف ایک چھوٹے سے احاطہ

کے اندر نور افروز ہے اور اسی احاطہ میں ایک مسجد اور ایک خانقاہ جانب شمال دو تین گز کے فاصلہ سے واقع ہے خانقاہ قدیم الایام یعنی مزار شریف کی تعمیر کے زمانہ سے اب تک واسطے ٹھہرنے سیاحین زائرین مقرر ہے، چنانچہ اکثر اولیاء سابق درویش اور سالکین استقامت کیش جو وقتًا فوقتًا واسطے زیارت اور حاصل کرنے مراد اور برکات کے دور دراز سے سفر کرکے آتے ہیں تو اسی خانقاہ میں ٹھہرا کرتے ہیں اور جو کہ ایام عرس میں تخمینًا ایک ہزار مرد و عورت ولڑکی لڑکے جوان بڈھے مزار اقدس میں جمع ہوتے ہیں اور یہ بھیڑ بھاڑ تقریبًا ایک ماہ تک رہتی ہے تو اس ہنگامہ میں سوا اس مکان کے دھوپ اور بارش وغیرہ کے بچاؤ کے لئے اور کوئی مکان مطلق نہیں ہے اگر وہ مکان نہ ہو تو زائرین کو از حد پریشانی اور تکلیف ہو، دوسرے یہ کہ اس خانقاہ کے اندر دو ایک قبریں بھی ہیں اور ایک قبر خلیفہ ولایت علی صاحب کی بھی ہے کہ اس قبر کو ہموار کرکے اس پر لڑکے پڑھتے ہیں، اب اس خانقاہ اور شرقی حصہ صحن مزار شریف کو عرصہ تقریبًا دو ایک ماہ سے بلا اجازت متولی صاحب وبغیر منشا خادمین جو پشت ہا پشت سے اس پر بطور مالکانہ کے قبضہ رکھتے ہیں، چند اشخاص وہابی محلّہ شاہدانہ نے بتقریب تحکم مصلیان جدید اس میں جدید مدرسہ قائم کیا ہے، مدرسہ کے اکثر طلبہ جو خانقاہ میں قبریں ہیں ان پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور صحن مزار شریف میں سوئے ادبی اور بازی اور رسہ کشی کرتے ہیں اور چھوٹے لڑکے ساتھ مسجد میں جاکر فرش مسجد اور لوٹوں کو ناپاک کرتے ہیں اس صورت میں اسلامی قانون نبوی کے مطابق مقام مذکور پر مدرسہ رکھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ بانی مبانی عمارت شریف کی یہ نیت اور منشاء نہ ہو اور متولی ان حرکات سے اور مدرسہ کے قیام سے قطعًا راضی نہ ہو اور مسافرین اور زائرین کی جگہ جبرًا چھین لی ہو. اور لڑکے اس مقام متبرک پر گند باد سے بے ادبی کرتے ہوں اور قبروں کو نشست گاہ بنایا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر خانقاہ میں عاقل، بالغ، باادب، باتمیز اور قریب بلوغ متادب لڑکوں کے لئے درس دینے کی اجازت دی جاتی اور قبور کی بیحرمتی نہ کی جاتی اور حاضرین پر ٹھہرنے کی جگہ تنگ نہ ہوتی اور ایام عرس شریف میں خانقاہ ان کے لئے خالی رہتی اور یہ سب کچھ عاریۃً ہوتا نہ کہ خانقاہ یا مسجد پر مالکانہ قبضہ تو حرج نہ تھا مگر مسجد کی بے حرمتی حرام اور اس میں بچوں کا جانا ممنوع۔

ابن ماجہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[1]۔	اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور اپنی آوازیں اونچی کرنے سے بچاؤ۔ (ت)

[1] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

اور مسلمان کی قبر پر بیٹھنا یا چلنا ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اطأعلی جمرۃ حتی مخلص الی جلدی احب الی من ان اطأعلی قبر مسلم او ماھذا معناہ[1]۔	مجھے چنگاری پر پاؤں رکھنا یہاں تک کہ وہ جوتا توڑ کر کھال تک پہنچ جائے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

لان امشی علی سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[2]۔ او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مجھے تلوار پر چلنا مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے (جیساکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یکرہ القعود علی القبر لان سقف القبر حق المیت[3]۔	قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (ت)

فتح القدیر و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4]۔	قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا جائے اس میں چلنا حرام ہے۔ (ت)

اور مسلمان کی قبر کو ہموار کردینا اور بھی سخت حرام۔ حاضرین کے لئے جگہ تنگ کرنا جنکی اصل وضع خانقاہ ہے وقف میں تصرف بے جا اور مخالفت غرض واقف ہے کہ شرعًا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶تا۳۱۸: از ضلع بردوانمقام رانی گنج مسؤلہ میر ضامن سیکریٹری مدرسہ دارالعلوم　　۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲، سنن ابوداؤد کتاب الجنائز باب کراہیۃ القبور علی القبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴، الترغیب والترہیب الترہیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

(۱) مسجد کی موقوفہ جائداد کا متولی مسجد یا مسجد کے متعلق مکان میں تنہا اپنی رائے سے کسی قسم کی ترمیم کرسکتا ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ مصلیان مسجد اس ترمیم کے سخت مخالف ہوں۔

(۲) مسجد کی کوٹھری یا حجرہ یا مسجد کا مدرسہ آیا متولی موصوف کی ملکیت ہے یا ان کا نظم ونسق وغیرہ۔ امام ومؤذن کی تقرری وبرخاستگی عام مصلیان مسجد کے اتفاق پر موقوف ہے مصلیان مسجد کو اس کے متعلق کوئی بازپرس کرنے کا اور جمع خرچ کے سمجھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

(۳) مصلیان مسجد کے خلاف میں اگر کسی مسجد کا متولی دوسری مسجد کے نمازیوں کو اپنے ساتھ ملاکر مخالفت سے اس مسجد میں کوئی ناپسندیدہ کام کرنا چاہے اور اس کی قابل مرمت چیزیں خراب ہورہی ہوں تو مصلیان مسجد کو اس پر رکاوٹ کا مجاز اور متولی کو ان کا متفق الرائے کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر اس ترمیم کا اختیار اسے واقف نے دیا تھا تو کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ بات ملاحظہ شرائط وقف سے ظاہر ہوسکتی ہے۔

(۲) مسجد اور اس کے متصل کوئی شے نہ متولی کی ملک ہے نہ مصلیوں کی، نہ کسی غیر خدا کی، وہ سب خالص ملک الٰہی ہے، اوقاف مسجد کا انتظام متولی کے سپرد ہے اور امام ومؤذن کا نصب وعزل بانی مسجد یا اس کی اولاد پھر مصلیوں کے متعلق ہے متولی جو بات خلاف شرائط وقف کرے مصلی بلکہ عامہ مسلمین اس سے بازپرس کرسکتے ہیں۔ متولی امین ہے جب تک اس کی خیانت کا صحیح مظنہ نہ پیدا ہو وہ جمع خرچ سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ درمختار میں ہے:

سئل قارئ الهداية عمن طلب محاسبة شريكه فاجاب لايلزمه بالتفصيل ومثله المضارب والوصی والمتولی۔نهر[1]۔	قارئ الہدایہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنے شریک سے محاسبہ کا سوال کرے تو قارئ ہدایہ نے جواب دیا کہ شریک پر مفصل جواب دینا لازم نہیں، اس کی مثل ہے مضارب، وصی اور متولی، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: **یحمل اطلاقه علی غیر المتهم**[2] (اس کا اطلاق اس شخص پر محمول کیا جائیگا

---

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۷

جس پر تہمت نہ لگائی جاتی ہو۔ت)

(۳) سائل نے ناپسندیدہ کام کی تفصیل نہ کی، ان کو ناپسندیدہ ہے یا شرعاً، جو شرعاً ناپسندیدہ ہے اس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ وہ کسی کے متفق الرائے سے ہونے سے ہو سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹: مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۳شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جام نگر (علاقہ کاٹھیاوار) میں دو مسجدیں ایسی مسلمان بائیوں (عورتوں) کے نام سے بنی ہوئی ہیں کافر راجہ نے ان کو باوجود اسلام پر قائم رہنے کے اپنی ہی مجامعت میں ہمیشہ کے لئے قائم ودائم زبردستی کرکے رکھا ایک فاطمہ بائی کی مسجد راجہ سے مال کثیر لے کر اصل پرانی مسجد پر اپنے مسلمان ناظر نوکر کے مال حوالہ کرکے مسجد بنائی ہے۔ اسی طرح دوسری امرت بائی کی مسجد نو تعمیر ہو کر امرت بائی کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے راجہ کے وقت میں قصبہ ہذا میں سات مسجدیں سات بائیوں کے نام سے پچاس سال ہوئے ہیں بنائی ہیں:

ایک دھن بائی کی مسجد جو جامع مسجد دھن بائی کی مشہور ہے پرانی مسجد پر اس کی تعمیر ہوئی۔

دوسری ناتھی بائی کی مسجد رافضی پورہ محلّہ میں پرانی مسجد کو شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

تیسری جان بائی کی ٹاور کی مسجد، یہ بھی ایک پرانی مسجد شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

چوتھی دالبائی کی مسجد جو پرانی جیل کے قریب بالکل نئی تعمیر کی گئی ہے۔

پانچویں رتن بائی کی مسجد لنگھاواڑ میں نئے سرے سے بنائی گئی ہے، قبل ازیں یہاں کوئی مسجد نہ تھی۔

چھٹی ہنس بائی کی مسجد جو ملک لوگوں کی مسجد تھی اس کو شہید کرکے وسیع پیمانے پر بنائی گئی ہے۔

ساتویں چھوٹی دھن بائی کی مسجد جو گجراتی واڑ میں کہنہ خورد مسجد کو شہید کرکے اسی پر بنائی گئی ہے۔

یہ عورتیں مسلمان صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور کافر راجاؤں کے جبر سے مرتے دم تک ان کے مکان میں رہیں، اور راجاؤں سے ان عورتوں نے مال حاصل کرکے اپنے نوکر مسلمان ناظر کو مال حوالہ کردیا اور ان ناظروں نے مسجدیں بنوا کر مسلمانوں کے قبضہ میں کردیں اور تا ایں دم مسلمان کے قبضہ میں ہیں۔ یہ عورتیں مرچکی ہیں ان کی ہر ایک کی قبر ہر مسجد کے فنا میں بنی ہوئی ہے، اور ان میں سے جو مسجدیں سابق پرانی مسجدوں کو شہید کرکے تعمیر کی گئی ہیں، ان کے فنا میں اولیاء کے مزار بھی ہیں، ان مسجدوں کے ان بائیوں کے نام سے موسوم ہونے پر کافر کا روپیہ لگنے کے باعث اگرچہ ان عورتوں میں سے ہر ایک نے اپنے نوکر ناظر مسلمان کو حوالہ کرکے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں کردی گئی ہیں

باوجود اس کے مسلمانوں کے دو گروہ ازاں دم تا ایں دم چلے آتے ہیں، ایک گروہ ان مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ بوجوہ بالا ناجائز سمجھ کر ان میں نماز نہیں پڑھتا اور پڑھنے والے کو روکتا ہے، معترض گروہ نے اپنے استدلال میں ایک عربی رسالہ بھی لکھا ہے جو منسلک استفتاء ہذا ہے۔ قائلین جواز اکثر فتاوٰی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اپنے مصارف کے لئے قطعًا کسی کی محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہر مسجد اپنے تعلق میں دکانیں رکھتی ہے۔ موجودہ کافر راجہ کو اگر یہ معلوم ہوجائے کہ ان مسجدوں میں بحکم شرع شریف نماز ناجائز ہے تو وہ ان کے انہدام میں ایک لمحہ دیر نہ لگائے اور مسجدیں دکانیں جن کی عمارت تقریبًا ۵ لاکھ بلکہ زائد ہوگی مسلمانوں کے قبضہ وتصرف سے نکل جائینگی اور مزارات اولیاء کرام جو ان مسجدوں کی فناء میں واقع ہیں مسمار کردئے جائینگے، آپ نہایت تفصیل سے عام فہم زبان میں ارشاد فرمائیں کہ حکم شرع شریف کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں فساد مذکورہ بالا کی بیخ کنی ہوجائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ مسجدیں شرعًا مساجد ہیں اور ان میں نماز قطعًا جائز، اور ان کا ہدم ظلم شدید، اور ان نماز پڑھنے سے روکنا، ان کی ویرانی میں کوشش کرنا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کی۔

عربی رسالے میں اجرت زنا کی حرمت کا بیان ہے اس میں کسے کلام ہے مگر اسے یہاں سے کیا علاقہ، اور ان مسجدوں کی ابطال مسجدیت سے تو اسے اصلًا مس نہیں، یہاں نہ اجارہ ہوا نہ وہ مال کہ ان عورتوں نے پایا اجرت تھا، نہ ان کے لئے حکم حرمت تھا، اور بالفرض ہوتا تو ان مسجدوں کو مسجد نہ ماننا جہالت تھا،

اولًا: اجارہ کہ بیع منافع ہے مثل بیع محتاج ایجاب وقبول وتراضی طرفین ہے، اور سوال میں زبردستی کرکے رکھا، کافر راجاؤں کے جبر سے رہیں تو نہ کوئی اجارہ تھا نہ ایجاب وقبول، خود رسالہ عربیہ میں اقرار کیا ہے کہ صورت مبحوث عنہا میں عقد اجارہ نہیں تو مسئلہ اجرت زنا کی بحث بیکار تھی۔ رہا رسالہ کا یہ گمان کہ جب بے عقد ہے تو بدرجہ اولٰی حرام ہے کہ اب اس کی حرمت پر اتفاق ہے، ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ماأخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحرام عندهما وان كان بغير عقد فحرام اتفاقا لانها اخذته بغير حق كذا في المحيط[1]۔	جو کچھ زانیہ نے لیا اگر عقد اجارہ کے طور پر ہے صاحبین کے نزدیک حرام ہے اور اگر بلا عقد ہے تو بالاتفاق حرام ہے کیونکہ زانیہ نے اس کو ناحق لیا ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اقول: یہ ہی وہ نافہمی ہے جس نے غلطی میں ڈالا، بلاوجہ کسی کا مال لے لینا کہ بالاتفاق حرام ہے مال معصوم میں ہے جو کہ مسلمان یا ذمی یا مستامن کا مال ہے ان کے غیر کا مال کہ بلاعذر ملے خصوصًا جو خود اس کی رضا سے ہو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ بلاوجہ محض بلکہ بنام وجہ فاسد و ناجائز مثل ربا و قمار وغیرہما ہو۔ ہدایہ و فتح القدیر میں ہے:

(مالهم مباح) واطلاق النصوص في مال محظور وانما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر (فاذا لم ياخذ غدرا فباي طريق ياخذه حل) بعد كونه برضا[2]۔	(ان کا مال مباح ہے) اور نصوص کا اطلاق مال ممنوع پر ہوتا ہے اور بیشک وہ (کافر حربی کا مال) مسلمان پر اسی صورت میں حرام ہوتا ہے جب بطور غدر لیا جائے، اور اگر غدر و دھوکے سے نہ لے تو جس طرح بھی حاصل کرے حلال ہے بشرطیکہ اس کافر کی رضامندی سے ہو۔ (ت)

مبسوط میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے نصرت مسلمین پر شرط باندھ کر مال لینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز رکھنا بلکہ خود بحکم حضور شرط میں اضافہ کرنا مذکور۔ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

وهو القمار بعينه بين ابي بكر ومشركي مكة وكانت مكة دار شرك[3]۔	اور وہ سید صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مشرکین کے درمیان بعینہٖ جوا تھا اور مکہ دار شرک تھا۔ (ت)

ثانیًا: جب ان کا رہنا بجبر و اکراہ تھا تو عقد درکنار شرط زنا پر لینا بھی نہ ہوا تو رسالہ عربیہ کا

---
[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدہ نولکشور کانپور ۳/ ۵۱۲
[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸
[3] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

کہنا کہ:

ماتاخذہ الزانیۃ علی الزنا بغیر عقد الاجارۃ حرام اتفاقاوھو المبحوث عنہ۔	جو کچھ زانیہ زنا پر بغیر عقد اجارہ کے لے وہ بالاتفاق حرام ہے اور یہ زیر بحث ہے (ت)

یوں بھی صحیح نہیں اور اب مال کافر کی بھی قید نہ رہی،

ففی الھندیۃ عن المحیط عن المنتقی ابراہیم عن محمد امرأۃ نائحۃ اوصاحب طبل او مزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ لانہ اذاکان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھااما اذا لم یکن الاخذ علی الشرط لم یکن الاخذ معصیۃ والدفع حصل من المالك برضاہ فیکون لہ ویکون حلالالہ[1]۔	پس ہندیہ میں محیط سے بحوالہ منتقی ابراہیم سے بروایت امام محمد منقول ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت، ڈھول بجانے والے اور سارنگی بجانے والے نے جومال کمایا اگر وہ کسی شرط پر تھا تو وہ مالکوں کو واپس کریں کیونکہ جب اس کا لینا شرط پر ہوا تو وہ معصیت کے مقابلہ میں ہوا اور معاصی میں چھٹکارے کی سبیل اس کو مالکوں کی طرف لوٹانا ہے اور اگر وہ شرط کی بنیاد پر نہ تھا اس کا لینا معصیت نہ ہوا اور یہ دینا خود مالک کی طرف سے اس کی رضا کے ساتھ متحقق ہوا لہذا وہ اس کے لئے حلال ہوگا۔ (ت)

ثالثاً: حقیقت امر یہ ہے کہ نواب وراجہ جو عورتیں رکھتے اور انہیں اپنا پابند کرتے ہیں اپنے زعم مردود میں انہیں مثل ازواج وکنیزاں رکھتے ہیں اور جو کچھ ادرار وماہوار انہیں دیتے ہیں نہ بعوض زنا ہوتا ہے نہ بشرط زنا بلکہ نفقہ ازواج کی طرح جزاء احتباس سمجھ کر دیتے ہیں ولہذا اگر ان میں بعض کی صورت بھی مہینوں نہ دیکھنے میں آئی ادرار میں فرق نہیں آتا یہ حبس ضرور ظلم و حرام ہے، اور اگر برضائے زنا ہو تو قطعًا یہ بھی عاصیہ کہ رضا بالحرام حرام ہے لیکن جب بالجبر ہے تو اس کی طرف سے معصیت نہیں،

قال تعالٰی "وَ مَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۳۳﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو ان پر جبر واکراہ کرے تو اللہ تعالٰی ان عورتوں کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۳

تو وہ ان کے لئے کسی طرح مقابل معصیت نہیں اور امام محمد کا ارشاد بلا دقت صادق کہ مال برضاء مالک ملا تو ان کے لئے حرام نہیں۔ علاوہ ماہوار بعض منظورات نظر کو اور اموال جو زائد دیتے ہیں مسلم کی طرف سے ہوتے تو ضرور حرام ہوتے کہ رشوت تھی،

والراشی والمرتشی کلاھما فی النار[1]۔	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ (ت)

لینے والی مالک نہ ہوتی اور ان کا دینے والے کو واپس دینا فرض ہوتا۔ ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

المتعاشقان یدفع کل واحد منھما لصاحبه اشیاء فھی رشوة لایثبت الملك فیھا وللدافع استردادھا[2]۔	باہمی معاشقہ کرنے والوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے کو دیا وہ رشوت ہے اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی اور دینے والے کو اختیار ہے کہ واپس لے لے۔ (ت)

یہاں کہ دینے والا حربی غیر مستامن ہے اور ان کی طرف سے غدر نہیں بلکہ برضائے مالک ہے تو بحکم استیلاء ان کی ملک ثابت اور ہدایہ کا ارشاد صادق کہ:

بای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر[3]۔	مسلمان جس طرح بھی لے ایک مال مباح لیتا ہے جبکہ اس میں غدر نہ ہو۔

خصوصًا وہ روپیہ کہ راجہ سے مسجد کے لئے مانگ کر لیا اور اس نے بخوشی دیا اسے زبردستی زیر حرمت مان لینا کیا معنی۔

رابعًا: بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اس کی خباثت سرایت نہ کر سکتی جب تک اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بائعوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہا خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے پھر وہی زر حرام ثمن میں ادا کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف و باطل تھا۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصدق بالفلة لو تصرف فی المغصوب	اور باقیماندہ منفعت کو صدقہ کرے، اگر اس نے مغصوب اور

[1] کنز العمال بحوالہ طب ص عن ابن عمر حدیث ۱۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳، الترغیب والترھیب ترھیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۸۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

[3] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

او الودیعة وربح اذا کان متعینا بالاشارۃ او بالشراء بدراہم الودیعة او الغصب ونقدھا، وان اشار الیھا و نقد غیرھا او الی غیرھا او اطلق ونقدھا لا، وبه یفتی[1]۔	ودیعت میں تصرف کیا اور اس سے نفع حاصل ہوا جبکہ وہ مغصوب یا ودیعت متعین ہو چاہے اشارہ سے متعین ہو یا غصب و ودیعت کے دراہم کے بدلے خریدنے اور انہی دراہم کو ادا کرنے سے متعین ہو اور اگر اشارہ دراہم غصب و ودیعت کی طرف کیا اور ادا دوسرے درھم کئے یا اشارہ دراھم غصب و ودیعت کے غیر کی طرف کیا اور ادا دراہم غصب و ودیعت کئے یا ذکر مطلق دراہم کا کیا بلا اشارہ کے اور ادا دراہم غصب و ودیعت کئے تو ان تینوں صورتوں میں منفعت صدقہ نہ کرے، اسی پر فتوٰی دیا گیا ہے۔(ت)

خامسًا: پورے تنزل کے بعد بالفرض سرایت خبث بھی سہی تو یہ خبث بوجہ فساد ملک ہوگا نہ بوجہ عدم ملک کہ بسبب استیلاء ملک زناں میں شبہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

دخل مسلم دار الحرب بامان حرم تعرضه لشیئ منھم فلو اخرج شیئا مبلکه ملکا حراما للغدر فیتصدق به[2]۔	اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا تو ان کی کسی چیز سے تعرض کرنا اس کو حرام ہے اگر وہ ان حربی کافروں کی کوئی چیز نکال لایا تو دغابازی کی وجہ سے اس کا مالک بہ ملک حرام ہوا لہٰذا اس کو صدقہ کردے۔(ت)

تو اس صورت میں بھی صحت مسجدیت وجواز نماز کے لئے روایات کثیرہ جلیلہ موجود ہیں۔ متفرقات وقف عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لو اشتری ارضا شراء فاسدا فقبضھا و اتخذھا مسجدا وصلی الناس فیه ذکر ھلال رحمه اللّٰه تعالٰی فی وقفه انه مسجد وعلی المشتری قیمتھا ولا ترد الی البائع قال ھلال ھذا قول اصحابنا	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی زمین خریدی اور اس پر قبضہ کرکے اس کو مسجد بنادیا اور لوگوں نے اس میں نماز پڑھ لی تو ھلال رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وقف میں فرمایا کہ وہ مسجد ہے اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے ہے اس کو بائع کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا، ہلال رحمہ اللہ نے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۵-۲۰۶

[2] درمختار کتاب الجهاد باب المستأمن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

فی المسجد والوقف علی قیاسه[1]۔	فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا یہ قول مسجد کے بارے میں ہے اور وقف کو اسی پر قیاس کیا جائیگا(ت)

فتاوٰی قاضیخاں نیز ہندیہ اوائل الوقف میں ہے:

لواشتری رجل دارا شراء فاسدا وقبضها ثم وقفها علی الفقراء والمساکین جاز وتصیر وقفا علی ماوقفت وعلیه قیمتها[2]۔	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ گھر خریدا اور اس نے قبضہ کرلیا پھر اس کو فقراء ومساکین پر وقف کردیا تو جائز ہے اور وہ ان پر وقف ہوجائیگا جن پر اس نے وقف کیا اور اس کی قیمت اسی مشتری پر لازم ہوگی۔(ت)

تنویر الابصار احکام البیع الفاسد میں ہے:

فان وقفه وقفا صحیحا نفذ[3]۔	اگر اس کو وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا تو نافذ ہوجائے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

لانه استهلکه حین وقفه واخرجه عن ملکه ومافی جامع الفصولین علی خلاف هذا غیر صحیح کما بسطه المصنف[4]۔	اس لئے کہ اس نے وقف کرکے اس کو ہلاک کرڈالا اور اس کو اپنی ملک سے خارج کردیا، اور وہ جو جامع الفصولین میں اس کے خلاف آیا ہے وہ صحیح نہیں جیسا کہ مصنف نے اس کو تفصیل سے بیان کیا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین لو وقفه او جعله مسجدا لایبطل حق الفسخ مالم یبن اھ ای فالمانع من الفسخ هو البناء حمله فی	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر مشتری نے اس کو وقف کیا یا مسجد بنایا تو جب تک عمارت نہ بنادے حق فسخ باطل نہیں ہوتااھ یعنی مانع فسخ، عمارت ہے،

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع عشر فے المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۸۵۔۴۸۴

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الاول فی تعریفه نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۴

[3] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

[4] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

النهر علی احدی روایتین وهو اولی من التغلیط وحمله فی البحر علی ما اذا لم یقض به. قلت لکن المسجد یلزم بدون القضاء اتفاقا[1]۔	صاحب نہر نے اس کو دو روایتوں میں سے ایک پر محمول کیا اور یہ اس کی تغلیط سے اولٰی ہے اور بحر میں اس کو اس پر محمول کیا کہ جب تک اس کے ساتھ قضاء واقع نہ ہو۔ میں کہتا ہوں لیکن مسجد تو بغیر قضاء قاضی کے لازم و ثابت ہوجاتی ہے بالاتفاق۔(ت)

اسی کے اوائل وقف میں ہے:

صح وقف ما شراہ فاسدا بعد القبض[2]۔	قبضہ کے بعد اس چیز کا وقف صحیح ہے جس کو شرا فاسد کے ساتھ خریدا ہو۔(ت)

نظر بحالت مذکورہ سوال انہیں پر فتوٰی واجب ہوتا اذ لا یفتی فی الوقف الا بما هو انفع له (وقف میں صرف اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو اس کے غیر پر فتوٰی نہیں دیا جاتا۔ت) نہ کہ ان مباحث عظیمہ کے ساتھ جو ہم نے ابتداءً ذکر کیں جن کے بعد شبہ کو اصلاً گنجائش نہیں، وللہ الحمد، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰: از لکھنؤ جھوائی ٹولہ بادشاہ محل کی ڈیوڑھی مسئولہ منشی انور علی ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص موذن مسجد ہے اور اس شخص مؤذن نے حجرہ مسجد جو وقف تھا اس میں اپنا دخل اور تصرف مالکانہ کرکے ایک مکان اوپر اس حجرہ کے بنایا اور حجرہ وقف کو اپنے مالکانہ تصرف اور ماتحت میں لاتا اور اس میں خانہ داری وسکونت کرتا ہے، آیا عندالشرع الشریف یہ جائز ہے یانہ اور اہل محلّہ اس کو خارج کرسکتے ہیں یانہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

حجرہ اگر سکونت مؤذن کے لئے واقف نے وقف کیا تھا اور اس نے اس کے اوپر کوئی عمارت اپنے روپے سے وقف کے لئے بنا کر اس میں سکونت کی تو اس پر الزام نہیں، نہ یہ کوئی تصرف مالکانہ ہے بلکہ مطابق شرط واقف ہے اور اگر حجرہ مسجد کے دیگر مصارف کے لئے وقف ہوا تھا جن میں سکونت مؤذن داخل نہیں، تو بیشک ناجائز ہے اور مہتممان مسجد اسے خارج کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

مسئلہ ۳۲۱: از گرواڑہ ریاست بڑودہ مسئولہ یوسف علی خاں بہادر ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عرصہ دس سال سے اپنی کتابیں جامع مسجد بڑودہ میں فی سبیل اللہ وقف کردی ہیں، عرصہ دس سال سے انجمن اصلاح اہلسنت وجماعت کے قبضے میں ہیں اب وہ شخص رافضی کی طرفداری میں ہو کر کتب خانہ موقوف کو واپس اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ انجمن اہل سنت وجماعت کا قبضہ چھڑا کر اپنا قبضہ کرے یا کتابوں کو دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف منتقل کردے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس نے کتابیں مسجد جامع پر وقف کیں تو جائز نہیں کہ وہ کسی مدرسہ یا دوسری مسجد کی طرف منتقل کی جائیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ظاہرہ انہ یکون مقصوراعلٰی ذٰلك المسجد وھذاھو الظاہر حیث کان الواقف عین ذٰلك المسجد[1]۔	ظاہر اس کا یہی ہے کہ وہ اسی مسجد کے لئے مختص ہے اور یہی ظاہر ہے جبکہ خود واقف نے اسی مسجد کے لئے معین کردیا تھا۔ (ت)

قنیہ میں ہے:

سبل مصحفاً فی مسجد بعینہ للقرائۃ لیس لہ بعد ذٰلك ان یدفعہ الٰی اٰخر من غیر اھل تلك المحلۃ للقرائۃ[2]۔	کسی شخص نے قرآن مجید ایک خاص مسجد میں تلاوت کے لئے صدقہ کیا تو اب اس کو اختیار نہیں کہ وہ اس مسجد کے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبہ عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محالھا للانتفاع بھا، والفقھاء بذٰلك مبتلون فان وقفھا علی مستحقی وقفہ لم یجز نقلھا و	اسی سے کتب اوقاف کے انتفاع کی غرض کا اپنے مکانات سے منتقل کرنے کا حکم معلوم ہوگیا اور فقہاء اس کے ساتھ مبتلی ہیں پس اگر تو واقف نے صرف اپنے وقف (یعنی اپنی مسجد و مدرسہ) کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

[2] القنیۃ المنیۃ للتتمیم الغنیۃ کتاب الوقف کلکتہ انڈیا ص ۲۱۳

ان علی طلبة العلم وجعل مقرھا فی خزانته التی فی مکان کذاففی جواز النقل تردد نھر [1]۔	مستحقوں کے لئے ان کتابوں کو وقف کیا ہے توان کو منتقل کرنا جائز نہیں اور اگر مطلقاً طالبان علم کیلئے وقف کیا اور ٹھکانا ان کتابوں کا اپنے اس خزانہ میں مقرر کیا جو فلاں مکان میں ہے تو منتقل کرنے کے جواز میں تردد ہے، نہر(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی تحصل من کلامه انه اذا وقف کتباً وعین موضعھا فان وقفھا علی اھل ذلك الموضع لم یجز نقلھا منه لالھم ولا بغیرھم، وظاہرہ انه لایحل لغیرھم الانتفاع بھا، وان وقفھا علی طلبة العلم فلکل طالب الانتفاع بھا فی محلھا وامانقلھا منه ففیه تردد ناشیئ مماقدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلاتعیین اھله قیل یقرأفیه ای یختص باھله المترددین الیه وقیل لایختص به ای فیجوز نقله الی غیرہ وقد علمت تقویة القول الاول بمامر عن القنیة [2]۔	اس کے کلام سے جو معنی حاصل ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے کتابوں کو وقف کیا اور ان کے لئے مکان معین کردیا پھر اگر صرف اسی جگہ والوں کے لئے وقف کیا تو اب منتقل نہیں کرسکتا نہ ان لوگوں کے لئے نہ دوسروں کے لئے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں کے غیر کے لئے ان کتب موقوفہ سے انتفاع حلال نہیں اور اگر ان کتب کو طالبان علم پر وقف کیا تو ان کتب کے محل معین میں ان سے ہر طالب علم کو انتفاع کا حق ہے لیکن ان کتابوں کو اس محل معین سے منتقل کرنے میں تردد ہے جو خلاصہ کے حوالہ سے ان دو قولوں سے پیدا ہوا جن کی سابق میں حکایت کی جاچکی ہے یہ کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کسی مسجد پر وقف کیا مگر اس مسجد والوں کی تعیین نہیں کی تو ایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ مختص نہیں لہذا اس کو منتقل کرنا جائز ہے تو تحقیق تو قول اول کی تقویت قنیہ کی تائید سے پہلے ہی جان چکا ہے۔(ت)

واقف کتب اگر کتابیں اسی مسجد میں رکھنا چاہتا اور قبضہ انجمن سے نکال کر اپنا قبضہ متولیانہ رکھتا تو اس کے جواز کی طرف راہ تھی، امام ابویوسف کے نزدیک جائز تھا، اشباہ میں فرمایا به یفتی (اس پر فتوٰی ہے۔ت)، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز تھا جب تک وقت وقف یہ شرط نہ کرلیتا کہ متولی کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

بدلنے کا مجھے اختیار ہے۔ صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا: **الفتوی علی قول محمد** (فتوی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ت) اور اسی پر علامہ قاسم نے تصحیح القدوری اور خود صاحب اشباہ نے اپنے رسائل میں جزم فرمایا کہ ناجائز ہے، لیکن اگر وہ قبضہ اس لئے چاہتا ہے کہ کتابیں دوسری جگہ منتقل کردے تو اس کی اجازت نہ دیں گے اور اگر رافضی کو متولی کرنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے تو بالاتفاق ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ رافضی کا متولی کرنا حرام محض ہے **کما حققناہ فی الفتوی الاولی** (جیسا کہ پہلے فتوے میں ہم اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔ت) اس صورت میں اگر واقف خود پہلے سے متولی ہوتا فوراً وہ خود نکال لیا جاتا کہ اس سے وقف کی بدخواہی ثابت ہوئی ہے **کما تقدم من الدر ینزع وجوبا ولو الواقف غیر مامون**[1] (جیساکہ در کے حوالے سے گزرچکا ہے کہ وقف متولی سے وجوباً لے لیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہو جب وہ امانت دار نہ ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۲: ازاودے پور میواڑ مہارانی ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر اگر اپنی خوشی سے زمین دے کہ اس زمین میں مسجد بنالو یا کوئی سامان دے کہ مسجد میں لگالو، یا روپیہ دے کہ اس کو بھی مسجد میں لگانا، تو اس کی یہ چیزیں مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کافر اگر زمین اپنی ملک رکھ کر مسلمانوں کو اس پر مسجد بنانے کی اجازت دے تو وہ مسجد مسجد ہی نہ ہوگی **فان الکافر لیس اھلا لوقف المسجد** (کیونکہ کافر وقف مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ت) ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین ہبہ کرکے قبضہ دے دے کہ مسلمان مالک ہوجائے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے اسے مسجد کرے تو صحیح ہے سامان اگر کافر نے ایسا دیا کہ بعینہٖ مسجد میں لگایا جائے گا جیسے کڑیاں یا اینٹیں تو جائز نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف کا اہل نہیں وہ مال اسی کی ملک رہے گا اور مسجد میں ملک غیر کا خلط صحیح نہیں، ہاں یہاں بھی اگر مسلمان کو تملیک کردے اور مسلمان اپنی طرف سے لگائے تو حرج

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

نہیں، مسجد میں لگانے کو روپیہ اگراس طور پر دیتا ہے کہ مسجد یا مسلمانوں پر احسان رکھتا ہے یا اس کے سبب مسجد میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو لینا جائز نہیں اور اگر نیاز مندانہ طور پر پیش کرتا ہے تو حرج نہیں جب کہ اس کے عوض کوئی چیز کافر کی طرف سے خرید کر مسجد میں نہ لگائی جائے بلکہ مسلمان بطور خود خریدیں یا راجوں مزدوروں کی اجرت میں دیں اور اس میں بھی اسلم وہی طریقہ ہے کہ کافر مسلمان کو ہبہ کردے مسلمان اپنی طرف سے لگائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳تا۳۲۴: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رمضان علی بنگالی ۲۰ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محلّہ میں دو مسجد ہیں اور دونوں مسجد کے متولی ایک ہی آدمی ہیں فی الحال محلّہ کے سب آدمی بالاتفاق دونوں مسجد کے اسباب سے ایک مسجد تیار کرنی چاہتے ہیں، شرعًا دونوں مسجد کو ایک مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کسی مسجد میں کڑی، چونا، اینٹ وغیرہ زائد ہے کسی کام میں صرف نہیں ہوتا اگر بہ رائے سب مصلی کے اس اسباب کو دوسری مسجد میں بھیجنے یا کوئی شخص اپنے کام کے لئے خرید کرلے جائے یا محلّہ کے آدمی تقسیم کرکے لے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر یہ چاہتے ہیں کہ دونوں مسجدوں کو معدوم کرکے تیسری جگہ مسجد بنائیں تو یہ حرام حرام سخت حرام اشد ظلم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کے لئے دنیامیں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اور اگر دونوں مسجدیں متصل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی دیوار ہٹا کر دونوں کو ایک کرلیں تو یہ جائز ہے۔ اشباہ و درمختار میں ہے:

لاھل المحلة جعل المسجدین واحدا [2]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک کرلیں۔ (ت)

(۲) اہل محلّہ یا کوئی اسے اپنے تصرف میں کرلے یہ حرام، اسے دوسری مسجد میں دے دیں یہ حرام۔ اسے بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے محفوظ رکھیں یہ جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مسئلہ ۳۲۵: از ریاست گوالیار محلّہ حویلی پچھواڑہ مسئولہ نور محمد خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، کیا کسی مجبوری کی حالت میں بموجب شریعت یہ جائز ہے کہ عمارت مسجد پختہ یا خام دوسری جگہ منتقل کردی جائے اور زمین مسجد پر مکان یا راستہ وغیرہ بنالیا جائے اور اس کے عوض میں دوہری جگہ مناسب زمین لے کر اس پر مسجد بنوادی جائے اور اس کا ملبہ وغیرہ سب اسی میں لگادیا جائے اور خوبصورت بنوادی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور اس کی زمین پر راستہ یا مکان بنانا سب اشد حرام قطعی ہے اگرچہ اس کے عوض دوسری جگہ سونے کی مسجد بنوادی جائے، مجبوری کی تفصیل لکھی جائے کہ اس پر جواب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۶: از بیلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ ۱/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت دینے کا کیا حکم ہے اور کیا شرعًا وہ مسجد کے کنویں سے پانی بھر سکتے ہیں؟ یہاں خلافت کمیٹی والوں نے ہندو مسلم اتحاد کی بناء پر کچہری کلکٹری کی مسجد کے کنویں سے ہندوؤں کو پانی بھرنے کی اجازت دی ہے، کنواں مسجد میں ہے تین طرف عین مسجد یعنی فرش مسجد ہے اور ایک جانب فصیل اور وضو کے پانی کی نالی ہے۔ خلافت کمیٹی والے کہتے ہیں کہ فناء مسجد یعنی نالی اور فصیل کی جانب سے داخل ہو کر ہندو پانی بھر سکتے ہیں اگرچہ آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اہل ہنود برابر عین مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پانی بھرتے ہیں، کیا مسلمانان شہر پر فرض ہے کہ حتی الامکان مسجد کو اہل ہنود کی دسترس سے بچائیں۔

الجواب:

بلاشبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو مشرکین کی بے حرمتی سے محفوظ کریں اور خلافت کمیٹی کی ہندو پرستی پر لحاظ نہ کریں۔ ان لوگوں نے مسجد میں جاکر پانی بھرنا درکنار بارہا مساجد میں ہندوؤں کو لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنایا ہے، فصیل مسجد بھی حکم مسجد میں ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الفناء تبع المسجد فیکون حکمہ حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[1] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	فناء مسجد مسجد کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم وہی ہے جو مسجد کا ہوتا ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۳۲۷ تا ۳۲۸: از محمد پور وڈہرہ والا تحصیل احمد پور ڈاکخانہ خاص مسئولہ مولوی غلام فرید ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسجد کہنہ مسقف جس کے یمین شمال مشرق میں میدان پڑا ہے جس کے جوانب محدود بدیوار ہائے پختہ ہیں گنبد ہائے مسجد گر گئے ہیں اور دیوار جنوبی بھی گر گئی ہے جس کی خشتہائے پختہ بہت عرصہ سے خراب ہورہی ہیں، کیا بموجب شرع شریف یہ خشتہا کسی دوسری مسجد پر یا ان کو بیچ کر اسی مسجد کہنہ کی تعمیر پر رقم صرف کرنا جائز ہے ورنہ مسجد میں بھی یوں ہی منہدم رہے گی اور خشتہا بھی ضائع ہوجائینگی۔

(۲) سامان مسجد شریف مثل خشتہائے پختہ وکڑی ہائے کہنہ وغیرہ آوارہ پڑی ہیں اور مسجد شریف بھی اس سامان سے مستغنی ہے تو کیا وہ سامان مسجد کا دوسری مسجد پر لگایا جائے یا نہیں؟ اگر لگایا جائے تو کسی کی اجازت سے قیمت لی جائے یا خیراتی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ان اینٹوں کا دوسری مسجد میں دینا حرام ہے اسی مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائیں، اور اگر اس مسجد کی تعمیر میں ان کی حاجت نہ ہو مثلاً دیوار شکستہ بن چکی یا اور مضبوط اینٹوں یا پتھروں سے بنانے کا ارادہ ہے تو انہیں متولی یا متدین جماعت محلّہ بکمال امانت ودیانت بیچ کر اسی مسجد کی تعمیر ہی میں صرف کریں مسجد کے دوسرے کام میں اس قیمت کا خرچ کرنا حرام ہوگا **والتفصیل الکامل فی فتاوٰنا** (تفصیل کامل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

(۲) ان انقاض کا دوسری مسجد میں دے دینا حرام ہے کسی کی اجازت سے نہیں دے سکتے ہاں جب کہ یہ مسجد ان سے مستغنی ہے تو بیع کئے جائیں اور دوسری مسجد کے ہاتھ بیع کرنا اولٰی ہے کہ بدستور معظم رہیں گے وہ قیمت اسی مسجد کی تعمیر میں صرف ہو اور اس وقت تعمیر کی حاجت نہ ہو تو متولی امین متدین کے پاس اسی مسجد کی حاجت تعمیر کے لئے امانت رہے اور کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بیع متولی کرے اگر وہ نہ ہو تو امین متدین جماعت محلّہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۹: از سر رشتہ اسلام کمیٹی آگرہ جامع مسجد مسئولہ عبدالرشید سر رشتہ دار کمیٹی ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ نمازیان مسجد کی رائے ہے کہ صحن مسجد کی توسیع کے لئے دکانات متعلقہ مسجد کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اوپر کی چھت پر مسجد کا صحن ہوجائے اور نیچے اس کے ایک کمرہ ہوجائے مسجد بہت اونچی ہے جب دکانوں پر کمرہ بنے گا تو کمرہ کی چھت صحن مسجد سے برابر ملے گی، اس طرح توسیع صحن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد جب بھر جائے تو اس کمرے کی چھت پر پڑھنے والوں کو بھی مسجد ہی کا ثواب ملے گا اگرچہ وہ کمرہ صرف وقف علی المسجد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ازدو کوہہ ڈاک خانہ چھاؤنی جالندھری مسئولہ سید حاجی منور شاہ ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد تقریبًا پچاس برس سے موجود ہے جس کو اس گاؤں کے اہل سنت نے مل کر تعمیر کیا تھا جب سے اب تک ہر نماز اس میں ادا کرتے ہیں چند سال سے اس گاؤں میں چند لوگ رافضی ہوجانے کے سبب اہلسنت سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں کچھ عرصہ سے ان لوگوں نے اس بناپر کہ اس مسجد کی تعمیر میں ہمارے آباواجداد بھی شامل تھے اس لئے ہمیں بھی اذان ونماز کا حق حاصل ہے، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پر قبضہ کرلینا چاہتے ہیں اور سنیوں کو بے تعلق کرنا منظور رہے، جھگڑے فساد کا یقین کامل ہے، استفتاء یہ ہے کہ مسجد مذکور میں اہلسنت وروافض اذان ونماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں اور روافض کے سنی آباواجداد کے تعمیر مسجد میں شریک ہونے سے انہیں مسجد پر دخل وتصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

روافض زمانہ علی العموم کفار مرتدین ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ بما لامزید علیہ** (جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اپنے رسالہ "ردالرفضہ" میں اس انداز سے کرچکے ہیں جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ ت) فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین اویلعنهما والعیاذ باللہ فهو کافر[1]۔	رافضی جب شیخین کریمین (صدیق وعمر) رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالیاں بکے یاان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے (ت)
قال اللہ تعالٰی "اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (ت)

نہ ان کی اذان اذان، نہ ان کی نماز نماز۔

قال اللہ تعالٰی "وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۴

عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[1]	ہم نے قصد فرماکر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔ (ت)

اور ان کے باپ دادا جبکہ اہلسنت تھے اور انہوں نے مذہب رفض اختیار کیا تو نہ وہ ان کے باپ رہے نہ یہ ان کی اولاد، نہ ان کے ذریعہ سے انہیں کوئی دعوی پہنچتا ہے،

قال اللہ تعالٰی " اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ"[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

عبدالکریم خاں نے جو وارث چھوڑے وہ حسب تفصیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران ومسماۃ مندھو زوجہ اپنے کو چھوڑا۔ایک منزل مکان عبدالکریم خان نے اپنے زوجہ کو بعوض دین مہر کے دیا اور اس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو کے نام تحریر کردیا۔مسماۃ مندھو نے اس مکان کو بدست فدا حسین خاں ولد کالے خاں کے بیع کردیا جس کا لادعوی مسماۃ مشہدی سے لکھوایا گیا۔مسماۃ مندھو نے جو وارث چھوڑے حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران عبدالنبی خان فوت ہوئے انکے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالنبی خان وعلی محمد خاں وولی محمد خاں پسران۔ عبدالنبی خاں ومسماۃ کناو مسماۃ اولیا بیگم زوجہ عبدالنبی خاں اور دختران عمراؤ واقبال کو چھوڑا۔ عبدالحکیم خان فوت ہوئے اس کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: حاجی عبدالرحمٰن وعبدالرحیم خان ننھے خان پسران عبدالحکیم خان ولایتی بیگم وچھوٹی بیگم دختران عبدالحکیم خان وزوجہ معلوم کو چھوڑا۔کالے خان فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: فدا حسین خاں پسر کالے خان کو اپنا وارث چھوڑا۔فدا حسین خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: زوجہ اولٰی کا انتقال فدا حسین خان کے سامنے ہوگیا تھا، یہ نہیں معلوم کہ دین مہر ادا ہوا یا معاف ہوا اور زوجہ اولٰی کے فوت ہونے کے بعد زوجہ ثانی کے ساتھ عقد ہوا جس کا نام مشہدی بیگم ہے۔مسماۃ مشہدی بیگم نے مہر معاف نہیں کیا ہے۔زوجہ مشہدی بیگم لاولد اور زوجہ اولٰی بھی لاولد اور ایک چچا حقیقی عبدالشکور خان وعبدالمجید خاں وعبدالوحید خاں وعبدالعزیز خان پسران عبدالشکور خان اور چچازاد بھائی

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

عبدالغنی خان و علی محمد خان وولی محمد خان پسران عبدالنبی خان مرحوم یہ وارث چھوڑے۔ یہ جائداد جس قدر وقف ہوئی علاوہ مکان مسماۃ مندھو کے یہ کالے خان کی پیدا کی ہوئی تھی اور مکان جس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو نے بنام فدا حسین خان کیا عبدالکریم خان کا پیدا کردہ ہے جس سے مسماۃ مشہدی بیگم سے لادعوی لکھوادیا ہے اقرار نامہ پیش کرتا ہوں۔

منکہ مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خان مرحوم و عبدالشکور خاں ولد عبدالکریم مرحوم و حاجی عبدالرحمان خاں وننھے خان و عبدالرحیم خاں پسران عبدالحکیم خان ساکن بریلی محلّہ بہار پور کے ہیں جو کہ جائداد مفصلہ ذیل مالیتی دو ہزار روپے حاجی کالے خاں مرحوم مورث اعلیٰ ہمارے واقع محلّہ بہاری پور بریلی کے ہیں اس کا تصفیہ باہمی رضامندی ہم سب ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکورالصدر تاحیات مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خاں کے قبضہ اور تصرف میں رہے گی اور اس کی آمدنی سے وہ تصرفات اپنے کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہواری تاحیات اپنی عبدالشکور خان وایک روپیہ ماہواری تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن دیا کریں اگر مسماۃ مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گزربسر نہ کرے تو اس کو حق قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول از ماہوار مقررہ عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمان خان باقی نہیں رہے گا اور بحال عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصرف مسجد بی بی جی صاحبہ واقع بریلی محلّہ بہاری پور وقف متصور ہوگی۔ مسماۃ خواہ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات و مکانات کا حاصل نہ ہوگا۔ جو شخص متولی مسجد ہے یا آئندہ کو ہوگا وہی متولی جائداد مذکور کا ہوگا، ہم مقران یا کسی متولی کو منصب انتقال جائداد بذریعہ بیع ورہن وغیرہ کے نہ ہوگا مرمت شکست ریخت دکانات و مکانات کے مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی اگر خدانخواستہ کوئی دکان و مکان بالکل منہدم ہوجائے تو اس کی تعمیر مسجد بی بی صاحبہ اپنے سرمایہ سے بذریعہ متولی مسجد کے کرے گی، مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں و عبدالرحیم خاں وننھے خاں وغیرہ میں مسماۃ مذکور کو کچھ تعلق اور دعوی نہ ہوگا لہٰذا ان سب مراتب پر اقرار لاکر یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فدا حسین خاں ولد کالے خاں نے زوجہ مشہدی بیگم اور چچا عبدالشکور چھوڑ کر انتقال کیا عبدالحکیم خاں کے دوسرے چچا تھے جو فدا حسین خان سے پہلے گزرگئے جائداد کہ فدا حسین خان کی پیدا کردہ ہے اور مکان کہ فدا حسین خان نے اپنی دادی مندھو سے خریدا جو اسے اس کے شوہر نے دین مہر میں دیا تھا ان متروکات فدا حسین خاں کے نسبت ایک اقرار نامہ مشہدی بیگم و عبدالشکور خان اور پسران عبدالحکیم خان حاجی عبدالرحمٰن خاں و عبدالرحیم خاں وننھے خاں

نے اس مضمون کا لکھا کہ جو کہ جائداد مفصلہ ذیل حاجی کالے خاں مرحوم ہمارے مورث عالی کی ہے اس کا تصفیہ برضامندی ہم سے ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تاحیات مشہدی بیگم کے قبضہ وتصرف میں رہے گی اس کی آمدنی سے وہ اپنے تصرفات کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہوار تاحیات اپنی عبدالشکور خان اور ایک روپیہ ماہوار تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن خان دیا کریں اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گزر نہ کرے توان کو قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول ماہوار مقررہ نہ رہے گا اور بحالت عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصارف مسجد بی بی جی صاحبہ کے وقف متصور ہوگی مسماۃ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات کا حاصل نہ ہوگا مرمت شکست ریخت مکانات دکانات کی مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی، اگر کوئی دکان مکان بالکل منہدم ہوجائے اس کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں وعبدالرحیم خاں وغیرہ میں مسماۃ کو کچھ دعوی نہ ہوگا فقط۔ اس صورت میں یہ دکان ومکان وقف ہوگئے یا نہیں؟ مشہدی بیگم کس چیز کی مستحق ہے اگر وہ نکاح ثانی کرے تو اس کا کیا اثر ہے؟ مکان خرید کردہ فدا حسین خاں جس سے لادعوی لکھایا گیا ہے وہ ہوا یا نہیں؟ مشہدی بیگم ماہوار مذکور عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمٰن خاں سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت اقرار نامہ عجب مختل ہے صورت واقعہ اگر وہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو وہ جائداد حاجی کالے خان کی ہے، نہ عبدالشکور وپسران عبدالحکیم خاں حاجی کالے خان کے وارث ہیں اس کا وارث تنہا فدا حسین خان تھا اور جائداد اس کی بھی نہیں فدا حسین خان کی ذاتی یا خرید کردہ ہے بہر حال اس کا مالک صرف فدا حسین خاں تھا جسکے وارث فقط مشہدی بیگم زوجہ اور عبدالشکور خان چچا ہیں، مگر اس کا اس اقرار میں شریک ہونا قضاءً ان پر حجت ہوگا اور جائداد متروکہ کالے خاں قرار پائے گی لیکن اس سے بھی پسران عبدالحکیم خاں کو اس سے تعلق ثابت نہ ہوگا کہ کالے خان کا بیٹا فدا حسین خاں موجود تھا اس کے ہوتے بھتیجوں کا وارث ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر جائداد کی نسبت ابتداء میں بطور اشارۃ النص لفظ موقوفہ واقع ہوا مذہب مفتٰی بہ میں اگرچہ صرف اسی قدر سے وقف ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اکتفی ابویوسف بلفظ موقوفۃ فقط قال الشھید ونحن نفتی	امام ابویوسف نے وقف کے لئے صرف لفظ موقوفہ پر اکتفاء فرمایا، شہید نے کہا کہ ہم عرف کی بناء پر

به للعرف[1]۔	اس کے ساتھ فتوٰی دیتے ہیں۔(ت)

مگر آگے عبارۃ النص یہ ہے کہ اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کریں یا عفت سے گزر نہ کریں تو یہ جائداد وقف متصور ہوگی، یہ صراحۃ وقف کی تعلیق ہے اور دستاویز واحد کا اول وآخر کلام واحد ہے کما نص علیہ فی الخیریۃ (جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی گئی ہے۔ت) تو وہ لفظ موقوفہ کا اطلاق اس شرط سے مقید ہوا اور وقف کا کسی شرط پر تعلق کرنا اسے باطل کردیتا ہے۔

درمختار میں ہے:

شرطه ان یکون منجزا لا معلقا الا بکائن[2]۔ (ملتقطا)	وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ منجز ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا جاء غدا او اذا جاء راس الشهر او اذا کلمت فلانا او اذا تزوجت فلانة فارضی هذه صدقة موقوفة اوان شئت او اجبت یکون الوقف باطلا لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر[3] اھ من الوقف ومن اواخر البیوع۔	واقف نے کہا جب کل کا دن آئے یا جب میں فلاں سے کلام کروں یا فلاں عورت سے شادی کروں تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہوگی یا یوں کہا کہ اگر میں چاہوں یا پسند کروں، تو وقف باطل ہوجائیگا کیونکہ وقف قریب الھلاکت چیز سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اھ وقف اور اواخر کتاب البیوع۔(ت)

لیکن آگے یہ عبارت ہے کہ مرمت مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی منہدم کی تعمیر مسجد کرے گی یہ اس صورت سے متعلق نہیں کہ مشہدی بیگم نکاح کرے یا مرجائے، موت کے بعد مرمت ناممکن اور بعد نکاح اسے جائداد سے بالکل بے تعلق ٹھہرایا گیا ہے اس کے ذمہ مرمت رکھنے کے کیا معنی، تو یہ ضرور اس کی حیات قبل نکاح کا ذکر ہے اور اس وقت کے لئے کہا کہ منہدم کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی اگر مسجد پر وقف نہیں تو تعمیر منہدم ذمہ مسجد ہونے کے کیا معنی، تو بعد تنقیح تام اس مختل عبارت کا محصل یہ نکلا کہ مقرین نے یہ تمام جائداد فی الحال وقف کی اور مصارف میں یہ شرط لگائی کہ تاحیات مشہدی بیگم کے تصرف میں رہیں بشرطیکہ وہ بہ عفت بسر

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

کرے اور دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک آمدنی اس کے لئے ہے اور شکست ریخت کی مرمت اس کے ذمہ ہے منہدم کی تعمیر مسجد خود کرے، تو اگرچہ جائداد فی الحال وقف ہے مگر آمدنی سے حق مشہدی بیگم بشرط مذکور متعلق ہے اگر یہ شرط مفقود ہو یعنی مشہدی بیگم نکاح کرلے یا عفت سے بسر نہ کرے تو اس وقت یہ جائداد ذات و منافع دونوں کے لحاظ سے خالص مسجد پر وقف متصور ہوگی یعنی آمدنی سے بھی مشہدی بیگم کو کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ اس اقرار نامہ کا محصل منقح ہے،

وتصحیح الکلام اولی من اهماله مهما امکن[1] کما نصوا علیه فی الاشباہ وغیرہا۔	کلام کو حتی الامکان صحیح بنانا اس کو مہمل بنانے سے اولٰی ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے (ت)

لہٰذا جائداد مذکور تمام وکمال مسجد بی جی صاحبہ پر وقف صحیح تمام نافذ ہوگئی مشہدی بیگم تاحیات و پابندی شرط مذکور صرف آمدنی کی مستحق ہے اور شرط مذکور کی پابندی نہ کرے تو آمدنی بھی خالص صرف مسجد کی ہوگی مشہدی بیگم کو اس سے تعلق نہ رہے گا، ماہوار کہ عبدالشکور خان و حاجی عبدالرحمٰن خان نے مقرر کیا وہ ایک وعدہ ہے جس کا نباہنا ان کو مناسب ہے مگر مشہدی بیگم اس پر مجبور نہیں کرسکتی اگرچہ وہ شرط مذکور کی پابند بھی رہے مکان سے لادعوی صحیح نہیں لان الابراء عن الاعیان باطلة (کیونکہ اعیان سے برائت باطل ہے۔ت) اگر وہ داخل وقف نہ تھا تو حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ اس کا چہارم مشہدی بیگم کا اور تین حصے عبدالشکور خاں کے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۲: ہدایت یار خاں از شاہ پور جہلم رسالہ چھاؤنی نمبر ۵ ڈاکخانہ چک نمبر ۳۸ رسالہ براہ ملک پنجاب ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یافتاح، بخدمت فضیلت پناہ، عالی دستگاہ، جناب فیض مآب پیر صاحب، دام اللہ تعالٰی فیضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیکم، واضح رائے عالی ہو کہ ایک مسجد شریف ایک آبادی میں تھی، اب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ مسجد جنگل میں رہ گئی اس مسجد قدیم کا اسباب اٹھا کر دوسری مسجد جو بنائی جائے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** خدا تعالٰی سایہ رحمت تادیر برسر ماغریباں قائم رکھے، **آمین ثم آمین!**

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعۃ ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۱۶۸

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس مسجد کے آباد رکھنے، حفاظت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہو اور یوں جنگل میں چھوڑ دی جائے گی تو چور اور متغلب لوگ اس کا مال لے جائیں گے تو جائز ہے کہ اس کا اسباب وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنائیں اور یہ کام ہوشیار اور دیانتدار مسلمانوں کی نگرانی میں ہو **وھو اعلم فقط۔**

مسئلہ ۳۳۳: ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب میت کے واسطے دفن کرنے کے لے جاؤ، اور دفن کرو تو اجازت متولی قبرستان کی واسطے دفن کرنے میت کے لینا ضرور ہے اور عمرو کہتا ہے کہ قبرستان اور مسجد وقف ہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے ہیں اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں، اگر قبرستان میں اجازت کی ضرورت ہوگی تو مسجد میں بھی بلااجازت نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، متولی صرف مسجد کے جھاڑو وغیرہ دینے کو ہوتا ہے ایسے ہی تکیہ میں واسطے صفائی کے ہوتا ہے جس کو تکیہ دار کے نام سے پکارتے ہیں تکیہ اور مسجد عام مسلمانوں پر وقف ہے جس کا دل چاہے جس مسجد میں نماز پڑھے اور جس قبرستان میں چاہے اپنا مردہ دفن کرے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید غلط کہتا ہے، اس کا قول شرع شریف پر محض افتراء ہے، مقبرہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے، ہر مسلمان کو اس میں دفن کا حق پہنچتا ہے، مقبرہ کا متولی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی اجازت کی حاجت نہ ممانعت کی پرواہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ھذہ الاشیاء بین الغنی و الفقیر حتی جازللکل النزول فی الخان والرباط و الشرب من السقایۃ والدفن فی المقبرۃ کذافی التبیین[1]۔	ان اشیاء سے انتفاع حاصل کرنے غنی وفقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ ہر شخص کو سرائے اور خانقاہ میں نزول کا حق ہے اسی طرح ہر شخص وقف سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں مردہ دفن کرسکتا ہے۔ یونہی تبیین میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

لوبنی مسجدًا لاھل محلۃ وقال جعلت	اگر کسی نے ایک محلّہ والوں کے لئے مسجد بنائی اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

هذاالمسجد لاهل هذاالمحلة خاصة،كان لغيراهل تلك المحلة ان يصلى فيه هكذا فى الذخيرة[1]۔	کہہ دیا کہ میں نے یہ مسجد خاص اس محلّہ والوں کے لئے بنائی ہے تو اس محلّہ والوں کے غیر کو بھی اس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے،اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔(ت)

بلکہ مقبرہ کا عموم مسجد کے عموم سے بھی بہت زیادہ ہے بہت لوگ ہیں جنہیں مسجد سے روکنے کا حکم ہے مثلاً جذامی اور ابرص جس کا برص شائع ہو یا جس کے منہ یا بدن یا لباس میں بدبو ہو یا جس کے آنے سے فتنہ اٹھے جیسے غیر مقلد وہابی یا رافضی وغیرہم،درمختار میں ہے:

اُکل نحوثوم يمنع منه(اى من المسجد)وكذااكل موذ ولو بلسانه[2]۔	تھوم کھانے والے کو مسجد سے روکا جائے گااسی طرح ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذاپہنچاتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الامام العينى فى شرحه على صحيح البخارى يلحق بمانص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولا او غيره،وكذلك الحق بعضهم من بفيه بخراوبه جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والابرص اولى بالالحاق،وقال سحنون لاارى الجمعة عليهماواحتج بالحديث و الحق بالحديث كل من اذى الناس بلسانه وبه افتى ابن عمر (رضى الله تعالٰى عنهما)وهو	امام عینی نے اپنی شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ حدیث کے ساتھ ہر اس شیئ کو ملحق کیا جائے گا جس میں ناگوار بدبو ہو چاہے کھانے کی چیز یا کوئی اور،اسی طرح بعض نے ملحق کیا اس شخص کو بھی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یااس کوایسازخم ہو جس سے ناپسندیدہ بو آتی ہو،اسی طرح قصاب، مچھلی کا گوشت بیچنے والا اور جذام وبرص کا مریض۔تو الحاق کے لئے اولٰی ہے۔اور سحنون نے کہاکہ میں ان دونوں(مجذوم و ابرص)پر جمعہ فرض نہیں سمجھتااور دلیل حدیث کو قرار دیااور حدیث کے ساتھ زبان سے لوگوں کوایذادینے والے ہر شخص کو ملحق کیا گیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس پر ہی فتوٰی دیااور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸۔۴۵۷

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اصل فی نفی کل من یتأذی بہ[1] اھ بالاختصار۔	یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے اذیت پہنچتی ہو اھ (اختصارا)۔(ت)

مگر مقبرہ اہلسنت میں کسی سنی مسلمان کو ممانعت نہیں ہوسکتی،

لعدم الوجہ وحصول الاذن من جھۃ الشرع۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور شرع کی طرف سے اذن حاصل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از بانٹوہ ملک کاٹھیاوار مرسلہ مولوی محمد عبدالمطلب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ (کیافرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین کے مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ۔ت) ایک مرد نے مقبرہ بنایا یعنی گنبد پختہ سطح دار اور اس میں صندوقیں تیار کرائیں اور ایک مسجد نیز اس مقبرہ کے جوار میں بناء کی اور اب وہ چاہتا ہے کہ اس مقبرہ مذکور کو مسجد کے سطح کے ساتھ ملاکر برائے بانگ ونماز وقف کردیا جائے اور اب ایسے مقبرہ کی سطح پر نماز پڑھنا درست ہے کہ جس میں حالًا دو تین میت مدفون کی گئی ہیں اور آئندہ نیز ہوں گی اور اس کی سطح کو مسجد سے ملانا اور وقف کرنا برائے بانگ نماز شرعًا درست ہے یانہ؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب:

اگر زمین مقبرہ اس کی ملک ہے اور اب تک اس نے وقف نہ کی اگرچہ بعض اموات اس میں دفن ہوگئیں تو اگر صرف اس کی چھت کو وقف کرے گا اور زمین بدستور اپنی ملک رکھے گا تو وہ چھت وقف نہ ہوگی لکونہ وقف منقول قصدا من دون تعارف (کیونکہ یہ وقف منقول ہے قصدًا بغیر تعارف کے۔ت) اور اگر زمین کو بھی مسجد کے لئے وقف کردے گا تو چھت کا وقف بھی صحیح ہوجائے گا اور اگر زمین کو مقبرہ کیلئے وقف کرچکا ہے تو عمارت مقبرہ قبل از وقف بنائی ہے یا بعد، اگر قبل از وقف بنائی ہے تو کچھ حرج نہیں، چھت کو اذان ونماز کے لئے وقف کردے ہوجائے گی

لحصول التابید بوقفیۃ الاخری وان کانت موقوفۃ علی جھۃ اخری علی ماھو الاصح ووقف البناء علی المقابر لایصح کمافی الخانیۃ والھندیۃ	کیونکہ دوسری مرتبہ وقف کرنے سے تابید ودوام حاصل ہوجائے گا اگرچہ وہ دوسری جہت پر موقوف تھی زیادہ صحیح قول کے مطابق اور عمارت کو قبرستان پر وقف کرنا صحیح نہیں جیساکہ خانیہ وہندیہ

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

وغیرہما فھو علی مبلکہ ولہ وقفہ علی مایشاء۔	وغیرہ میں ہے چنانچہ وہ اس کی ملک میں ہے اور اس کو اختیار ہے جس پر چاہے وقف کرے (ت)

اور اگر بعد وقف بنائی ہے تو یہ عمارت خود ہی ناجائز ہے کہ مقابر موقوفہ میں عمارت بنانے کی اجازت نہیں تو اس پر اذان وغیرہ کے لئے بھی چھت بنانا بھی نہیں ہو سکتا لانہ یستحق الازالۃ لاالادامۃ (کیونکہ وہ مستحق ہے اس بات کی کہ اس کو زائل کیا جائے نہ کہ اس کو دوام بخشا جائے۔ت) اسی طرح وہ زمین مقبرہ اس کی ملک نہ تھی بلکہ وہ قبرستان وقف تھا جس میں اس نے عمارت بنالی جب بھی حکم عدم جواز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵: مسئولہ سید مظفر علی صاحب مدرس مدرسہ کریمہ خانقاہ سلون ضلع رائے بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وواقفان شرع متین اس مسئلہ میں، قبرستان کہ جس میں بہت سی قبریں مومنین ومومنات کی ہیں ستون سے مسقف کرکے کہ سب قبریں چھت کے نیچے رہیں اس چھت پر چلے پھرے اور بیٹھے اٹھے اور دوسرے حوائج انسانی ادا کرے تو عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر وہ قبرستان وقف ہے جیسے کہ عام مقابر ہوتے ہیں تو زمین وقف میں اس کے خلاف تصرف کی اجازت نہیں ہو سکتی فی الھندیۃ لایجوز تغییرہ الوقف عن ھیأتہ[1] (ہندیہ میں ہے کہ وقف کو اس کی ہیأت سے متغیر کرنا جائز نہیں۔ت) اور اگر ملک غیر ہے تو اس میں بے اجازت مالک تصرف ناجائز ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرق ظالم کا کوئی حق نہیں (ت)

اور اگر اس کی اپنی ملک ہے تو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذاء ہے کما نطقت بہ احادیث اوردناھافی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ متعدد حدیثیں اس پر ناطق ہیں جن کو ہم نے "الامر باحترام المقابر" میں ذکر کیا ہے۔ت) اور مسلمان کی ایذا حیًا ہو یا میتًا ہر طرح حرام ہے،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب من احیاء ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء التراث العربی بیروت آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر ولایؤذیك[1] وفی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ اذی المسلم فی مماتہ کما اکرہ اذاہ فی حیاتہ[2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر سے اتر جا، نہ تو صاحب قبر کو ایذاء پہنچا نہ وہ تجھے ایذاء پہنچائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں بعد از موت مسلمان کی ایذا کو اتنا ہی مکروہ جانتا ہوں جتنا حالت حیات میں اسے ایذاء دینا مکروہ خیال کرتا ہوں۔(ت)

مگر اس صورت میں کہ قبور بے اجازت کے عصبًا بنی ہوں تو اسے اختیار ہے کہ زمین خالی کرے یا صبر کرے یہاں تک کہ میت بالکل خاک ہوجائے اور اس کے لئے بہت زمانہ دراز درکار ہے اس وقت ان قبور پر عمارت بناسکتا ہے،

کما فی الدر جاز زرعہ والبناء علیہ[3] وقد حققناہ فی اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین۔	جیسا کہ در میں ہے کہ اس میں زراعت کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور بے شک ہم نے توہین قبور مسلمین کی تحقیق رسالہ "اھلاك الوھابیین علٰی قبور المسلمین" میں کردی ہے۔(ت)

اور اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کرکے مسقف کرتا ہے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا وغیرہا افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں **کما نصوا بجواز الصعود علٰی سطح بیت فیہ مصحف کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص کی ہے کہ اس مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے جس میں قرآن مجید ہو، جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵ تا ۳۳۷: از جاودضلع نیمچ مرسلہ عبدالمجید خلف الرشید حافظ عبدالکریم صاحب مرحوم پیش امام مسجد چھیپان ۵رجب ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں:

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترھیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴، مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطبرانی باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹، مجمع الزوائد باب البناء علی القبور دار الکتاب بیروت ۳/ ۶۱

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ سعید بن منصور، باب فی دفن المیت الفصل الاول، مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹و۷۰

[3] الدر المختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

(۱) مسلمان قصبہ جاود سکونت پذیر ہوئے اس وقت فرمانروائی قصبہ مذکور میں رانا صاحب والی ریاست اودے پور تھی مسلمانوں کے قبرستان کے واسطے دو سو بیگھ اراضی نسلاً بعد نسل از روئے سند کے مرحمت کی بعد حصول سند پختہ کے جملہ اقوام اہل اسلام نے بطور ملکیت کے اپنا قبضہ پا کر قبرستان تجویز کیا ہے اور مردے اپنے اس میں دفن کرتے رہے اور اسی سند کی رو سے اس وقت موتی دفن ہوتے ہیں اور بامید ثواب اس قبرستان میں درخت ثمری وغیر ثمری لگائے جاتے ہیں اور بارش میں گھاس اگتا ہے بعد خشک ہونے گھاس کے اور بیکار ہونے لکڑی قبرستان کے محافظ قبرستان یعنی فقیر کو صدقۃً دے دی گئی اور جملہ اہل اسلام کی اجازت سے یہ صدقہ قدیم سے لے رہا ہے، بعد حکومت رانا صاحب کے گورنمنٹ دور قائم ہوا، بعد ازاں سیندھیا صاحب بہادر کا تسلط ہوگیا لیکن موافق عطائے سند قبرستان میں عمل درآمد مسلمانوں کا چلا آتا ہے اور اسی طریق سے تمام ممالک ہند میں مسلمان قبرستان کی اراضی پر ملکیت کے زمرہ میں اپنا قبضہ حاصل کئے ہوئے ہیں کسی غیر مذہب کو اس میں دخل نہیں ہے، قصبہ جاود کے زمینداران ہنود نے چند عرصہ کے بعد اپنی حقیت وملکیت زمینداری قبرستان مسلموں میں اراضی بشمول موضع قرار دے کر لکڑی وگھاس قبرستان سے حاصل کرنے کے واسطے دعویدار ہوئے، بعہد رانا صاحب یہ زمینداری قائم نہ تھی، اس عہد کے بعد ٹھیکہ ہوا ہے لیکن کبھی قبرستان کی لکڑی وگھاس غیر مذہب کو نہیں دیا گیا، اور نہ غیر مذہب اس کا مستحق ہے کیونکہ یہ شیئ بطور صدقہ کے ہے، اب زمینداروں کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان اپنے مردے قبرستان میں دفن کرتے رہیں لکڑی وگھاس قبرستان سے ہم زمیندار لیں گے اور مویشی چرائیں گے، اسی صورت غیر مذہب کی مداخلت سے بے حرمتی قبرستان اور مویشیوں کے چرنے سے منہدم ہونا قبروں کا ظاہر ہے شرعاً اس بات میں کیا حکم ہے؟ اور ہنود کا قبرستان کی لکڑی وگھاس پر حقیت جدید قائم کرکے لینا کیسا ہے؟

(۲) بغرض رفع فساد یا ناواقفیت مسئلہ کے مابین تنازعہ کے فریقین نے اس امر کا اقرار نامہ لکھا کہ افتادہ زمین میں بلحاظ راستہ قبرستان کے کاشتکاری نہ کی جائے گی صرف اس اراضی میں مسلمان اپنے مردے دفن کرتے رہیں اور زمیندار اپنے مویشی چراتے رہیں اب وہ اراضی بھی افتادہ نہ رہی مردے دفن ہوگئے قبریں تعمیر ہوگئیں، اس ہیئت پر مویشی چرائے جائیں تو تمام قبریں منہدم ہوجائیں گی، اقرار نامہ قابل فسخ کے ہے یا اسی پر عملدرآمد ہوگا؟

الجواب:

جب وہ زمین مسلمانوں کو نسلاً بعد نسل ہمیشہ کے لئے دی گئی اور مسلمانوں نے اس پر بطور ملک قبضہ کرکے اسے قبرستان کردیا اور مردہ دفن ہوا وہ زمین ہمیشہ ہمیشہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی،

کسی زمیندار کا اس پر کوئی حق ودعوی نہ رہا، ہندو ہو یا مسلمان۔ زمیندار اگر مسلمان ہو تو عام مسلمانوں کی طرح اتنا حق اسے بھی ہوگا کہ اپنے مردے دفن کرے، اس سے زیادہ اسے اپنی حقیت وملکیت وہ بھی نہیں ٹھہرا سکتا، تمام جہان جانتا ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا خالص ملک الٰہی جل جلالہ ہوتا ہے **الوقف لایملک** (وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ ت) ایک عام زبان زد حکم ہے جسے بچے بھی جانتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

عندھما ھو حبسھا(ای العین علی حکم ملك الله تعالٰی وصرف منفعتھا علی من احب ولو غنیا فیلزم فلایجوزله ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال وابن الشحنة[1]۔	اور صاحبین کے نزدیک وقف نام ہے عین کو اللہ تعالٰی کی ملکیت کے حکم پر حبس کرنے اور اس کی منفعت کو اس پر صرف کرنے کا جس پر واقف چاہے اگرچہ وہ موقوف علیہ غنی ہو پس وہ وقف لازم ہوجائیگا اور واقف اس کو باطل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی اور اسی پر فتوی ہے (ابن کمال وابن شحنہ)۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی العیون والیتیمة ان الفتوی علی قولھما کذافی شرح الشیخ ابی المکارم للنقایة[2]۔	عیون اور یتیمہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ شیخ ابوالمکارم کی شرح نقایہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

عندھما الوقف لازم بغیر ھذہ التکلفات، والناس لم یأخذوا بقول ابی حنیفة رحمه الله فی ھذا للاثار المشھورة عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والصحابة، وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولھا وقف	صاحبین کے نزدیک وقف ان تکلفات کے بغیر لازم ہوجاتا ہے اور لوگوں نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کو نہیں اپنایا کیونکہ متعدد آثار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے اور لوگوں کا تعامل خانقاہیں اور سرائیں بنانے کے بارے میں منقول ہے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۰

الخلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ [1]۔	ان میں سے پہلا وقف حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا ہے۔ (ت)

اور جب اس زمین میں زمینداروں کا اصلاً کوئی حق نہیں تو اس کی لکڑی اور گھاس پر ان کو کیا دعوی پہنچ سکتا ہے، زمین خالص خدا کی ملک ہے گھاس بھی، اور لکڑی کے مالک پیڑوں کے بونے والے ہیں جو انہوں نے فقیر پر تصدق کردئے، بہرحال زمینداروں کا ان میں کچھ دعوی نہیں۔ فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

مقبرۃ فیہا اشجار ان علم غارسہا کانت للغارس اھ مختصرًا [2]۔	ایک قبرستان میں کچھ درخت ہیں اگر ان کا بونے والا معلوم ہے تو اسی کے ہیں اھ مختصرًا (ت)

قبرستان میں جو گھاس اُگتی ہے جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں مطلقًا حرام ہے قبروں کی بے ادبی ہے، مذہب اسلام کی توہین ہے، کھلی مذہبی دست اندازی ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق اور دررالحکام اور غنیہ اور امداد الفتاح اور فتاوٰی قاضیخان سے ہے:

یکرہ قطع النبات الرطب من المقبرۃ دون الیابس [3]۔	قبرستان سے تر گھاس کاٹنا مکروہ ہے خشک کاٹنا مکروہ نہیں۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان فیہا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیہا کذا فی البحر الرائق [4]۔	اگر قبرستان میں گھاس ہو تو کاٹ کر چوپاؤں کی طرف ڈالی جائے نہ کہ چوپاؤں کو اس کی طرف چھوڑا جائے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے (ت)

زمینداروں سے معاہدہ افتادہ زمین کی بابت ہوا تھا جب وہاں قبریں ہوگئیں زمین افتادہ کب رہی، اور اگر کوئی غلط و باطل وخلاف شرع حق تلفی اموات مسلمین کا معاہدہ کسی نے اپنی جہالت

---

[1] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۹

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱

سے خواہ دیدہ ودانستہ کرلیا تو وہ معاہدہ مردود ہے اس پر عملدرآمد ہر گز نہ ہوگا نہ اس کے فسخ کی ضرورت ہے، فسخ تو جب کیا جائے کہ وہ معاہدہ سمجھا بھی جائے وہ معاہدہ ہی نہیں ایک بیہودہ و بے معنی تحریر ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اناس یشترطون شروطالیست فی کتاب اللہ، من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ(وفی روایۃ فھو باطل)وان شرط مائۃ مرۃ شرط اللہ احق و اوثق[1]، رواہ الشیخان عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں نہیں، جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں، تو وہ اس کے لئے نہ ہوگی، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ باطل ہے، اگر سو بار شرط لگائے اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ حق والی اور زیادہ پختگی والی ہے۔ اس کو شیخین نے ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ) رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۸: از قصبہ جائس ضلع رائے بریلی محلہ غوریاں کلاں مرسلہ محمد حسن صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اہالیان جائس کا دستور قدیم رہا ہے کہ اپنے مقابر میں مساجد بھی بنادیا کرتے تھے جس پر مسافران وخود اہالیان قصبہ وقف بے وقف نماز ادا کیا کرتے تھے زمانہ کے دستبرد سے بعض ایسی مسجدیں تو وہ خشت بن کر رہ گئیں اور بعض اب بھی موجود ہیں ایسے تودہائے خاک وخشت کو فضیلت مسجد حاصل ہے یا نہیں اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آیا وہاں اینٹوں کو فروخت کرکے اپنے صرف میں لانا یا اس قطعہ زمین میں اپنا مسکن بنانا یا مزروعہ کرکے کاشت میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مقبرہ اگر وقف ہے اور مقابر عامہ غالبًا وقف ہی ہوتے ہیں تو جو مسجد واقف نے قبل وقف بنائی کہ اتنے حصہ کو مسجد اور باقی کو مقبرہ کیا وہ ابد الآباد تک مسجد ہے اگرچہ ویران ہوجائے **ھو الصحیح وبہ یفتی** (یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) اس حالت میں تو اس کا آباد کرنا واجب

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۹۴

اور اس میں آداب مسجد لازم، اور اسے زراعت وغیرہ سے اپنے تصرف میں لانا حرام، اور اگر زمین مقبرہ کے لئے وقف ہوچکی تھی، اس کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد کیا اگرچہ خود واقف نے تو وہ مسجد نہیں ہوسکتا، نہ آداب مسجد کا مستحق، مگر ذاتی تصرف زراعت وغیرہ اس میں بھی حرام کہ وہ مقبرہ کے لئے وقف ہے اور مقبرہ تصرفات سے آزاد، اور اگر وہ مقبرہ وقف نہیں جیسے دیہات میں مالکان دیہہ کی اجازت سے لوگ دفن ہوتے ہیں بے اسکے کوئی قطعہ مقابر کے لئے معین کرکے وقف کیا جائے اس میں اگر مالک نے مسجد بنائی یا دوسرے نے، اور مالک نے اسے جائز کیا تو وہ مسجد ہوگئی، اور اس کا وہی حکم ہے جو پہلے گزرا کہ اس کا ادب لازم، اور اس میں تصرف حرام، بشرطیکہ وہ زمین خالی میں بنائی گئی ہو، نہ قبور پر کہ قبروں کی زمین صالح مسجدیت نہیں اور اگر غیر مالک نے بنائی اور مالک نے جائز نہ کیا تو وہ مسجد نہیں، مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۹: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ غلام ربانی صاحب ۴ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ت) کہ قبرستان کی آمدنی کا روپیہ مسجد میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں اور قبرستان کی مالک مسجد ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ہماری شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

تفصیل آمدنی: (۱) میت کی چادروں کی قیمت **(۲)** چادر کے ہمراہ مالک میت نقد دیتا ہے۔ **(۳)** قبرستان میں جو درخت ہیں ان کی لکڑی کی قیمت۔

تفصیل خرچ: مسجد کے کسی حصہ کی تعمیر میں فرش، لوٹے، روغن، رسی، یا رمضان المبارک کے اخراجات میں یہ روپیہ لانا۔

الجواب:

نہ مسجد قبرستان کی مالک ہوسکتی ہے نہ قبرستان کسی مال کا مالک ہوتا ہے۔ سائل نے بیان کیا کہ اہل میت اہل محلّہ میں کسی کو چادریں اور کچھ نقد دیتے ہیں اور دینے والوں کو معلوم ہے کہ یہ مسجد کے لئے لیتے ہیں، اور درخت بہت قدیم ہے بونے والے کا پتا نہیں، جو لکڑی سوکھ جاتی ہے گر پڑتی ہے مسجد کے سقائے وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، اس صورت میں ان سب چیزوں سے مسجد کے وہ سب صرف جائز ہیں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۰: از مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ محلّہ الہ داد پورہ مسئولہ صابر حسین صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ قبرستان کا مسلمانوں کے کیا حکم ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ کوئی شخص اس

پر کوئی کام دیدہ دانستہ دنیاوی کرے مثلاً تجارت، اور اصرار کرے کہ ہم قبرستان ہی پر کاروبار کرینگے دوسری جگہ نہیں کرینگے، یہ کسی کو برا معلوم ہو یا بھلا، اور ساتھ اس کے ہنود کو ملا کر زور دے کہ اس کو کھیت بنائیں اور کسی مصرف میں لے لیں اور مسلمانوں کو بے قبضہ کردیں اور وہاں کے اشجار پر بھی قبضہ کرلیں اور یہی کوشش کررہے ہوں اور بصورت انکار قبر کو عندالتحقیقات کھدوادیں وغیرہ وغیرہ تو اس شخص کے ایمان کا کیا حال ہے اور ایسے شخص کی ناحق پر تائید کرنا کیا ہے اور کس جرم کا مرتکب ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور اس میں سوائے دفن کے اور تصرف کی اجازت نہیں اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیت کرنا سب حرام ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته[1]۔	وقف کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ وغیرہا میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل به[2]۔	واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے (ت)

اور مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت سخت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص سخت تعزیر کا مستحق ہے یہاں تک کہ سلطان اسلام کی اگر رائے ہو تو جو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا کرتا ہو اسے سزائے قتل دے سکتا ہے، جو شخص ناحق پر اس کی تائید کرتے ہیں سب اسی کی طرح مرتکب جرم و مستحق سزا ہیں۔

قال الله تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقه ربقة الاسلام[4]۔	جو دانستہ کسی ظالم کی امداد کو چلے اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷ وکنز العمال حدیث ۱۴۹۵۵ بیروت ۶/ ۸۵، والفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دار الباز مکۃ المکرمۃ سعودی عرب ۳/ ۵۴۷

مسئلہ ۳۴۱ تا ۳۴۴: مسئولہ احمد نبی خاں صاحب از مراد آباد ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین سوالات مفصلہ میں:

(۱) جزو جائداد اراضی موقوفہ کا روپیہ معاوضہ سرکار انگریزی سے متولی جائداد کو ملا، اس روپیہ کو متولی کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ کرنا چاہئے یا کسی مصارف خاص میں یا عام مصارف جائز میں اس رقم کا صرف کرنا جائز ہے؟

(۲) متولی فوت ہوگیا اور اس نے اپنے زمانہ حیات میں اس روپیہ معاوضہ مذکور سے کوئی جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ نہیں کی اور روپیہ معاوضہ مذکور کا کوئی مصرف جائز بھی کسی قسم کا اس کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا اور اکثر اوقات متولی متوفی اور اس کے مختار عام اور سربراہ کار یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہنوز کوئی جائداد متصل موقوفہ کے دستیاب نہیں ہوئی ہے کوشش کی جاتی ہے جس وقت کوئی جائداد فروخت ہوئی خرید کرکے شامل وقف کی جائے گی۔

(۳) متولی متوفی نے اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ چھوڑی ہے جس پر اس کے وارثان قابض ودخیل ہیں۔

(۴) متولی حال کا بحالت موجودہ کیا فرض ہے، آیا وارثان متولی متوفی سے روپیہ مذکور طلب کرنے اور اس کی جائداد متروکہ سے وصول کرنے کا عندالشرع مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متولی سابق پر اس زر معاوضہ کا تاوان لازم ہے جو اس کی جائداد متروکہ سے وصول کیا جائے گا متولی حال پر لازم ہے کہ اسے وصول کرے اور اس میں سستی کو راہ نہ دے بعد وصول جب کہ وہ روپیہ خود عین اراضی موقوفہ کا بدل ہے کسی مصرف میں صرف نہیں ہوسکتا بلکہ لازم ہے کہ اس سے ویسی ہی جائداد خرید کی جائے کہ جائداد رفتہ کی جگہ وقف ہو۔ در مختار وعقود الدریہ میں ہے:

الناظر لو مات مجهلا لمال البدل ضمنه کما فی الاشباه ای لثمن الارض المستبدلة[1]۔	ناظر اگر مرجائے مال بدل مجہول چھوڑ کر تو تبدیل شدہ زمین کے ثمن کا ضامن ہوگا جیسا کہ اشباہ میں ہے۔ (ت)

نیز در مختار ورد المحتار میں ہے:

(لایجوز استبدال العامر الافی اربع) الاولی لوشرطه الواقف،	زمین وقف کا بدلنا جائز نہیں سوائے چار صورتوں کے، پہلی صورت یہ کہ واقف نے اگر استبدال

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۸

الثانیة غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحر افیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضا بدلا، الثالثة ان یجحده الغاصب ولابینه ای اراد دفع القیمة فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا الخ [1] والله تعالٰی اعلم۔	کی شرط کی ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اس کو غصب کیا اور اس پر اتنا پانی بہایا کہ وہ دریا بن گئی تو متولی اس سے ضمان لے کر اس کے بدلے میں دوسری زمین خریدے۔ تیسری صورت یہ کہ زمین وقف کا غاصب انکاری ہے اور متولی کے پاس گواہ نہیں اور غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو غاصب سے قیمت لے کر اس کے عوض متولی دوسری زمین خریدے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۵: مسئولہ مجید اللہ صاحب بتوسط عطا احمد صاحب مولوی محلّہ بدایوں ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائداد بلا تخصیص مقام ہر جگہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کی اور ایک خاص قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے نامزد کردیا کہ اس قصبہ میں تعلیم گاہ بنائی جائے لیکن کوئی خاص اراضی تعمیر مدرسہ کے لئے وقف نہیں کی گئی اب کسی مجبوری ونیز اس وجہ سے کہ جو قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے وقف نامہ میں معین کیا گیا تھا عام مسلمانوں کی تعلیم میں وہاں سہولت نہیں ہے دوسری جگہ اسی غرض تعلیمی کے لئے وہ مدرسہ بنانا چاہتا ہے جہاں عام مسلمانوں کے لئے سہولت ہو، پس یہ تبدیلی مقام شرعًا جائز ہے یا نہیں، یعنی اگر اس تبدیل شدہ جدید مقام پر مدرسہ بناکر جائداد موقوفہ کی آمدنی اس پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

واقف کو ایسی تغییر جائز ہے جبکہ مصلحت وقف اس میں نہیں اس کے خلاف میں ہے۔ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوٰی مؤید زادہ اذالم یکونوا اصلح اوفی امرهم تهاون فیجوز للواقف الرجوع عن هذاالشرط اھ و هکذا نقله عنها فی شرحه علی الملتقی	فتاوٰی مؤیدزادہ میں ہے کہ اگر موقوف علیہ زیادہ صلاحیت والے لوگ نہ ہوں یا وہ اپنے معاملے میں غفلت کرتے ہوں تو واقف کو اس شرط سے رجوع کرلینا جائز ہے اھ اسی طرح ماتن نے فتاوٰی مویدزادہ سے ملتقی پر اپنی شرح میں

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایستبدل العامر الافی اربع دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ثم نقل عن الخلاصة لایجوز الرجوع عن الوقف اذاکان مسجلا ولکن یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وان کان مشروطاً کالمؤذن والامام و المعلم ان لم یکونوا اصلح اوتھاونوافی امرھم فیجوز للواقف مخالفة الشرط [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	نقل کیا، پھر خلاصہ سے یوں نقل کیا کہ وقف جب رجسٹرڈ ہو تو اس سے رجوع جائز نہیں لیکن موقوف علیہ سے رجوع اور اسکو تبدیل کرنا جائز ہے اگرچہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم، اگر وہ وقف کی زیادہ صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا وہ اپنے معاملات میں غفلت اور سستی کا ارتکاب کرتے ہوں تو واقف کے لئے شرط کی مخالفت کرنا جائز ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۶تا۳۴۷: از شیخ پور مرسلہ شیخ امین الدین حیدر رئیس ۲۹جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) وقف نامہ ہمرشتہ کے کسی شرط کو واقفان بذریعہ تتمہ دستاویز تبدیل یاترمیم کرسکتے ہیں یانہیں؟

(۲) اگر واقفان کسی مصلحت سے مدرسہ کا مقام رقبہ شیخ پور سے کسی دوسرے موضع یا شہر کے رقبہ میں تبدیل کردیں اور مصرف وغرض وقف فوت نہ ہوتو وقف میں نقصان نہ واقع ہوگا۔

الجواب:

(۱) وقف نامہ میں واقفوں نے اگر شرط کردی ہوتی کہ ہم کو تبدیل شرائط کا اختیار ہے تو اختیار ہوتا، اب کہ یہ شرط نہ کی بلاضرورت صحیحہ واجازت شرعیہ کسی تبدیل وترمیم کا اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے:

الوقف اذالزم لزم مافی ضمنه من الشروط [2]۔	وقف جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ضمن میں پائی جانے والی تمام شرطیں لازم ہوجاتی ہیں (ت)

(۲) اگر شیخ پور میں ہونا اغراض وقف کے لئے مفید نہ ہوا اور دوسری جگہ مصلحت شرعی ہو تو واقفوں کو اس تبدیل کی اجازت ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اشتراط الاستبدال بارض من البصرة	اگر یہ شرط لگائی گئی کہ زمین وقف کو بصرہ زمین سے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۰

عربی	ترجمہ
لیس له ان یستبدل من غیرہا، وینبغی ان کانت احسن ان یجوز، لانه خلاف الی خیر کذافی فتح القدیر [1]۔	بدلوں گا تو بصرہ کے ماسوا دوسری زمین سے بدلنے کا واقف کو اختیار نہ ہوگا مگر چاہئے یہ کہ اگر دوسری جگہ کی زمین اس کے بدلے میں زیادہ بہتر ہے تو جائز ہو کیونکہ یہ خلاف کرنا بہتری کی طرف ہے فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں بحوالہ درمنتقی خلاصۃ الفتاوٰی سے ہے:

عربی	ترجمہ
یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وانکان شروطاً کالمؤذن والامام والمعلم ان لم یکونوا اصلح اوتہاونوا فی امرھم فیجوز للواقف مخالفة الشرط [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ سے رجوع اور اس میں تبدیلی جائز ہے اگرچہ وہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم اگر یہ لوگ وقف کے لئے زیادہ صلاحیت کے حامل نہ ہوں یا اپنے معاملات میں سستی کرتے ہوں تو واقف کے لئے جائز ہے کہ شرط کی مخالفت کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۸:　　مسئولہ بدرالدین صاحب　　۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے گیارہ مشاورین میں سے اکثرین نے یہ قرار داد منظور کی کہ مسجد کے اوقاف کی آمد سے مسجد کے احاطہ میں جو کھلی جگہ ہے وہاں باغیچہ قائم کیا جائے اور درخت اور کنڈیاں نصب کئے جائیں اور اس کے انتظام کے لئے ایک باغبان مشاہرہ سے رکھا جائے، اطلاعاً گزارش ہے کہ جس زمین پر باغیچہ تیار کرنا منظور ہے وہ جگہ پیش تر سے نماز پڑھنے کے لئے عیدین اور یوم الجمعہ میں استعمال کی جاتی ہے پس اس حالت میں مشاورین مسجد کو اوقاف مسجد سے ایسا خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس زمین پر زمانہ قدیم سے نمازیں ہوتی تھیں اس پر باغیچہ بنا کر لوگوں کو ادائے نماز سے روکنا مشاورین مسجد کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بناءً علی عدم جواز مرتکبین اس فعل کے اپنے عہدہ ہائے مفوضہ سے معزول ہونگے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں اگرچہ مقصود واحد ہو مثلاً کسی مسجد پر دکانیں وقف

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

ہیں کہ ان کا کرایہ مسجد میں صرف ہوتا ہے انہیں حمام کردیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو دیا جائے یا حمام کا کرایہ مسجد پر وقف تھا اسے دکانیں کردیا جائے یہ ناجائز ہے حالانکہ مقصود یعنی کرایہ واحد ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیئته فلایجعل الدکان خانا الخ[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں لہٰذا دکان کو سرائے بنادینا جائز نہیں الخ(ت)

نہ کہ خلاف مقصود اور وہ بھی محض سود مردود، باغیچہ امراء کے مکانوں کی زینت ہوتا ہے، بیت اللہ کی زینت ذکر اللہ ہے، ولہٰذا علماء نے مساجد میں پیڑ لگانا منع فرمایا اور فرمایا کہ مساجد کو یہود ونصارٰی کے کنیسوں گرجوں سے مشابہ نہ کرو، پھر اس میں نمازیوں پر جمعہ وعیدین میں تنگی ہے اور جو مسلمانوں پر تنگی کرے گا اللہ اس پر تنگی کرے گا **من ضیق ضیق الله علیه** (جس نے تنگی کی اللہ تعالٰی اس پر تنگی فرمائیگا۔ت) اس میں منع خیر ہے اور مناع للخیر کی مذمت کلام اللہ میں ہے، اس میں متعلق مسجد کو نماز سے روکنا ہے۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لئے جانے سے روکے اور انکی ویرانی میں کوشش کرے ان کو اس زمین میں قدم دھرنا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

ایسے مشاور اگر باز نہ آئیں واجب العزل ہیں من استرعی الذئب فقد ظلم جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا اس نے بکریوں پر ظلم کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۹: مسئولہ منشی خلیل الرحمٰن صاحب پارچہ فروش از نگینہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک محلّہ کے اندر واقع ہے کہ جس میں کچھ اراضی زائد فرش سے ہے اور اس اراضی میں ایک مزار شریف بھی ہے، اس مسجد کی خبر گیری اہل محلّہ جس میں چند قوم کے آدمی ہیں کرتے ہیں منجملہ چند اقوام کے ایک قوم ایک مدرسہ خاص قومی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

اس اراضی موقوفہ میں بنانا چاہتی ہے کہ جس میں دوسری قوم کا تعلیم نہیں پائے گا احیانا کسی وقف میں اس اراضی موقوفہ کی ضرورت مسجد کو ہوئے تو وہ تعمیر مدرسہ اٹھوا کر اپنے تصرف خواہ کسی قسم کا تصرف ہو لاسکتے ہیں یا نہیں، جس قوم کا مدرسہ تعمیر ہوتا ہے اس قوم کے چند لوگ مہتمم و متولی ہیں وہ ایک اقرار نامہ بدیں مضمون لکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت میں مسجد کو ضرورت اراضی کی ہو تو وہ نہیں لے سکتی یہ اقرار ان کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں، علاوہ اس قوم کے دیگر اقوام یا دیگر محلّہ یہ چاہیں کہ مدرسہ قومی خاص نہ رہے تو وہ اس عمارت میں مدرسہ ہذا رہنے دے سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ مدرسہ خصوصیت قوم کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے اور اسی قوم کے بچے مستفیض ہوں گے جواب خلاصہ ومشرح مرحمت فرمایا جائے، مکرر عرض ہے جواب کے ارسال میں دیر نہ فرمائی جائے، مکرر عرض ہے کسی وجہ سے کل کو وہاں مدرسہ نہ رکھا گیا تو اس تعمیر کی مالک قوم یا اہل مدرسہ ہوگا یا نہیں یا مسجد کی ہی ملکیت ہو جائے گی مدرسہ کو اختیار اس کے کرایہ پر دینے کا رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام لائی جاسکتی ہے اور اس کے بھی اسی کام میں جس کے لئے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں، **شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ**[1] (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے۔ت) واقف نے اگر یہ مدرسہ بنانے کی اجازت نہ دی تو اس میں عام مدرسہ بھی نہیں بن سکتا نہ کہ خاص، اور اگر خلاف اجازت ایسا تصرف کرینگے غاصب ہوں گے اور وہ عمارت منہدم کرادینے کے قابل ہوگی اور بعد انہدام جو کچھ اینٹیں کڑیاں ہوں اس کے مالک وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے عمارت بنوائی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۰: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ حافظ عبدالحمید امام مسجد کمبوہ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زمینداری کے ایک قطعہ کو جو عہ/ بیگھ خام ہے اور اس کا سالانہ منافع ؏ ہے اس تصریح کے ساتھ کہ ۴؍ سالانہ اس محلّہ کی مسجد میں جس میں واقف رہتا ہے صرف ہوا کریں اور ۴؍ سالانہ غرباء ومساکین کے لڑکوں کی تعلیم جو قرآن شریف اور دینیات پڑھتے ہیں قرآن شریف یا متفرق پارہ اور کتب دینیہ خرید کر امداد کی جائے اور اس مصرف میں ہمیشہ صرف ہوتے رہیں اور ۴؍

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۳۰۵

سالانہ یتیماں وبیوگاں کی تیاری پارچہ سرما وغیرہ صرف کئے جائیں، اپنے دل میں مذکورہ مصارف کی نیت کرکے وقف کردیا اور ایک سال سے اس کا منافع بھی کاشتکار سے وصول نہیں کیا اور وقف کی کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، اب زید یہ چاہتا ہے کہ قطعہ اراضی مذکورہ بالا سے جس کے وقف کی نیت کی ہے بہتر اور عمدہ اور زیادہ منافع کی دیگر اراضی کو جو اس کی ملکیت ہے بجائے اس کے وقف کردے اور بموجب شرع شریف کے تحریر وتکمیل کردے اور متولی اس کا مقرر کرکے اس کے قبضہ میں اس زمین کو دے دے کہ منافع اس کا مصارف مذکور میں صرف کیا کرے اور آئندہ متولی اس کا زید کے رشتہ داران اور نمازیان مسجد محلّہ کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا، اس صورت میں امید ہے کہ ۱۲/سالانہ سے زیادہ منافع سالانہ وقف کا ہوگا صرف نیت وقف کرلینے سے جو خاص قطعہ اراضی کی نسبت کی ہے اور اس کی تحریر بھی نہیں لکھی اور اراضی جو اس سے بہتر اور عمدہ زیادہ منافع کی ہے وقف کرکے تحریر کردے شرع ممانعت تو نہیں کرتی؟

الجواب:

تحریر تو شرعًا کوئی ضروری چیز نہیں، نہ اس پر وقف موقوف، اگر اس نے زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے وقف کردیا تو وقف ہوگئی اب اس سے رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وقت وقف شرط استبدال کرلی ہو یعنی مجھے اختیار ہے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلے اور زمین وقف کردوں تو البتہ اس حالت میں تبدیل کا اختیار ہے، اگر زبان سے بھی نہیں کہا تھا صرف دل سے نیت کی تھی تو وہ زمین وقف نہ ہوئی، گر واقعی اس سے بہتر اور زیادہ منافع کی زمین وقف کرنا چاہتا ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں، قال اللہ تعالٰی "مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (مواخذہ کی) کوئی راہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل اللہ صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک موقع پر ایک جائداد موقوفہ متعلق مسجد واقع ہے تو علاوہ بیع کے جو ہر طرح ناجائز ہے آیا اس موقع پر جائداد مذکورہ سے تبادلہ کا جواز اسی قلیل قیمت اور حیثیت کی جائداد سے یا کسی دیگر نوع سے کسی صورت بھی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس خاص وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہ کرلی ہو تو ہرگز کسی حال میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

جائز نہیں جب تک اس سے انتفاع ممکن ہے اگرچہ دوسری کی اس کے بدلے میں ملے اس سے قیمت حیثیت ومنفعت میں بہت زائد ہو،

فانا امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری[1]۔ کما حققه المحقق فی الفتح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو سابقہ ہیأت پر باقی رکھیں نہ کہ دیگر زیادت کو، جیسا کہ محقق علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۵۲:　　　　۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ منشی کریم الدین کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہے، پہلی بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں تھیں، منشی صاحب مرحوم نے ایک باغ، ایک موضع، ایک مدرسہ اور کچھ دکانیں پہلی بیوی کے انتقال ہونے کے بعد وقف کیں اس طرح پر کہ میرے بعد میری زوجہ متولی رہے اور زوجہ کے بعد لڑکا جو کہ پہلی بیوی سے تھا اور لڑکے کے بعد ان کی اولاد، چونکہ لڑکا ان کی حیات میں فوت ہوگیا اور لڑکے کی اولاد میں ایک لڑکی تھی وہ لڑکی ناقابل انتظام تھی اور اس کا شوہر بوجہ بدچلنی کے ناقابل انتظام تھا اس وجہ سے منشی صاحب نے ایک اقرار نامہ وقف نامہ کی تحریر کے بارہ سال بعد اس طرح تحریر کردیا کہ میرے بعد میری دوسری زوجہ متولی رہے اور اس کے بعد اس کی بڑی لڑکی اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد میں بڑا لڑکا جو لائق ہو متولی رہے اس طرح سلسلہ برابر جاری رہے اس اقرار نامہ کی تحریر کو عرصہ دو سال ہوگیا اور وقف نامہ کو چودہ سال، اس وقت منشی صاحب مرحوم کی دوسری زوجہ حیات ہے اور منشی صاحب نے جائداد مذکورہ مفصلہ ذیل اخراجات کے واسطے وقف کی ہے، مولود شریف، گیارھویں شریف، فاتحہ حسنین، خرچ مدرسہ وتکیہ وغیرہ چونکہ پہلی بیوی کی لڑکیاں اور منشی صاحب کے لڑکے کی لڑکی حیات ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بروئے وقف نامہ کے جائداد مذکورہ کے ہم متولی ہیں اس لئے التماس ہے کہ شرعًا اس وقت جائداد مذکورہ کا متولی کون شخص قرار دیا جائے گا اور اس کے بعد کون، اقرار نامہ کا قانونًا بھی داخل خارج ہوگیا ہے بموجب حکم شرع شریف تحریر فرمایا جائے۔ **فقط**

الجواب:

تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کا اس میں حق ہو تولیت واقف کے اختیار کی ہے جسے متولی کردے

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

وہی ہوگا۔ درمختار میں ہے: **ولایۃ نصب القیم الی الواقف**[1] (متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو حاصل ہے۔ت) تو اس میں شک نہیں کہ فی الحال وقف کی متولی صرف زوجہ ثانیہ ہے کہ وقف نامہ اور اقرار نامہ دونوں اپنے بعد اس کو متولی لکھا ہے اور جب زوجہ کا انتقال ہو تو حسب شرط اقرار نامہ اسی زوجہ کی بڑی لڑکی پھر اس کے بعد اس لڑکی کی اولاد میں جو بڑا لڑکا لائق ہو ورنہ جو لائق ہوں بہر حال پہلی بیوی کی لڑکیوں کا تو کوئی استحقاق تولیت میں سرے سے نہ تھا کہ وقف نامہ، اقرار نامہ کسی میں ان کی تولیت نہیں رہی پسر متوفی کی لڑکی اگرچہ وقفنامہ میں اپنے بعد پسر پھر اولاد پسر کی تولیت لکھی تھی مگر وہ واقف کے سامنے مرگیا اور اب اس نے ان شرائط کو تبدیل کردیا اور دوبارہ تولیت واقف کو تغیر و تبدل کا اختیار ہے تو اب عمل بموجب اقرار نامہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ من حکم سائر الشرائط لانہ لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	واقف کی تولیت تمام شرائط کے حکم سے خارج ہے کیونکہ واقف کو ان شرائط میں تبدیلی کا اختیار ہے جب بھی وہ مناسب سمجھے اگرچہ اس نے عقد وقف میں اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۳۵۳:

QUESTION

Rangoon, The 19th May 1908.1908 ,

To

Moulvi Haji Ahmad Khan,

Esqur, Bareeilly,

United provinces.

Hunoured Sir

We desir to place prepare you a certain religious matter on which we solicit your valuable opinion. The facts are briefly these . there is a Chulian a

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

Mosque in Moung Taulay Street at this place. Thereare five duly elected trustees or mutawallis who manage the affairs of the said mosque according to a scheme framed by the chief court of Lower Burma. The trustees are given the power of discharging the Imam, Muazzin and Clerks of the mosque. In virtue of the said power. The trustess at a meeting discharged thier Imam. One Syed Muckbool for Irregularity misconduct and disbidience. After the discharge the trustees failed a suit in the chief court of lower Burma for declaration that the discharge of the Imam may be confirmed .The Imam now questions the authority of the trustees and maintains power badly . He may misconduct himself, they have no power to discharge him. Having placed the facts briefly we request you most humbly to give your Fatwa as to whether the trustees have the power to discharge the Imam when they find it necessary to do so. This a vital point which is at present engaging the attention of the leading member of the Chulian Sunni Mohmmadan community and we Shall thank you very much if you can send your fatwa before the Ist week of june thanking you in anticipation We beg to remain, honoured Sir, your most obedient and Humble followers in M Qadir Gani. President The Madras Muslim Association No37.tocckay Mq Tualay street.

Answer

from Brieilly,

The 28th of May, 1908.

To M .Qadir Gani.

President

The madras Muslim Association

Sir. With refrence to your letter datted 19th of May, 1908, I send my Fatwa for your perusal The trustees can discharge an Imam by their authority when such indifference is found in Him which be the sufficient reason of"Shara"for him to be dismissed. Vide lisanul Hukkam printed at Mier page No.123,

فی فتاوی قاضی خان اذاعرض للامام اوللمؤذن عذر منعه عن المباشرة مدة ستة اشهر فللمتولی ان یعزله ویولی غیرہ وانکان للمعزول نائب[1]۔

Translation:- there is in fatwa Qazi Khan when an Imam or Muazzin Has some certain Business which may be the cause of six months absence from the mosque, not with standing he may have given some person for him to act .At such opportunity the trustee can discharge him and may establish or Appoint another Imam in his place"(Tahtawi printed Misr and Shami printed Constantinople volume 3, page 639)

وتقدم مایدل علی جواز عزله اذامضی شهر ،بیری[2]

Translation:-Allama Birizada has said that the books aforesaid style Shows that a trustee can discharge an Imam on account of a month absence from the mosque The Trustees had no need of taking sanntion of discharging the Imam from the Court or from any Higher Officer or Governor because the authority of trustees in these matters is over the powers of a Muhammadan governor although the same Mutawalis or trustees may have been fixed by the same Muhammadan Governor See Ashbahunnazair printed Lucknow page.179 copies from the Fatwa of Imam Rashiduddin.

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبله[3]۔

Translation:-"A Qazi can not interfere a Waqf in the Presence of a trustees although the trustees may have been fixed by the same Qazi Hamawi Sharah Asbah printed Lucknow page No.179 copies from Fatwa Imam Zahiruddin"

قاضی البلد اذا نصب رجلا متولیاً للوقف بعد ماقلدہ الحاکم الحکومة فلیس للحاکم علی الوقف سبیل حتی لایملك الاجارة ولاغیرها[4]۔

---

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة السادسة عشر ادارة القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة السادسة عشر ادارة القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

Translation:-"A king appointed a Qazi and after it the Qazi fixed a trustee on a Waqf, now the King has no connection on with the Waqf nor has he any power of it contract etc. Another stlye from Lisanul Hukkam copies from fatwa Imam Sowri.

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[1]۔

Translation:- Aking cannot interfere a Waqf against a trustee Authorities in this case the higher officers or governors are not Muhammadan ones and therefor they do not know the schemes of shara as a Muhammadan trustee knows The trustees can discharge an Imam when the Imam leave Sunnia Doctrine or Commets an open sin against Shara or there may be found in him something Which may be the cause of abhorrence which decreases the number of people at prayer or he may be disobedint against the managing rules of affairs of the mosques. Or assesmble of persons at prayers or there may be somthing such in him. Otherwise he will not be discharged without fault. See Raddul Muhtar printed Constantinople volume 3 page 597.

قال فی البحر واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلا جنحۃ عدمہا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[2]۔

Translation:-It is said in Bahrur Raiq That as a Mutawali can not be dismissed without fault. From this it is manifest that any receiver of a salary of a Waqf can not be discharged until his fault be proved or he may be proved to be unfit for his duties.

امر برقمہ عبدہ احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطبع لایصح عزل صاحب وظیفۃ بلا جنحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

ترجمہ مسئلہ ۳۵۳: از رنگون مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب مولوی حاجی احمد رضاخاں صاحب محلّہ سوداگران بریلی، یوپی۔

مولانائے محترم ! ہم سب آپ کی خدمت میں چند مذہبی امور کے بارہ میں رائے عالی جاننے کے لئے یہ پیش کر رہے ہیں اور مختصراً واقعہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ یہاں ایک مسجد چولیان مونگ تلااسٹریٹ میں واقع ہے جس کے چنے ہوئے پانچ متولیان ہیں جو مسجد کا انتظام اس قانون کے تحت انجام دے رہے ہیں جس کو عدالت العالیہ برما نے مرتب کیا ہے جس کے مطابق متولیوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امام، مؤذن اور عملہ کو برخاست کرسکیں، اس قانون کے مطابق متولیان نے ایک مجلس شورٰی کے اندر سید مقبول امام مسجد کو ان کی بیضابطگی، برے چال چلن اور حکم عدولی کے باعث برخاست کردیا، اس برخاستگی کے بعد متولیوں نے ایک مقدمہ استقرار یہ اس امر کا عدالت العالیہ برما میں دائر کیا کہ امام کی برخاستگی مستقل کردی جائے، اب امام نے یہ باز پرس متولیوں کی مجلس قانون سے کی ہے، قانون کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، ان لوگوں کو برخاست کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس مختصر واقعہ کو پیش کرتے ہوئے نہایت ادب سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس کے متعلق اپنا فتوی مرحمت فرمائیں، کیا متولیان کو امام کی برخاستگی کا حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہیں برخاست کردیں۔ یہ آج کل بہت بڑا مسئلہ ممبران چولیان سنی محمڈن کمیونٹی کا بنا ہوا ہے، ہم لوگ بیحد شکر گزار ہوں گے اگر آپ اپنا فتوی ماہ جون کے اوائل ہفتہ میں روانہ فرمادیں فقط۔

آپ کا فرمانبردار خاکسار معتقد

قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن، مونگ تلااسٹریٹ۔

الجواب:

بریلی مورخہ ۲۸/ مئی ۱۹۰۸ء

بخدمت جناب ایم قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن

محترم! آپ کے مراسلہ مورخہ ۱۹/ مئی ۱۹۰۸ کے مطابق میں اپنا فتوی برائے ملاحظہ ارسال کررہا ہوں، متولیاں ایک امام کو برخاست کرسکتے ہیں جبکہ کوئی ایسا اختلاف اور وجہ معقول شرعی طور پر پائی جائے (لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ۱۲۳)

ترجمہ: فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ جب امام یا مؤذن کے درمیان کوئی ایسی چیز عارض ہو جس کی وجہ سے وہ چھ ماہ تک مسجد سے غیر حاضر رہے اور اس نے اپنا کوئی بدل نہ دیا ہو تو اس وقت متولی اس کو برطرف کرسکتا ہے اور دوسرا امام اس کی جگہ مقرر کرسکتا ہے (طحطاوی مطبوعہ مصر اور شامی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۳

ص۶۳۹)

ترجمہ: "علامہ بیری زادہ کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ متولی ایک امام کو مسجد سے ایک ماہ کی غیر حاضری پر برطرف کرسکتا ہے"، متولی کو کوئی ضرورت امام کی برطرفی کے لئے عدالت یا کسی افسر بالا یا گورنر سے اجازت لینے کی نہیں ہے کیونکہ متولی اپنے اختیار خصوصی سے ان معاملات میں خود اسلامی گورنر جیسا اختیار رکھتا ہے جبکہ متولیان خود ایک اسلامی گورنر کے مقرر کردہ ہوں (اشباہ والنظائر مطبوعہ لکھنؤص ۱۷۹منقولہ از فتاوٰی امام رشید الدین)

ترجمہ: ایک قاضی وقف کے کسی معاملہ میں متولی کی موجودگی میں دخل نہیں دے سکتا جبکہ اسی قاضی نے اس کو متولی بنایا ہو۔ (حموی شرح اشباہ مطبوعہ لکھنؤص ۱۷۹منقولہ از فتاوٰی امام ظہیر الدین)

ترجمہ: ایک بادشاہ نے ایک قاضی مقرر کیا اور اس کے بعد قاضی نے وقف کا ایک متولی مقرر کیا، اب بادشاہ کو کوئی تعلق اس وقف سے نہ رہا اور نہ کوئی اختیار اس کو رد وبدل کا باقی رہا۔ (لسان الحکام، منقولہ از فتاوی امام ثوری)

ترجمہ: ایک بادشاہ ایک متولی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہوسکتا جبکہ حکام بالا یا گورنر جو کہ مسلمان نہیں اور جو اس قانون تولیت سے واقفیت بمقابلہ متولی نہیں رکھتے اس وقت متولی امام کو برخاست کرسکتا ہے جبکہ امام عقائد سنیہ کو ترک کردیتا ہے یا برملا شرع کی خلاف ورزی کرتا ہو یا کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جس سے نماز جماعت میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہو برخاست ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا۔ (ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ ج ۳ص ۵۹۷)

ترجمہ: بحر الرائق میں ہے کہ ایک متولی بغیر امام کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقف سے تنخواہ پانے والا شخص بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا یا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں قاصر ہے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

امر برقمہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۳۵۴: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ منشی ہدایت اللہ صاحب ۲۴صفر ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ نواب غلام چشتی خان صاحب رئیس قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد موضع عیسٰی پور بطریق زکوۃ ریاست و موضع بچی کھیرا بطور خیرات حقیت اپنی کو اول وقف کیا

سال ۱۲۸۴ھ میں اس حقیت موقوفہ کے بابت ایک وصیت نامہ سادہ تحریر کیا جس میں انتظام واہتمام تولیت جائداد موقوف اور مصارف خیر کی بابت شرائط درج کئے، چنانچہ تاحیات اپنی خود واقف ہر دو مواضعات مذکورہ کے مہتمم رہے اور بعض فوت ان کے نواب محمد عبدالکریم خان صاحب مرحوم یکے از واقف مہتمم مقرر ہوئے، وصیت نامہ میں واقف نے یہ شرط تحریر کی ہے اقرار یہ ہے کہ حین حیات اپنی آمدنی وپیداوار مواضعات مذکور جو لائق ہووے نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن حسب دستور بطریقہ مستعملہ مجھ گنہگار کے صرف کرتا ہے، ۲۱/اکتوبر ۱۹۰۸ء کو مہتمم ثانی نے وفات پائی، اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ فقرہ نسلاً بعد نسل کے کیا معنی اور مطلب، اور نسل سے منشا واقف کا اپنی اولاد سے ہے یا مہتمم ثانی کی اولاد سے، اور شرعاً بعد فوت ہونے مہتمم ثانی کے اصل واقف کے اولاد میں سے مہتمم مقرر ہونا چاہئے یا مہتمم ثانی کی اولاد میں سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب تک واقف کی اولاد صلبی سے کوئی مرد لائق باقی رہے گا اولاد اولاد کو تولیت نہ پہنچے گی، جب ان میں کوئی نہ رہے گا اس وقت اولاد اولاد سے کوئی لائق متولی کیا جائے گا اور ان میں جب تک کوئی رہا تیسرے درجہ سے مقرر نہ کیا جائے گا وعلی ھذا القیاس نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن کے یہی معنی ہیں اس میں واقف کی اپنی اولاد واولاد اولاد واولاد اولاد اولاد، اولاد سب داخل ہیں مگر بترتیب کہ سب سے مقدم اولاد پھر اولاد اولاد، اولاد اولاد اولاد الٰی آخر الدہر۔ اسعاف میں ہے:

لایکون للبطن الاسفل شیئ مابقی من البطن الاعلی احدوھکذا الحکم فی کل بطن حتی تنتھی البطون موتا[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	بطن اسفل کو کچھ حق نہ ملے گا جب تک بطن اعلٰی میں سے کوئی ایک موجود ہے، اور یہی حکم تمام بطنوں کا ہے حتی کہ موت کے سبب بطون منتفی ہوجائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۵ تا ۳۵۶: مرسلہ حاجی محمد حسین صاحب رئیس از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد وقف کی اور دربارہ تولیت یہ شرط تحریر کی کہ بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۵۳

نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن حسب دستور مجھ گنہگار کے صرف کرتا رہے، آیا اس عبارت مذکورہ سے واقف کا منشا کسی خاص اولاد کی نسبتاً یعنی بیٹیوں کی پوتوں کی نسبت ہے یا اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سوال دوم: جائداد موقوفہ کے اشخاص ذیل متولی ہوسکتے ہیں یا نہیں اور شرعاً لفظ لائق کن اشخاص سے مراد ہے؟

(١) جو باوصف استطاعت بائیس سال سے نہ حج کرتا ہو نہ زکوٰۃ اور نہ عشر دے۔

(٢) جو علانیہ فسق وفجور مبتلا ہو۔

(٣) کیا تارک جماعت لائق متولی ہوسکتا ہے۔

(٤) جو طمع نفسانی سے متولی ہونا چاہے اور جس کو بیحد کوشش تولیت کی ہو۔

(٥) جو سود جائز سمجھ کرلیتا ہو۔

(٦) جو شطرنج اور تاش بازی میں مصروف رہتا ہو وہ قابل تولیت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(١) نہ اس میں ایسا خصوص ہے کہ بعض طبقات اولاد کو اصلاً شامل نہ ہو، نہ ایسا عموم کہ ہر طبقہ کی اولاد معاً مستحق ہو بلکہ وہ جمیع طبقات کو بشرط ترتیب عام ہے یعنی جب تک خاص اولاد صلبی واقف سے کوئی مرد لائق تولیت باقی رہے گا پوتے اگرچہ لائق ہوں بلکہ الیق ہوں نہ پاسکیں گے لان الواقف انما شرط اللائق دون الالیق (واقف نے تولیت کے لئے لائق کی شرط لگائی ہے نہ کہ لائق ترین کی۔ت) اور جب اولاد صلبی سے کوئی مرد نہ ہو یا جتنے باقی ہوں ان میں کوئی لائق تولیت نہ ہو تو پوتوں میں جو لائق ہو اسے پہنچے گی اب ان میں کا جب تک کوئی لائق باقی رہے گا پر پوتوں کا استحقاق نہ ہوگا وعلی ھذا القیاس الی انقراض النسل (اور اسی پر قیاس کرتے چلو یہاں تک کہ اس کی نسل ختم ہوجائے۔ت) اور نواسے بہر حال مستحق نہ ہوں گے جس نے نواسوں کو بھی شمول لکھ دیا خطا کی۔ فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

ان قال علی ولدی وولد ولدی یصرف الی اولادہ ابدا ما تناسلوا الاقرب والابعد فیہ سواء الا ان یذکر الا قرب	اگر واقف نے کہا کہ یہ چیز میری اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف ہے، تو یہ وقف اس کی اولاد کی طرف ہی پھیرا جائے گا جب تک اس کی اولاد کا سلسلہ جاری رہے گا۔ قریب وبعید والے

فالا قرب او یقول بطنا بعد بطن فیبدا بما بدأبه الواقف[1] (ملخصًا)	اس میں برابر ہوں گے یا اس نے یوں کہا یہ وقف ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کے لئے ہے تو اسی سے ابتداء کریں گے جس سے واقف نے ابتداء کی ہے (ملخصًا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

ولدی لایدخل فیه ولدالبنت فی ظاہر الروایة وبه اخذهلال والصحیح ظاہر الروایة[2] (ملخصًا)	واقف کے کلام میں لفظ "ولدی" میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں ظاہر الروایۃ کے مطابق اسی کو ہلال نے لیا ہے اور صحیح ظاہر الروایۃ ہے (ملخصًا)۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وقال ولدی وولد ولدی لایدخل فیه اولاد البنات فی ظاہر الروایة وعلیه الفتوی ھکذا فی محیط للسرخسی[3]	واقف نے اگر اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق بیٹی کی اولاد اس میں داخل نہیں، اور اسی پر فتوی ہے۔ اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

(۲) لائق وہ ہے کہ دیانت کار گزار ہوشیار ہو جس پر دربارہ حفاظت وخیر خواہی وقف اطمینان کافی ہو، فاسق نہ ہو جس سے بطمع نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا انہماک لہو ولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا نادانی یا کام نہ کر سکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے، فاسق اگرچہ کیسا ہی ہوشیار کار گزار مالدار ہو ہرگز لائق تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانی شرع کی پروا نہیں رکھتا کسی کار دینی میں اس پر کیا اطمینان ہو سکتا ہے، ولہذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الاسعاف ولا یولی الاامین قادربنفسه او بنائبه لان	اسعاف میں فرمایا ہے کہ متولی صرف اسی کو بنایا جائے گا جو امین ہو اور بذات خود یا اپنے نائب

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۸۔۷۲۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۷۴

الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود وکذا تولیة العاجزلان المقصود لایحصل به[1]۔	کے اعتبار سے وقف کی حفاظت پر قادر ہو کیونکہ ولایت نگرانی کی شرط سے مقید ہے اور خائن کو متولی بنانے میں نگرانی کا فقدان ہے کیونکہ خائن کی تولیت مخل مقصود ہے یہی حال عاجز کو متولی بنانے کا ہے کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(وینزع وجوبا بزازیة(لو)الواقف درر فغیرہ بالاولی (غیر مامون)او عاجزا او ظھر به فسق کشرب خمر و نحوہ،فتح[2]۔	متولی سے ولایت وقف وجوبًا واپس لے لی جائیگی(بزازیہ اگرچہ وہ خود واقف ہو(درر)تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی واپس لے لی جائیگی جب کہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس کا فسق شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہوچکا ہو(فتح)۔(ت)

سود لینا گناہ کبیرہ ہے تو اس کا ارتکاب اگرچہ ایک ہی بار یقینا اجماعًا فاسق وبددیانت کردیگا جب کہ حرام جان کر کرے اور دارالاسلام میں جائز سمجھا تو فسق درکنار صریح کافر مرتد ہوجائے گا لاستحلاله ماعلم حرمته ضرورة من الدین (اس چیز کو حلال جاننے کی وجہ سے جس کی حرمت ضروریات دین سے معلوم ہے۔ت) یونہی جو بلاعذر صحیح شرعی ترک جماعت کیا کرے فاسق ومردود الشہادۃ ہے۔غنیہ میں ہے:

تارکھا بلاعذر یعزر وترد شھادته[3]۔	بلاعذر ترک جماعت کرنے والے پر تعزیز لگائی جائے اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی۔(ت)

نہر الفائق میں ہے:

ترکھا مرة بلاعذر یوجب اثما فی قول العراقیین والخرا سانیون علی انه یاثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیة[4]۔	بلاعذر ایک بار جماعت کو چھوڑنا عراقیوں کے قول کے مطابق موجب گناہ ہے اور خراسانی تب اس کو گنہگار قرار دیتے ہیں جب وہ ترک جماعت کو عادت بنالے، جیساکہ قنیہ میں ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] غنیة المستملی فصل فی الامامة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۰۹

[4] بحوالہ الغنیة المنیة باب فی الجماعة مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص ۳۶

ردالمحتار صدر واجبات میں ہے:

الجماعة واجب کما فی البحر وصرحوابفسق تارکھا[1]۔	راجح قول کے مطابق جماعت واجب ہے یا حکم واجب میں ہے جیسا کہ بحر میں ہے، اور مشائخ نے تصریح کی ہے کہ تارک جماعت فاسق ہے۔ (ت)

مذہب صحیح ومعتمد پر زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوٰۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار ہے، یونہی قول اصح وارجح پر حج کا وجوب، تو جس سال استطاعت ہو اسی سال جائے ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر زکوٰۃ یا حج بعد وجوب بلاعذر صحیح تین سال تک ادا نہ کرے تو فاسق ہے نہ کہ بائیس سال۔ تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ میں ہے:

افتراضھا فوری وعلیہ الفتوٰی فیأثم بتاخیرھا وترد شھادتہ[2]۔	زکوٰۃ کی فرضیت فوری ہوتی ہے اور اسی پر فتوی ہے تاخیر کرنے والا گنہگار ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم[3]۔	بدائع میں بحوالہ منتقی ہے کہ کسی نے زکوٰۃ ادا نہیں کی یہاں تک کہ اگلا سال ختم ہوگیا تو براکیا اور گنہگار ہوا۔ (ت)

درمختار کتاب الحج میں ہے:

فرض علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالك واحمد فیفسق وترد شھادتہ بتاخیرہ ای سنینا لان تاخیرہ صغیرۃ و بارتکابہ مرۃ لایفسق الا بالاصرار، بحر[4]۔	حج کی فرضیت علی الفور ہوتی ہے اور پہلے ہی سال ادا کرنا چاہئے امام ابویوسف کے نزدیک، اور امام ابوحنیفہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق اور امام مالک واحمد کے مطابق چند سال مؤخر کرنے سے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوگی کیونکہ تاخیر حج گناہ صغیرہ ہے اس کے مرتکب کو اس پر اصرار کے بغیر فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، بحر۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۰۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

[4] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۔۱۵۹

عشر بھی ایک نوع زکوٰۃ ہے یا کم از کم اس کا حکم حکم زکوٰۃ ہے اور اسی طرح بعینہٖ اسی دلیل سے اس کا وجوب بھی فوری اور تین برس تک نہ دینے میں فسق۔ ردالمحتار میں ہے:

العشر ذکرہ فی الزکوٰۃ لانه منها قال فی الفتح لاشك انه زکوٰۃ حتی یصرف مصارفها اھ وایدہ الشیخ اسمٰعیل بانه یجب فیما لایؤخذ منه سواہ ولایجامع الزکوٰۃ بتسمیته فی الحدیث صدقة واختلافهم فی وجوبه علی الفور اوالتراخی کما فی الزکوٰۃ[1]۔	عشر کو ماتن نے زکوٰۃ میں ذکر کیا کیونکہ یہ زکوٰۃ میں سے ہی ہے۔ فتح میں کہا کہ بے شک عشر زکوٰۃ ہے یہاں تک کہ اس کو مصارف زکوٰۃ پر صرف کیا جاتا ہے اھ اور شیخ اسمٰعیل نے اس کی تائید کی بایں طور کہ عشر انہی چیزوں میں واجب ہوتا ہے جن میں اس کے سوا کچھ نہیں لیا جاتا اور یہ زکوٰۃ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، اور حدیث میں عشر کا نام صدقہ رکھنے اور زکوٰۃ کی طرح اس کے وجوب علی الفور اور وجوب علی التراخی میں فقہاء کے اختلاف سے بھی اس کا زکوٰۃ ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

الامر بالصرف الی الفقیر معه قرینة الفور وھی انه لدفع حاجته وھی معجلة فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام وتمامه فی الفتح[2]۔	عشر کو فقیر پر صرف کرنے کا حکم قرینہ ہے اس کے وجوب علی الفور پر، کیونکہ یہ دفع حاجت کے لئے ہے اور حاجت معجّل ہے تو اگر اس کا وجوب علی الفور نہ ہو تو اس کے ایجاب کا مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہو سکتا اس کی تفصیل فتح میں ہے (ت)

شطرنج اگر ترک جماعت وغیرہ منکرات کی طرف مؤدی یا ان پر مشتمل ہو بالاتفاق حرام ہے اور اس کی عادت مطلقاً ممنوع اور بحکم تجربہ ضرور داعی معاصی، اور تاش اور اسی طرح گنجفہ بوجہ اشتمال واعزاز تصاویر مطلقاً بلاشرط ممنوع وناجائز ہے اور مصروف رہنا فسق۔ در مختار میں ہے:

کرہ کل لهو لقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کل لهو المسلم حرام الاثلثة	ہر کھیل مکروہ ہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنا پر کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱۔۱۳۰

ملاعبته اهله وتادیبه لفرسه ومناضلته بقوسه[1]۔	ہے سوائے تین کھیلوں کے: اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا اور اپنے گھوڑے کی تعلیم وتادیب کرنا اور سبقت کے لئے اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا۔(ت)

رہا وہ شخص کہ اپنے لئے تولیت کی کوشش کرے اگر ثابت ہو کہ یہ کوشش بطمع نفسانی ونیت فاسدہ ہے جب توظاہر ہے کہ اسے متولی بنانا حرام لان الشرط کونه امینا والطالب لطمع غیر امین (تولیت کے لئے شرط ہے کہ متولی امین ہو اور حرص وہوا کے لئے تولیت کا مطالبہ کرنے والا غیر امین ہے۔ت) اور ایسا نہیں تو اگر اس کے لئے تولیت ثابت ہے صرف اس کا نفاذ چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں اگرچہ کسی قدر کوشش کرے کہ یہ کوشش حق کے لئے ہے اور حق کے لئے کوشش حق ہے مثلاً واقف نے شرط کی کہ میری اولاد ذکور سے جو لائق ہو متولی ہو، یہ شخص اس کی اولاد ذکور سے ہے اور جملہ شرائط مذکورہ لیاقت کا جامع ہے تو اس کی کوشش بے جا نہیں، اور اگر اس کے لئے تولیت ثابت نہیں پھر تحصیل تولیت کے لئے کوشش کرتا ہے تو اسے متولی نہ کرنا چاہئے اگرچہ کیسا ہی لائق ہو۔ درمختار میں ہے:

طالب التولیة لایولی الاالمشروط له النظر لانه مولی فیرید التنفیذ، نهر[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے جس کے لئے تولیت مشروط ہوچکی ہو کیونکہ وہ بسبب شرط کے متولی ہوچکا ہے اور اب اس کی تنفیذ چاہتا ہے، نہر۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[3]۔رواه احمد و البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہم ہرگز اپنے دینی کام پر اسے مقرر نہ کریں گے جو خود اس کی خواہش کرے (اس کو امام احمد بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے سیدنا حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

طالب التولیة لایولی کمن طلب القضاء لایقلد فتح وھل المرادانه لاینبغی اولایحل استظھر فی البحر الاول تأمل[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ طالب قضاء کا مطالبہ نہیں مانا جاتا، فتح، کیا اس سے مراد یہ ہے کہ مناسب نہیں یہ مراد ہے کہ حلال نہیں، بحر میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے، غور کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۷: مرسلہ مولوی سلیمان صاحب اکبر آبادی ۲۳ شعبان ۱۳۲۸ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ کا سکرٹری ہے اور پیشہ وکالت کرتا ہے اور لوگوں کو سود کی ڈگریاں دلواتا ہے اور خلاف حق مقدمات میں کوشش کرنے سے نہیں بچتا اور اکثر اوقات عقائد سر سید احمد خان کا مداح رہتا ہے ایسا شخص آیا منتظم امور اہل اسلام یعنی سکریٹری انجمن اسلامیہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو اہل اسلام اس کو اپنا سکریٹری بنائیں ان کا کیا حکم؟

الجواب:

امور بالا سے تو یہ شخص فاسق فاجر ہوتا مگر عقائد کفریہ کافر کا مداح خود کافر و مرتد ہے اور کافر کسی طرح مسلمانوں کے کسی کام کا والی نہیں ہوسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔	اور ہر گز اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ (ت)

ان سے استعانت ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انالانستعین بمشرک**[3] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ ت) جو ایسے کی سپردگی میں مسلمانوں کا کام دے اس نے اللہ و رسول اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عصابة رجلا وفیھم من ھوارضی منه للہ فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین[4]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جس نے کسی شخص کو ایسی جماعت مسلمین پر عامل بنایا جس جماعت میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی شخص موجود ہے تو اس نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجه ابواب الجہاد الاستعانة بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبه حدیث ۱۵۰۰۹ کتاب الجہاد ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامارۃ امانته دارالفکر بیروت ۴/ ۹۳۔ ۹۲

سلم اور تمام مومنوں سے خیانت کی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۸: مرسلہ احمد نبی خان از مراد آباد ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل اسلام عادل اور ثقہ نے بلا تحریر وقف نامہ کے ایک جائداد جس کو عرصہ زائد ایک سو سال کا ہوا، بدون مصارف کے وقف کیا اگرچہ وقف واقف کا کوئی گواہ زندہ نہیں ہے مگر بعد وفات واقف کے تمام مرد عورت عادل وصالح اہل خاندان واقف کے وقتاً فوقتاً متولی ہوتے رہے کبھی کوئی شخص غیر خاندان کا متولی نہیں ہوا اور باعتبار اس عملدرآمد کے منشائے واقف بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے اہل خاندان صالح اور عادل کے اور کوئی متولی نہ کیا جائے، اب ایک مسماۃ متولیہ اہل خاندان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص غیر خاندان کے نام ایک وصیت نامہ لکھ دیا ہے کہ بعد میرے وہ متولی کیا جائے اہل خاندان واقف جن میں اکثر مرد صالح اور عادل ہیں یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ شخص جس کو متولی ہونا بیان کیا جاتا ہے فاسق اور غیر خاندان واقف سے ہے، اس کو بمقابلہ اہل خاندان صالح کے حق تولیت حسب وصیت حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس وقف کے شرائط واقف معلوم نہ ہوں اور طول مدت کے سبب گواہان مشاہدہ نہ رہے ہوں اس میں عملدرآمد قدیم پر کارروائی کی جائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح فی الذخیرۃ بانہ اذا اشتبہت مصارف الوقف ینظر الی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان، فیبنی علی ذٰلك لان الظاہر انہم کانوا یفعلون ذٰلك علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذلک[1]۔	تحقیق ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر مصارف وقف میں اشتباہ ہو تو زمانہ قدیم سے اس وقف میں جاری معلوم کو دیکھا جائے گا اور اسی پر بناء کی جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ متولیان سابقہ شرط واقف کے مطابق ہی ایسا کرتے ہوں گے اور مسلمانوں کے حال کے بارے میں یہی گمان غالب ہے لہٰذا اسی پر عمل کیا جائیگا۔ (ت)

اسی میں کتاب الوقف للخصاف سے ہے:

اذا وجد شرط الواقف فلا سبیل	جب واقف کی شرط موجود ہو تو اس کی مخالفت کی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۔ ۱۲۲

الی مخالفته، واذافقد عمل بالاستفاضة والاستیمارات العامة المستمرة من تقادم الزمان [1]۔	کوئی راہ نہیں اور اگر شرط واقف مفقود ہو تو قدیم زمانوں سے متولیوں کا جو عملدرآمد اور معمول اس وقف کے بارے میں مشہور ومعروف چلا آرہا ہے اسی پر عمل کیا جائے گا۔ (ت)

علاوہ بریں خود حکم شرع ہے کہ جب تک اقربائے واقف میں کوئی شخص لائق تولیت ہو بیگانہ آدمی متولی نہ کیا جائے، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم [2]۔	جب تک واقف کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی صالح تولیت موجود ہو اجنبیوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ یہ وقف کے معاملہ میں زیادہ شفیق واقع ہوگا اور اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف قائم رہے۔ (ت)

پھر اس شخص غیر کا فاسق ہونا سب پر طرہ ہے فسق کے بعد تو خود واقف اگر متولی ہو تو وہ بھی معزول کردیا جائے گا نہ کہ اجنبی فاسق کو متولی کیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیره بالاولی غیرمامون او عاجزا او ظهر به فسق کشرب خمر ونحوه، فتح [3]۔	متولی سے ولایت وقف بطور وجوب واپس لی جائیگی اگرچہ خود واقف ہو جبکہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق شراب نوشی وغیرہ کی مانند ظاہر ہو (جب واقف کا حال یہ ہے) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت وقف صورت مذکورہ میں واپس لینا واجب ہوگا، فتح۔ (ت)

لہٰذا وصیت پر عمل نہیں بلکہ خاندان واقف سے کسی صالح متدین ہوشیار کارگزار کو متولی کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۹: مولوی حشمت علی ساکن گڈھیا　　۲/رجب المرجب ۱۳۳۱ھ

کیا ہندو وغیرہ کفار متولی مسجد وغیرہ او قاف ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو عالمگیری کی اس عبارت

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ولایشترط الحریۃ والاسلام [1] الخ (اس میں حریت واسلام شرط نہیں الخ۔ت) کا کیا مطلب لیا جائیگا اور ایک ہندو مسجد کا حوض اپنے روپے سے بنانا چاہتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

فقیر نے یہاں حاشیہ ردالمحتار میں لکھا:

اقول: وباللّٰہ التوفیق عدم اشتراط للصحۃ لا یستلزم عدم اشتراطہ للحل وقد تقدم فی کتاب الزکوٰۃ باب العاشر تحریم جعل کافر عاشرا لان فیہ تعظیمہ وھو حرام وعن شرح السیر الکبیر ان امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کتب الی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ لاتتخذ احدامن المشرکین کاتبا علی المسلمین قال وبہ ناخذ لقولہ تعالٰی لا تتخذوا بطانۃ من دونکم ویأتی فی الاضحیۃ کرہ ذبح الکتابی وتعلیلہ بانہ لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لانستعین بمشرک وقد علم تحریم تولیۃ الخائن وھذا ربنا عزوجل یقول "لا یالونکم خبالا" واللہ الموفق [2] اھ ما کتبت علیہ۔	میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ صحت کے لئے شرط نہ ہونا حل کے لئے شرط نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور کتاب الزکوٰۃ باب العاشر میں گزر چکا ہے کہ کافر کو عاشر مقرر کرنا حرام ہے کیونکہ اسے عاشر بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم حرام ہے، سیر کبیر کی شرح سے منقول ہے کہ امیر المومنین (عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے معاملات کیلئے کسی مشرک کو کاتب مت بنانا اور شارح سیر کبیر نے کہا کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں بدلیل اس ارشاد الٰہی کہ "(اے ایمان والو!) غیروں کو اپنا رازدار مت بناؤ"۔ کتاب الاضحیہ میں آرہا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ امور دینیہ میں کافر سے مدد نہیں مانگنی چاہئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ بیشک ہم مشرک سے مدد نہیں طلب کرتے، اور تحقیق خائن کو متولی بنانے کی حرمت معلوم ہوچکی ہے اور ہمارا رب عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے کہ "وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے" اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ردالمحتار پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

اس سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ کافر کو متولی کیا جائے تو ہو جائے گا مگر اسے متولی کرنا، کوئی امر دینی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایۃ الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

اس کو اختیار میں دینا حرام ہے اور اسے معزول کرنا واجب، نہ کہ خاص مسجد پر کہ اعظم او قاف دینیہ ہے۔

مؤذن گریباں گرفتش کہ ہین سگ و مسجد اے فارغ از عقل و دیں

(مؤذن نے اس (بے دین) کا گریبان پکڑا کہ خبر دار! کتے اور مسجد کا کیا تعلق اے عقل اور دین نہ رکھنے والے۔ت)

ہندو سے کسی کار دینی میں مدد نہ لی جائے گی وہ اس میں مسجد و مسلمانان پر اپنا احسان سمجھے گا۔ **اللّٰھم لاتجعل لفاجر علی یدًا**[1] (اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر کا احسان مت رکھ۔ت) دعائے ماثورہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۶۰ تا ۳۶۵: از مراد آباد بتوسط حاجی امیر اللہ صاحب ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید ایک مسجد کا جس کی آمدنی مستقل زائد از بیس روپے ماہوار ہے مدت سے متولی ہے، مسجد میں قطعی بندوبست نماز کا بغیر صلٰوۃ جمعہ نہیں، جس کا دل چاہا خواہ فاسق معلن ہو یا بے علم اس نے امامت کرلی، اور اکثر اوقات نزاع وفساد در بارہ امامت ووقت رہتا ہے، متولی مذکور صراحۃً وکنایۃً ان مکروہات کے انسداد کے واسطے فہمائش منجانب مصلیان ہوئی بھی تو قطعی خیال نہ کیا، زیادہ سے زیادہ مسجد کے خرچ میں درمیان پانچ یا چھ روپیہ ماہوار کے آتا ہے، علاوہ اس کے مسجد کی خدمت در بارہ صفائی بھی کماحقہ نہیں ہوتی بلکہ پانی سقایہ ونیز اس کا سرما میں گرم ہونا بیشتر چندہ سے ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں متولی مذکور قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی آمدنی کا روپیہ کس شخص کو خواہ متولی ہو یا دیگر اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مسجد کی آمدنی اتنی معقول ہو اس میں اگر دوسرا شخص بطور چندہ یا اپنی طرف سے مسجد کی خدمت کرے تو وہ ماجور ہوگا یا نہیں اور مسجد اس چندہ کو شرعًا قبول کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر متولی لطائف الحیل سے ضروریات مسجد کو ٹال دے یعنی نماز وامامت اور باوجود ضروریات دین اور نیز فہمائش کے مسجد کی خدمت کماحقہ ادا نہ کرے نہ خود امامت کرے بلکہ دن رات نفسانی ہوا وہوس میں مشغول رہے اور اسی بناء پر امامت سے اعراض کرے تو اس کا کیا حکم ہے وشرع شریف کے نزدیک ایسا متولی قابل رکھنے کے ہے یا نہیں؟

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب المحبۃ بیان حقیقۃ المحبۃ الخ دار الفکر بیروت ۹/ ۵۵۴

(۵) محض خالصًا لوجہ اللہ والناس جواب ہونا چاہئے انہیں صورتوں میں جب کہ امام مقتدیوں سے ضروریات شرعیہ میں ہر طرح سے کم ہے اور پھر بھی امام بنا ہے تو علاوہ نماز خراب ہونے کے متولی بھی اس گناہ میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ اور اول مقتدیوں کی نماز جو اس امام سے علم وفضل میں زائد ہیں کس درجہ تک ناقص ہوگی یا قطعی نہ ہوگی؟

(۶) اگر کوئی شخص شرارتًا وباغوائے متولی قبروں پر مع جوتیاں چڑھتا ہو اور ہانڈی کا دھوون، پان کی اگال، استنجا قبروں پر کرتا ہو تاکہ اوروں کو جو اس شرارت سے روکتے ہیں ایذا ہو تو ایسے شخص اور متولی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جب کہ مسجد کی آمدنی بیس ۲۰ روپیہ ماہوار سے زائد ہے اور متولی صرف پانچ چھ روپے خرچ کرتا ہے باقی کا پتا نہیں دیتا اور مسجد کی ضروریات مثل صفائی وغیرہ معطل رہتے ہیں یا چندہ سے ہوتے ہیں تو اسکا ظاہر حال خیانت ہے اگر وجہ معقول وحساب صحیح پیش نہ کرے معزول کرنا لازم ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولوالواقف فغیرہ اولی لو غیر مأمون[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	متولی خائن سے ولایت وجوبًا واپس لے لی جائیگی اگر وہ خود واقف ہو لہٰذا غیر واقف سے توبدرجہ اولٰی ولایت واپس لینا واجب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

(۲) مسجد کی آمدنی کو کوئی شخص اپنے ذاتی صرف میں نہیں لاسکتا مگر متولی بقدر اجرت مثل یعنی اتنے کام پر عرف میں کیا ماہوار ہوتا ہے اتنا پاسکتا ہے۔

(۳) پاک مال نیک نیت سے مسجد کی خدمت کرنے والا ضرور ماجور ہے اور مسجد اسے قبول کرسکتی ہے اگرچہ مسجد کی آمدنی کثیر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) امامت ذمہ متولی لازم نہیں اور ہوا و ہوس اگر تاحد فسق نہ ہو مانع تولیت نہیں اور ضروری خدمتوں میں تقصیر یا بربنائے عجز ہوگی یا بربنائے بے پروائی دونوں صورتوں میں لائق عزل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) مفضول فاضل کی امامت کرسکتا ہے جب کہ شرائط صحت وجواز امامت کا جامع ہو اس سے فاضل کی نفس نماز میں کوئی نقص آئے گا نہ متولی پر اس کا الزام ہے، ہاں اگر متولی دیدہ دانستہ افضل

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی منه للّٰه تعالٰی فقد خان اللّٰه ورسوله والمؤمنین [1] ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔

(۶) قبر مسلم کا ادب واجب ہے اس پر استنجا کرنا حرام ہے اس پر اگال یا دھون ڈالنا توہین ہے، اس پر بلاضرورت و مجبوری شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے، نہ کہ معاذاللہ اس پر جوتا پہنے چڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابه فتخلص الی جلدہ خیرله من ان یجلس علی قبر [2] ۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم [3] ۔	بیشک مجھے آگ یا تلوار پر چلنا مسلمانوں کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

اس میں بکثرت احادیث وروایات ہمارے رسالہ اھلاك الوھابیین [4] میں ایسا کرنے والا سب سے سخت عذاب کا مستحق ہے اور متولی کہ ایسے فعل کا اغوا کرتا ہے اس سے بھی بدتر ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ع عن حذیفہ حدیث ۱۶۵۳ ۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹

کنز العمال میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس علم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غشی اللّٰه وغشی رسوله وغشی جماعۃ المسلمین جبکہ مستدرک حاکم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: من استعمل رجلا من عصابۃ وفی تلك العصابۃ من ھو ارضی للّٰه منه فقد خان اللّٰه وخان رسوله وخان المومنین۔ ملاحظہ ہو جلد ۴ ص ۹۲ مطبعہ دار الفکر بیروت۔

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی النھی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲

[3] سنن ابن ماجه ابواب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[4] رسالہ ہذا (اھلاک الوھابیین) فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۴۲۹ پر موجود ہے۔

مسئلہ ۳۶۶: از بریلی بہاری پور معماران مسئولہ رحیم بخش صاحب ۵صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کی معرفت جو بہت معزز صاحب تھے کام مسجد کے واسطے خشت خریدی گئی اور وہ خشت مسجد کے کام میں آئی، روپیہ اسکا جو مسجد کے چندہ کا جمع تھا ان صاحب کو دے دیا گیا۔ اس شخص نے روپیہ مالک بھٹہ کو نہیں دیا اپنے پاس صرف کرلیا۔ مالک بھٹہ نے نالش مہتمم مسجد پر کردی آخر کار ڈگری مہتمم مسجد پر ہوگئی اور اس کا روپیہ جس قدر تھا وہ مہتمم مسجد نے فی الحال دیا اب مہتمم مسجد وہ روپیہ کس طرح سے وصول کرے اور وہ شخص کہ جس نے روپیہ اپنے پاس صرف کرلیا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نالش کا روپیہ اس نے اپنے مال سے دیا اس کا معاوضہ زر مسجد سے نہیں لے سکتا، وہ شخص جس نے روپیہ مار لیا اس سے حتی الامکان مسجد کا روپیہ وصول کرے وہ غاصب ہے، مرتکب غصب مستحق غضب ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۶۷تا۳۷۴: از سہسوان ضلع بدایوں مرسلہ مولوی سید پرورش علی صاحب ولد مولوی سید عبدالعزیز صاحب ۷رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) متولی وقف کے مسکن وصندوق سے مال وقف چوری گیا تاوان لازم یا نہیں؟

(۲) مدرسین وقف کو دوچار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟

(۳) متولی کو مال وقف بطور قرض اپنے صرف میں لانا پھر ادا کرنا روا یا ناروا؟

(۴) مال وقف سے کسی مسلمان کو قرضہ دینا روا یا ناروا؟

(۵) کتب وقف ایک مدرسہ دوسری جگہ مستعار دینا روا یا ناروا؟

(۶) دو مدرسوں کے متولی کو ایک وقف کا مال دوسرے میں صرف کرنا بطور قرض روا یا ناروا؟ اور واقف دونوں وقف کے جدا جدا ہیں۔

(۷) زمین مشترک کا روپیہ ایک شریک وصول کرتا ہے قبل تقسیم اپنے صرف میں لانا یا کسی مسلمان کو اس میں سے قرض دینا جائز یا نہ؟

(۸) تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا روا یا ناروا؟ حنفی کی معتمدات سے جواب عنایت ہو مع حوالہ کتاب۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں **لانہ کالوصی امین فالقول قولہ بیمین** (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ت) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کھلا چھوڑ دیا غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے **لان الامین بالتعدی ضمین** (کیونکہ تعدی کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ت)

(۲) روا نہیں مگر جہاں اجازت واقف یا تعامل قدیم ہو **لانہ یحمل علی المعہود من عند الواقف** (کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔ت)

(۳) حرام حرام **لانہ تعدی علی الوقف والقیم اقیم حافظ لامتلف** (کیونکہ یہ وقف پر تعدی ہے حالانکہ متولی کو بطور محافظ مقرر کیا جاتا ہے نہ کہ ضائع کرنے والا۔ت)

(۴) نہ، **لانہ صرف فی غیر المصرف** (کیونکہ یہ غیر مصرف میں صرف کرنا ہوا۔ت)

(۵) شرط واقف کا اتباع کیا جائے گا اگر منع کر دیا ناجائز ہے، اور اگر یہ شرط کر دی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گویا بطور گروی رکھا جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں اور اگر بلاشرط عاریۃً کی اجازت قوم یا اشخاص خاص کو دی تو انہیں کے لئے اجازت ہوگی اور عام تو عام **لقولہم شرط الواقف کنص الشارع**[1] **والمسألۃ فی الاشباہ والنہر والدر المختار ورد المحتار وھذا حاصل ماتقرر** (بسبب فقہاء کے اس قول کے کہ شرط واقف وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے اور یہ مسئلہ اشباہ، نہر، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جو کچھ اس پر وہاں تقریر کی گئی یہ اس کا خلاصہ ہے۔ت) **(۶)** ناجائز ہے،

لان الاقراض تبرع والتبرع اتلاف فی الحال والناظر للنظر لاللاتلاف ومسألۃ اختلاف الواقف اوالجھۃ مذکورۃ فی التنویر والدر ودائرۃ فی الاسفار الغر۔	قرض دینا تبرع ہے اور تبرع فی الحال تلف کرنا ہے جبکہ متولی تو حفاظت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ تلف کرنے کے لئے اور واقف وجہت وقف کے اختلاف کا مسئلہ تنویر، در اور جلیل القدر ضخیم کتابوں میں مذکور ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳ وکتاب التعریف ۱/ ۳۰۵

(۷) اپنے حق تک صرف کر سکتا ہے۔

(۸) متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے ایک یہ کہ امر ضروری و مصالح لابدی وقف کے لئے باذن قاضی شرع قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔ درمختار میں ہے:

لاتجوز الاستدانة علی الوقف الااذااحتیج الیہا لمصلحة الوقف کتعمیر وشراء بذر فیجوز بشرطین، الاول اذن القاضی فلو یبعد منه یستدین بنفسه، الثانی ان لاتتیسر اجارة العین والصرف من اجرتها والاستدانة القرض والشراء نسیئة[1]۔	وقف پر قرض لینا متولی کو جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جبکہ اس کی حاجت ہو جیسے وقف کی مرمت یا زمین وقف میں کاشت کے لئے بیج خریدنا، تو اس صورت میں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے شرط اول یہ ہے کہ اذن قاضی سے قرض لے اگر قاضی دور ہو تو متولی از خود قرض لے سکتا ہے، شرط ثانی یہ ہے کہ عین وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے خرچ کرنا ممکن نہ ہو۔ استدانت سے مراد قرض لینا اور شراء سے مرادادھار پر خریدنا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المختار انه اذالم یکن من الاستدانة بد تجوز بامر القاضی ان لم یکن بعیداعنه، امامالہ منه بد کالصرف علی المستحقین فلا کما فی القنیة الاالامام والخطیب والمؤذن فیما یظہر لقوله فی جامع الفصولین لضرورة مصالح المسجد اھ والاالحصیر والزیت بناء علی القول بانهما من المصالح وھو الراجح، ھذاخلاصة ما اطال فی البحر[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	مختار یہ ہے کہ اگر قرض کر لینے سے چھٹکارا نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے جائز ہے جبکہ قاضی دور نہ ہو لیکن اگر اس سے چھٹکارا ہو سکتا ہے تو جائز نہیں جیسے مستحقین پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مگر امام، خطیب اور مؤذن پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے جیسا کہ جامع الفصولین کے قول سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں مسجد کی مصلحت ہے اھ اور اسی طرح مسجد کے لئے چٹائی اور تیل وغیرہ کے لئے قرض لینا بھی جائز اس قول کی بناء پر کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہیں اور یہی راجح ہے، یہ بحر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے اھ واللہ اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۹

مسئلہ ۳۷۵: مسئولہ فیض رسول خاں ساکن چاند پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولی حسین خاں نے عرصہ اکتیس سال سے تحریر تولیت نامہ حقیت موضع پرتیت پور پرگنہ نواب گنج محلّہ باغ کے قابض کرکے متولی مقرر کردیا، بعدہ پندرہ برس کے ولی حسین خان فوت ہوئے اس کے بعد کو بھی متولی بدستور پندرہ سال تک اور کام تولیت کاانجام دیتا ہے اور اب تک قابل انجام وہی کام تولیت کے ہے۔اب تقی حسین خاں پسر ولی حسین خاں نے جبر ناجائز دے کر متولی سے دستبرداری لکھائی اور جائداد موقوفہ سے ایک باغ رد کراکر اپنے ملازم سے مشتری باغ ظاہر کرایااور آمدنی خیر کو مصارف ناجائز میں صرف کرنا شروع کیا۔جواب بالا میں متولی سابق برخاست ہوسکتا ہے اور تقی حسین خاں قابل تولیت کے ہوسکتا ہے اور تصرف ناجائز آمدنی خیر میں عنداللہ وعندالرسول کے کیا احکام ہیں؟

الجواب:

دستاویز دست برداری ملاحظہ ہوئی وہ دست برداری مطلق نہیں بلکہ بحق تقی حسین خاں ہے اور پیش قاضی بقبول قاضی نہیں بلکہ بطور خود ہے اور مرض الموت متولی میں نہیں بلکہ اس نے اپنی صحت میں کی ہے اور دستاویز وقف ملاحظہ ہوئی، اس میں واقف سے متولی کو کوئی اختیار اپنے عزل اور دوسرے کے نصب کا نہیں دیا۔پس دست برداری مذکور محض مردود و باطل ہے اس سے نہ فیض رسول خاں کی تولیت زائل نہ تقی حسین خاں کو اصلاً کوئی حق حاصل بلکہ فیض رسول خان بدستور متولی اور تقی حسین خان نرا اجنبی ہے اگرچہ وہ بددیانتی بھی نہ کرے اور بحال بددیانتی جیساکہ سوال میں مذکور ہے خود واقف بھی اگر متولی ہوتا فورًا نکال دیا جاتا نہ کہ دوسرا شخص۔درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیرہ مقامه فی حیاته ان کان التفویض له بالشرط عاماصح والالایصح[1] (ملخصًا)	متولی نے اپنی زندگی میں کسی اور کو اپنی جگہ متولی بنانا چاہا اگرتواس کو واقف کی طرف شرط کے تحت عام تفویض تولیت کی اجازت حاصل ہے تو صحیح ورنہ نہیں۔(ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معنی العموم کمافی انفع الوسائل انه	عموم کامعنی جیساکہ انفع الوسائل میں ہے یہ ہے

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

ولاه واقامه مقام نفسه، وجعل له ان يسنده الى من شاء ففى هذه الصورة يجوز التفويض منه فى حال الحيوة[1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنایا اور اس کو اپنے قائم مقام کردیا اور اسے اختیار دیا کہ وقف کو جس کی طرف چاہے منسوب کردے تو اس صورت میں اس کو اپنی زندگی میں تفویض تولیت جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفراغ مع التقرير من القاضى عزل لاتفويض ويدل عليه قوله فى البحر اذاعزل نفسه عندالقاضى فانه ينصب غيره وبه ظهران قولهم لايصح اقامة المتولى غيره مقامه فى حياته وصحته مقيد بمااذالم يكن عند القاضى، ولايرد ان العزل يكفى فيه مجرد علم القاضى لان الفراغ عزل خاص مشروط فانه لم يرض بعزل نفسه الا لتصير الوظيفة لمن نزل له عنها[2] اھ مختصرا۔	متولی کا فارغ ہونا جبکہ قاضی دوسرے کو مقرر کرے عزل ہے تفویض نہیں اسی پر دلالت کرتا ہے بحر میں اس کا قول کہ اگر متولی نے قاضی کے پاس خود کو معزول کرلیا تو قاضی کسی دوسرے کو مقرر کرے، اسی سے ظاہر ہوا کہ فقہاء کا یہ قول کہ متولی اپنی زندگی میں حالت صحت میں غیر کو اپنے قائم مقام نہیں کرسکتا مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ قائم مقام کرنا قاضی کے پاس نہ ہو۔ اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عزل میں تو صرف قاضی کو علم ہونا کافی ہے عدم ورود کی وجہ یہ ہے کہ فراغ ایک خاص مشروط عزل ہے کیونکہ متولی اپنی معزولی پر صرف اس صورت میں رضامند ہوا کہ ولایت اسی کی طرف منتقل ہو جس کے لئے اس نے معزولی اختیار کی اھ اختصارًا(ت)

درمختار میں ہے:

وينزع وجوبًا بزازية، لو الواقف درر، فغيره بالاولى غير مامون[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خائن متولی سے وجوبًا ولایت لے لی جائے گی (بزازیہ) اگر وہ متولی خود واقف ہو (درر) تو خیانت کے سبب غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت لے لینا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۷۶: مسئولہ فیض محمد صاحب محلّہ بہادر گنج شاہجہان پور ۳۰ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی تحویل کا روپیہ رشوت میں صرف کیا جائے اور اپنے تصرف میں لایا جائے تو آیا ایسی صورت میں تحویل رکھنے والا یا مشورت میں شریک ہونے والا شرعاً کس تعزیر کا مستوجب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کیا شرعی تعزیرات یہاں جاری ہیں، کیا کوئی دے سکتا ہے تحویل اس سے نکال لینی واجب ہے، اور جو اپنے صرف میں لایا یا خاص کار ضروری مسجد بحالت مجبوری محض کے سوا رشوت میں اٹھایا اس کا تاوان اس پر لازم ہے مسلمان اس سے توبہ لیں، نہ مانے تو اس سے میل جول چھوڑ دیں ہاں اگر نہ اپنے صرف میں لایا نہ اور کوئی تصرف بیجا کیا کسی معاملہ میں مسجد کو ضرر شدید پہنچا تھا اور بے کچھ دئے لئے کسی طرح نجات نہ تھی یوں صرف کیا تو مسجد کا اس پر کچھ الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۷: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متولی مسجد کا کون شخص ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کیا حقوق خدمات مسجد کے ہیں؟

الجواب:

متولی مسجد ایک قادر متدین ہونا چاہئے کہ ہوشیاری دیانتداری سے کام کرسکے اوقاف مسجد کا سب نظم ونسق اس کے سپرد ہوگا نیز مسجد کی نگہداشت غور پرداخت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷۸: از سہسوان ضلع بدایوں عبداللطیف مدرس قرآن شریف ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

محمود الاقران نعمان الزمان دامت برکاتہم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، متولی وقف کو مال وقف بطور قرض اپنے تصرف میں لانا یا کسی مسلمان کو قرض دینا روا یا ناروا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔

مسئلہ ۳۷۹ تا ۳۸۱: از شہر آگرہ محلّہ کھڑکی مسئولہ محمود حسن صاحب امام جامع مسجد سابق یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص خانقاہ کی سجادگی حاصل کرکے اپنے بھائی کو ہبہ مشاع اس شرط پر کرے کہ موہوب لہ سجادہ نشین رہے اور واہب مسند نشین اور آمد ہر قسم سرکاری ونذر وفتوح وغیرہ سب بالتنصیف تقسیم رہے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلا جائیگا مگر اس موہوب لہ سجادہ نشین کی اولاد اصل واہب کی اولاد کی منع مسند نشینی کے ساتھ نذر وفتوح وغیرہ کو بالتنصیف نہیں دیتی ہے کیا ایسی حالت میں

واہب موہوب لہ سے شے موہوب واپس لے سکتا ہے؟

(۲) جو اس سجادگی حاصلہ موہوبہ ومسند نشینی سے پہلے تھے ان کے حقوق وغیرہ معافیات بدستور قائم رہے اس میں کچھ رقم متعلق مرمت خانقاہ رہی موہوب لہ سجادہ نشین نے ان سوابق کو خانقاہ میں آنے اور خدمت کرنے سے منع کرادیا یا کردیا یا ایسے اسباب ڈالے جس سے مجبورًا ممنوع ہوئے اور مرمت وغیرہ بھی ان کی جانب سے نہ ہونے دی اور نہ کرنے دی اب سوابق مستحقین کے اولاد سے وہ (رقم مرمت جو پاتے رہے ہیں اولاد سجادہ نشین (موہوب لہ) لینا چاہتی ہے، کیا لے سکتی ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ وہ لوگ اپنی ذات سے خدمت اور مرمت کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) بعد نظر ڈالنے ہر دو قلم یہ بھی دریافت طلب ہے کہ شرعًا اس خانقاہ کا اصل راس یا مکھیا کس کو سمجھا جائے اور کون ہے اولاد سوابق مستحقین موہوب لہ کی اولاد، مسند نشین اصل واہب کی اولاد؟

الجواب:

نذر وفتوح جو جسے دے اس کی ملک ہیں واہب ہو یا موہوب لہ یا ان میں کسی کی اولاد، سجادہ نشین یا کسے باشد۔ رہا معاہدہ تنصیف وہ ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر اصل وعدہ کنندہ بھی حکمًا مجبور نہ کیا جاتا نہ کہ اس کی اولاد۔ **فقد نصوا علی انہ لاجبر علی الوفاء بالوعد**[1] (مشائخ نے اس پر نص کی ہے وفاء عہد پر جبر نہیں کیا جاتا۔ت) مگر یہاں ایک دقیقہ ہے کہ آگے ظاہر ہوگا بیان سائل سے معلوم ہوا کہ شے موہوب ملک واہب نہ تھی بلکہ جائداد وقف خانقاہ تھی اور سجادہ نشین حسب دستور اس کا متولی، اس نے اپنے بھائی کو یہ نصف ہبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہبہ باطل محض ہوا کہ جائداد موقوف اس کی ملک نہ تھی جسے ہبہ کرسکتا اور حق تولیت قابل ہبہ نہیں، متولی اپنی صحت میں دوسرے کو قائم مقام نہیں کرسکتا مگر اس حالت میں کہ جہت واقف سے اسے اس کا اختیار عام دیا گیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی صحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح والالا۔[2]	متولی نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا، اگر واقف کی طرف سے شرط کے سبب سے عام تفویض کا حق حاصل ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

تو اگر واہب کے لئے اختیار حسب شرط واقف یا تعامل قدیم کی دلیل شرط واقف ہے حاصل نہ تھا تو اس کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع فی الاجارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

اپنے بھائی کو سجادہ نشین کرنا باطل محض ہوا بلکہ وہی واہب بدستور سجادہ نشین رہا،

فانہ جعلہ مستقلا لاوکیلا عنہ حتی یجوز ولاینعزل بعزل نفسہ الاعند قاضی الشرع ولاقاضی ثمہ۔	اس لئے کہ اس نے اسے مستقل کیا ہے نہ کہ وکیل حتی کہ جائز ہوتا اور خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ قاضی شرع کے پاس ایسا کرے اور یہاں قاضی شرع موجود نہیں(ت)

اس صورت میں جو نذور وفتوح موہوب لہ کو دی جائیں اگر دینے والا خود اس کی ذات کو دیتے وہ اس کی ملک تھیں اور اگر نذر سجادہ بحیثیت سجادہ نشینی دیتے تو اس کو ان کا لینا جائز نہ تھا کہ وہ واقع میں سجادہ نشین نہ ہوا،

ومن اعطی احدا بظن وصف ولم یکن فیہ لم یحل لہ اخذہ[1] کما حققہ فی احیاء العلوم وغیرہ۔	اگر کوئی شخص کسی شخص میں کوئی وصف گمان کرکے عطیہ دے اور وہ وصف موہوب لہ میں نہ ہوتو اس کو یہ عطیہ لینا جائز نہیں، جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں اس کی تحقیق کی گئی ہے(ت)

اس صورت میں واپس لینے کے کوئی معنی نہیں کہ وہ دینا ہی صحیح نہ ہوا واپسی تو دینے کے بعد ہے۔ ہاں اگر واہب کو حسب شرط واقف اس کا اختیار بھی تھا تو بھائی کی شرکت صحیح ہوگئی اور واپسی کا اختیار نہیں مگر یہ کہ واقف نے یہ اختیار بھی دیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ان کان التفویض لہ عاما صح ولایملك عزلہ الااذاکان الواقف جعل لہ التویض والعزل[2]۔	اگر اس کو تفویض عام حاصل ہے تو صحیح ہے اور وہ اس کو معزول نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ واقف نے اس متولی کو تفویض وعزل دونوں کا اختیار دیا ہو(ت)

(۲) جو بحکم واقف یا حسب عملدرآمد قدیم اوقاف میں کوئی حق شرعی رکھتے تھے وہ بلاوجہ شرعی کسی کے ممنوع کئے ممنوع نہیں ہوسکتے۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

استفید من عدم صحۃ عزل الناظر	متولی وقف کو بلاجرم معزول کرنے کی عدم صحت

[1] احیاء العلوم کتاب الزہد والفقر ۴/ ۲۰۸، کتاب الحلال والحرام ۲/ ۱۵۴، کتاب اسرار الزکوٰۃ ۱/ ۲۲۳ مطبعۃ المشهد الحسینی القاہرہ مصر

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

بلاجنحۃ عدمہا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[1]۔	سے معلوم ہوا کہ وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو جرم اور عدم اہلیت کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔(ت)

(۳) مستحقین اپنے اپنے حقوق لینے تک کے مختار ہوتے ہیں اصل و راس وہی متولی او قاف ہے جس کا بیان جواب سوال اول میں گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۲: مرسلہ نقی احمد صاحب قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی محلّہ اشراف ۱۹ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید منتظم و بانی جائداد انجمن اسلامیہ جو کہ منجانب گروہ اسلام قائم ہوئی تھی تھااور عمرو امین جائداد کا تھا۔

(۲) بکر وغیرہ جو کہ متولی گروہ اسلام تھے پانچ سال کے حساب فہمی کا دعوی زید منتظم و عمرو امین پر کیااور کاغذات طلب کئے۔

(۳) ہر دو مدعا علیہم نے جواب دیا کہ تم مستحق حساب فہمی نہیں ہو کیونکہ کل جائداد میرے اہتمام و کوشش سے حاصل ہوئی۔

(۴) عدالت سے کاغذات طلب ہوئے عمرو امین روپوش ہوگیااور کاغذات نہیں دئے عدالت نے بہ ثبوت یک طرفہ مدعا علیہم پر ڈگری کردی۔

(۵) بعد ڈگری اس ڈگری کی بابت ثالثی ہوئی جس میں زر ڈگری چوتھائی قائم رہااور زید منتظم نے بوجہ روپوش ہونے عمرو کے کل روپیہ مطابق فیصلہ ثالثی ادا کردیا۔

(۶) اب زید منتظم و عمرو امین کا انتقال ہوگیااور جو کاغذات امین کے قبضہ میں تھے وہ برآمد ہوئے ان کاغذات کی رو سے بمقابلہ اداشدہ رقم کے بہت کم روپیہ مطالبہ مدعیان کا ذمہ منتظم وامین برآمد ہوتا ہے آیا شرعًا بروئے کاغذات بقدر مطالبہ ذمہ منتظم وامین نکلے تو رقم اداشدہ کے بعد جس قدر باقی رہے ان کے ورثہ سے جب کہ جائداد چھوڑی ہو مدعیان رقم پانے کے شرعًا مستحق ہیں یا نہیں؟ اوراسی طرح اگر منتظم نے زائد روپیہ داخل کیا ہو تو شرعا واپس پانے کا حق ورثاء منتظم کو ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہوا اگر اس سے کم ادا ہوتا ہے باقی ان کے ترکہ سے لیاجائے گااور اگر اول سے زیادہ لے لیاگیا ہے تو جتنا زیادہ ہو انہیں واپس دینا واجب ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا[1]، وقال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ"[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی، یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس لئے لے جاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

من دفع شیئا ظانا انه علیه کان له ان یسترده[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی شے دی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کو یہ شے دینا مجھ پر لازم ہے تو اس کو واپس لینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۸۳: مرسلہ حکیم محمد حیات خان صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منجملہ پانچ متولیان اوقاف کے جو بحیثیت ایک انجمن کے کثرت رائے پر کام کرتے ہوں اگرچہ ایک علانیہ سود کھاتے ہوں اور خلاف منشاء واقف خرچ کئے جانے پر مصر ہوں اس قابل ہیں کہ عندالشرع متولی رہ سکیں۔ متذکرہ بالا متولی صاحب کا جو علانیہ سود کھاتے ہیں یہ فعل کہ مسجد جامع وغیرہ میں جو ان کے زیر نگرانی ہیں حسب موقع اپنے خرچہ سے عام مسلمانوں کو برف وغیرہ پلواتے ہیں آیا عندالشرع اس قابل ہے کہ دیگر متولیان اسے روکیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ وہ شخص ہرگز متولی رہنے کے قابل نہیں اور اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریة موداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة کتاب الشرکة ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۹، ۲۲۷ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

ینزع وجوبًا لو الواقف درر فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[1]۔	اس کو وجوبًا وقف سے نکال دیا جائے گا اگرچہ وہ خود واقف ہی ہو (درر) جبکہ وہ امین نہ ہو تو غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی اس کو نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

اپنے خرچ سے مسلمانوں کو برف پلانا کوئی امر معیوب نہیں بلکہ نیت حسن ہو تو مستحسن ہے مگر وقف کی آمدنی سے حرام ہے جبکہ شرائط وقف کے تحت میں داخل نہ ہو اور مسجد میں یہ مجمع نہ ہونا چاہئے کہ غل شور کا بھی احتمال ہے، اور مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا بھی نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۴: از موضع درو ضلع نینی تال تحصیل کچھا مسئولہ ثروت یار خاں صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک جائداد وقف کے متولی واحد کے انتقال پر تین متولیان بموجب شرط دستاویز وقف پیدا ہوئیں اور دیگر جائداد میں چھ وارث قائم ہوئے مقدمہ داخل خارج وقف پر منجملہ چھ وارثوں کے دو وارثوں نے جائداد وقف کو متروکہ قرار دیا اور وقف کے خلاف کوشش کی اور منجملہ انہیں چھ ۶ وارثوں کے تین وارث جائداد وقف کے متولیان میں سے دو متولیان نے وقف قائم رکھنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوئے ایک متولی خاموش رہا جن وارثوں نے کوشش خلاف وقف متروکہ قائم ہونے کے لئے کی تھی وہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ایک بھائی کے لڑکے کی وہ متولیہ جو کہ خاموش رہی وقت داخل خارج وقف مذکور منکوحہ تھی جس سے یہ اندیشہ دو ۲ متولیان اور مسلمانان کو تھا اور ہے کہ اگر جائداد وقف متروکہ قرار پائی گئی تو متولیہ خاموش کو یہ نفع ذاتی پہنچے کہ اس کے دونوں خسر جو وارث ہیں حصہ دار جائداد وقف میں بن جائیں اور وقف کو نقصان پہنچے کہ اس وجہ سے آئندہ بھی نقصان کا خیال ہے اب دوسرا مقدمہ واسطے نمبرداری برائے تعمیل شرائط وقف چل رہا ہے تو ایسی صورت میں جو کہ اوپر ظاہر کی گئی ہے کون متولیہ نمبردار مقرر ہونے کے لائق ہے اور کون تولیت سے خارج ہونے کے قابل ہے اور وہ شخص جو خاموش متولیہ کی طرف سے سربراہ کار مقرر ہونا چاہتا ہے جو خسر اس کا ہے اور وقف کے خلاف متروکہ قائم ہونے کی کوشش کر چکا ہے سربراہ کار مقرر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو خلاف وقف کوشش کر چکا وہ ہرگز سربراہ کار نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اگر خود متولی یا خود واقف ایسا کرتا واجب تھا کہ فورًا نکال دیا جاتا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ینزع وجوبالوالواقف فغیرہ باولی غیر مامون[1] ۔	متولی وقف اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایت سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو، اگر متولی غیر واقف ہے تو بدرجہ اولٰی نکالنا واجب ہے (ت)

ایک متولیہ کا خاموش رہنا اگر ثابت ہو کہ اس نیت فاسدہ سے تھا تو اس کا اخراج بھی واجب ہے، ہاں اگر بوجہ مجبوری ساکت رہی تو حرج نہیں، نمبر داری شرعی مسئلہ نہیں، ہاں جائز متولیوں سے باہر کوئی شخص نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۵ تا ۳۸۸: از جبلپور او متی کا پل مرسلہ محمد نمیر خاں ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) زید نے اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کر دی اور کچھ پتھر بھی برائے تعمیر مسجد دئے، زمین اور پتھروں کی قیمت تقریبًا ۲۰۰ مالہ / ہوں گے، اور عمرو نے اپنی ذات خاص سے بالکل مسجد باقاعدہ اور ایک حجرہ بھی تیار کرکے دونوں کو وقف کر دیا جس میں غالبًا پانچ ہزار روپیہ صرف ہوا ہوگا بعدہ زید کے کہنے سے عمرو نے زید کے نام سے واسطے نگرانی مسجد ایک کاغذ جسٹری شدہ تحریر کر دیا اور مسجد تیار ہوئے بارہ برس ہوئے جب سے ہر طرح کے خرچ کا کفیل مثل چراغ تنخواہ امام ومؤذن ورمضان شریف میں حافظ کی خدمت و تقسیم شیرینی اور بھی درمیان میں مسجد کے متعلق جو ضرورت ہوا کرتی ہے عمرو صرف اپنی ذات سے صرف کرتا ہے اور عمرو نہایت خلیق پابند صوم وصلٰوۃ باخدا شخص ہے اور عمرو زید کے افعال سے واقف نہ تھا کیونکہ زید بڑا فتنہ انگیز، حاسد، غیبت کنندہ، جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا اور مسجد پر اپنی حکومت جتانے والا، ایک نہ ایک شرارت پیدا کرنے والا ہے، اس صورت میں متولی کس کو شرع شریف قرار دیتی ہے اور وہ رجسٹری زید کی بموجب شرع شریف کارآمد ہے حالانکہ اہل محلّہ اور اہل جماعت عمرو کا متولی ہونا پسند کرتی ہیں؟

(۲) صرف زید کے حکم سے پیش امام ومؤذن مقرر ہو سکتے ہیں یا برخاست ہو سکتے ہیں یا کل اہل جماعت کی رائے سے؟

(۳) پیش امام کے موجود ہوتے ہوئے زید شرارتًا امامت کرتا ہے زید کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے؟

(۴) زید کی امامت درست ہے یا نمازی اپنی اپنی نماز بوجہ کراہت دہرالیا کریں؟

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الجواب:

(۱) اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہے تو وہ ہر گز تولیت مسجد کے قابل نہیں، اس کا معزول کرنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف غیر مامون [1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو۔ (ت)

(۲) مؤذن وامام جس کے مقرر کئے شرعًا ان منصوبوں کے لئے زیادہ لائق ہوں انہیں کو ترجیح ہوگی اور اگر یکساں ہوں تو زید کے مقرر کردہ مرجح ہیں کہ اصل مسجد یعنی زمین اسی کی وقف ہے، درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی [2]۔	مسجد کا بانی مسجد کے امام ومؤذن کی تقرری میں باقی لوگوں کی بنسبت اولٰی ہے یہی قول مختار ہے مگر جب قوم کا مقرر کیا ہوا امام یا مؤذن بانی کے مقرر کئے ہوئے سے افضل اور زیادہ صلاحیت کا حامل ہو تو وہی بہتر ہے۔ (ت)

مگر جب کہ مؤذن وامام تنخواہ دار ہیں اور تنخواہ انہیں عمرو دیتا ہے تو استحقاق تنخواہ اسی کو ہوگا جسے عمرو مقرر کرے، اس پر لازم ہے کہ اسے پسند کرے جو شرعًا زیادہ مناسب ہو اور تنخواہ دار کی برخاستگی بھی عمرو کی رائے پر ہوگی۔ **لانه هو المستاجر فلیس لثالث فسخها** (کیونکہ وہی کرایہ پر لینے والا ہے تو تیسرے شخص کو فسخ اجارہ کا حق نہیں۔ ت)

(۳و۴) اگر زید سے علانیہ فسق ثابت ہو تو اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا [3]۔	فاسق کو امامت کے لئے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعًا مسلمانوں پر فاسقوں کی توہین واجب ہے (ت)

اور اگر زید میں کوئی وجہ مانع امامت نہیں مگر امام مقرر کردہ اس سے افضل واولٰی ہے اور اس وجہ سے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

اہل جماعت امام کے ہوتے زید کی امامت مکروہ وناپسند رکھتے ہیں تو زید کو جائز نہیں کہ امامت کے لئے تقدم کرے **لانہ ممن ام قوما وھم لہ کارھون**[1] (کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے کسی قوم کی امامت کی حالانکہ وہ اس کی امامت کو ناپسند جانتے ہیں۔ت) مگر اس صورت میں نماز میں خلل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۹: از گنگا جھدی ڈاکخانہ دونی واڑہ تحصیل گوندیا ضلع بھنڈارہ ملک متوسط مرسلہ محمد اسمٰعیل خان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

متولی مسجد نے مسجد کے پیسہ میں خیانت کی ایسے شخص کو متولی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا متولی نے جھوٹی شہادت دی تو تولیت اسے دینا جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جس نے جھوٹی شہادت کہی اس میں تو بہت احتمال ہیں کہ واقعی جھوٹی نہ ہو لوگ اسے جھوٹی سمجھیں یا واقع میں جھوٹی ہو مگر شہادت دینے والے نے اپنے نزدیک سچی سمجھ کر دی ہو یا کسی مصلحت اعظم کے لئے کوئی پہلو دار بات کہی ہو یا راستی فتنہ انگیز سے بچنے کے لئے مرتکب ہوا ہو یا اس شہادت سے اسے حمایت وقف مقصود ہو، اسی طرح بہت احتمال نکل سکتے ہیں جن کے باعث وہ معزولی متولی کا سبب نہ ہوگی مگر پہلی بات بالکل صاف ہے جب اس نے مال وقف میں خیانت کی اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لوالواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون بزازیۃ[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) لہٰذا غیر واقف کو بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا (بزازیہ) **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۳۹۰: اجمیر شریف محلّہ خادمان چاہ ارٹھ مرسلہ سید امتیاز علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسمّٰی سید امیر علی متولی درگاہ تھا اور اس کی چار بیبیاں منکوحہ تھیں اول زوجہ اس کے چچا کی دختر تھی اور دوسری پٹھانی اور تیسری کاشت کار قوم چتیہ کی لڑکی چھوٹی قوم سے تھی، اول زوجہ سے ایک دختر اور دوسری سے ایک پسر مسمّٰی شریف حسین اور تیسری سے دو دختران، اور متولی مذکور کے ایک برادر علاتی پٹھانی بیوی سے ہیں جب کہ متولی مذکور الصدر نے انتقال کیا تو اولاد مندرجہ برادر علاتی کو چھوڑا اب برادر علاتی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۱۷۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۲۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسمّٰی نثار احمد بمقابلہ پسر مسمّٰی شریف حسین کے دعویدار ہے کہ میں عہدہ تولیت کا مستحق ہوں، اب شرعًا لڑکا ہونا چاہئے یا برادر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مال کی کوئی وراثت ہو تو بیٹے کے آگے بھائی محروم ہے مگر وقف کی تولیت کوئی ترکہ نہیں، اس میں شرائط واقف پھر عملدرآمد سابق پھر صوابدید مسلمانان پر نظر ہوگی ان کے اعتبار سے جسے ترجیح ہوگی وہی متولی ہوگا بیٹا ہو یا بھائی یا غیر۔ ردالمحتار میں ہے:

(من جهلهم) قولهم خبز الاب لابنه[1]۔ والله تعالٰی اعلم	ان کی جہالت کی بناء پر ہے ان کا یہ قول کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹۱ تا ۳۹۸: ازاودے پور میواڑ راجپوتانہ دہلی دروازہ مرسلہ سید ضامن علی صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شہر میں مسلمانوں نے باتفاق باہمی قومی سرمایہ سے ایک مدرسہ موسومہ مدرسہ حنفیّہ تعلیم دینیات جاری کیا اور اس پر انجمن اسلام کی نگرانی قائم کی گئی اور زید کو معمولی اختیاروں کے ساتھ بہ نفاذ ایک دستور العمل مہتمم مدرسہ مقرر کیا۔

(۲) زید نے بظاہر بصلہ حسن کارگزاری تیسرے سال مربیت اور پانچویں سال متولیت کا ادعا حاصل کیا۔

(۳) چھٹے سال بلا استصواب قوم مدرسہ حنفیّہ کو مدرسہ نظامیہ سے وابستہ کرکے روداد سالانہ میں بجائے حنفیّہ کے نظامیہ لکھنا شروع کیا تاکہ زید کے تعلقات خاندان نظامیہ سے مدرسہ مخصوص سمجھا جائے۔

(۴) اس کے بعد زید نے دستور العمل نظام مدرسہ کی پابندی سے انحراف کرنا شروع کیا اور ارباب انجمن کو یکے بعد دیگرے ممبرانہ حیثیت سے گرانا شروع کیا۔

(۵) نویں دسویں سال اسی قوم کے جذبات مذہبی کو بذریعہ تحریر صدمہ پہنچانے لگا یعنی کھلے لفظوں میں یہ لکھ کر اطراف ہندوستان میں شائع کردیا کہ فلاں شہر کے مسلمان کلمہ کی جگہ بتوں کا نام لیتے ہیں سجدہ کی جگہ دھوک دیتے ہیں، روزہ نماز کے وہ پابند نہیں، نہ ان لوگوں کو خوف خدا و رسول ہے، یہ مذہب سے سراسر آزاد ہیں، میں نے ان کے لئے اسلام کی بنیاد کا پتھر رکھا ہے حالانکہ یہ بہتان عظیم ہے اور واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

(۶) گیارھویں سال کی روداد میں حسب معمول زید نے لفظ انجمن نہیں لکھا تاکہ بادی النظر میں مدرسہ انجمن کی نگرانی میں نہ سمجھا جائے۔

(۷) تعلیم وتربیت کے اعتبار سے مدرسہ نے کچھ بھی ترقی نہ کی۔

(۸) حالات صدر کو محسوس کرکے جب قوم نے چند اشخاص کو کاروبار مدرسہ میں شریک کرنا چاہا تو زید نے انکار کردیا اور خدمت مہتممی سے علیحدہ کردئے جانے کے بعد زید نے کچہری میں مدرسہ پر قبضہ دلاپانے کا دعوی کیا لہٰذا واقعات اور حالات حاضرہ کی روسے زید کی نیت سے یہ ثابت ہوچکا کہ جو کچھ وہ کرتا رہا قومی نقطہ نظر کے خلاف کرتا رہا اس کو ترقی تعلیم وخدمت اسلام مد نظر نہ تھی بلکہ اس کو اس پردہ میں اپنی نام آوری اور مفاد ذاتی منظور تھا، پس زید کی نسبت شریعت حقہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں میں گرفتار، اور شریعت مطہرہ کے نزدیک سخت سزا کا سزاوار ہے کہ اس نے مسلمانوں پر اتہام رکھے اور ان کی دینی حیثیت سے بدنام کیا اور مدرسہ وقفی کو اپنی ذاتی اغراض کا ذریعہ بنانا چاہا وہ جب ایک دستور العمل کی پابندی سے مشروط کرکے مہتمم کیا گیا تھا اور اس نے بلاوجہ شرعی اس کی پابندی نہ کی مہتممی سے خارج ہوگیا **اذا فات الشرط فات المشروط** (جب شرط فوت ہوئی تو مشروط فوت ہوگیا۔ت) اور اب کہ اسے اس بارے میں اتنی طمع ہے کہ کچہری میں نالشی ہوکر مدرسہ پر قبضہ کرنا چاہا تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مدرسہ میں اس کو دخل دیا جائے، درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے: **طالب التولیۃ لایولی**[1] (تولیت کا طلبگار کو متولی نہیں بنایا جائے گا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2]، رواہ الائمۃ احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک ہم ہرگز اپنے معاملات کا عامل اس کو نہیں بناتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔ (اس کو امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

مسئلہ ۳۹۹: از جوناگڑھ محلّہ کتبانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص تقدیر اور وسیلہ پکڑنے کے خلاف ہو ایسا آزاد شخص حنفیوں کے مدرسہ کا خیر خواہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تقدیر کا منکر رافضی معتزلی گمراہ ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی بدراہ ہے جو شخص ایسا ہو اس سے مدرسہ اہلسنت کی خیر خواہی کی کیا امید ہو سکتی ہے، نہ اسے مدرسہ پر کسی قسم کا اختیار دیا جائے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ خیر میں کہ اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور کفار ہر طرح ذلیل و خوار، ایک نصرانی کو کہ حساب وسیاق میں طاق تھا اور صوبہ یمن میں ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے محرری پر نوکر رکھنا چاہتے تھے امیر المومنین سے اجازت چاہی منع فرمایا انہوں نے پھر عرضی بھیجی، اس پر تحریر فرمایا: **مات النصرانی، والسلام**[1] (نصرانی ہلاک ہوا، والسلام۔ت) غرض کسی طرح اجازت نہ فرمائی، تو اس وقت ضعف اسلام میں کسی مخالف عقیدہ کو اختیار دینا کس درجہ مضر ہے کہ بوجہ کلمہ گوئی کافروں سے اس کا ضرر زائد ہوگا پھر اس زمانہ میں اس کی مغلوبی تھی اور اب مطلق العنانی۔ اور وہ ایک محرری کی خدمت تھی اور یہ افسری، جب وہ اس وقت میں قبول نہ فرمائی تو یہ اس وقت میں کیونکر مقبول ہو سکتی ہے، حدیث میں ہے:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی للہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین[2]۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی دوسرا موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۰ تا ۴۰۳: از بمبئی محلّہ شیخ بھائی بلڈنگ کھانڈ بازار جوناکولی مرسلہ یوسف عبدالرحمٰن مروٹھی ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) متولی مسجد کو یہ حق حاصل ہے کہ امام مسجد کو بغیر کسی عذر شرعی کے خارج کردے۔

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔ ۶۲

[2] کنز العمال بحوالہ عن حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۶۵۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹، المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامامۃ امانۃ دارلفکر بیروت ۴/ ۹۳۔ ۹۲

(۲) امام مسجد نوکر مانا جائیگا یا سردار قوم؟ اور اس کو نمازیوں کی تابعداری کرنا چاہئے، یا نمازی اس کی تابعداری کریں، مثلاً اوقات صوم وصلوٰۃ سے بخوبی واقف ہے وہ برابر لوگوں کو وقت پر افطاری کراتا ہو اور امساک کا حکم کرتا ہو اور نمازوں میں بہت احتیاط اوقات میں کرتا ہو تو قوم اس کو کہے کہ ہم کو فلاں وقت جماعت ملنا چاہئے فلاں وقت اذان ہونا چاہئے اس میں امام کیا ان کی اطاعت کرے یا موافق مسائل شرعی کاربند رہے۔

(۳) نصارٰی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی طرف سے مسجد کے متولی بنائے اور ان کو قوانین کا پابند کرے اگرچہ وہ قوانین خلاف مذہب اہلسنت وجماعت واحناف ہوں۔

(۴) اگر نصاری کا مقرر کردہ متولی اپنی نفسانیت سے امام کو اپنا نوکر قرار دے کر نکلوانا چاہے اور قوم اسکی مخالفت کرے اور مقدمہ کرے اس مقدمہ میں وہ متولی یہ کہے کہ میں مسائل شرعیہ کو مانتا ہوں میں قانون سے اس کو نکلواتا ہوں وہ میرا نوکر ہے یہ جملہ کہ "میں مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا" اس وقت کہے جب کہ اس کو مسئلہ بتلایا جائے کہ امام مسجد نوکر نہیں ہے یہ نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں جدا ہوسکتا تو اس کے مقابلہ میں یہ لفظ کہے ایسا متولی قابل ہے متولی بننے کے؟

الجواب:

بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنیکا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجوز عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة[1]۔	کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔ (ت)

(۲) امام اگر کسی قوم کا تنخواہ دار ہے تو وہ ان کا نوکر ضرور ہے مگر نہ خدمت گار بلکہ مخدوم جیسے علماء وقضاۃ وسلاطین کہ بیت المال سے وظیفہ پاتے ہیں مگر وہ رعایا کے خدمت گار نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم[2]۔	اپنے افضلوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ تم میں اور تمہارے رب میں واسطہ عرضداشت ہیں۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶ و ۴۱۹

[2] سنن الدار قطنی باب تخفیف القرأۃ لحاجۃ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۸۸

ہاں بایں معنے امام و علماء وقضاۃ وسلاطین سب خادم ہو سکتے ہیں کہ **سید القوم خادمھم**[1] قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے یعنی اسے قوم کے آرام وتربیت کی ہر وقت ایسی فکر چاہئے جیسے خادم کو مخدوم کے کام کی۔ امام جب کہ اوقات کا عالم ہے تو امساک و افطار میں اس کے حکم کا اتباع لازم ہے، رہی نماز اس کے اوقات میں امام پر تکثیر جماعت کی رعایت لازم ہے جہاں تک کراہت لازم نہ آئے وہ وقت مقرر کرے جس میں اس کے اہل مسجد زیادہ جمع ہو سکیں، خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ملاحظہ فرماتے کہ لوگ جمع ہوگئے نماز میں جلدی فرماتے، ایسا ہی امام کو چاہئے کہ قوم کے واقعی اعذار کا لحاظ رکھے۔ ہاں بعض لوگ بلاوجہ ضد کرتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) قانون میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مذہب میں دست اندازی نہ کی جائے گی لہذا امر مذکور فی الحال متوقع نہیں اور اگر واقع ہو تو اس کی باضابطہ چارہ جوئی کی جائے کہ مساجد کے متولی حسب شرط بانی مقرر ہوں وہ نہ رہا ہو تو اسکی اولاد، ورنہ نمازیان مسجد کی صوابدید سے، اور یہ کہ امور مسجد میں کسی خلاف مذہب کو دخل دینے سے معاف رکھا جائے۔

(۴) جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابلہ میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا اور اسے امور اسلامی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہا اسے تولیت سے جدا کرنا لازم ہے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۴: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ عبدالحفیظ ٹھیکہ دار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص سود لیتا ہے آیا وہ متولی جائداد موقوفہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور کسی کو حساب نہ دیتا ہو اور خرچ ضروری مسجد بھی نہ کرتا ہو۔

الجواب:

جب ضروری خرچ مسجد کے نہیں کرتا اور مسجد کی آمدنی کافی ہو اور اس کے سود کھانے سے ظاہر کہ وہ حلال وحرام کی پرواہ نہیں کرتا، تو ظاہر حال یہی ہے کہ وہ تغلب کرتا ہے تو اس پر اطمینان نہ ہوا، اور جس متولی پر اطمینان نہ ہو اس کا اخراج واجب ہے۔ در مختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف بزازیۃ فغیرہ بالاولیٰ درر غیر مأمون[2]۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**	خائن اور غیر امین متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ متولی واقف ہو لہذا غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولیٰ نکالنا واجب ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم** (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۵۱۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۷۱۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

زید نے کسی جائداد کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کرکے وقف کیا اور تاحیات اپنے کو متولی کیا اور بعد اپنے شخص غیر کو تولیت تحریر کردی اور اپنے پسر و نبیرہ کو حق تولیت میں شریک نہیں کیا لیکن وقف کنندہ نے یہ وقفی کارروائی حالت بیماری و ناتوانی وبدحواسی میں کی ہے بعد صحت اب واقف کہتا ہے کہ میں مضامین وقف نامہ کو نہیں سمجھا اور نہ مجھے سمجھنے کی اس وقت قابلیت تھی وقف کرنا میں نہیں چاہتا ہوں، کیا زید کی وقفی کارروائی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بحالت غم وغصہ اپنے پسر کو تولیت سے محروم کرکے غیر شخص کو متولی مقرر کیا اب جب کہ غم وغصہ اس کا فرو ہوا اور اپنے پسر سے رضامند ہوا تو شخص غیر جس کو وہ غصہ میں متولی بناچکا تھا علیحدہ کرکے اپنے پسر کو کیا متولی مقرر کرسکتا ہے؟

(۳) اگر واقف بدحواسی کی حد کو نہیں پہنچا لیکن سفیہ ضرور ہے تو ایسی کارروائی وقف وتولیت کی جو سفاہت سے ہوئی ہے جائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر درحقیقت زید کے حواس وقت وقف نامہ درست تھے اور قبل نفاذ وقف نامہ اس کی نیت خراب ہوئی اور وہ وقف نامہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہے تو کیا وقف نامہ منسوخ ہوجائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ وقف صحیح شرعی ہو تو سوالات سائل کا جواب یہ ہے کہ ناتوانی کچھ مانع صحت وقف نہیں، نہ بیماری کا کچھ اثر رہا جب کہ سائل لکھتا ہے کہ اس کے بعد تندرست ہوگیا، رہا بدحواسی کا دعوی وہ غیر بینہ عادلہ شاہدان ثقہ شرعی کی شہادت کے مقبول نہیں ہوسکتا ورنہ ہر شخص وقف، بیع، اجارہ، نکاح، طلاق تمام تصرفات کرکے یونہی پھر جائے اور کہہ دے کہ میں اس وقت بدحواس تھا رجسٹری بھی بدحواسی میں ہوئی، ہاں اگر معلوم و معروف ہو کہ اس مرض میں اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے، بدحواس و مجنون ہوجاتا ہے، پہلے بھی ایسا واقع ہوچکا ہے اور اب کہے کہ اس بار بھی میری یہی حالت ہوگئی تھی تو اس کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیں گے۔ ردالمحتار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

سئل فیمن طلق وھو مغتاظ مدھوش فاجاب ان الدھش من اقسام الجنون فلایقع، واذا کان	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی جب غضبناک اور بدحواس تھا تو جواب دیا کہ بدحواسی جنون کی قسموں میں سے ہے

یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان[1] (ملخصًا)	لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور جب بدحواسی اس کی عادت ہے بایں طور کہ پہلے بھی اس سے یہ بدحواسی دیکھنے میں آچکی ہے اور معروف ہے تو بغیر دلیل حلف کے ساتھ اس کے قول کی تصدیق کردی جائیگی (ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لمرض او لمصیبۃ فاجأتہ[2]۔	اور یہی کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں جس کی عقل میں کسی بیماری یا اچانک صدمہ کی وجہ سے خلل واقع ہوگیا ہو (ت)

(۲) یہ دوسرا سوال دوسرا پہلو ہے اور بدحواسی کو دفع کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غصہ میں دوسرے کو متولی کیا تھا یا رضامندی میں بہرحال اسے اس کے معزول کرنے اور پنے پسر خواہ جس کو چاہے متولی کرنے کا اختیار ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[3]۔	واقف کی تولیت تمام شرائط وقف کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ واقف کو اس میں جب مناسب سمجھے تبدیلی و ترمیم کا اختیار ہے اگرچہ عقد وقف میں اس کی شرط نہ کی ہو۔(ت)

(۳) یہ تیسرا پہلو ہے سائل نے سفیہ کہا اور یہ نہ بتایا کہ اس سے کیا مراد لی، لوگ احمق غبی کند ذہن کو سفیہ کہتے ہیں صرف اس قدر مانع صحت تصرف نہیں۔

(۴) وقف جب کہ صحیح واقع ہو واقف کو اس سے رجوع کا کوئی اختیار نہیں رہا کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گیا،

ویتم الوقف بمجرد القول عند الامام ابی یوسف سلمہ اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوی وبہ یفتی۔	امام ابویوسف سلمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک محض زبانی کہہ دینے سے وقف تام ہوجاتا ہے اسی پر فتوی ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وہ وقف صحیح شرعی ہو جیسا کہ عبارت سوال کا مفاد ہے ورنہ بحالت بطلان ان سوالات کا کوئی محل ہی نہ ہوگا **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۴۰۹ تا ۴۱۰: از قصبہ لاہرپور مکان شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ احمد حسین صاحب عثمانی ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(ا) ایک درگاہ صدہا سال سے ایک بزرگ کی ہے جن کی اولاد کے چند شاخوں میں پیری مریدی بسلسلہ صحیح و باجازت وخلافت جاری ہے مگر سجادگی اس درگاہ کی ایک بیٹے کی اولاد میں چلی آتی ہے، گو سلسلہ خلافت عن اب وجد صاحب درگاہ سے اس شاخ میں باقی نہیں رہا تھا مگر دوسرے خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب سجادہ درگاہ نے اجازت وخلافت حاصل کرلی تھی اور اب دو پشتوں سے ہر باپ سے بیٹے کو اجازت وغیرہ حاصل ہوا کی، اس خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب درگاہ کا سلسلہ جاری رہا، صاحب درگاہ کا خاندان طریقت قادریہ وچشتیہ ہے، اس سلسلہ کے شائق اور صاحب درگاہ کے موروثی معتقدین کو اس کا پورا موقع رہا ہے کہ اس سلسلہ میں داخل ہوسکیں، آخر صاحب سجادہ لاولد تھے انہوں نے اپنے حقیقی بھانجے کو اپنے بعد کے واسطے سجادگی تجویز کی جن کو اس خاندان میں بیعت وغیرہ حاصل ہے، دوران علالت میں ان کو دوسرے اعزائے خاندانی سے مشورہ کے واسطے ایک دوسرے دور دراز مقام پر بھیجا اور تیمار داری ان کی متعلق ان کے بعض اعزا کے تھی جو اخیافی بھانجے ہوتے ہیں وہ دو بھائی حقیقی ایک بہن ہے جن کے قبضہ میں وہ بحالت مرض تھے جب علالت زیادہ ہوئی تو اہالیان قصبہ کو جمع کرکے درگاہ کے اندر پھر اپنے حقیقی بھانجے مذکورہ بالا کی نسبت اظہار وصیت کیا ایسے مجمع میں ان اخیافی بھانجوں میں سے ایک نے بطور مغالطہ دہی کہا کہ والدین اس کے جس کے واسطے سجادگی تجویز کی جاتی ہے دودھ شریک بھائی بہن تھے اس لئے اس کا نکاح ناجائز ہوا وہ حرامی ہوئے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے صاحب سجادہ نے اس واقعہ رضاعت سے انکار کیا اور کہا کہ جھوٹ ہے بلکہ ضعف بیماری میں ان کو سخت صدمہ اس دروغ گوئی پر ہوا جس سے وہ کوئی مزید تقریر نہ کرسکے اور مجمع برخاست ہوگیا، جب علالت کا سلسلہ زیادہ طویل ہوا ان دونوں اخیافی بھانجوں کی جانب سے حصول سجادگی کی ایک بھائی کے واسطے مزید کوشش شروع ہوئی اور بعض موافقین کے مشورہ سے ایک بڑی درگاہ کے صاحب سجادہ کو طلب کیا جو ان صاحب سجادہ کے پیر کی درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں اور ان سے کہا کہ منجملہ ان ہر دو بھائیوں کے بڑے بھائی کے پگڑی باندھ دیجئے انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صاحب سجادہ سے اجازت لے لیں جب ان سے دریافت کیا تب انہوں نے منہ پھیر لیا کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر کے بعد جب پہلو بدلا پھر استفسار کیا اب بھی وہ جواب خود نہ سمجھے، مگر موافقین اشخاص نے ہر دو بھائیوں کے جو موجود تھے بالاتفاق

کہا کہ اجازت دے دی انہوں نے پگڑی باندھ دی، ایسی نازک حالت تیمارداری میں قبل واپس آنے ان کے حقیقی بھانجے نامزد شدہ سجادہ نشینی کے ان سجادہ نشین نے وفات پائی، معاملہ رضاعت کے عینی شہادت موجود نہیں ہے، جن لوگوں کے وقت میں عقد ہوا وہ مقدس ومکرم وعابد وزاہد اشخاص تھے بالخصوص سجادہ نشیں مذکور کے پدر حافظ قرآن صاحب سجادہ متوکل درویش، صاحب رشد وہدایت ومقدس تھے جن کی دختر و بھتیجے کا نکاح باہم انہیں کے زیر اہتمام ہوا تھا دیگر اکابر خاندان اہل اسلام معزز ومعتبر ونمازی شریک نکاح تھے، یہ الزام صرف نامزد شدگی کی نااہلی ثابت کرنے اور خود سجادگی حاصل کرنے کے ضرورت سے لگایا جاتا تھا اور چونکہ دونوں بھائیوں نے ایک اپنی ذاتی دکان درگاہ کے واسطے وقف کی ہے اس پر دوسرے سجادہ نشیں کا قبضہ نہ ہونے کے خیال سے اپنے واسطے سجادگی کی خواہش تھی حالانکہ واقف وقف کا خود متولی رہ سکتا ہے اور حیات میں دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار ہے مگر غالبًا وہ مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے کہ شائد سجادگی کے ساتھ تولیت میری وقف کردہ جائداد کی بھی انہیں صاحب سجادہ کے متعلق ہوجائے ایسا اختیار کیا، ان کو اب تک کسی سے اجازت وخلافت بھی نہیں ہے اور صاحب درگاہ کی شاخ کے سلسلہ کے مشائخ سے غالبًا اب بھی اجازت وخلافت حاصل کرنے پر تیار نہیں ہیں: پس سوال یہ ہے کہ ایسی سجادگی جو اس طور سے حاصل کی گئی ہو جائز ہے یا نہیں، اور وہ سلسلہ صاحب درگاہ کے علاوہ کسی دوسرے خاندان سے بیعت واجازت وغیرہ حاصل کرلیں تو جائز ہوگی یا نہیں، مگر اس صورت میں صاحب درگاہ کا سلسلہ صاحب سجادہ سے جاری نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سجادگی فوت ہوجائے گی صرف متولیانہ حیثیت ایسے شخص کی باقی رہے گی۔ مگر تولیت درگاہ ایسے متولی کی جس نے ترکیب مذکورہ بالا سے سجادگی وتولیت حاصل کی ہو کہاں تک جائز ہوگی، اور ایسی حالت میں خاندان صاحب درگاہ وصاحب طریقت سلسلہ صاحب درگاہ کو بقائے سلسلہ صاحب درگاہ کے واسطے کیا کرنا چاہئے، آیا منجملہ اولاد صاحب درگاہ جس سے سلسلہ جاری ہو اسے خلافت دلواکر یا دیگر کوئی صاحب سجادہ ومتولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اول نامزد شدہ کو ترجیح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(٢) ایک احاطہ میں ایک بزرگ کا مزار اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد واقع ہے خانقاہ میں مدرسہ اسلامیہ ایک وقف سے جاری ہے جس کے طلبہ بھی اس مسجد میں مثل دیگر اہل محلّہ پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں نماز جمعہ یہاں عرصہ سے نہیں ہوتی ہے، دوسری جامع مسجد میں ہوتی ہے، اس درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں وہ مع دیگر اشخاص کے چند لوگ اس وقف کے متولی ہیں جس سے ضروریات مسجد ومدرسہ مذکورہ کا صرفہ ہوتا ہے، منجملہ ان کے زید بھی متولی ہے اور نیز ایک دوسرے وقف کا بھی

زید مذکور تنہا متولی ہے اس سے بھی مسجد مذکور کے آب وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے اور زید ہی کے ذمہ بوجہ حاضر باشی زائد اس مسجد کے اوقات نماز میں موسمی وضروری تغیرات مقامی کی وجہ سے تعین کرتا ہے اور اس مسجد کا موذن وامام معین ہیں ایام تشریق میں زیادہ تر لوگ بوجہ ادائے نماز جماعت مستحبہ التزامًا پنجوقتہ شریک ہونے کے عادی ہیں، انہیں ایام میں بعض اشخاص نے بلاانتظام امام معین ومقتدین قدیم بلااس کے کہ مؤذن ومکبّر معین تکبیر اقامت کہے معینہ مقام پر جماعت کرلی زید کو یہاں کا مقامی تجربہ ہے کہ عوام تہدید پسند ہیں اس خیال پر اس نے الفاظ ذیل تہدید کے لئے کہے اور مکرر جماعت مع ان قدیم مقتدیوں کے جو باقی تھے اسی مقام پر پھر ادا کی اس خیال سے کہ سابق پڑھنے والے غیر معین تھے اور کہا کہ جس کسی کو اس جماعت میں شریک ہونا نہ منظور ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، کیا استحقاق ان لوگوں کو ہے جنہوں نے بلاانتظار امام معین اور جماعت ومقتدین قدیم نماز پڑھ لی، پس لفظ "ہماری" کا جو مسجد کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ خانہ خدا ہے اور لفظ "نہ آنے" کا جو استعمال کیا حالانکہ مساجد میں اذن عام ہے اس سے زید کیا کرے صرف ندامت کافی ہے یا کوئی کفارہ اس پر لازم آیا اگر کفارہ ہے تو کیا؟ بلحاظ تجربہ زید یہ ہوا کہ بعد تہدید مذکور پھر جماعت اسی طور سے جیسی ہمیشہ سے چلی آتی تھی مسجد میں قائم ہے، اور جو لوگ بعد ادائے فرض عشاء جو سابقہ جماعت سے پڑھ چکے تھے مکرر جماعت میں زید کی تقریر کے بعد شریک ہوگئے ان کی یہ مکرر نماز کیا ہوئی اس دوسری جماعت کی نماز زید نے پڑھائی تھی اس میں ایک اور متولی وقف مذکور شریک تھے جن کو پہلے جماعت نہیں ملی تھی، مگر دوران نماز میں انہیں یہ خیال رہا کہ زید نے مسجد کی اپنی طرف نسبت کی اور اذن عام کے خلاف تقریر کی اگر میں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتا تو اچھا تھا پس اس وقت گویا اس نے باستکراہ اقتدا کی اس لئے اس کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ وتولیت اوقاف درگاہ اور جملہ نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وفرق ونصب وعزل عملہ میں صاحب سجادہ کی نیابت مطلقہ سب داخل، اور کوئی خاص بے عام متحقق نہیں ہوتا اور شرعًا معروف کالمشروط ہے، معروف یہی ہے کہ سجادہ نشیں وہی ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون ومجاز ہو کہ اس کا بڑا مقصد اس سلسلہ کا احیاء ہے نہ کہ مجرد تولیت، ولہٰذا جو سلسلہ صاحب درگاہ میں خلافت صحیحہ نہ رکھتا ہو کہیں سجادہ نشیں نہیں کیا جاتا اگرچہ دوسرے کسی سلسلہ کا مجاز ہو نہ کہ وہ جو رأسًا مجاز ہی نہیں یوں تو سجادہ نشینی نری ممبری رہ جائے گی تو اخیافی بھانجہ غیر مجاز فی السلسلۃ بلکہ فی سلسلۃ سجادہ نشین نہیں ہوسکتا اور بعد کو اجازت لینی اس سجادہ نشینی کی تصحیح نہیں کرسکتی "**فان الشرط یتقدم و العام لایتأخر**" (کیونکہ شرط مقدم ہوتی ہے اور عام متاخر نہیں ہوتا۔ت) حضرت اسد العارفین سید ناشاہ حمزہ عینی

واسطی قدس سرہ فص الکلمات شریف میں فرماتے ہیں:

شیخے ازیں عالم نقل کردو کسے راخلیفہ نگرفت قوم و قبیلہ وارثے یا مریدے کہ بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت راخلافت افترائی گویند[1]۔	ایک شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو خلیفہ نہ بنایا، قوم اور قبیلہ نے اس کے کسی وارث یا مرید کو خلیفہ تجویز کیا تو یہ خلافت مشائخ کے نزدیک جائز نہیں، خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہتے ہیں۔(ت)

رہی تولیت وہ بھی شرعًا حقیقی بھانجے کو حاصل کہ سجادہ نشین متولی نے اپنے مرض الموت میں اس کے لئے وصیت کی، اور دربارہ تولیت وصیت متولی ماخوذ و معتمد ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

انما صح اذافوض فی مرض موته وان لم یکن له التفویض عاما لما فی الخانیه من انه بمنزلة الوصی، وللوصی ان یوصی الی غیره[2]۔	تفویض تولیت صرف اس صورت میں صحیح ہوگی جب متولی اپنی مرض الموت میں تفویض کرے اگرچہ اس کو تفویض عام حاصل نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ وہ بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ دوسرے کو وصیت کرے۔

فتاوٰی تتمہ وغیرہا پھر اشباہ والنظائر پھر درمختار میں ہے:

اسناد الناظر النظر لغیره بلا شرط فی مرض الموت صحیح[3]۔	نگران وقف کا مرض الموت میں بلاشرط نگرانی کسی دوسرے کے سپرد کرنا صحیح ہے۔(ت)

یہاں تک کہ متولی نے جس کے لئے وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے حاکم شرعی دوسرے کو متولی نہ کرے گا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط فی المجتبی ان لایکون المتولی اوصی به لآخر عند موته فان اوصی لاینصب القاضی[4]۔	مجتبٰی میں شرط لگائی کہ متولی نے اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو متولی بنانے کی وصیت نہ کی ہو اور اگر اس نے وصیت کی ہے تو قاضی کسی اور کو مقرر نہ کرے۔(ت)

---

[1] فص الکلمات شاہ حمزہ عینی واسطی

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

[3] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

نہ کہ ایسے لوگ جن کو طلب تولیت میں یہ کچھ غلو ہو کہ اس کے لئے محصنات مومنات غافلات کو قذف کریں بلاوجہ مسلمان کو حرامی بنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[1]۔ رواہ البخاری و احمد وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک ہم ہرگز اپنے کسی کام پر اسے عامل نہ بنائیں گے جو اس کا طالب ہو (اس کو بخاری اور احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے ابوموسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الاالمشروط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفیذ[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت جب واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کی ہو تو اس وقت اس کو متولی بنائیں گے کیونکہ وہ شرط کے سبب بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلب گار ہے۔ (ت)

رضاعت بے شہادت عادلہ مثل شہادت مال کے دو مرد یا ایک مرد و دو عورت سب ثقہ عادل اپنے معائنہ کی گواہی دیں ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر مجرد کسی کا کہہ دینا کافی ہو تو آج زید نے عمرو کو کہا کل عمرو یا بکر زید کو کہہ دے گا کہ اس کے ماں باپ رضاعی باپ بیٹی تھے۔ درمختار میں ہے:

الرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین[3]۔	حجت مال ہی حجت رضاعت ہے اور وہ دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے (ت)

استفسار پر منہ پھیر لینا صریح دلیل انکار ہے دوبارہ پوچھنے پر کچھ کہنا اور مستفسر کا نہ سمجھنا اور ساعیوں کا کہہ دینا کہ اجازت دے دی معتبر نہیں تمام قرائن سابقہ عدم رضا پر صاف دال ہیں اور ساعی اپنے قول میں متہم۔ پس صورت مستفسرہ میں اخیافی کو نہ سجادگی ہے نہ تولیت، اور حقیقی بھانجہ ہی سجادہ نشین و متولی صحیح شرعی ہے، یہ صورت سوال کا حکم ہے اگر واقعہ اسی طرح ہو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۴

(۲) جماعت اولٰی امام وجماعت معینہ کا حق ہے ان سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کر جائیں ان کو اعادہ جماعت کا حق ہے اور جماعت اولٰی یہی ہوگی جو انہوں نے کی جبکہ امام جامع شرائط جواز وحل امامت ہو۔ متن غرر اور اس کی شرح درر میں ہے:

لاتکرر الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی فیه اولًا غیر اهله لان حقهم لایسقط بفعل غیرهم[1]۔	مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت نہ کیا جائے مگر جب اہل محلّہ کے غیر نے پہلے جماعت کرالی ہو تو اہل محلّہ کو اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرانے کا حق ہے جو دوسروں کے فعل سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

جن لوگوں نے بے انتظار امام ومؤذن وجماعت معین ومقام امام راتب پر جماعت کرلی اگر کسی صحیح ضرورت سے شرعی سے تھی مضائقہ نہ تھا مگر مقام امام پر قیام نہ چاہئے تھا، اور اگر بلاضرورت محض عجلت کے لئے ایسا کیا برا کیا تفریق جماعت کے مرتکب ہوئے اور وہ شرع مطہر کو سخت ناپسند ہے اور اگر خود اسی تفریق کی نیت سے اس کے مرتکب ہوئے تو ان پر اشد وبال اور **تفریقًا بین المومنین** کا صدق ہے، **والعیاذباللّٰه تعالٰی**۔ بہرحال امام جماعت معینہ کو اعادہ جماعت کا ہر طرح حق تھا پھر اگر واقع دو صورت اخیرہ تھیں تو ضرور وہ پہلی جماعت مستحق رد وانکار تھی اور ازانجا کہ وقت وقت عشاء تھا کہ اس میں اور ظہر میں اعادہ نماز روا ہے تو اس پر رد کا یہ اچھا طریقہ تھا کہ جو پڑھ چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک کئے جائیں کہ آئندہ عوام اس تفریق میں شرکت سے باز رہیں اور ایسی جگہ تہدید کو کہنا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے قابل مواخذہ نہیں بلکہ اصل شرعی رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں:

من کان له سعة ولم یضح فلایقربن مصلانا[2]۔ رواہ الامام احمد واسحٰق بن راهویة وابو بکر بن ابی شیبة وابن ماجة وابویعلٰی والدار قطنی والحاکم وصححه عن ابی هریرة وفی الباب عن ابن عباس	جس کا ہاتھ پہنچتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ (اس کو امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبۃ، ابن ماجۃ، ابویعلٰی، دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح قرار

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلٰوۃ فصل فی الامامۃ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادۃ مصر ۱/ ۸۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	دیا ہے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ت)

وہی "ہماری مسجد" کا لفظ ہے اور وہی آنے سے ممانعت بلکہ "ہرگز" اور "پاس نہ آئے" دو لفظ زائد ارشاد ہوئے ہیں یہاں "ہماری" سے اضافت ملک مراد نہیں ہوتی، ہاں اگر صورت صورت اولٰی تھی یعنی ان لوگوں کا پہلے پڑھ لینا بضرورت صحیحہ شرعیہ تھا اور زید کو اس پر اطلاع نہ تھی اس نے ان پر تفریق جماعت کا گمان کرکے ایسا کہا تو زید پر اس کہنے کا مواخذہ نہیں بلکہ بلا تحقیق مسلمانوں پر بدگمانی کی جس سے توبہ لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو زیادہ گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔(ت)

اور اگر ان پر بدگمانی نہ کی مگر یہ خیال کہ مبادا عوام حقیقت امر سے غافل ہو کر کہیں تفریق کے عادی نہ ہوجائیں تو یہ الزام بھی نہیں،

فانہ انما اراد تحفظھم، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2]۔	کیونکہ اس نے تو محض مسلمانوں کے تحفظ کا ارادہ کیا اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

اس جماعت میں جو پہلے پڑھ کر شریک ہوئے یہ ان کے نفل ہوئے اور وہ متولی جس نے بکراہت اقتدا کی اور یہ خیال رہا کہ نہ کرتا تو بہتر تھا اس کی بھی نماز ہوگئی جبکہ نہ ابتداءً فقط شرم ولحاظ سے ظاہرًا بے نیت اقتدا شریک ہوا ہو نہ بعد کو قطع اقتدا کی نیت کرلی ہو،

وذٰلك لانہ فعل لا ترك فیعمل فیہ نیۃ القطع کالصلٰوۃ دون الصوم [3] کما یظھر بمراجعۃ الاشباہ وغیرہا۔	اور ایسا اس لئے ہے کہ بیشک یہ فعل ہے نہ کہ ترک تو اس میں نیت قطع عمل کرتی ہے جیسے نماز نہ کہ روزہ جیسا کہ اشباہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔(ت)

اس لئے کہ یہ لفظ کہ "نہ کرتا تو بہتر ہوتا" خود اس پر دلیل ہے کہ اقتدا کی اور اس پر مستمر رہا اگرچہ بکراہت جیسے فاسق کے پیچھے نماز کہ یہ اپنے زعم میں ان الفاظ کے سبب اسے مثل فاسق ہی سمجھتا تھا۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں ہے

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۷ تا ۵۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاترفع صلاتهم فوق رؤسهم شبرا رجل ام قوما وهم له كارهون[1]۔ هذا لفظ ابن ماجة عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند حسن۔	تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ کہ کسی جماعت کی امامت کرے اور انہیں اس کی اقتدا ناگوار ہو (یہ لفظ امام ابن ماجہ کے ہیں انہوں نے اس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت فرمایا۔ ت)

تو باآنکہ مقتدیوں کے دل میں کراہت ہے اور ناگواری کے ساتھ اس کے مقتدی ہوئے ان کی نماز میں نقص نہ فرمایا بلکہ امام کی نماز میں جب کہ ان کی کراہت بوجہ شرعی ہو ورنہ وبال ان پر ہے كما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول: وبالجملة النية هو القصد الجازم فاذا وجد وجدت وربما يقصد الانسان شيئا وهو له كاره وعن هذا نص علماؤنا ان الارادة ترجح احد المتساويين بل ربما ترجح المرجوح لمن عن له طريقان احدهما احسن فعمد الى الاخرى وقد قال الله تعالیٰ "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ"[2]۔	اقول: (میں کہتا ہوں کہ) نیت قصد جازم کو کہتے ہیں، جب قصد جازم پایا گیا تو نیت پائی گئی بسااوقات انسان کسی شیئ کا قصد کرتا ہے حالانکہ وہ اسے ناگوار ہوتی ہے، اس کی بنیاد پر ہمارے علماء نے نص فرمائی کہ ارادہ دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ مرجوح کو ترجیح دیتا ہے اس شخص کے لئے جس کو دو راستے درپیش ہیں جن میں سے ایک احسن ہے تو اس نے دوسرے کا ارادہ کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم پر جہاد فرض کردیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۶: از اٹاوہ بازار ہوم گنج دکان حاجی عبداللہ خاں مرسلہ محمد خان صاحب ۷ اجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع میں محلّہ چوکر کنواں اٹاوہ میں پیش دروازہ ایک اراضی ملک مسجد ایسی ہے کہ جس پر ٹال لکڑی رکھی جاتی ہے دو شخص وارث علی وغیاث الدین اس کے متولی ہیں جنہوں نے اولاً چار سال کے واسطے مسمّٰی رحیم خاں کو ٹال رکھنے کے واسطے مبلغ ۷/ ماہوار کرایہ پر

[1] سنن ابن ماجه ابواب اقامة الصلوات باب من ام قوما وهم له كارهون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

دی تھی جس کی میعاد منقضی ہو گئی پھر کرایہ اضافہ کرنے کے بابت رحیم خاں مذکور سے کہا گیا اس نے اضافہ کرنے سے قطعی انکار کردیا اور کہا جو اس سے زیادہ دے اس کو اراضی کرایہ پر دے دو حسن اتفاق سے ایک دوسرا شخص مسمّٰی رحیم خان لہ عہ/ماہواری پر لینے کو آمادہ ہوا، دونوں متولیوں نے رحیم خاں ثانی کو لہ عہ/ ماہوار پر دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا کر رجسٹری کرادی مگر سابق کرایہ دار نے ہنوز زمین کو خالی نہیں کیا جو جدید کرایہ دار کو اس پر قبضہ دیا جائے، غیاث الدین متولی ثانی کرایہ دار سابق کا ہم خیال ہوگیا ہے اور اسکا دلی مقصد یہ ہے کہ اراضی اس کرایہ پر سابق کرایہ دار ہی کے پاس رہے وارث علی متولی اول نے کچہری دیوانی اٹاوہ میں خالی کرانے اراضی مسجد کی نالش رحیم خان سابق کرایہ دار پر دائر کردی ہے جس میں متولی ثانی نے شرکت سے قطعی انکار کردیا ایسی صورت میں غیاث الدین متولی ثانی مذکور قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟ اور وارث علی متولی اول کا یہ فعل موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں اور رحیم خان سابق قابل بے دخلی ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نفع کے خیال سے لہ عہ/ ماہوار زمین اٹھانا متولی اول کی رائے کے موافق اولٰی ہے یا مے/ماہوار پر حسب رائے متولی ثانی کی اور ایسی صورت میں کون کرایہ دار قابل ترجیح ہے مقدمہ چونکہ کچہری دیوانی میں زیر تجویز ہے، لہٰذا درخواست کی جاتی ہے جلد جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

جبکہ رحیم خاں ثانی نے تین روپے ماہوار اضافہ کرکے دو سال کے لئے رجسٹری کرالی ظاہر ہوا کہ وہ متعنت نہیں اور جبکہ غیاث الدین بھی اسے اجارہ دینے میں شریک تھا یہ اجارہ ضرور تام و نافذ ہوگیا اب غیاث الدین کو اس سے پھرنے کا کوئی استحقاق نہیں، رحیم خاں سابق کی بے دخلی واجب ہے غیاث الدین کے اب اس کا طرفدار ہو کر وقف کا نقصان اور اس کا فائدہ چاہتا اور خود اپنی تمام شدہ کارروائی کو باطل کرنے کا خواستگار ہے، تو اپنے ذاتی نفع کے لئے جو کچھ اضرار کرے تھوڑا ہے ایسا شخص امین نہ ہوگا بلکہ خائن اور خائن کا معزول کرنا واجب اگرچہ خود واقف ہو، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا بزازیة ولو الواقف درر فغیره بالاولی غیرمامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو (درر) تو غیر واقف کو بصورت بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ہاں اگر کوئی وجہ معقول قابل قبول بیان کرے کہ ثانی کو کرایہ پر دینے میں وقف کا یہ ضرر ہے اگر بظاہر معہ عہ/روپے کا نفع ہے مگر وہ ضرر شدید اس سے زیادہ ہے لہٰذا اب میں اس اجارہ کو فسخ کرنا چاہتا ہوں اور یہ امر ثابت ہو جائے تو اس پر الزام نہ رہے گا بلکہ اس کا خیال قابل پیروی ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۲: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے ولی کی درگاہ کی کہ جس کا سالانہ عرس اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے متولی ہو سکتی ہے؟ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے قبرستان کو کہ جس میں چند مساجد ہوں اور اس میں نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہو تو متولی ہو سکتی ہے؟

الجواب:

عورت بھی متولی او قاف ہو سکتی ہے ذکورت شرط تولیت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۳ تا ۴۱۶: از ہلدوانی نینی تال مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

(۱) ناخواندہ شخص سود کے روپے سے روزگار کرنے والا اور ذاتی رنجش کی بنا پر موقوفہ آمدنی کو بے جا بلا قاعدہ صرف کرنے والا اور اوقاف کی آمدنی کے روپے کو اپنی تجارت میں خلاف قاعدہ انجمن شامل کرکے ذاتی فائدہ حاصل کرنے والا انجمن اسلامیہ کوئی عہدہ دار یا منتظم یا امین ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مقروض معقول تعداد کا ہضم کرنے والا جو دیوالیہ ہو چکا ہے اور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہ ہو اور ضدی بھی امین یا اعلٰی عہدہ دار ہو سکتا ہے؟

(۳) انجمن اسلامیہ مذہبی خدمات کے واسطے کم از کم احتیاط کا شخص عہدیدار یا منتظم یا امین یا اہل ہو سکتا ہے؟

(۴) اکثر علمائے ہند کے فتووں کے خلاف اور مقامی مسلمانان کے خلاف اپنے ذاتی نفع و نمائش و اغراض کے لحاظ سے معبد گاہ یعنی مسجد کو زیب و زینت دے کر دیگر مذاہب کے اشخاص کو مدعو کرکے فرش مسجد پر مستعمل جوتوں سے گزرتے ہوئے لے جا کر احاطہ مسجد میں جلسہ قرار دے کر اپنے مخالفوں کی حمد وثنا کرنا اور تالیاں بجا کر خوش وخرم ذکر کرنا اس قسم کے افعال کے اشخاص انجمن اسلامیہ کے عہدیدار ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نہیں، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولٰی لو	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو تو غیر واقف کو

غیر مامون[1]۔	بصورت خیانت بدرجہ اولٰی نکال دیناواجب ہوگا۔(ت)

(۲) نہ رقم ہضم کرنے والاامین ہوسکے نہ غیر پابند صوم وصلوٰۃ کوافسری مل سکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	فاسق کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعًااس کی توہین واجب ہے۔(ت)

(۳) سنی، ذی علم، پرہیزگار، دیانتدار، ہوشیار، کارگزار۔

(۴) ایسے اشخاص ادنٰی عہدہ دار بھی نہیں ہوسکتے کہ فاسق مجاہر وبیباک ومبتلائے غضب رب الارباب ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واھتز لذٰلك العرش[3]۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

مدح فاسق پر یہ حال ہے مخالفان اسلام مثل ہنود (جن کے مناقب آج لیڈر پکارتے ہیں اور ان کی جے بولتے ہیں اور وہی مساجد میں زینت مجلس بلکہ منبر پرواعظ مسلمین بنائے جارہے ہیں) ان کی جے پکارنے اور حمد گانے اور مسجد میں اس پر خوشی کی تالیاں بجانے پر اسلام بھی قائم رہنادشوار ہے انجمن اسلامیہ کی عہدہ داری تو درکنار ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ومجمع الانہر وتنویر الابصار ودرمختار وغیرہ میں ہے:

لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولو قال لمجوسی یا استاذی تبجیلا کفر[4]۔	اگر ذمی کافر کو مسلمان بطور تعظیم سلام کہے توکافر ہوجائے گااور مجوسی کو تعظیمًا کہااے میرے استاذ توکافر ہوگیا۔(ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی قرآن عظیم نے ناجائز فرمایا:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)"[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/ ۱۳۴

[3] شعب الایمان باب فی حفظ اللسان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتاب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۱

[5] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۱۷: از بدایوں ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک وقف عرصہ دراز سے چلاآتا ہے شرائط وحالات وقف کچھ معلوم نہیں ہیں بجز اس قدر کے تولیت ہمیشہ سے ایک خاندان خاص میں بلالحاظ وراثت چلی آتی ہے متولی حال نے اپنے ایک اہل خاندان کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا اور بعد اپنے اپنا جانشین اور متولی قرار دیا، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا باستحقاق وراثت دعویدار تولیت ہے، درانحالیکہ اس کا باپ حقیت موقوفہ سے برطرف کیا جاچکا ہے اور اقرار لکھ چکا ہے کہ کبھی معاملات وقف میں دست اندازی نہ کرے گا نیز بھتیجامذکور متولی کو ضرر شدید پہنچانے میں سزایاب ہوچکا ہے اور باہم متولی اور اس کے بھتیجے کے وقت وفات متولی ایک سخت دشمنی اور عداوت تھی، کیاشرعًا ایسا بھتیجا حقیت موقوفہ کا بمقابلہ جانشین نامزد شدہ کے متولی مقرر ہوگا یامتولی متوفی کانامزد شدہ شخص مرجح ہوگا؟

الجواب:

تولیت میں توریث جاری نہیں محض بربنائے وراثت ادعائے تولیت باطل ومردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

واعتقادھم ان خبز الاب لابنه لایفیدلما فیه من تغییر حکم الشرع[1]۔	اور ان کا یہ اعتقاد مفید نہیں کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے کیونکہ اس میں حکم شرع کی تبدیلی ہے۔(ت)

متولی حال نے جسے اپنے بعد متولی کیا متولی ہوگیا اگر یہ وصیت مرض موت میں کی جب توظاہر ہے کہ وہ جانشین بعد موت متولی ہوگیا اور بلاوجہ شرعی کسی کو اس سے منازعت اصلًا جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

صح اذافوض فی مرض موته وان لم یکن التفویض له عامًا لما فی الخانیة انه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الی غیرہ[2] اھ۔	متولی نے اپنی مرض موت میں کسی دوسرے کو ولایت سونپ دی تو صحیح ہے اگرچہ اس کے لئے تفویض عام نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو وصیت کرے۔ اھ(ت)

اور اگر اپنی حالت صحت میں کی اور قدیم سے اس وقف کے متولیوں میں اس کادستور چلاآیا ہے کہ متولی

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

اپنی حیات وصحت میں اپنے جانشین کو اپنے بعد متولی بنالیتے ہیں اور وہ متولی ہوتا ہے جب بھی ظاہر ہے کہ یہی جانشین بشرط اہلیت شرعیہ متولی ہوگیا۔ دوسرا اس کی منازعت نہیں کرسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ سئل شیخ الاسلام عن وقف مشھور اشتبھت مصارفہ، قال ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف یعملون فیہ فیبنی علی ذٰلک[1]۔	ذخیرہ میں ہے شیخ الاسلام سے اس وقف مشہور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے مصارف مشتبہ ہوگئے ہیں تو شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قدیم زمانہ سے اس وقف کے بارے میں جو معمول چلا آرہا ہے اس پر نظر کی جائیگی کہ متولیان سابقہ اس میں کیا عملدرآمد کرتے تھے پس اسی پر بناء کی جائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ معمول قدیم نہیں تو متولی اپنی صحت میں خود وقف سے جدا ہونا اور دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ممنوع ہوتا کہ اس کے لئے اس کی اجازت جانب واقف سے بوجہ اشتباہ شرائط ثابت نہیں۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کانت التفویض لہ عاما صح والالا[2]۔	متولی نے ارادہ کیا کہ کسی اور شخص کو اپنی حیات وصحت میں اپنا قائم مقام کرے اگر اس کے لئے تفویض عام ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

مگر یہاں ایسا نہیں بلکہ اپنے بعد اسکے لئے وصیت تولیت کی ہے تو یہ مطلقاً ہر صورت میں جائز وصحیح ہونا چاہئے جب تک مخالف شرع نہ ہو کہ بوجہ عدم علم شرائط مخالفت شرائط واقف سے محفوظ ہے وہی عبارت قاضیخان للوصی ان یوصی الی غیرہ[3] (وصی کو اختیار ہے کہ کسی اور شخص کو وصیت کرے۔ ت) اس کے لئے کافی ہے،

وترك السابقین لایدل علی شرط العدم بل علی عدم الشرط و المتبع العمل دون الترك الذی لیس من افعال المکلفین ولامقدور الھم[4]، کمافی	اور سابقین کا کسی چیز کو ترک کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا نہ ہونا شرط ہے بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ہونا شرط نہیں اور اتباع عمل کی کی جاتی ہے نہ کہ ترک کی جو افعال مکلفین میں سے نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی اجارۃ الاوقاف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۸

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۷۴

غمز العیون وشتان ما الترك والکف ولم یثبت۔	اور نہ ہی ان کی قدرت میں ہے جیسا کہ غمز العیون میں ہے کف بمعنی روکنا ترک سے مختلف ہے اور کف ثابت نہیں ہوا (بلکہ ترک ثابت ہوا ہے۔(ت)

بالجملہ پہلی دو صورتوں میں جانشین مذکور کی صحت تولیت اصلاً محل شبہ نہیں جبکہ شرعاً اس کا اہل ہو، اور تیسری صورت میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کی تولیت صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۸: از شہر محلّہ چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک بزرگ نے اپنی حیات میں جائداد موقوفہ کا زید کو بذریعہ تملیک نامہ کے متولی کیا اور یہ لکھا کہ تاحیات یہ متولی رہے اور بعد اس کے جو متولی یا سجادہ نشین ہوئے اس کو بھی اسی تحریر کا کاربند رہنا چاہئے اور درصورت خلاف ورزی کے میرے مریدان سربرآوردہ جس کو مناسب سمجھیں مقرر کریں، ان بزرگ نے پردہ فرمایا اور بعد ایک زمانہ کے زید کا بھی کا انتقال ہوگیا اب زید کا لڑکا یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کا قائم مقام بنوں اور ان بزرگ کے وارثان شرعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص ہونا چاہئے، تو ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف کے وارثان متولی کا حق ہے یا وارثان بزرگ کا، اور فقیر کی گدی پر وراثت کسی کی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ جائداد پہلے زبانی وقف ہوچکی تھی اس کی توثیق کے لئے یہ وقف نامہ لکھا گیا ہے جسے غلطی یا ناواقفی سے تملیک نامہ لکھ دیا اس میں متولی مذکور کے بعد دربارہ تولیت کسی شرط کی تصریح نہیں ہے، ایسی صورت میں وارثان متولی مذکور کو تولیت پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، تولیت ترکہ نہیں کہ وارثوں میں تقسیم ہو بلکہ حتی الامکان وارثان وقف میں سے جو لائق ہو متولی کیا جائے گا اگر ان میں کوئی نہ ہو تو اہل الرائے اہل علم مسلمانوں کے مشورہ سے کوئی دیندار ہوشیار کارگزار متولی کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

(ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب) لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی ایک بھی تولیت کی صلاحیت والا موجود رہے گا اجنبی لوگوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ واقف کا قریبی متولی وقف پر زیادہ شفقت کرنیوالا ہوگا کیونکہ اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف بنی رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مسئلہ ۴۱۹: از ریاست رامپور شتر خانہ کہنہ احاطہ صابری مسئولہ واحد حسن صاحب ۶رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مزار کا زید متولی تھامزار کی جائداد اراضی بحق خدمت مزار موصوفہ معاف ہے، زید کا صاحب مزار سے کوئی سلسلہ نسبی وسلسلہ طریق کوئی تعلق نہیں تھااب زید کاانتقال ہوگیازید کا بیٹا عمرو جو بالکل خدمت مزار کااہل نہیں ہے اور تمام جائداد کی آمدنی تغلب وتصرف کرلی ہے ایک حبہ صرف نہیں کیاتولیت کاخواستگار ہے۔ بکریہ کہتا ہے کہ میں ان خدمات کا اہل ہوں اور صاحب مزار سلسلہ طریقت اور میرے خاندان کامزار ہے، عمرو نے اکثر سامان تلف کردیا، عمرواخبث ہے اور خدمات انجام دینے کا اہل ہی نہیں ہے اور نہ مسلک درویشی عمرو کا ہے عندالقاضی صورت مسئولہ میں ہر دو فریق میں سے کون لائق تولیت نہیں اور کس کے نام جائداد کا اندراج ہونا چاہئے؟ عندالقاضی بکر کی اہلیت ثابت ہوچکی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عمرو تو کسی طرح متولی ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ خود واقف نے اسے متولی کیا ہوتا بلکہ اگرچہ وہ خود ہی واقف ہوتا کہ وہ متغلب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوباولوالواقف فغیرہ بالاولی غیرمامون [1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود واقف ہو تو غیر واقف بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

اور بکر اگرچہ اہل ہو خواستگار تولیت ہے اور خواستگار تولیت کو متولی نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ [2] رواہ احمد و الشیخان وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم اپنے کام پر اس کے خواستگار کو ہر گز مقرر نہ کریں گے (اس کو امام احمد، شیخین وابوداؤد، اور نسائی نے حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الاالمشروط لہ	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

النظر لانه مولی فیرید به التنفیذ[1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کردی ہو کیونکہ وہ واقف کی شرط کی وجہ سے متولی بن چکاہے اور اب اس کے نفاذ کا طلبگار ہے (ت)

لہٰذا کوئی اور کہ ہر طرح اہل ہو تلاش کرکے متولی کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۰: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطان پور مسئولہ سید فصیح اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ کیا متولی اور منتظم مساجد مساجد کے مداخل ومخارج میں حسب خواہش بلاامتیاز طریق جائز و ناجائز بذات خود بلا مشاورت، اہل اسلام دست تصرف دراز رکھ سکتے ہیں اور یقینی تغلب اور غبن فاحش کے باوجود مسلمانوں کی درخواست پر آمد وخرچ کے حساب کے عدم معاینہ کی بابت ان کا انکار واعراض جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

متولی اور منتظم پر اتباع شرع وشرائط ضروری ہے ان کے خلاف کسی فعل کا ان کو اختیار نہیں، اور اگر کریں تو مسلمانوں کو ان کی مزاحمت چاہئے، اور اگر خیانت یا ان کے باعث وقف پر ضرر ثابت ہو تو فوراً نکال دئے جائیں۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیره بالاولی غیر مامون[2]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ خود واقف ہو اور غیر واقف ہو تو بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

غبن وتغلب یقینی درکنار اگر مظنون بھی ہو تو مسلمانوں کو ان سے حساب سمجھنے کا حق پہنچتا ہے اور انکا اعراض سخت قابل اعتراض۔ درمختار میں ہے:

لاتلزم المحاسبة فی کل عام ویکتفی القاضی منه بالاجمال لومعروفا بالامانة ولو متهما یجبره علی التعیین شیئا فشیئا[3]۔	متولی اگر امانت میں معروف ہو تو ہر سال تفصیلی محاسبہ اس پر لازم نہیں بلکہ قاضی اس سے اجمالی حساب طلب کرنے پر اکتفاء کرے گا اور اگر وہ متہم بالخیانت ہے تو قاضی اس کو ایک ایک شیئ کا تفصیلی حساب بتانے پر مجبور کرے گا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

صورت مذکورہ میں وہ مجبور کیے جائیں گے تفصیلی حساب دکھائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۱ تا ۴۲۷: از لشکر گاہ بنگلور ملک میسور مسئولہ چودھری محمد حسین بکر قصاب صاحبان مسجد اعظم ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی مل کر ایک زمین خرید کر بالاتفاق بہ نیت وقف اس پر مسجد آباد کریں، امام مؤذن بھی مقرر کرلیں۔ بارہ سال سب واقفین باہم متفق رہے، نماز جماعت وجمعہ وغیرہ میں شریک رہے، مسجد کے لئے اوقاف واسطے آمدنی کے بھی خرید کر مسجد کے نام واسطے محاصل کے دے چکے، ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے بارہ سال بعد مسجد دور ہونے کے باعث ایک اور مسجد بھی فاصلہ بعید سے بنواڈالی اور دونوں مسجدوں میں شریک رہے، خدمات اور خرچ بھی محاصل اور ذات سے خرچ کرتے رہے وہ گروہ عرصہ ۲۵ سال سے ذاتی چندہ اس دوسری مسجد میں دیتے ہیں اور پہلی مسجد کے اوقاف برحال خود جاری ہیں اب یہ لوگ جو جدا ہوئے ہیں ان کو پہلی مسجد والے حقوق وقف سے علیحدہ تصور کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم متولی اپنی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں اور دوسری مسجد والے کہتے ہیں ہمارا حق ہے کہ ہم سب واقف ہیں اور تولیت کا اختیار سب واقفین کو ہے، دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ تمہارا حق بسبب جدا ہونے اور الگ بنوانے مسجد کے نہیں رہا، سوال یہ ہے کہ پہلے واقفین کا حق ساقط ہے یا باقی؟

(۲) متولی کا مقرر کرنا مسجد کے لئے ضروریات سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک سے زیادہ متولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) جب واقفین میں اختلاف ہو بعض زید کو متولی کریں بعض عمرو کو تو اکثر کو ترجیح ہے یا اقل کو، اور برتقدیر مساوات کس کو اختیار نصب متولی کا ہے؟

(۵) واقف سے مراد سطح مسجد کا واقف مراد ہے یا آبادی کرنے والا اور عمارت بنوانے والا؟

(۶) قوم کو نصب امام وموذن وآبادی مسجد وغیرہ کا اختیار ہے یا واقفین کو؟

(۷) واقفین کے لئے ضرور ہے کہ ہمیشہ عملدرآمد اور قابض اپنے موقوف پر رہیں کیا قبضہ چھوڑنے سے حق واقفیت ساقط ہوجاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جب ان سب نے مل کر وہ مسجد بنائی سب اس کے واقف ہوئے جو حقوق کہ واقف کے ہیں سب کے لئے ہیں ایک فریق کے مسجد بنالینے سے پہلے کا حق زائل نہ ہوا یہ محض ظلم ہے۔

(۲) مسجد کے لئے متولی کا مقرر کرنا کچھ ضرور نہیں البتہ اوقاف کے لئے ضروری ہے۔

(۳) متولی متعدد بھی ہوسکتے ہیں وہ سب مل کر کام کریں گے ہر ایک مستقل نہ ہوگا۔

(۴) فقیر اس وقت کتابوں سے دور حالت سفر میں ہے جزئیہ پیش نظر نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں زید وعمرو دونوں متولی ہوجائیں گے اور مل کر کام کرینگے کہ نصب متولی کی ولایت واقف کو ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولایۃ نصب القیم الی الواقف[1]۔	متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہے (ت)

اور وہ سب واقف ہیں اور نصب متولی متجزی نہیں تو ہر ایک کو اختیار کامل ہے تو دونوں متولی ہوجائیں گے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

ماثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل الاشتراک الافی مسائل الاولی ولایۃ الانکاح للصغیر والصغیرۃ ثابتۃ للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذاکان ممالایتجزی فانہ یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوک ممالایتجزی[2]۔	جو چیز جماعت کے لئے ثابت ہو وہ ان سب میں مشترک طور پر ہوتی ہے سوائے چند مسائل کے جن میں سے پہلا مسئلہ نابالغ ونابالغہ کے نکاح کی ولایت کا ہے کہ وہ اولیاء میں سے ہر ایک کے لئے کامل طور پر ثابت ہوتی ہے (صاحب اشباہ کے اس قول تک کہ فرمایا) ضابطہ یہ ہے بیشک جو حق ناقابل تجزی ہو وہ ہر ایک کے لئے بطور کمال ثابت ہوتا ہے اور مملوک سے خدمت لینے کا حق ناقابل تجزی ہے۔ (ت)

(۵) اصل مسجد زمین ہے تو زمین کا واقف اصل مسجد کا واقف ہے اور جس نے اس میں عمارت بنا کر وقف کی وہ بنا کا واقف ہے اور بنا اگرچہ وصف ہے اس کے لیے حکم جز ہے تو وہ بھی وقف مسجد میں شریک ہے۔

(۶) عمارت ومرمت مسجد کا اختیار واقفین کو ہے اور انہیں کے امام ومؤذن مقرر کئے ہوئے اولٰی ہیں مگر یہ کہ جن کو قوم مقرر کرے وہ شرعًا مرجح ہوں تو انہیں کو ترجیح ہوگی۔ درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الااذاعین القوم اصلح ممن عینہ البانی[3]۔	قول مختار کے مطابق مسجد کا بانی امام ومؤذن کے تقرر میں بنسبت قوم کے اولٰی ہے سوائے اس کے کہ قوم کا مقرر کردہ امام ومؤذن بانی کے مقرر کردہ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔ (ت)

[1] درمختا شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۴تا۲۴۶

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

(۷) واقف کے لئے وقف پر ہمیشہ قابض رہنا ضرور نہیں بارہا واقف دوسرے کو متولی کرتا ہے قبضہ متولی کا رہتا ہے مگر حق واقف ساقط نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۸: از بڑودہ نا گروارہ گجرات مرسلہ یوسف علی خاں صاحب بہادر صدر انجمن اہلسنت و جماعت ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہلسنت وجماعت کو یہ جائز ہے کہ روافض کو جامع مسجد یا غیر مساجد کا متولی اور متصرف بنائیں اور ان کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کریں اور جو مسلمان ایسا کریں ان کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اہلسنت کی کسی مسجد خصوصًا مسجد جامع کا متولی رافضی کو کرنا شریعت مطہرہ وقرآن عظیم واحادیث صحیحہ وفقہ حنفی کی رو سے اصلًا کسی طرح جائز نہیں حرام قطعی ہے۔

(۱) یہ روافض نہ اہل قبلہ ہیں نہ مسلمان بلکہ بالیقین کفار مرتدین ہیں، رد الرفضہ میں بکثرت کتب معتمدہ حنفی وعقائد اہلسنت سے ان کے کافر مرتد ہونے کے روشن ثبوت دئے ہیں۔ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰے امام طاہر عبد الرشید وشرح الکنز امام فخر الدین زیلعی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وھذا نصاھا قال المرغینانی یجوز الصلاۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولاتجوز خلف الرافضی و الجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القراٰن، وحاصلہ ان کان ھوی لایکفر بہ صاحبہ تجوز الصلوٰۃ خلفہ مع الکراھۃ والافلا ھکذافی التبیین والخلاصۃ، وھو الصحیح ھکذا فی البدائع[1]۔	یعنی امام مرغینانی صاحب ہدایہ نے فرمایا: بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور رافضی وجہمی وقدری اور مشبہہ اور وہ جو قرآن عظیم کو مخلوق مانتے ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور حاصل یہ ہے کہ جس میں ایسی بدمذہبی ہو جس کے سبب اسے کافر نہ کہا جائے اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہے جیسے رافضی وغیرہ مذکورین کہ یہ سب کافر ہیں اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، ایسا ہی تبیین الحقائق اور فتاوٰی خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔ (ت)

نیز فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللّٰه فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللّٰه تعالٰی وجهه علی ابی بکر رضی اللّٰه عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع[1]۔	رافضی اگر صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی تعالٰی عنہما کو معاذاللہ برا کہتا اور تبرابکتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر صدیق اکبر سے مولٰی علی کو فقط افضل کہتا ہو تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفارهم باکفار عثمٰن وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللّٰه عنهم[2]۔	یعنی جولوگ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں واجب ہے کہ ہم ان کافر کہنے والوں کو کافر کہیں۔

فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولهم فی خروج امام باطن (الٰی قوله) وهٰؤلاء قوم خارجون عن ملة الاسلام واحکام المرتدین[3]۔	یعنی رافضیوں کو کافر کہنا واجب ہے ان کے اس قول میں کہ اموات دنیا کی طرف لوٹیں گے اور اس قول میں کہ ایک چھپا ہوا امام نکلے گا اور یہ لوگ ملت اسلام سے خارج ہیں اور ان کے وہی حکم ہیں جو مرتدوں کے ہوتے ہیں۔

شرح مقاصد شرح تحریر الاصول و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

اهل القبلة معناه الذین اتفقوا علی ماهو من ضروریات الاسلام واختلفوا فی اصول سواها والا فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات بصدور شیئ من موجبات الکفر عنه[4] اھ مختصرًا۔	یعنی اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو تمام ضروریات دین کو مانتا ہو اور ان کے سوا بعض عقائد میں خلاف رکھتا ہو ورنہ اس میں کچھ خلاف نہیں کہ جس اہل قبلہ سے کوئی موجب کفر صادر ہو وہ کافر ہے اگرچہ تمام عبادتوں پر مداومت کرے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[4] شرح المقاصد المبحث السابع فی مخالف الحق من اہل القبلة دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۶۹

شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

لایخفی ان المراد بقول علمائنا لاتجوز تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس مجرد التوجه الی القبلۃ فان الغلاۃ من الروافض وان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمؤمنین[1]۔	یعنی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے علماء کے اس قول میں کہ اہل قبلہ کو کسی گناہ کے سبب کافر کہنا جائز نہیں فقط نماز میں قبلہ کو منہ کرلینا مراد نہیں کہ غالی رافضی اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں بلاشبہ کافر ہیں۔

اور مساجد اہلسنت خصوصًا مسجد جامع کا اسے متولی کرنا اور مسلمانوں کے ایسے عظیم دینی تصرفات اس کے ہاتھ میں رکھنا اس کی عظیم تعظیم ہے اور اس کی تعظیم سخت حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے۔ تبیین الحقائق وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہما میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیھم اھانته شرعا[2]۔	اس لئے کہ اسے گواہ بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں اس کی توہین واجب ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے: تبجیل الکافر کفر[3] کافر کی تعظیم کفر ہے۔

(۲) اس میں اسے مسلمانوں پر ایک افسری دینا ہے اور یہ حرام ہے۔ فتح القدیر ودرمختار وغیرہما میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین[4]۔	یعنی ذمی کافر کو بھی منشی بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں۔

حاوی قدسی وبحر الرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم له ینبغی ان یلازم الصغار فیما یکون بینه و بین المسلمین فی کل شیئ، وعلیه فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر، ویحرم تعظیمه[5]۔	یعنی کافر اور مسلمان کے ہر معاملہ میں کافر کو دبا ہوا ذلیل رکھنا چاہئے، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے نہ دیں، ایسا ہی بحر میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر مطلب یجب معرفۃ لمکفرات الاجتنابھا الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریه بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] درمختار کتاب الجهاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

[5] درمختار کتاب الجهاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

(۳) مساجد واوقاف کا متولی بنانا کیسے عظیم دینی کاموں میں ان سے استعانت ہے اور یہ ان تشریحات جلیلہ پر کہ **المحجة المؤتمنه** میں مذکور ہوئیں حرام ہے، قرآن عظیم فرماتا ہے:

"لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾"[1]	غیروں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

نهوا عن موالاتهم لقربة اوصداقة جاهلية ونحوهما من اسباب المصادقة والمعاشرة وعن الاستعانة بهم فی الغزو وسائر الامور الدينية[2]۔	یعنی مسلمان منع کئے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری کے سبب ہو یا اسلام سے پہلے کے یارانے خواہ یاری اور میل جول کے اور کسی سبب سے اور منع کئے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

(۴) عقیلی و ابن حبان وغیرہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

سيأتی قوم لهم نبز يقال الرافضة لايشهدون جمعة ولاجماعة ويطعنون علی السلف فلاتجالسوا[3]۔	عنقریب کچھ لوگ آئیں گے ان کا بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالح کو برا کہیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

اذمجالسة الاغيار تجر الی غاية البوار ونهاية الخسار[4]۔	اس لئے کہ غیروں کے پاس بیٹھنا حد درجہ کی بربادی اور انتہا درجہ کے نقصان کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

جب ان کے پاس بیٹھنا نری بربادی ہے تو انہیں مساجد واوقاف کا متولی کرنا کس درجہ کس قدر عظیم تباہی ہے۔

(۵) مسلمانوں کا ایسا عظیم کام اس کے سپرد کرنے میں اسے رازدار و دخیل کار بنانا ہے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۳/ ۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳، الفتوحات الالٰهية الشهير بالجمل تحت آیۃ ۳/ ۲۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[3] العلل المتناهية حديث ۲۵۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۱ والضعفاء الکبیر، حدیث ۱۵۳ ۱/ ۱۲۶

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان تحت حدیث ۱۰۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۳۰۹

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠ ۝۱۶ " [1]	کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یونہی چھوڑدئے جاؤگے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم سے راہ خدا میں پوری کوشش کریں اور اللہ ورسول ومسلمین کے سوا کسی کو اپناراز دار ودخیل کار نہ بنائیں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

نهى الله تعالٰى المؤمنين ان يتخذوا بطانة من غير المؤمنين فيكون ذٰلك نهيا عن جميع الكفار، ومما يؤكد ذٰلك انه قيل لعمر رضى تعالٰى عنه ههنا رجل من اهل الحيرة نصرانى لا يعرف اقوى حفظا ولا احسن خطا منه فان رأيت ان نتخذه كاتبا فامتنع عمر من ذٰلك وقال اذا اتخذت بطانة من غير المؤمنين [2] ۔	یعنی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ تو یہ تمام کفار سے ممانعت ہے اور تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں، امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا ٹھہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روى ان ابا موسٰى الاشعرى رضى الله تعالٰى عنه قال قلت لعمر بن خطاب رضى الله تعالٰى عنه ان لى كاتبا نصرانيا فقال مالك وله قاتلك الله الا اتخذت حنيفا يعنى مسلما اما سمعت قول الله	یعنی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمہیں اس سے کیا علاقہ خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو!

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۱۱۸ المطبعۃ البیہۃ المصریۃ مصر ۸/ ۲۱۰

عزوجل "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ۘ" قلت له دینه ولی کتابته قال لا اکرمهم اذا اهانهم الله ولا اعزهم اذا اذلهم الله ولا ادینهم اذا بعدهم الله قلت لایتم امر البصرة الا به فقال مات النصرانی والسلام یعنی هب انه مات فما تصنع بعد فما تعمل بعد موته فاعلمه الاٰن واستغن عنه بغیره من المسلمین[1]۔	یہود ونصارٰی کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انہیں اللہ نے خوار کیا، نہ انہیں عزت دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی، یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پرواہو جاؤ۔

شرح سیر کبیر پھر ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

بہ ناخذ فان الوالی ممنوع من ان یتخذ کاتبا من غیر المسلمین لقوله تعالٰی "لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ"[2]۔	ہم امیر المومنین کے اسی ارشاد پر فتوٰی دیتے ہیں بیشک والی کو جائز نہیں کہ کسی کافر کو محرر بنائیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اپنے سوا اوروں کو راز دار نہ بناؤ۔

سبحٰن اللہ! جب ان کو محرر تک بنانا ناجائز وخلاف قرآن عظیم ہے تو مساجد مسلمین ان کے ہاتھ میں سپرد کرنا اور اتنا عظیم منصب دینا کس درجہ سخت حرام ہونا لازم۔

(۶) متولی کرنا حرام ہے مگر اسے کہ امین وخیر خواہ ہو، یہاں تک کہ خود واقف پر اگر اطمینان نہ ہو وقف سے اسے باہر نکال دینا واجب ہے۔ اسعاف فی حکم الاوقاف میں ہے:

لایولی الا امین لان الولایة مقیدة بشرط النظر و لیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود[3]۔	متولی نہ کیا جائے مگر جس پر پورا اطمینان ہو کہ تولیت میں وقف کا فائدہ دیکھنے کی شرط ہے اور جس پر اطمینان نہ ہو اس کا متولی کرنا رعائت فائدہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ وہ اصل مقصود میں خلل ڈالتا ہے۔

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف فی حکم الاوقاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

فتاوٰی بزازیہ ودررو غررو تنویر الابصار ودر مختار وغیرہا میں ہے:

ینزع وجوبا لوالواقف فغیرہ اولٰی غیر مامون[1]۔	یعنی اگر خود واقف قابل اطمینان نہ ہو تو اسے نکال دینا واجب، پھر دوسرے کا کیا ذکر۔

اور قرآن عظیم شاہد ہے کہ غیر مسلم ہر گز کسی معاملہ کا خیر خواہ نہ ہوگا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ(۱۱۸)"[2]	اے ایمان والو ! اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری بد خواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور جو ان کے سینوں میں دبی ہے وہ بڑی ہے، ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمہیں عقل ہو۔

(۷) تنویر الابصار وغیرہ متون میں ہے: **العاشر حر مسلم**[3] (یعنی عشر تحصیل کرنیوالے کی تعریف میں آزاد اور مسلمان ہونا داخل ہے۔ غایۃ البیان امام اتقانی شرح ہدایہ وبحر الرائق شرح کنزالدقائق ورد المحتار علی الدر المختار میں ہے:

لایصح ان یکون کافرا لانہ لایلی علی مسلم[4] بالاٰیۃ۔	یعنی تحصیل عشر پر کسی کافر کو مقرر کرنا باطل محض ہے کہ بنص قرآن اسے کسی مسلم پر کوئی اختیار نہیں مل سکتا۔

عشر لینے والا راستوں پر مقرر کیا جاتا ہے کہ تاجروں سے عشر تحصیلے، راہ کی حفاظت کرے، جیسے بلاتشبیہ یہاں چونگی کا محرر اور راستوں کی چوکی کا پولیس مین۔ جب اتنی خفیف دنیوی خدمت پر انہیں مقرر کرنا اصلاً درست نہیں تو ایسے عظیم دینی کام پر تقرر کیونکر ممکن۔ (خاص تصریحاتِ مسئلہ) **(۸)** لاجرم صریح تصریحیں لیجئے۔ درمختار میں ہے:

بھذا یعلم حرمۃ تولیۃ الیھود علی الاعمال[5]۔	یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں پر یہودی (یعنی کسی کافر کا متولی کرنا حرام ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

[4] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[5] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

لاشك فی حرمۃ ذٰلک[1]۔	اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

شامی میں ہے:

ای لان فی ذٰلك تعظیمه وقد نصوا علی حرمة تعظیمه[2]۔	یعنی اس لئے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور بیشک ائمہ دین نے تصریحیں فرمائیں کہ کافر کی تعظیم حرام ہے۔

شرنبلالیہ علی الدرر پھر ردالمحتار میں ہے:

علم مماذکرناہ حرمۃ تولیۃ الفسقۃ فضلا عن الیھود والکفرۃ[3]۔	یعنی جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ فاسقوں کو متولی کرنا حرام ہے چہ جائیکہ یہودی و دیگر کفار۔

(۹) تمام عبارات ودلائل کہ یہاں تک مذکور ہوئے مطلقاً ہر کافر میں ہیں اگرچہ کافر ذمی ہو جو سلطنت اسلامیہ میں فرمانبردار وجزیہ گزار ہوکر رہتا ہے اور اکثر معاملات میں اس کا حکم مسلمانوں کا سا رکھا گیا ہے نہ کہ حربی جس سے انقطاع کلی کا حکم ہے اور امان لے کر بھی دارالاسلام میں سال بھر تک رہ ہی نہیں سکتا کہ مرتد جسے سلطان اسلام فوراً قتل کرے گا اور اگر غور کے لئے مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دے گا اور ان میں بھی قید ہی رکھے گا، متولی کس وقت کرے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمکن حربی مستأمن فینا سنۃ[4]۔	حربی مستامن ہمارے درمیان ایک سال نہیں ٹھہر سکتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من ارتد عرض الحاکم علیه الاسلام وتکشف شبهته ویحبس وجوبا ثلثة ایام ان طلب المهلة والا قتله من ساعته الااذارجی	جو مرتد ہوجائے حاکم اس پر اسلام پیش کرے گا اور اس کے شبہ کا ازالہ کرے گا اگر وہ مہلت طلب کرے تو لازمی طور پر تین دن قید رکھا جائے گا ورنہ حاکم اسلام اسی وقت اس کو قتل کردے گا سوائے

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد فصل فی استیمان الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

(مطلب عبارات ردالمحتار)

اسلامہ بدائع[1]۔	اس کے کہ اس کے اسلام کی امید ہو، بدائع۔ (ت)

عبارت ردالمحتار یشترط للصحۃ بلوغہ وعقلہ لاحریتہ واسلامہ صراحۃ[2] (صحت تولیت کے لئے بلوغ اور عقل شرط ہے حریت اور صراحتًا مسلمان ہونا نہیں۔ت) خاص دربارہ ذمی ہے یعنی متولی بن سکنے کے لئے اسلام شرط نہیں کہ کافر ذمی بھی اگر متولی کیا جائے گا ہو جائے گا نہ یہ کہ کوئی کافر کیسا ہی ہو متولی ہو سکتا ہے، اس عبارت کے متصل ہی خود اس میں اس کی سند یہ لکھی:

لما فی الاسعاف لواوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقًا وفی الاستحسان ھی باطلۃ مادام صغیرا ولوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا، ثم الذمی فی الحکم کالعبد فلواخرجھما القاضی ثم عتق العبد واسلم الذمی لاتعود الیھما اھ بحر ونحوہ فی النھر[3]۔	یعنی اسلام شرط نہ ہونے کی سند وہ ہے جو اسعاف میں فرمایا کہ اگر کسی نابالغ کو وصی کیا تو قیاس میں مطلقًا باطل ہے اور استحسان یہ ہے کہ اس کے نابالغ رہنے تک باطل ہے اور اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں صحیح ہے اور حکم میں ذمی مثل غلام ہے، پھر اگر حاکم نے انہیں وصایت سے نکال دیا اور اس کے بعد غلام آزاد ہو اور ذمی اسلام لے آیا تو وصی نہ ہو جائینگے، یہ بحر میں ہے اور اسی کے مثل نہر میں۔

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتشترط الحریۃ والاسلام للصحۃ لما فی الاسعاف و لوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد فلو اخرجھما القاضی ثم اعتق العبد واسلم الذمی لایعود الولایۃ الیھما کذا فی البحر الرائق[4]۔	یعنی متولی بن سکنے کے لئے آزادی واسلام اس سند سے شرط نہیں کہ اسعاف میں فرمایا کہ اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں اس کی وصایت ممکن ہے اور حکم میں ذمی بھی غلام کے مثل ہے اور اگر قاضی نے انہیں نکال دیا پھر غلام آزاد اور ذمی مسلمان ہوا تو اس سے وصایت ان کی طرف عود نہ کر آئے گی، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔

دیکھو صراحۃً کلام کافر ذمی میں ہے اور مرتد ہرگز اس کی مثل نہیں وہ سب کافروں سے بدتر ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶-۳۵۵
[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵
[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

اشباہ والنظائر میں ہے:

المرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی[1]۔	یعنی مرتد کفر میں کافر اصلی سے بدتر ہے۔

شرط اسلام نہ ہونے کے لئے ایک قسم کے کافر کا کسی ایک صورت میں متولی بن سکنا کافی ہے نہ کہ شرطیت اسلام جبھی نہ ہوگی کہ ہر قسم کا کافر متولی بن سکے مگر کم علمی و نافہمی عجب چیز ہے پھر صحت کے لئے شرط نہ ہونے سے اتنا ہی تو ہوا کہ بن سکنا محتمل ہے نہ یہ کہ اسے متولی بنانا جائز وحلال ہے۔ ابھی ابھی اسی ردالمحتار ودیگر معتمدات سے صاف تصریحیں گزریں کہ کسی کافر کو متولی بنانا مطلقاً حرام ہے اور اسی میں کلام ہے، جو امر ہمارے دین میں حرام ہے اسے روا رکھنا صریح مذہبی دست اندازی وبدخواہی اسلام ہے۔

(۱۰) پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ اس کے ذمہ صرف نگہداشت یا ضروری اشیاء کی خرید وفروخت حساب کی لکھت پڑھت ہو کسی مسلمان پر اسے کوئی اختیار نہ دیا گیا ہو اس صورت میں متولی اگرچہ ہوسکے گا مگر کرنا حرام ہے۔ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ اسی صورت میں متعلق ہے اور اگر اسے کوئی اختیار دیا جائے مثلاً امام یا مؤذن یا فراش یا اور کسی ملازم کی موقوفی یا بحال یا اضافہ یا کمی یا رخصت یا معطل میں کچھ دخل۔ جب تو اس کی تولیت نہ صرف حرام بلکہ باطل محض ہے ہو سکتی ہی نہیں جیسا کہ ابھی اسی ردالمحتار وبحرالرائق وغایۃ البیان سے گزرا اور انہیں کتابوں میں اس پر اس آیہ کریمہ سے دلیل لائے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	یعنی شریعت الٰہیہ ہرگز کسی کافر کو کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہ دے گی۔

(خلاصہ حکم مسئلہ) بالجملہ رافضی کو مسجد خواہ کسی وقف کا ذی اختیار متولی کرنا جس سے کسی مسلمان ملازم وغیرہ پر اسے کوئی اختیار ملے یہ تو ممکن ہی نہیں اگر کیا جائے نہ ہوسکے گا اور اس کی تولیت باطل محض ہوگی اور محض بے اختیار متولی کیا جائے یہ بھی کم از کم قطعاً حرام اور مذہبی دست اندازی وبدخواہی اسلام ہے۔ بفرض غلط اگر رافضی کافر نہ بھی ہوتا تو مجرد فاسق عملی سے تو یقیناً بدتر ہے کما نص علیہ فی الغنیہ شرح المنیہ، اور ابھی شرنبلالیہ وردالمحتار سے گزرا کہ فاسق کا متولی کرنا بھی حرام ہے۔ یہ ہے مسئلہ کی تحقیق وباللہ التوفیق۔

(۱۱) روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب وہ شرعاً مسلمان ہی نہیں تو وہ نہ اہل عبادت ہیں نہ ان کی نماز نماز کہ عبادت کی پہلی شرط اسلام ہے اور جب ان کی نماز باطل محض ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

تو انہیں شریک کرنا صف کا قطع کرنا ہوگا کہ غیر نمازی صف میں کھڑا ہے اور صف کا قطع کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قطع صفا قطعه الله [1]۔ رواه النسائی والحاکم عن ابن عمر رضی الله عنهما بسند صحیح۔	جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

رافضیوں کے بارے میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بتخریج عقیلی وابن حبان گزری اس کی روایت ابن حبان میں ہے:

ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم [2]۔	نہ رافضیوں کے جنازے کی نماز پڑھو نہ رافضی کے ساتھ نماز پڑھو۔

(۱۲) جو لوگ ان احکام شرعیہ کی مخالفت کریں رافضی کو متولی بنائیں یا اسے نماز میں داخل کریں صراحۃً شریعت کے بدلنے والے اور احکام الٰہی کے خلاف چلنے والے اور مستحق تعزیر شدید وعذاب مدید ہیں یہ بھی جب کہ ان روافض کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں کافر جانیں اور براہ خباثت نفس اپنے کسی دنیوی علاقہ کے سبب ان امور کے مرتکب ہوں ورنہ ایسی حالت میں انہیں مسلمان جانیں تو خود ہرگز مسلمان نہ رہیں گے۔ بزازیہ وذخیرۃ العقبٰی ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر [3]۔	جو ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہ: یہ احکام کہ ہم نے لکھے یعنی مسجد خواہ کسی وقف کا ادنی ذی اختیار متولی اصلاً نہ ہوسکنا اور غیر ذی اختیار متولی کرنا بھی حرام ہونا اور اسلامی کسی کام میں انہیں دخل دینا باطل ومردود ہونا اور نماز میں انہیں داخل کرنے کی تحریم اور یہ کہ ان کی نماز نماز نہیں، یونہی جملہ احکام ارتداد کے ان کے تمام اعمال حبط اور ان کے نکاح باطل وفسخ، اور یہ کہ جہاں بھر میں کسی سے ایسے عقیدہ کے مرد یا عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ مرتد سے، جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا، اور یہ کہ وہ اپنے کسی مورث کے اصلاً وارث نہیں ہوسکتے اگرچہ ان کا باپ یا بیٹا ہو اور یہ کہ انہیں کسی بالغ یا نابالغ

[1] سنن النسائی کتاب الامامة والجماعة باب من وصل صفا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس الخ حدیث ۳۲۵۲۸_۲۹ موسسة الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۴۰

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

پر اگرچہ ان کی اولاد ہو کوئی ولایت نکاح وغیرہ کی نہیں ہو سکتی اور یہ کہ ان سے میل جول حرام اور یہ کہ ان کی حیات یا موت میں کوئی اسلامی برتاؤان سے حرام۔ یہ تمام احکام نہ صرف ان رافضیوں بلکہ ان جمیع فرق واشخاص کے لئے ہیں جو باوصف کلمہ گوئی اپنے کسی عقیدہ یا عمل میں کفر رکھتے ہیں جیسے ہر قسم کے وہابی اور نیچری اور قادیانی اور چکڑالوی اور حلول یا اتحاد بکنے والے جھوٹے صوفی اور اب سب سے نئے اکثر گاندھوی کہ یہ سب مرتدین ہیں اور ان سب پر وہی احکام جیسا کہ علمائے حرمین طیبین کے دونوں مشہور فتاوٰی الحرمین وحسام الحرمین وغیرہما اور **المحجة المؤتمنه** سے ظاہر ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اوقاف کے اجارہ کا بیان

مسئلہ ۴۲۹: از پیلی بھیت مرسلہ جناب مولٰنا محدث سورتی دام فیضہ ۱۹صفر ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع وقفی پانچ برس کو ممبران انجمن اسلامیہ سے ایک توفیر معین پر ٹھیکہ لیا، علاوہ شرائط ٹھیکہ کے ایک درخواست ٹھیکہ دار نے بعد ایک سال کے اس مضمون کی دی کہ چونکہ انجمن کے ممبر وغیرہ زائد از پانچ سال کو ٹھیکہ شرعاً نہیں دے سکتے لہٰذا بغرض کار گزاری آئندہ مجھ سے معاہدہ تحریری کرالیا جائے کہ آئندہ پانچ برس کو بھی ٹھیکہ مجھی کو دیا جائے، چنانچہ معاہدی تحریری دستخطی کرلیا گیا کہ اگر اسامیان موضع کو ٹھیکہ دار رضامند رکھے اور باغ کی توفیر زیادہ کرے گا اور محافظت کرے گا تو آئندہ کو بھی اسی توفیر پر دیا جاسکتا ہے مگر توفیر باغ کو بدستور رہی اور اسامیان راضی نہیں، پس ایسی صورت میں اراکین انجمن کو پابندی لازم ہے یا نہیں؟ باینمہ کہ اور اشخاص کی درخواستیں ٹھیکہ جدید کی زائد از سابق موجود ہیں جس میں مسجد ومدرسہ کا نفع ظاہر ہے، علاوہ ازیں اگر ٹھیکہ والے سابق نے پابندی معاہدہ کی موافق کی ہو یعنی اسامیان دیہہ کو راضی رکھنے کا اہتمام کیا ہو اور باغ کی توفیر کی زیادتی میں سعی کی ہو مگر اتفاق سے ان کی رضامندی نہ ہو سکی اور توفیر میں ترقی نہ ہو سکی تو کیا ایسی صورت میں معاہدہ کی پابندی اراکین انجمن اسلامیہ کو لازم ہو گی اور اس کو اسی توفیر پر ٹھیکہ دینا جائز ہے گو مسجد مدرسہ کا نقصان ہو۔بینوا توجروا۔

الجواب:

اراکین پر اس معاہدہ کی پابندی نہ صرف غیر ضروری بلکہ محض ناجائز وممنوع وگناہ ہے وہ معاہدہ

محض باطل وشرعاً مردود ونارواتھا اور باطل کا حق یہ ہے کہ مٹایا جائے نہ کہ پابندی ہو، دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے باجماع مذاہب اربعہ باطل وناجائز ہے، اس ٹھیکہ میں زمین تواجارہ مزارعین میں ہوتی ہے اور توفیر آئندہ کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے اور یہ حرام ہے عقد اجارہ شرع نے منافع کے لئے رکھا ہے، نہ عین کے لئے، منفعت جیسے مکان میں رہنا گھوڑے پر چڑھنا اور عین جیسے روپیہ غلہ پھل وغیرہا، توجو اجارہ استہلاک عین پر واقع ہو مردود و باطل ہے،

الاماخصه الشرع کاجارة الضرع للارضاع فانها علی اللبن و اللبن عین لکن ورد الشرع باباحتها علی خلاف الاصل فیقتصر علی مورده۔	مگر جس کو شرع نے مخصوص کردیا ہو جیسے دودھ پلانے کے لئے کوئی دودھ والا جانور اجرت پر لینا کیونکہ یہ اجارہ دودھ پر واقع ہوا اور دودھ عین ہے لیکن شرع خلاف قیاس اس کی اباحت پر وارد ہے لہٰذا یہ حکم اپنے مورد پر بندر ہے گا(ت)

فتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ ودر مختار ورد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور فتاوٰی فقیر میں اس کی کامل تفصیل وتنقیح۔ اور اگر اس سے قطع نظر ہی کریں تو **اولاً**: اراکین کی وہ تحریر صرف ایک وعدہ تھی اور وفائے وعدہ پر جبر نہیں **کما فی الاشباہ و الهندیة وغیرهما** (جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت)

ثانیاً: وہ وعدہ بھی لفظ ان شاء اللہ کے ساتھ تھا جو حلف کے اثر کو بھی باطل کردیتا ہے۔

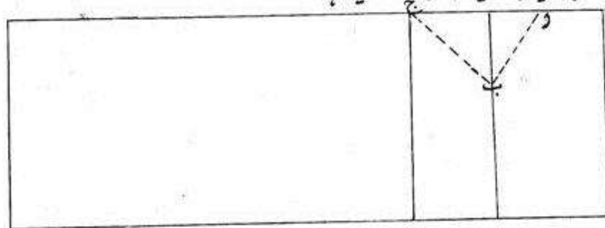
ثالثاً: اراکین کو کوئی اختیار نہ تھا نہ ہے کہ وقف کے نقصان کا وعدہ کرلیں اور اپنے وعدہ کے نباہ کے لئے وقف کا نفع کھوئیں۔

بالجملہ وہ تحریر تو محض مہمل اور یہ رائج ٹھیکہ باطل وحرام ہے، اراکین کو چاہئے کہ دیہات میں جس وقت سال تمام ہوتا ہے اس وقت نظر کریں کہ بعض مزارعین سے پٹہ کی میعاد باقی ہے یا سب کی ختم ہوگئی یا کل یا بعض ایسے ہیں جن سے کسی میعاد معین کا معاہدہ نہ ہوا سال بسال زراعت کرتے اور اجرت دیتے ہیں، یہ تین صورتیں ہیں۔ صورت دوم میں تو ظاہر ہے کہ زمین دیہہ اجارہ سے پاک وخالص ہوگئی، اور صورت سوم میں تمام مزارعوں کو اطلاع دے دیں کہ سال آئندہ زمین ہماری طرف سے تم کو اجارہ میں نہ دی جائے گی بلکہ ہم کل زمین دیہہ فلاں مستاجر کو اجارہ دیں گے اس کی طرف سے تم کو بدستور اجارہ ملے گی جس سے تمہارے معمول میں فرق نہ آئے گا یوں زمین دیہہ خالص ہوجائے گی، صورت اول میں البتہ دقت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جس جس کی میعاد باقی ہے اسے بلا کر سمجھایا جائے

کہ ہم صحت شرعی کے لئے یہ کارروائی کرتے ہیں جس کا کوئی اثر تمہارے خلاف نہ پڑے گا تم زبانی کہہ دو کہ ہم نے بقیہ میعاد کے اجارہ زمین سے دست برداری کی، اس سے تمہیں ضرر نہ ہوگا زمین بدستور تمہیں کو ملے گی کاغذی عملدرآمد میں تبدیل نہ ہوگی شرعی طور پر سال آئندہ سے ہمارے بدلے فلاں مستاجر سے تم کو زمین اجارہ میں ملے گی جب وہ اس پر راضی ہو کر فسخ اجارہ کر دیں یوں تمام زمین خالص ہو جائے گی، بعد مستاجر سے کہا جائے کہ ہم نے اس تمام دیہہ کی زمین پانچ برس کے لئے فی سال اتنے روپے کے عوض تمہارے اجارہ میں دی وہ قبول کرے یہ عقد صحیح وجائز شرعی ہوگا اور زرٹھیکہ وقف کے لئے حلال ہوگا جو بچا مستاجر کے لئے حلال ہوگا ورنہ طرفین گنہگار، اور نشست کم ہوئی تو اصل منافع موجودہ سے جتنا زائد آئے گا وقف کے لئے حرام ہوگا وہ ملک مستاجر ہے اور نشست زیادہ ہو تو جتنا بچا وہ مستاجر کے لئے حرام ہوگا وہ مال وقف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۰: مسئولہ ظہور الدین صاحب وکیل بریلی محلّہ خواجہ قطب ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر زیر تجویز ہے جس کی اوپر کی منزل پر تعمیر ہونا قرار پایا ہے لیکن مسجد کو وسیع بنانے اور اس کا ٹھیک رخ قائم کرنے میں ایک جز ومکان دوسرے شخص کا بھی آتا ہے یہ جز وایک چھوٹے مثلث کی شکل میں ہے یہ شخص مالک مکان اس مثلث کو وقف کرنے کو تیار ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ تعمیر مسجد جو اوپر بنے گی نیچے کے قطعہ مثلث کو اس کو دوامی طور پر کرایہ یا چانٹی پر دے دیا جائے تاکہ وہ شخص اس پر تعمیر نیچے نیچے کرلے اس کا یہ خیال ہے کہ میرا مکان جو مثلث قطعہ دینے سے کوٹھا ٹوٹ کر ناقص ہو جائے گا پھر نیچے نیچے کوٹھے کی تعمیر کرنے سے درست رہے زمین موقوفہ رہے گی اور اس کا کرایہ وہ ادا کیا کرے گا، ذیل میں ایک نقشہ بغرض سہولت فہم بنادیا گیا ہے جس میں ا، ب، ج سے اراضی استفتا طلب دکھائی ہے آیا بعد وقف کے اس کو اراضی اس طور سے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں کرایہ ضرور مسجد میں صرف ہوگا، نقشہ یہ ہے:



الجواب:

وہ شخص اپنا خاص جزو مکان اس مسجد کے نام وقف کردے اور وقف نامہ رجسٹری کرادے پھر مصارف مسجد کے لئے یہ خاص ٹکڑا اس شخص کو اجرت مثل پر اجارہ میں دے دیا جائے اور ہر تین سال کے بعد کرایہ نامہ کی تجدید کی جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وقف کرتے وقت وقفنامہ میں متولی مسجد کو یہ اجازت لکھ دے کہ یہ خاص ٹکڑا زیادہ مدت کے لئے بھی مجھ کو اجارہ میں دیا جاسکے اس صورت میں تین سال کی قید نہ رہے گی مگر وقف کیلئے زیادہ احتیاط اسی پہلی صورت میں ہے، درمختار میں ہے:

یراعی شرط الواقف فی اجارتہ فلو اھمل الواقف مدتھا قیل تطلق الزیادۃ للقیم وقیل تقید بسنۃ مطلقًا، وبھا ای بالسنۃ یفتی فی الدار وبثلاث سنین فی الارض الا اذا کانت المصلحۃ بخلاف ذلک[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف کے اجارہ میں شرط واقف کو ملحوظ رکھا جائے گا اگر واقف نے مدت اجارہ کا تعین نہیں کیا تو ایک قول یہ ہے کہ متولی کے لئے زیادتی کی اجازت مطلق رکھی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کے ساتھ مقید ہوگی اور ایک سال کی مدت پر ہی فتوٰی دیا جائے گا، مکان کے بارے میں اور تین سال کی مدت پر فتوٰی دیا جائے گا زمین کے بارے میں سوائے اس کے کہ مصلحت اس کے خلاف میں ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۱: از پیلی بھیت محلّہ کھکرا مرسلہ حمید الدین خان صاحب کارندہ اکبری بیگم ٦ رمضان مبارک ١٣٢٦ھ

قبلہ دوجہاں وکعبہ دین وایماں دامت برکاتہم بعد تمنائے قدمبوسی عارضی، بی بی صاحبہ نے جائداد وقف کی ہے وارث سے اندیشہ ہے کہ بعد وفات منسوخ کراکر قبضہ مالکانہ کریں حضور سے دریافت کیا کہ یہ تحریر شرعًا درست ہے اگر اس میں کوئی شک ہے تو دوسرا کاغذ رجسٹری کرادیا جائے، وقف نامہ معہ صہ/ کے اسٹامپ پر تحریر ہے اس کی نقل واسطے ملاحظہ اقدس ارسال خدمت ہے جس وقت حضور کا جواب آئے گا تب داخل خارج کی درخواست دی جائے گی بی بی صاحبہ نے اپنی دوسری جائداد سے حصہ وارثان کو دے دیا ہے، یہ جائداد وقف کی ہے۔ **(وقف نامہ)**

خلاصہ وقف نامہ: میں اکبری بیگم فارسی خواندہ بنت عبدالرشید خاں مرحوم ساکنہ پیلی بھیت محلّہ کھکرا بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی خوشی سے اس وقت اپنی جائداد حسبۃً للہ واسطے مصارف

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٦

خیر اطعام مساکین و پارچہائے سرماو گرمائے مساکین و تجہیز و تکفین غربائے اسلام و جہیز دختران مساکین و صرف خیر مساجد ومدارس دینی وحرمین شریفین زادہمااللہ شرفاً وتعظیماً وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں تاحیات خود متولی رہوں گی بعد میرے فیاض الدین احمد خاں، بعد ان کے ان کی اولاد ذکور جو پابند شرع شریف ہو بمعیت حکیم خلیل الرحمٰن خاں و مولوی وصی احمد صاحب رہیں گے، متولیان سو روپے سال اصغری بیگم کو جو میری چھوٹی بہن ہے دیتے رہیں بعد ان کے ان کی اولاد ذکور کو جو پابند شرع شریف ہو دیتے رہیں نیز یہ بھی شرط ہے کہ میری رائے میں بحالت تولیت میری اس حقیت کا بیع یا رہن کرنا یا ٹھیکہ دینااور اس سے دوسری جائداد یا اور کوئی شے مفید واسطے منافع اغراض وقف کے خرید کرنا ضرور معلوم ہو تو ایسا کرنے کا حسب شرائط دستاویز ہذا مجھے اختیار ہوگااس لئے کہ موت کاوقت مقرر نہیں ہے لہذاانتظاماً واحتیاطاً یہ وقف نامہ لکھا گیاافضل خیرات شرعاً یہ ہے کہ جائداد مذکورہ کسی قیمت مناسب پر فروخت کرکے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرتی، لہذا تاحیات اپنی مجھ کو اختیار ہوگا کہ جس وقت چاہوں فروخت کرکے حسب رائے خود خرچ کروں اور جو کچھ بعد میں باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ ہذا متعلق ہوں گے اگر میری حیات میں متولیان سے کوئی فوت ہوجائے تو مجھ کو متولی مقرر کرنے کاخود اختیار ہوگا، متولیان کو چاہئے ۱/سال بطور خیرات تاحیات اس کے مسماۃ بنی کو جو اس وقت میرے پاس ہے بعد میرے دیا کریں گے بعد وفات اس کے یہ روپیہ دیگر خیرات میں شامل کیا جائے اگر خدانخواستہ ملک حجاز اپنی بدقسمتی سے نہ پہنچ سکوں تو میری قبر کسی بزرگ کے قریب بنوائی جائے اور محفوظ ممیّز کردی جائے اور ایصال ثواب قرآن شریف وکلمہ ودرود میں ۲ سال تک خرچ کیا جائے چونکہ آمدنی جائداد کی تعیین نہیں ہوسکتی میری رائے میں منہائے اخراجات متعلق جائداد کے ایک ثلث حرمین شریفین میں واسطے خیرات کے دیا جائے، اور ایک ثلث طلبائے علم دین ومصارف مساجد پیلی بھیت ومدرسہ عربی واقع پیلی بھیت، ایک ثلث فقراء ومساکین واطعام وغیرہ، اور واسطے ایصال ثواب شاہ محمد شیر صاحب کے ۲/روپے سالانہ یا جس قدر زائد گنجائش ہو کیا جائے مجھے حکام سے امید ہے کہ بوقت دورہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی فرمادیں، متولیان کے پاس رجسٹر حساب جمع خرچ باقاعدہ درست رہنا ضرور ہے، میرے وارث یا قائم مقام کو اس کے تبدیل تغیر کا اختیار نہ ہوگا۔ لہذا یہ وقف نامہ بتعین مالیت **معمہ ھما** روپیہ دیا کہ سند ہو۔ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۶ء رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

یہ کاغذ باطل محض ہے اس میں انشائے وقف کے دو ۲ جملے ہیں:

اوّل: وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں اور راس میں یہ شرط لگائی کہ اسے بیچ کر جائداد یا اور کوئی شے مفید اغراض وقف خرید کرنے کا مجھے اختیار ہوگا شرط استبدال اگرچہ جائز ہے مگر یوں کہ اس کے عوض دوسری جائداد ہی لی جائے جو انہیں مقاصد پر وقف ٹھہرے نہ کہ علاوہ جائداد مطلقاً جو شے چاہے جیسا کہ اس کاغذ میں تحریر ہے ایسی شرط سے وقف باطل ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا شرط فی اصل الوقف ان یستبدل بہ ارضا اخری اذا شاء فتکون وقفا مکانہا، فالوقف والشرط جائز ان عند ابی یوسف وکذالو شرط ان یبیعہا ویستبدل بثمنہا مکانہا، وفی واقعات القاضی الامام فخر الدین قول ھلال مع ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوٰی کذافی الخلاصۃ، وان قال علی ان ابیعہا بما بدا لی من الثمن من قلیل اوکثیر او علی ان ابیعہا و اشتری بثمنہا عبدا او قال ابیعہا ولم یزد علی ذلک، قال ھلال ھذاالشرط فاسد یفسد بہ الوقف کذافی فتاوی قاضی خان، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارا، لہ ان یستبدل بجنس العقار ماشاء	اگر واقف نے اصل وقف میں یہ شرط عائد کی کہ جب چاہے گا اس زمین کے بدلے دوسری زمین لے گا اور وہ اس پہلی زمین موقوفہ کی جگہ وقف ہوگی تو امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقف وشرط دونوں جائز ہیں، اور اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن کے بدلے دوسری زمین خریدے گا جو اس کی جگہ وقف ہوگی تو بھی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال علیہ الرحمۃ کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتوٰی ہے یہ خلاصہ میں ہے، اور اگر واقف نے اصل وقف میں یوں کہا کہ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ میں اس وقف کو اپنی رائے کے مطابق کثیر یا قلیل ثمن کے بدلے فروخت کروں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر میں اس کو فروخت کروں گا، اور اس کے ثمن کے بدلے غلام خریدوں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر کہ میں اس کو فروخت کروں گا اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو شیخ ھلال نے فرمایا کہ یہ شرط فاسد ہے اور اس سے وقف فاسد ہوگا یہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اور اگر اس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ بیان نہ کیا اس کے بدلے زمین یا دار لے گا تو اس کو اختیار

من دار اوارض کذافی الخلاصة، واذاقال علی ان استبدل ارضا اخری لیس له ان یجعل البدل دارا و کذا علی العکس کذافی فتح القدیر[1] وذکر الخصاف فی وقفه لو شرط ان یبیعها ویصرف ثمنها الی مارأی من ابواب الخیر فالوقف باطل کذافی الذخیرة[2]۔	ہوگا کہ جنس عقار سے جو چاہے اس کے بدلے میں لے لے چاہے زمین یا مکان، یوں ہی خلاصہ میں ہے۔ اور اگر اس نے کہا اس شرط پر کہ میں اس کے بدلے دوسری زمین لوں گا تو اب اس کے بدلے مکان نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسکا عکس کرسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، امام خصاف نے اپنی وقف میں ذکر فرمایا کہ اگر واقف نے یہ شرط کی کہ میں وقف کو فروخت کرکے ثمن کارہائے خیر میں جہاں چاہوں گا خرچ کروں گا تو وقف باطل ہوگا، ذخیرہ میں یونہی ہے۔ (ت)

دوم: جو کچھ بعد میرے باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ متعلق ہوں گے اس کا حاصل یہ ہے کہ فی الحال اس جائداد کا کوئی حصہ وقف نہیں میں جب چاہوں بیچوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں میرے بعد اس بیع وخرچ سے کچھ باقی بچے تو وہ وقف ہو، ظاہر ہے کہ یہاں کچھ معلوم نہیں کہ بعد زندگی اس کے بیع وخرچ سے کوئی حصہ جائداد باقی رہے یا کچھ نہ رہے اور رہے تو کیا اور کس قدر، تو یہ ایک مجہول چیز کا وقف کرنا ہوا اور مجہول کا وقف باطل ہے پھر وہ بھی ایک احتمال بات پر معلق رہا اور ایسی تعلیق کا وقف باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

شرطه ان یکون قربة فی ذاته معلوما لامعلقا الا بکائن[3]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہو اور معلوم ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حتی لووقف شیئا من ارضه ولم یسمه لایصح و لو بین بعدذٰلک[4]۔	یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیا اور اس کو متعین نہ کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد میں بیان کردے (ت)

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰۔۳۹۹

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۲

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

اسی میں اسعاف سے ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالخطر [1]۔	وقف ایسی شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا جو محتمل الہلاک ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو قال اذا مت من مرضی ھذا فقد وقفت ارضی الیٰ اٰخرہ فمات لم تصر وقفا [2]۔	جب کہا کہ اگر میں اپنی اس مرض میں مرگیا تو میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی، پھر مرگیا تو زمین وقف نہ ہوئی (ت)

اس کے بعد جو لکھا کہ حکام سے امید ہے کہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی کریں اور اخیر میں کہا کہ یہ وقف نامہ لکھ دیا اور متولیوں کو مصارف بتائے ان میں کسی سے انشائے وقف نہ مقصود ہے نہ مفہوم بلکہ یہ سب اپنے اسی خیال کی بناپر ہے کہ اسے وقف سمجھا حالانکہ وہ شرعاً ہنوز وقف نہ ہوئی اور غلط خیالی کی بناپر جو الفاظ کہے جائیں کچھ اثر نہیں رکھتے، اشباہ قاعدہ لاعبرۃ بالظن البین خطوہ میں ہے:

لواقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ [3]۔	اگر کسی نے مفتی کے فتوی دینے کی وجہ سے وقوع طلاق کا گمان کرتے ہوئے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار کیا پھر اس کا عدم ظاہر ہوگیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

پس اس طالبہ ثواب کو چاہئے کہ اسے از سر نو وقف فرمائے اور بعد موت پر معلق نہ کرے کہ وہ اس میں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو تو پھر وارثوں کی اجازت کا جھگڑا ہے اور واقفہ استبدال کی شرط لگانا چاہے تو اختیار ہے مگر صرف اس طرح کہ اسے دوسری جائداد سے بدل لیں خواہ بیچ کر اس کے عوض دوسری جائداد خرید لیں، اور اب وہ دوسری فوراً انہیں شرائط پر وقف ہو جائے گی، اور ماورائے جائداد کسی اور چیز سے تبدیل کا ذکر ہرگز نہ ہو ورنہ وقف جاتا رہے گا، اور یہ خیال نہ کریں کہ اپنی حیات میں بیچ کر خرچ کردوں تو ثواب زیادہ ہے، نہیں بلکہ اپنی حیات میں وقف کامل کریں اور شرط کرلیں کہ زندگی بھر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۳

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۴

اس کے تمام مصارف میرے ہاتھ سے ہوں گے اور میری رائے واختیار پر رہیں گے میرے بعد فلاں فلان متولی ہوں اور اتنا اتنا فلاں مصرف میں صرف کیا کریں یوں اپنی رائے سے زندگی بھر جیسا چاہے صرف کا اختیار رہا اور بعد کو بھی تابقائے جائداد ثواب پہنچا کیا۔ عالمگیری میں ہے:

رجل ارادان یجعل ماله بوجه القربة فبناء الرباط للمسلمین افضل من عتق الرقاب لانه ادوم، وقیل التصدق علی المساکین وقلت قد کنا قلنا لمن اراد ذٰلك ان یشتری الکتب ویضع فی دارالکتب لیکتب العلم لانه ادوم، فکان افضل من غیره ولوارادان یتخذ داراله وقفا علی الفقراء، فالتصدق بثمنها افضل ولوکان مکان الدار ضیعة فالوقف افضل کذا فی المضمرات[1]۔ (ملخصًا)	ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنا مال قرب الٰہی میں کردے تو اس کا مسلمانوں کے لئے رباط بنانا غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے کیونکہ رباط کو دوام زیادہ ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کو مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے اور تحقیق ہم نے ایسا ارادہ کرنے والے کو کہا تھا کہ وہ کتابیں خرید کر لائبریری میں رکھے کیونکہ اس میں زیادہ دوام ہے لہٰذا یہ اپنے غیر سے افضل ہے اور اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر فقیروں پر وقف کردے تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر بجائے گھر کے زمین موقوف ہو تو وقف افضل ہے، ایسے ہی مضمرات میں ہے (ملخصًا)۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

رجل جاء الی المفتی وارادان یتقرب الی الله تعالٰی بداره فسأل ابیعها واتصدق بثمنها اواشتری بثمنها عبیدا فاعتقهم او اجعلها دارالمسلمین ای ذٰلك یکون افضل، قالوا یقال له ان بنیت رباطا وتجعل لها وقفا ومستغلا لعمارتها فالرباط افضل فانه ادوم و اعم نفعا، وان لم تجعل للرباط مستغلا	ایک مفتی کے پاس ایسا شخص آیا جو اپنے گھر کے ذریعے الله تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن صدقہ کروں یا اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کروں یا اس کو مسلمانوں کے لئے گھر کردوں ان میں سے کیا افضل ہے تو مشائخ نے کہا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تو رباط بنا کر اس کی آمدنی کے لئے کوئی شے وقف کردے تو رباط افضل

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۸۲۔۴۸۱

للعمارۃ فالافضل ان تبیع وتتصدق بثمنه علی المساکین[1]۔	ہے کیونکہ اس میں دوام زیادہ اور اس کا نفع عام ہے اور اگر تو رباط کی آمدنی کے لئے کوئی چیز وقف نہ کرسکے تو پھر اس کو فروخت کرکے ثمن مسکینوں پر صدقہ کرنا افضل ہے(ت)

عالمگیریہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ودون ذٰلك فی الفضل ان یشتری بثمنها عبیدًا فیعتقهم کذافی الظهیریۃ[2]۔	اور اس سے کمتر فضیلت اس میں ہے کہ اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کردے۔ ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔(ت)

وجیز کردری پھر بحرالرائق پھر ہندیہ میں ہے:

وقف الضیعۃ اولی من بیعها والتصدق بثمنها[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قطعہ اراضی کو وقف کرنا اس کو بیچ کر ثمنوں کو صدقہ کرنے سے اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۲: از شہر چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۲۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ دستاویز "ا" جائز ہے یانہیں؟ اور اگر ہے تو یہ تملیک نامہ میں شمار ہوگی یا وقف نامہ میں یا تولیت نامہ میں؟ دوسرے یہ کہ زید نے دستاویز "ب" اپنے پسر عمرو کو اسی مضمون کو پلٹ کر لکھ دی تو متولی یا مہتمم کو اختیار تھا یانہیں؟ اب چونکہ زید کا انتقال ہوگیا جس کی نسبت لکھا تھا کہ زید تاحیات متولی رہے گا بعد اس کے جو متولی یا سجادہ یا مہتمم ہوگا یکے بعد دیگرے اس کو بھی پابند اس تحریر کا رہنا ہوگا اب چونکہ دو دعویدار پیدا ہوئے ایک بکر خاندانی بزرگ جس کی عمر تخمیناً ۷۵ سال کی ہے اور مرید بھی کرتے ہیں دوسرا زید کا لڑکا عمرو جو مرید نہیں کرتا ہے جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے جس کے حق میں دستاویز "ب" متولی نے تحریر کی ہے اب ان ہر دو میں ترجیح کس کو ہے اور کون مستحق جانشینی کا ہے اور متولی اور سجادہ نشیں جداجدا ہونا چاہئے یا ایک ہی شخص مستحق ہے بموجب تحریر متذکرہ کے؟

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجداً الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

الجواب:

دونوں دستاویزیں سنیں اول وقفنامہ ہے اگرچہ غلطی سے اسے تملیک نامہ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے: "میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل اراضی ومکان وغیرہ مذکورہ بالا کو اپنی ملکیت سے جدا کرکے واسطے امور واغراض مذہبی متذکرہ آئندہ کے تملیک کرکے اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو اور میرے کسی وارث شرعی کو نسبت جائداد مذکور کے دعوی نہ ہوگا ننھے خاں اپنی حیات تک متولی جائداد مذکور کے رہیں گے اور ان کے بعد جو شخص سجادہ نشیں یکے بعد دیگرے میرا ہوگا سجادہ نشین ومتولی جائداد مذکور کا رہے گا کسی متولی کو کسی وقت رہن وبیع کسی قسم کے انتقال کا اختیار نہ ہوگا یہ جائداد تملیک شدہ بطور وقف خاص مذہبی کام کے متصور ہوگی، اس میں کبھی وراثت جاری نہ ہوگی" تو شک نہیں کہ وقف نامہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دستاویز "ب" کے ملاحظہ سے ظاہر کہ زید نے جو اصل واقف کا مقرر شدہ متولی تھا اپنی حالت حیات وصحت میں تولیت سے دستکشی کرکے اپنے بیٹے کو جانشین ومتولی کیا شرعاً اسے کچھ اختیار نہ تھا،

اولاً: متولی کو جائز نہیں کہ اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرے جب تک کہ واقف نے صراحۃً اسے اس کا اختیار نہ دیا ہو اور یہاں اسے اس کا اختیار نہ دیا تھا بلکہ عبارت وقف نامہ سے صاف ظاہر کہ واقف نے تاحیات زید اسی کا متولی رہنا لکھا اس کے بعد اوروں کی جانشینی تحریر کی، درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح، والافان فوض فی صحتہ لایصح[1]۔	متولی نے اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا تو اگر اس کو شرط واقف کے ذریعے تفویض عام حاصل ہے تب تو صحیح ہے ورنہ حالت صحت میں تفویض صحیح نہ ہوگی (ت)

ثانیاً: پسر زید کی جانشینی بھی خلاف شرط وقف نامہ عمل میں آئی جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے لہذا دستاویز "ب" محض مہمل وناقابل عملہ ہے تحریر وقف نامہ سے روشن ہے کہ متولی وسجادہ نشین ایک ہی شخص ہو اور اس کی نسبت واقف نے کوئی تعیین نہ کی تو مصالح شرعیہ دینیہ کے اعتبار سے اقربائے واقف میں سے جو شخص سنی پرہیزگار، دیندار، دیانتدار علماء وصلحائے اہلسنت کے اتفاق رائے سے اس کام کے لئے

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

زیادہ مناسب ہو وہی سجادہ نشین ومتولی کیا جائے، علم، تقوٰی ودیانت واہلیت کا لحاظ سب سے مقدم ہوگا اور جب تک اقارب واقف میں سے ایسا مل سکے اجنبیوں میں سے نہ کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

ومادام احد یصالح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[1]۔	جب تک وقف کرنیوالے کے اقارب میں کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھنے والا موجود ہے کسی اجنبی کو متولی وقف نہیں بنایا جائے گا۔ واقف کے قریبی رشتہ دار متولی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے۔ (ت)

عرفاً اس سلسلے کا مجاز وماذون ہونا بھی ضرور ہے اگر ان سب باتوں میں مساوات ہو تو باعتبار سن ترجیح ہوگی،

کمانصوا ان الاحق بالامامۃ اعلمھم بالکتاب و السنۃ ثم وثم وثم اسنھم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ مشائخ نے نص فرمائی کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم امامت کا زیادہ حقدار ہے پھر فلاں، پھر فلاں پھر ان میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ:

سولھویں جلد کتاب الشرکۃ وکتاب الوقف پر ختم ہوئی،

سترہویں جلد کا آغاز کتاب البیوع سے ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الہدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۱، درمختار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲